تفسیر

انوار الفرقان

از جناب: الحاج مولانا مشتاق حسین شاہدی

قصرِ مسیّب، رضویہ سوسائٹی، کراچی نمبر ۱۸ پاکستان

بسمہ تعالیٰ

تفسیر انوار الفرقان

(مختلف مواقع پر دیئے گئے درسہائے تفسیر)

از

جناب حجۃ الاسلام مولانا مشتاق حسین شاہدی صاحب

قصر مسیب رضویہ سوسائٹی، کراچی ۱۸ پاکستان۔

پارۂ عَمَّ (پ۳۰)

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر
۱	سورہ النباء	۷	۲۰	سورہ القدر	۲۲۶
۲	سورہ النازعات	۲۴	۲۱	سورہ البینہ	۲۴۲
۳	سورہ عبس	۴۲	۲۲	سورہ الزلزال	۲۵۴
۴	سورہ التکویر	۵۳	۲۳	سورہ العادیات	۲۵۸
۵	سورہ الانفطار	۶۸	۲۴	سورہ القارعہ	۲۶۵
۶	سورہ التطفیف	۷۹	۲۵	سورہ التکاثر	۲۷۳
۷	سورہ الانشقاق	۹۳	۲۶	سورہ العصر	۲۷۹
۸	سورہ البروج	۱۰۱	۲۷	سورہ الہمزہ	۲۸۴
۹	سورہ الطارق	۱۱۲	۲۸	سورہ الفیل	۲۸۸
۱۰	سورہ الاعلیٰ	۱۲۱	۲۹	سورہ القریش	۲۹۱
۱۱	سورہ الغاشیہ	۱۳۳	۳۰	سورہ الماعون	۲۹۵
۱۲	سورہ الفجر	۱۴۴	۳۱	سورہ الکوثر	۲۹۹
۱۳	سورہ البلد	۱۶۱	۳۲	سورہ الکافرون	۳۰۸
۱۴	سورہ الشمس	۱۷۳	۳۳	سورہ النصر	۳۱۲
۱۵	سورہ اللیل	۱۸۵	۳۴	سورہ اللہب	۳۲۹
۱۶	سورہ الضحیٰ	۱۹۳	۳۵	سورہ الاخلاص	۳۳۳
۱۷	سورہ الانشراح	۲۰۱	۳۶	سورہ الفلق	۳۵۰
۱۸	سورہ التین	۲۰۹	۳۷	سورہ لناس	۳۵۵
۱۹	سورہ العلق	۲۱۶			

قرآنِ حکیم

تلاوت ـــــــ فضیلت

قرآن حکیم وہ الہامی کتاب ہے کہ جو آج سے چودہ سو برس قبل پیغمبر اسلام پر ایسے وقت و ماحول میں نازل ہوئی کہ جب سابقہ الہامی کتب و صحائف اپنی اصلی صورت کھو چکے تھے اور انبیاء و رسل کی تعلیمات اُن کی قوم و امت کے ہاتھوں مسخ ہو چکی تھیں اور صدیوں سے کرۂ ارض پر کفر و جہالت اور ظلم و بربریت کی گہری تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں اور ہر طرف انسانیت و شرافت پامال ہو رہی تھی ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ سینا کے بیابان کا خداوند اور کوہِ زیتون کی روح القدس پھر سے گویا ہو اور آسمانی برکتوں کے خزانوں کی بارش کا جو فیض رک گیا تھا، پھر سے جاری ہو، ایسے ہی وقت میں عرب کی وادئ بطحا سے رشد و ہدایت اور علم و عرفان کا سورج طلوع ہوا یعنی کوہِ زیتون کی روح القدس پھر سے گویا ہو اور آسمانی برکتوں کے خزانوں کی بارش کا جو فیض رک گیا تھا، پھر سے جاری ہو، ایسے ہی وقت میں عرب کی وادئ بطحا سے رشد و ہدایت اور علم و عرفان کا سورج طلوع ہوا۔ یعنی کوہِ فاراں سے آفتاب نبوۃ کتاب ہدایت کے ساتھ طلوع پذیر ہوا جس کے طلوع ہوتے ہی ساری کائنات ارضی و سماوی نورِ الٰہی سے جگمگا اٹھی اور جس کی ضیا پاشیوں نے تھوڑے ہی عرصے میں کفر و جہالت اور ظلم و معصیت کی تاریکیوں کو دور کر کے سرزمین عرب کو علم و ہدایت کے نور سے منور کر دیا۔ پیغمبر انسانیت نے اپنی سیرت و کردار اور معجزانہ تعلیمات سے ایسا فکری و عملی انقلاب پیدا کیا کہ کفر و جہالت کی پستیوں میں زندگی بسر کرنے والی قوم اقوام عالم کی رہبری کرنے لگی۔ پیغمبر اسلام نے دنیائے انسانیت کو قیامت تک کیلئے ایسا ضابطۂ حیات عطا کیا کہ جو انسانیت کی سربلندی اور معراج کا ضامن ہے یہ ضابطۂ حیات وہ صحیفۂ آسمانی یعنی قرآن حکیم ہے کہ جسے خلاقِ عالم نے بطور اعجاز نازل کیا جو اپنے الفاظ و اعجاز کے ساتھ آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ گذشتہ الہامی صحیفے و کتب بصورت اعجاز نازل نہیں ہوئے جس کی بنا پر ان کی آیات و عبارات خود غرض و دنیا پرست انسانوں کے دستِ خیانت سے محفوظ نہ رہ سکیں چنانچہ آج سابقہ تمام الہامی کتب اپنی اصلی صورت و حالت میں باقی نہیں ہیں لیکن یہ فضیلت و خصوصیت قرآن حکیم کو حاصل ہے کہ جو مکمل طور پر آج تک محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا کیونکہ اسے نازل کرنے والے نے اس کی حفاظت و بقا کا واضح طور پر اعلان کیا ہے اس لئے کہ پیغمبر اسلام خدا کے آخری نبی و رسولؐ اور قرآن حکیم خدا کی آخری کتاب اور مکمل ضابطۂ حیات اور پیغمبر اسلام کی نبوۃ کی تصدیق کیلئے ابدی معجزہ ہے کہ جس کے دامن میں قیامت تک کے انسانی زندگی کے مسائل کا حل سمو دیا گیا ہے۔ یہ کتاب الفاظ و عبارات اور معانی و مطالب اور حقائق و معارف کے لحاظ سے معجزہ ہے اس کے فضائل و فوائد اور حقائق و معارف لامحدود ہیں۔ یہ تطہیر نفس کے لئے علم و حکمت کا سرچشمہ اور نسخۂ کیمیا ہے یہ کائنات خداوند عالم کا فعل اور قرآن حکیم خداوند عالم کا قول کریم ہے۔ اس میں ماضی و حال اور استقبال کے تمام حقائق پوشیدہ ہیں۔ یہ علوم و معارف کا ایسا سمندر ہے کہ جس کی گہرائیوں کی انتہا نہیں باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ "قرآن حکیم کا ظاہر دلکش اور باطن دور رس ہے اس کے عجائب و غرائب غیر فانی اور بعید و بے پایاں ہیں کفر و جہالت کی تاریکیاں صرف اسی سے دور ہو سکتی ہیں"۔ یہ کتاب بشر کی سعادت کی ضامن ہے اور تکوین و فطرت کے اسرار کا انکشاف کرتی ہے۔ یہ اجتماعیت و سیاست کے علوم کا جامع صحیفہ ہے۔

حضرت علیؑ نے اپنے ایک خطبے میں قرآن حکیم کا تعارف کرتے ہوئے فرمایا:۔ "یقیناً یہ قرآن وہ بہترین ناصح ہے جو کبھی دھوکا

نہیں دیتا اور ایسا بہترین ہادی ہے کہ جو کبھی راہ گم نہیں کرتا اور ایسا بیان کرنے کرنیوالا ہے کہ جو کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور جو قرآن کا ہمنشین ہوا وہ ہدایت میں اضافے اور گمراہی میں کمی کے ساتھ اٹھا اور یقین جانو کہ قرآن حکیم کی تعلیم کے بعد کوئی فقر نہیں اور قرآن حکیم کی تعلیم سے قبل قرآن جیسی کوئی دولتمندی نہیں۔ قرآن حکیم سے امراض (ظاہر و باطنی) کیلئے شفا حاصل کرو اور مصائب کو دفع کرنیکے لئے اسی سے مدد طلب کرو۔ اور اسی کے ذریعہ اللہ سے دعا مانگو یقیناً یہی سخت امراض کفر و نفاق اور سرکشی و گمراہی کا واحد علاج ہے۔ اللہ سے اسی کے ذریعہ دعا مانگو اور اسی کی محبت کے ساتھ آگے بڑھو' اور اس کے ذریعہ خدا کی مخلوق سے بھیک نہ مانگو۔ کیونکہ بندوں کی (خدا کی طرف) توجہ کیلئے اس جیسا کوئی ذریعہ نہیں ہے یقین رکھو کہ یہ وہ شفاعت کرنیوالا ہے کہ جس کی شفاعت مقبول ہے اور ایسا بولنے والا ہے کہ جس کی بات تصدیق شدہ ہے۔ اور بروز محشر قرآن نے جس کی شفاعت کردی اس کی شفاعت مقبول ہوئی۔"

ایک اور خطبہ میں قرآن حکیم کے فضائل بیان کرتے ہوئے حضرت علیؑ نے فرمایا "پھر اللہ نے اُن پر وہ کتاب نازل کی جو ایک نور ہے جس کی قندیلیں خاموش نہیں ہوتیں اور جس کے چراغوں کی روشنی مدھم نہیں ہوتی اور یہ کتاب ایسا سمندر ہے کہ جس کی گہرائی تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور ایسا راستہ ہے کہ جس کا چلنے والا کبھی بھٹکتا نہیں اور ایسی اشعاع ہے کہ جس کی روشنی پر تاریکی کا غلبہ نہیں ہو سکتا' اور ایسا فرقان (حق و باطل میں فرق کرنیوالا) ہے کہ جس کی دلیل مغلوب نہیں ہوتی اور ایسا غلبہ ہے کہ جس کے انصار کبھی ہارتے نہیں۔ اور ایسا حق ہے کہ جس کے معاون ساتھ نہیں چھوڑ جاتے وہ کتاب ایمان کا قلب و جگر اور علم کے سرچشمے اور عدل کے باغات و آبشارات اور اسلام کی اساس و بنیاد اور حق کی وادیاں اور قرارگاہیں ہے' اور وہ ایسا بحر (بیکراں) ہے کہ جسے استفادہ کرنے والے ختم نہیں کر سکتے اور ایسا چشمہ ہے کہ جسے فائدہ حاصل کرنیوالے خشک نہیں کر سکتے اور ایسا گھاٹ ہے کہ جو پینے سے کم نہیں ہوتا۔ اور ایسی منازل ہیں کہ مسافران کا راستہ نہیں بھولتے اور ایسے نشان ہیں کہ جن کو رہگزر گم نہیں کرتا اور ایسی بلندیاں ہیں کہ جن کا قصد کرنے والے تجاوز نہیں کر سکتے۔ خدا نے اسے علماء کی پیاس کی سیرابی اور فقہاء کے دلوں کی بہار اور نیکوں کے چلنے کا راستہ قرار دیا اور یہ ایسی دوا ہے کہ جسکے ساتھ مرض نہیں رہتا۔ اور یہ وہ نور ہے کہ جس کے ساتھ ظلمت نہیں رہتی۔ یہ مضبوط رسی اور مضبوط چار دیواری والا قلعہ ہے اور محب کیلئے عزت اور آنیوالے کے لئے امن اور اقتدا کرنیوالے کیلئے ہدایت اور نسبت حاصل کرنے والے کیلئے عذر ہے۔ اور جو اس کے ذریعے بولے اس کیلئے برہان اور جو اس کے سہارے پر کسی سے مقابلہ کرے اس کیلئے شاہد ہے اور جو اس کے ذریعہ کسی سے مناظرہ کرے اس کیلئے باعث کامیابی ہے (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۳)

پیغمبر اکرمؐ نے اپنے بعد کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا (ضرور فتنے ظاہر ہوں گے)۔ تو حضرت علیؑ نے عرض کیا پھر ان فتنوں سے تحفظ کیسے ہوگا۔ تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کتاب خدا کے ذریعہ کیونکہ اس میں گذشتہ اور آئندہ کی خبریں اور دور حاضر کے احکام موجود ہیں' یہ وہ فضل ہے کہ جس میں مسخرہ پن نہیں ہے۔ اسے خواہشات کج نہیں کر سکتیں اس سے علماء سیر نہیں ہوتے' یہ کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے اگر اسے کوئی سرکش چھوڑ دے گا تو خدا اسے پست و ذلیل کرے گا۔ اور جو اس کے غیر میں ہدایت طلب کرے گا' وہ گمراہ ہوگا یہ اللہ کی مضبوط رسی اور صراط مستقیم ہے جو اس پر عمل کرے گا ثواب پائیگا۔ جو اس کے ساتھ حکم کرے گا وہ عادل ہے جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے سیدھے راستے کی طرف بلایا۔ الخ۔

معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ تھا کہ میں نے عرض کیا کوئی نفع بخش ارشاد فرمائیے۔ تو پیغمبر اکرمؐ

نے فرمایا" اگر تم سعادت مندوں کی زندگی اور شہدا کی موت چاہتے ہو اور یہ کہ بروز قیامت نجات و کامیابی حاصل کرو اور حرارت و گرمی کے روز سایہ حاصل کرو اور گمراہی و تباہی کے روز ہدایت و نجات حاصل کرو تو قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرو کیونکہ یہ خدائے رحمان کا کلام ہے اور شیطان سے حفاظت کیلئے حفظ و امان ہے اور میزان عمل کو بھاری کرنے والا ہے۔"

قرآن حکیم کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے پیغمبر اسلام نے فرمایا" قرآن خدا کے سوا ہر شے سے افضل ہے جس نے قرآن کی عزت و توقیر کی اس نے خدا کی عزت کی اور جس نے قرآن کی عزت نہیں کی اس نے خدا کی عزت نہیں کی۔"

امام زین العابدینؑ نے فرمایا" قرآن علوم الٰہی اور معرفت الٰہی کا خزانہ ہے جب اس کے خزائن کو کھولو تو اس میں غور و فکر کرو اور اس نفع بخش دریا سے معرفت کے موتی حاصل کرو۔"

پیغمبر اسلام نے فرمایا" قرآن حکیم خدا اور بندے کے درمیان عہد نامہ ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئیے کہ روزانہ اس عہد نامہ میں دیکھے اور ہر روز پچاس آیات کی تلاوت کرے۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا" کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامے رہو کیونکہ یہی مضبوط رسی اور واضح روشن اور نفع بخش اور تمسک و تعلق رکھنے والے کے لئے بچاؤ و نجات کا ذریعہ ہے یہ کج نہیں کہ اصلاح کی محتاج ہو اس میں لغزش نہیں کہ حرف گیری ہو سکے زیادہ پڑھنے سے یہ کتاب پرانی نہیں ہوتی اور جس کا قول قرآن کے مطابق وہ سچا اور جس کا عمل قرآن کے مطابق وہ سبقت کرنے والا ہے۔"

حضرت انس صحابیؓ سے پیغمبر اکرمؐ نے ایک موقع پر فرمایا: صبح شام قرآن کی تلاوت سے غافل نہ رہو کیونکہ قرآن مردہ دل کو زندگی عطا کرتا ہے اور فحش و برے کاموں سے روکتا ہے۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا" مومن کو چاہیئے کہ اگر اس پر موت آئے تو قرآن پڑھا ہوا ہو یا پڑھنے میں مشغول ہو۔" پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا یہ قرآن خدائی مہمان ہے اس کی مہمانداری بقدر استطاعت سیکھو یہ خدائی رسی اور روشن نور ہے اور نفع بخش شفا دینے والا ہے لہٰذا اسے پڑھا کرو کیونکہ خدا تمہیں اس کے ہر ہر حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں عطا کرے گا۔ (الم) ایک نہیں تین حروف ہیں اس کی تلاوت پر تیس ۳۰ نیکیاں ہیں

ایک اور موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا" اپنے گھروں کو قرآن کی تلاوت سے منور کرو اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ کیونکہ انہوں نے اپنے گھروں کو ذکر الٰہی سے محروم کر دیا اور عبادت گاہوں تک ذکر الٰہی کو محدود کر دیا۔ یقیناً جس گھر میں قرآن کی تلاوت کثرت سے ہو گی اس میں خیر و برکت زیادہ ہو گی اور اس گھر والوں کے رزق میں وسعت ہو گی اور وہ گھر اہل آسمان کے لئے اس طرح چمکتا ہے کہ جس طرح زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔"

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا" یقیناً وہ گھر جس میں قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر الٰہی ہوتا ہے اس میں خیر و برکت زیادہ ہوتی ہے اور اس گھر میں فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور شیاطین اس گھر سے دور رہتے ہیں اور وہ گھر اہل آسمان کیلئے اس طرح چمکتا ہے جس طرح زمین والوں کیلئے روشن ستارہ چمکتا ہے اور یقیناً وہ گھر کہ جس میں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی اور نہ ہی ذکر الٰہی ہوتا ہے تو اس میں خیر و برکت کم ہوتی ہے اور اس گھر سے فرشتے دور رہتے ہیں اور شیاطین وہاں موجود رہتے ہیں۔"

امام علی رضاؑ نے فرمایا" اپنے گھروں میں تلاوت کیا کرو تو اہل خانہ کے مشکل کام آسان ہو جائیں گے اور اس گھر میں خیر و برکت

زیادہ ہوگی جس سے اہل خانہ وسعت و برکت میں ہونگے اور جب تلاوت نہیں کریں گے تو اہل خانہ پر تنگی ہوگی جس سے خیر و برکت کم ہوگی اور وہ نقصان میں ہوں گے اور خیر و برکت سے بھی محروم ہوجائیں گے "۔

پیغمبر اکرم نے فرمایا " قرآن کے بغیر کوئی امیری نہیں اور قرآن کے ساتھ کوئی فقر نہیں اور قرآن کا پڑھنا بہترین عبادت ہے "۔

پیغمبر اکرم نے فرمایا " جو شخص نیکوں کی زندگی اور شہید کی موت چاہتا ہے اور اس دن کامیابی چاہتا ہے کہ جس دن حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوگا اور چاہتا ہے کہ اسے بروز قیامت گرمی کے موقع پر سایہ نصیب ہو اور گمراہی کے مواقع میں ہدایت اس کے قدم سے لپٹی ہو تو اسے چاہیئے کہ قرآن کا درس حاصل کرے اور اس کی تعلیم سے بہرہ در ہو، یعنی قرآن پڑھے اور پڑھائے کیونکہ جو قرآن پڑھتا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں عزت و شرف کا مالک ہوتا ہے، اس لئے کہ قرآن رحمان کا کلام ہے اور شیطان کے فریب سے بچنے کا حرز و امان ہے اور پلہ میزان کا گراں کرنے کا ذریعہ ہے ۔ جامع الاخبار "

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا " جو شخص قرآن کی دیکھ کر تلاوت کرے اس کی بصارت دیر پا رہیگی، اور اس کے والدین سے عذاب کی تخفیف ہوگی اگرچہ کافر ہوں "۔

پیغمبر اکرم نے فرمایا " علی کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور نرمی و مہربانی سے والدین کو دیکھنا عبادت ہے ۔ اور قرآنی صحیفہ کو دیکھنا عبادت ہے اور کعبہ کو دیکھنا عبادت ہے "۔

امام جعفر صادق نے فرمایا " بروز قیامت تین چیزیں خدا کی بارگاہ میں شکایت کریں گی (۱) غیر آباد مسجد کہ جس میں کوئی نماز نہ پڑھتا ہو (۲) عالم جو جہلا کے درمیان ہو اور وہ اس سے دینی مسائل دریافت نہ کریں ۔(۳) اور گھر میں رکھا ہوا قرآن جس پر غبار پڑا ہوا ہو اس میں کوئی تلاوت نہ کرے "۔

پیغمبر اکرم نے فرمایا " اے سلمان مومن اگر قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو خدا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور اس کے منہ سے نکلنے والے ہر حرف سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، کہ جو قیامت تک اس کیلئے تسبیح کرتا ہے "۔

غرض قرآن حکیم کی تلاوت کے بے شمار فضائل و فوائد ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا خلاق عالم مومنین و مسلمین کو اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا کرے ۔ اس لئے کہ پیغمبر اکرم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ایسے قاری قرآن کہ جو قرآن کے احکام پر عمل نہیں کرتے تو جب تلاوت کرتے ہیں تو قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے "۔ لہذا تلاوت کے ساتھ ساتھ قرآنی احکام پر عمل بھی لازم و واجب ہے "۔

سُوْرَۃُ النَّبَاِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰیَاتُهَا ٤٠ رُکُوْعُهَا ٢

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢ الَّذِيْ هُمْ
فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧ وَّ
خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَّجَعَلْنَا
الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١ وَّبَنَيْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٢ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝١٣
وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝١٤ لِّنُخْرِجَ بِهٖ
حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝١٥ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝١٦ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ
كَانَ مِيْقَاتًا ۝١٧ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ
اَفْوَاجًا ۝١٨ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝١٩ وَّ
سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝٢٠ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ

مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿٢٢﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿٢٣﴾

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾

جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿٢٦﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾

وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿٢٩﴾

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ

مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾

وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ

خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ

اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ

الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿٣٩﴾ اِنَّآ

أَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا
قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ
تُرٰبًا ﴿٤٠﴾

ترجمہ: کس چیز کے متعلق وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔ ایک عظیم خبر کے متعلق۔
کہ جس میں وہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ ہرگز نہیں عنقریب وہ جان لیں گے پھر عنقریب ضرور جان لیں گے
کیا ہم نے زمین کو گہوارہ اور پہاڑوں کو میخیں قرار نہیں دیا۔ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور ہم نے تمہاری نیند
کو باعث راحت قرار دیا۔ اور رات کو پردہ پوش قرار دیا۔ اور دن کو معاش کیلئے قرار دیا۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) قرار دئیے
اور ہم نے (سورج کو) روشن و گرم چراغ قرار دیا۔ اور ہم نے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا۔ اور ہم نے نکالے
اس کے ذریعے دانے اور نباتات اور گھنے گھنے باغات۔ یقیناً فیصلے کا دن مقرر ہے جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ
گروہ آؤ گے۔ اور آسمان کو اسطرح کھولدیا جائیگا کہ اس میں دروازے ہی دروازے ہوں گے۔ اور (اسوقت) پہاڑ چلائے
جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے یقیناً دوزخ گھات میں ہے۔ جو سرکشوں کی بازگشت کی جگہ ہے جسمیں وہ صدیوں
ٹھہرے رہیں گے اور اسمیں نہ ہی کسی قسم کی ٹھنڈک کا اور نہ ہی کسی پینے کے قابل چیز کا مزہ چکھیں گے۔ سوائے کھولتے
پانی اور زخموں کے غسالے کے۔ یہ (انکی) کارگزاری کے مطابق پورا پورا بدلہ ہے۔ کیونکہ وہ حساب و کتاب کی امید نہیں رکھتے
تھے۔ اور انہوں نے ہماری آیات کی مسلسل تکذیب کی تھی۔ حالانکہ ہم نے ہر شے کو شمار کرکے لکھ دیا ہے۔ تو اب تم چکھو
ہم تو تمہارے عذاب میں صرف اضافہ ہی کریں گے۔

یقیناً پرہیزگاروں کیلئے کامیابی کا ایک مقام ہے۔ کہ (جہاں) باغات اور قسم قسم کے انگور۔ اور ہمسن
دوشیزائیں ہیں اور چھلکتے ہوئے خالص جام۔ اور وہ اس (جنۃ) میں کوئی بیہودہ و جھوٹی بات نہیں سنیں گے۔ یہ تیرے
رب کی طرف سے انعام انکے عمل کے حساب سے ہے کہ جو آسمانوں و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اسکا پروردگار رحمان
ہے۔ (اس روز) کسی کو اس سے بات کرنیکی قدرت و طاقت نہیں ہو گی کہ جس روز خاص روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے
ہوں گے۔ (اس روز) کوئی کلام نہیں کر سکے گا سوائے اسکے کہ جسے رحمان نے اجازت دی ہوئی ہے اور وہ درست و صحیح بات
کہے گا۔ یہ تو برحق دن ہے تو چاہے تو اپنے پروردگار کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کرلے۔ یقیناً ہم نے تمہیں قریب ترین عذاب سے

ڈرایا ہے کہ جس روز ہر انسان اپنے ہاتھوں کی آگے بھیجی ہوئی کمائی کو دیکھے گا اور (اس روز) کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔"

تلاوت:- پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ" اس سورہ کو یاد کرکے تلاوت کرتا رہے تو بروز حشر نماز فریضہ کے وقفہ کے برابر اسکا حساب ہوگا یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو شخص اسے لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ چوروں سے محفوظ رہیگا اور طاقتور ہوگا۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ" اس سورہ کی تلاوت کرنیوالے کو خداوند عالم بروز حشر سرد مشروب سے سیراب کرے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ " جو شخص بلا ناغہ روزانہ اس سورہ کی تلاوت کرتا رہے تو سال کے اندر اندر اسے بیت اللہ کی زیارت نصیب ہوگی۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ " جو شخص بیدار رہنے کیلئے اس سورہ کو پڑھے تو وہ بیدار رہے گا اور جو سفر میں اسکی تلاوت کرے تو رات کو سفر میں امن سے رہے گا اور چوروں سے محفوظ رہے گا۔"

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۝١ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ۝٢ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۝٣ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝٤ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝٥

"کس چیز کے متعلق وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔ ایک عظیم خبر کے متعلق۔ کہ جس میں وہ لوگ اختلاف کررہے ہیں ہرگز نہیں عنقریب وہ جان لیں عنقریب ضرور وہ جان لیں گے۔

عمّا۔ اصل میں "عن۔ما" ہے۔ اس سوالیہ و استفہامی انداز سے اس بات کا اظہار ہے کہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جارہا ہے وہ اہم و عظیم اور جلیل القدر ہے۔

نباء۔ مفید خبر۔ یعنی وہ مفید خبر کہ جس سے علم صحیح حاصل ہو کہ جو کذب سے پاک ہو۔ یا اس خبر سے گمان غالب حاصل ہو اور "نبأ" کے ساتھ "عظیم" کی صفت سے اس نباء خبر" کی انفرادی اہمیت و عظمت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جب وہ "نبأ۔خبر" عظیم ہے تو اس سے فائدہ بھی عظیم ہوگا اور اس میں علم بھی عظیم ہوگا۔ اس "نبأ عظیم" میں عقلی و آفاقی اور انفسی براہین بھی ہیں۔ نباء عظیم ① رسالت محمدیہ۔ یعنی آغاز اسلام کے وقت پہلی عظیم و مفید خبر رسالت محمدیہ کہ جسکی گذشتہ تمام رسالات سماوی نے پیشگوئی کی تھی اور جو تمام سماوی رسالات سے افضل ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت کفار قریش اور مشرکین اہل کتاب ایک دوسرے سے اسی عالمگیر رسالت محمدیہ کے متعلق دریافت کرتے تھے اور پھر یتیم عبداللہ کی بعثت و نبوت پر تعجب کا بھی اظہار کرتے تھے جیسا کہ سورہ ص میں ہے کہ

وعجبوا ان جاءهم ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ كذاب ④ اور ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ جب انہیں سے (عذاب خدا سے) ڈرانے والا (پیغمبر) ان کے پاس آیا تو کفار کہنے لگے کہ یہ تو بڑا جادوگر اور پکا جھوٹا ہے۔"

اور پھر جب اس عالمگیر رسالت سماوی سے کفر کی مخالفت بڑھتی گئی اور جب اس سماوی صداقت کے سامنے کفر کی قوۃ نہ ٹھہر سکی تو اس رسول سماوی کی ذات پر مختلف اعتراضات کئے گئے جیسا کہ سورہ ذاریات میں ہے کہ کذلك

ماانی الذین ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ مجنون ﴿۵۲﴾ "اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آیا تو انھوں نے بھی اسے جادوگر کہا یا دیوانہ کہا۔"

۲۔ نبأ عظیم ۔ قرآن حکیم ۔ پھر جب اس رسول اعظم نے اپنی رسالت کی تصدیق کیلئے تمام غیوبات و علوم کا جامع مجموعہ اور دائمی معجزہ قرآن حکیم پیش کیا تو کفار و مشرکین نے اس صحیفہ آفاقی سے اختلاف و انحراف کیا جیسا کہ سورہ فرقان میں ہے وقالوا ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ تملی علیہ ﴿۵﴾ الخ ۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ (یہ تو) اگلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں جن کو اس نے کسی سے لکھوا لیا ہے پس یہی صبح و شام اس کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔

اور سورہ نحل میں ہے ولقد نعلم ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ اعجمی وھذا لسان عربی مبین ﴿۱۰۳﴾ اور (اے رسول) یقیناً ہم جانتے ہیں کہ یہ کفار (تمہارے لئے) کہا کرتے ہیں کہ انکو (آپکو) کوئی انسان قرآن سکھا دیا کرتا ہے (حالانکہ جس شخص (ابو فکیہ رومی) کیطرف یہ لوگ نسبت دیتے ہیں اسکی زبان تو عجمی ہے اور یہ تو صاف صاف عربی زبان ہے۔"

۳۔ نبأ عظیم ۔ قیامت ۔ پھر جب اس رسول اعظم نے اس نظام تکوینی کی تباہی و بربادی اور پھر حشر و نشر کے برپا ہونے اور انسانوں کے حیات دنیوی کے حساب و کتاب کیلئے دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دی تو کفار و مشرکین نے اس سے بھی اختلاف کیا اور کہا یہ بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ کیسے زندہ ہوں گی۔ اور کہا "وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر الخ ﴿۲۴﴾ جاثیہ۔

۴۔ نبأ عظیم ۔ یعنی ولایت علیؑ ۔ اور پھر جب امانت الٰہیہ یعنی شریعت سماوی کی قیامت تک حفاظت کے لئے امامت و ولایت کا اہتمام کرتے ہوئے پیغمبر خاتم نے آغاز ہی سے ولایت علی سے متعارف کرایا تو ولایت علیؑ سے بھی سرکش و منافقین نے اختلاف و انکار کیا ۔ یعنی توحید الٰہی نبأ عظیم ہے ۔ قرآن حکیم نبأ عظیم ہے۔ رسالت محمدیہ نبأ عظیم ہے اور ولایت علی نبأ عظیم ہے ۔ لفظ نبأ ان تمام معانی کو محیط ہے۔

قرآن حکیم کی یہ جامعیت و شان اعجازی ہے کہ اسکی ہر ہر آیت ظاہری معنی کے ساتھ باطنی معانی و مطالب اور معارف و حقائق کی بھی حامل ہے ۔ چنانچہ نبأ عظیم کے باطنی و تاویلی معنی امیر المومنینؑ کی ولایت ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ " یا علی تو حجۃ اللہ و باب اللہ ہے اور تو اللہ کا صراط و نبأ عظیم ہے اور تو صراط مستقیم و مثل اعلیٰ ہے اور تو امام المسلمین و امیر المومنین ہے اور تو خیر الوصیین و سید الصدیقین ہے اور تو فاروق اعظم و صدیق اکبر ہے تو میرا خلیفہ و میرے دین کا قاضی اور میرے وعدوں کا پورا کرنے والا ہے یا علی تو میرے بعد مظلوم و متروک و مہجور ہو گا میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ تیرا گروہ میرا گروہ اور میرا گروہ خدا کا گروہ ہے اور تیرے دشمنوں کا گروہ شیطانی گروہ ہے۔" البرھان ۔

اور خطبہ وسیلہ میں خود امیر المومنین نے فرمایا کہ وانی النبأ العظیم اور یقیناً میں نبأ عظیم ہوں ۔ روضہ کافی ۔

اور امیر المومنین کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "گذشتہ امتوں پر خدا نے انکی زبانوں کے اختلاف کے ساتھ میری ولایت کو ان پر فرض قرار دیا تو بہت سوں نے انکار کیا اور بہت سوں نے قبول کیا۔"

اور پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "نبأ عظیم سے علی ابن ابیطالب مراد ہے کہ قبر میں جس کے متعلق لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔ اور شرق و غرب میں جو کوئی موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو منکر و نکیر اس سے اسکے رب و رسول کے متعلق اور علی کی ولایت کے متعلق سوال کرتے ہیں تو مبارک ہے علی کی ولایت کی تصدیق کرنیوالے کیلئے اور بربادی ہے علی کی ولایت کی تکذیب کرنیوالے کیلئے" منہج

حافظ محمد ابن مومن شیرازی نے مستخرج میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ صخر ابن حرب نے پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا محمد آپ کے بعد امر ولایت کس کیلئے ہے۔ تو پیغمبر اکرم نے فرمایا اسکے لئے ہے کہ جسے مجھ سے وہی نسبت ہے کہ جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ تو جبرائیل سورہ نبا کی ان ابتدائی آیات کو لیکر نازل ہوئے اور کہا یا رسول اللہ آپ کی امت سے بعض علی کی ولایت کی تصدیق کریں گے اور بعض تکذیب کریں گے اور وہ بہت جلد جان لیں گے کہ جب قبر میں ان سے علی کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے گا اور شرق و غرب اور بیابان و دریا میں جو کوئی مرتا ہے منکر و نکیر اس سے علی کی ولایت کے متعلق سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ "تیرا دین کیا ہے۔ تیرے پیغمبر کون ہیں اور تیرا امام کون ہے۔" تفسیر جامع البرھان۔

اصبغ ابن نباتہ کہتے ہیں کہ جمل کے میدان میں ایک روز ایک بصری سوار لشکر سے مقابلے کیلئے آگے بڑھا اور سورۂ نبأ کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی تو امیر المومنین نے اس کے سامنے جا کر فرمایا کیا تم اس نبأ عظیم کو جانتے ہو اس نے کہا نہیں معلوم۔ آپ نے فرمایا۔ بخدا نبأ عظیم میں ہوں میرے بارے میں تم نے اختلاف کیا اور بہت جلد مجھے جان لوگے اسوقت کہ جب جنت و دوزخ کے درمیان میں کھڑا ہوں گا اور لوگوں کو تقسیم کروں گا اور دوزخ سے کہوں گا کہ یہ تیرے لئے ہے۔ اور اسے چھوڑ دے کہ یہ میرا ہے اور تم جان لوگے کہ میں نبأ عظیم ہوں اسوقت کہ جب میں حوض کوثر کے پاس کھڑا ہوں گا اور ایک گروہ کو حوض کوثر سے دور کروں گا جسطرح کہ دنیا میں اجنبی اونٹ کو پانی کے حوض سے دور کرتے ہیں۔ پھر آپ نے بڑھکر تلوار سے اس بصری کو قتل کر دیا۔ جامع۔ البرھان۔

اور علقمہ کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں ایک روز ایک مسلح شامی اپنے لشکر سے نکل کر مقابلے کیلئے آگے بڑھا اور وہ قرآن حمائل کئے ہوئے تھا اور رجز پڑھتے ہوئے سورہ نبأ کی ابتدائی آیات کو پڑھنے لگا تو میں نے اس کے مقابلے کیلئے جانا چاہا تو امیر المومنین نے مجھے روکدیا اور خود اسکے سامنے جا کر فرمایا کہ نبأ عظیم میں ہوں کہ میرے متعلق تم نے اختلاف کیا اور میری ولایت کو قبول کرنے میں تم نے نزاع کیا اور کفر و سرکشی کی بنا پر تلوار لیکر تم باہر نکل آئے اور تم روز غدیر کو بھی جانتے تھے اور جو کچھ تم نے کیا ہے بروز قیامت جان لوگے اور اپنے کیفر کردار کو پہنچوگے پھر آپ نے تلوار سے اسکی گردن اڑا دی "۔ برھان۔

اور امیر المومنین کے سخت ترین دشمن حاکم شام کے وزیر عمرو ابن عاص نے بھی کئی مواقع پر اپنے اشعار

میں امیر المومنین کی تعریف کرتے ہوئے آپ کو نبأ عظیم کے لقب سے یاد کیا ہے۔
چنانچہ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

بآل محمد عرف الصواب ۔ وفی ابیاتهم نزل الکتاب ۔ هم حجج الاله علی البرایا ۔ بهم وبجدهم لا یستراب
لاسیّما ابو حسن علی ۔ له فی الحرب مرتبة تهاب ۔ طعام حسامه مهج الاعادی ۔ وفیض دم الرقاب لها شراب
علی الدرّ والذهب المصفیٰ ۔ وباقی الناس کلهم تراب ۔ هو البکاء فی المحراب لیلاً ۔ هو الضحاک اذا اشتد الضراب
هو النباء العظیم وفلك نوح ۔ وباب الله وانقطع الخطاب ۔ ضربته کبیعته بخم ۔ معاقدها من الناس الرقاب
اذا لم تبرأ من اعداء علیٍ ۔ فمالك فی محبته ثواب ۔ نصائح کافیه ۔

آل محمد ہی کے ذریعے حق و صداقت پہچانی گئی ۔ اور انہی کے گھر میں قرآن کا نزول ہوا ۔ یہی حضرات مخلوق پر خدا کی حجت و دلیل ہیں ۔ اور ان ہی سے اور ان کے جد سے تعلق کی بنا پر کسی قسم کی پریشانی نہیں ہے ۔ خصوصاً حسن کے بابا علیؑ وہ ہیں کہ میدان جنگ میں جنکی ہیبت طاری ہوتی ہے ۔ انکی تلوار کی خوراک دشمنوں کا خون بہانا ہے ۔ اور دشمنوں کی گردنوں کا بہتا خون انکی تلوار کا مشروب ہے ۔ علی خالص موتی اور خالص سونا ہیں اور باقی تمام لوگ ان کے مقابلے میں مٹی ہیں ۔

وہ رات کو محراب عبادت میں بہت گریہ کرتے ہیں ۔ اور جب جنگ شدت اختیار کرتی ہے تو ہنسنے اور خوش ہوتے ہیں ۔ وہی نبأ عظیم اور نوح کی کشتی ہیں ۔ اور وہ خدا تک پہنچنے کا دروازہ ہیں کہ جن پر خطابات ختم ہو گئے ۔ انکی ضربت غدیر خم کی بیعت کی مانند ہے ۔ کہ جس میں تمام لوگوں کی گردنوں کو علی کی غلامی میں باندھ دیا گیا تھا ۔ تو جبتک تم علی کے دشمنوں سے بیزاری اختیار نہیں کرو گے ۔ اس وقت تک علی کی محبت میں ثواب نہیں ہے ۔

کلّا سیعلمون ۞ ثم کلّا سیعلمون ۞ " ہرگز نہیں ۔ عنقریب وہ جان لیں گے پھر وہ ضرور عنقریب جان لیں گے ۔"

کلّا ۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ۳۳ بار آیا ہے ۔ اور ہر جگہ کلام کی مناسبت کے لحاظ سے معنی ہیں ۔ کہیں حق و صداقت کے اظہار اور استفتاحیہ معنی میں ہے ۔ اور کہیں زجر و توبیخ اور تنبیہ و خبردار کے معنی میں ہے ۔ اور یہاں تنبیہ و خبردار کرنیکے مفہوم میں ہے ۔ پہلا " کلّا " موت کے بعد کی حالت سے متعلق ہے کہ اسوقت تم آسمانی صداقتوں کو ضرور جان لو گے ۔ اور دوسرا " کلّا " بروز حشر حساب و کتاب کیلئے زندہ اٹھنے سے متعلق ہے کہ اسوقت ہر انسان آفاقی صداقتوں کو جان لے گا ۔ اور " س " قریب ترین کیلئے ہے اور " سوف " کچھ بعید کے معنی کیلئے ہے ۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر روز جزا سے ڈرانے کیلئے " سوف " کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہاں جن لوگوں سے گفتگو ہے وہ صرف اعتقادی و ایمانی اصولوں و صداقتوں سے انکاری ہی نہیں تھے بلکہ ان عقائد و صداقتوں کو عجیب و ناممکن سمجھتے تھے لہذا ان کے لئے ضروری تھا کہ آئندہ کی تہدید و تنبیہ ہو کہ جس جس بنیادی حقیقت و صداقت

سے تم انکاری تھے موت کے وقت اور موت کے بعد اور پھر بروز حشر مشاہدہ کر کے جان لو گے۔
اور "کلا" کے ساتھ "ثم" کے اضافے سے تہدید و تنبیہ کی مزید شدت و سختی کا اظہار ہے۔
یعنی رسالت محمدیہ و دعوۃ محمدیہ اور ولایت علویہ سے انکاری تھے تو موت کے وقت اور موت کے بعد قبر و برزخ میں اور پھر بروز حشر رسالت محمدیہ اور ولایت علویہ کی عظمت و اہمیت کو جان لو گے کہ جب موت کے وقت سے لیکر حشر تک ہر منزل پر نبی و ولی کو ساتھ ساتھ دیکھو گے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ "کیا ہم نے زمین کو گہوارہ اور پہاڑوں کو میخیں قرار نہیں دیا"

مھاد۔ کے لغت میں تین معانی ہیں۔ تسویہ۔ تسہیل۔ اصلاح۔ یعنی زمین کو ہم نے ہموار کیا اور استفادہ کے قابل آسان و مناسب بنایا۔ اور حیات کی روانی کیلئے با صلاحیت بنایا۔ تسویہ کیلئے جگہ جگہ بلند پہاڑ اور گہری وادیاں قرار دیگئیں۔ اور سہولت کیلئے زمین کی سطح کو بہت سے پتھروں سے پوشیدہ کر دیا گیا اور تعمیرات و زراعت اور کنوئیں کھودنے کیلئے آسان و نرم قرار دیا گیا۔ اور اصلاح و با صلاحیت بنانے کیلئے زمین کی سطح جو مشتعل یا بہت سرد تھی اسے حیات کے موافق اور نباتات کیلئے مناسب بنا دیا گیا۔ اور زندگی کو اس پر سکون و برقرار رکھنے کیلئے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈال کر اسکی حرکت کو معتدل بنا دیا گیا۔

اوتادا۔ واحد۔ وتد۔ بڑی میخ۔ زمین کے اندر مرکز میں آگ شعلہ زن ہے جو کبھی کبھی آتش فشاں پہاڑوں سے باہر نکلتی رہتی ہے اس اندر دنی آگ پر زمین کی سطح کا چھلکا ہے لہذا اس پر فاصلے فاصلے سے پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے گئے۔ اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو داخلی آگ کی شعلہ فشانی و شدت حرارت سے زمین سخت ترین حرکت و زلزلوں کا شکار ہو جاتی اور پھر زمین پر کوئی ذیحیات باقی نہ رہتا۔ لہذا زمین کو سخت ترین زلزلوں سے محفوظ رکھنے اور اسکی حرکت کو اعتدال پر رکھنے اور زندگی کی روانی کیلئے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے گئے ہیں اور اسکے علاوہ تیز طوفانی ہوائیں انہی پہاڑوں سے ٹکرا کر سست رفتار ہو جاتی ہیں۔ اگر پہاڑ ان کے لئے رکاوٹ نہ ہوتے تو تیز رفتار طوفانی ہوائیں بھی ذیحیات کو ھلاک کر دیتیں اور کوئی درخت و تعمیر باقی نہ رہتی۔
امیر المومنین کا ارشاد گرامی ہے کہ "زمین کی حرکات کو پہاڑوں کے گاڑ دینے سے خدا نے معتدل بنا دیا۔ اور پہاڑوں کیوجہ سے زمین میں ٹھہراؤ پیدا ہوا ورنہ اپنے اہل کے ساتھ جھک جاتی و تباہ ہو جاتی یا اپنے مقام سے ہٹ جاتی تو پاک ہے وہ ذات کہ جس نے پانی کی موجوں کے بعد اسے قرار عطا کیا اور اسکے اطراف میں رطوبت و پانی کے بعد اسے جامد قرار دیا اور اپنی مخلوق کیلئے گہوارہ بنایا اور ان کے لئے بستر کی مانند متلاطم سمندر پر بچھایا۔

وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور ہم نے تمہاری نیند کو

باعث راحت قرار دیا۔"

بنایا جانا۔ جوڑا جوڑا۔ کثرت نسل کیلئے جوڑا جوڑا قرار دیا۔ پھر مزاج میں اور رنگ میں اور صفات و صورت میں مختلف قرار دیا۔ سباتا۔ البتہ قطع کرنا۔ رات انسانی عمل و حرکت کو قطع کردیتی ہے تاکہ اجسام کو آرام و راحت حاصل ہو اور پھر دوسرے روز کاروبار حیات کیلئے تازہ دم ہو جائے۔ نیند حواس اور ادراک کی فعالیت کو روک دیتی ہے تاکہ آرام سے انکی فعالیت میں تجدید و تازگی پیدا ہو۔ اگر نیند نہ ہوتی تو اعصاب و حواس جلد ناکارہ ہو جاتے۔ اور جاگتے جاگتے انسانی دماغ کے پردے پھٹ جاتے اور حیات ناممکن ہو جاتی۔ اسی بنا پر نیند بھی حیات کی بقاء و روانی کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ نیند موت کی مانند ہے اور نیند سے بیدار ہونا بروز حشر زندہ ہو اٹھنے کی مانند ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جس طرح تم سوتے ہو اسی طرح موت سے ہمکنار ہوگے اور جس طرح نیند سے بیدار ہوتے ہو اسی طرح دوبارہ زندہ اٹھو گے۔ نیند کی افادیت و اہمیت کی بنا پر خداوند عالم نے نیند کو اپنی آیت و نشانی قرار دیا ہے چنانچہ سورہ روم میں ہے کہ ومن آیاتہ منامکم باللیل والنہار۔ الخ اور اسی کی نشانیوں میں سے رات و دن کو تمہارا سونا اور اسکے فضل و کرم (روزی) کو تلاش کرنا بھی ہے۔ اور ختم نبوت کے بعد مومنین کیلئے بشارت دینے والے خوابوں کا تعلق بھی نیند سے ہے۔ زندگی کیطرح نیند بھی نعمت ہے۔ پوری کائنات سے غنودگی و نیند کا تعلق ہے کہ جو کائنات کے ضعف و عدم استقلال کی دلیل ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ما من حی الا وھو ینام الا اللہ وحدہ خدائے یکتا کے علاوہ ہر ذیحیات سوتا ہے" نبات و حیوان اور انسان سب کیلئے نیند ضروری ہے۔ نبات کا تنفس دن رات میں بدلتا ہے جو آرام و نیند کی مانند ہے۔ وہ دن میں کاربن حاصل کرتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں اور رات میں آکسیجن لیتے ہیں اور کاربن خارج کرتے ہیں۔ اسی بنا پر پیغمبر اکرم نے رات کو درختوں کے نیچے سونے سے ممانعت کی ہے اور بعض نبات رات کو اپنے پتے سمیٹ کر نیند سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ "اور ہم نے رات کو لباس قرار دیا۔ اور دن کو معاش کیلئے قرار دیا"

رات کی تاریکی کا پردہ تمام اشیاء کو ڈھانپ لیتا ہے جسطرح کوئی کپڑا یا لحاف اوڑھتا ہے اسی طرح انسانی اعضاء و حواس اور اذہان کو راحت و سکون دلانے کیلئے رات اسے اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے یعنی جسطرح بچوں پر کپڑا ڈال کر ان کو سلا دیا جاتا ہے اسی طرح رحمان و رحیم پروردگار لوگوں کے حواس پر رات کی چادر ڈال کر ان کو سلا دیتا ہے تاکہ سکون و راحت کے ساتھ طلب معاش و کاروبار حیات حدود کے اندر جاری رہے۔ اگر رات نہ ہوتی تو حرص دنیا کی بنا پر کاروبار حیات کے تسلسل سے زندگی کا سفر جلد منقطع ہو جاتا۔ اور جہاں سخت گرمی پڑتی وہاں مسلسل تمازت آفتاب سے نبات اور حیوان و انسان ھلاک و تباہ ہو جاتے۔ لہذا رات کا وجود نعمت ہے کہ جو لباس کی مانند شدت حرارت سے مخلوق کی حفاظت کرتی ہے جسطرح لباس پردہ پوشی کرتا ہے اور سردی و گرمی سے بچاتا ہے اسیطرح

رات بھی پردہ پوشی کرنے کے ساتھ وجود انسانی کو شدت حرارت سے بچاتی ہے سورہ قصص میں ہے کہ ومن رحمتہ جعل لکم اللیل والنھار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ لعلکم تشکرون (۷۳)

وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾ "اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) قرار دیئے"
قرآن حکیم میں کئی مقامات پر توحید وایمان باللہ کیلئے عقول انسانی کو محسوسات یعنی آیات تکوینی میں غور فکر کرنے کیلئے متوجہ کیا گیا ہے۔ یہاں بھی سات آسمانی بلندیوں کی تخلیق ووسعت کیطرف متوجہ کیا گیا ہے۔ یہ سات آسمان متلاطم یا کھولتے پانی سے بلند ہونے والے دخان (گیس) سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور ہر آسمان کسقدر مضبوط و دبیز غلاف وچھت کی مانند ہے کہ کروڑوں سیارے وستارے جس کے دامن میں معلق رواں دواں ہیں۔ اور زمین کے گرد اسقدر مضبوط ودبیز ہوا کا غلاف قرار دیا گیا ہے کہ جس میں ٹوٹنے والے تمام شہاب رگڑ کھا کر جل جاتے ہیں اگر ہوا کا اسقدر دبیز غلاف نہ ہوتا تو سطح زمین پر شہاب کی مسلسل بارش رہتی جس سے ہر طرف آگ بھڑک اٹھتی اور کوئی ذی حیات باقی نہ رہتا۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ﴿١٣﴾ "اور ہم نے (سورج کو) روشن وگرم چراغ قرار دیا ہے۔"
وھاج ۔ نور وحرارت رکھنے والا۔ نظام شمسی سے متعلق سیاروں پر حیات کی بقاء وروانی کیلئے سورج کو مادی حیات کیلئے فیض کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ اسکی روشنی وحرارت کی جسقدر حیات کی بقاء کیلئے ضرورت تھی اسی مناسبت سے انتظام کیا گیا ہے اگر اسمیں ذرا کمی یا زیادتی ہو جائے تو زمین پر حیات کا وجود ختم ہو جائے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "جس سورج کا تم مشاہدہ کرتے ہو یہ کرسی کے نور کے ستر اجزا میں سے ایک حصہ ہے اور کرسی کا نور عرش کے نور کے ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ اور عرش کا نور حجاب کے نور کے ستر اجزا میں سے ایک جزء ہے اور حجاب کا نور ستر کے نور کے ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔" تفسیر جامع۔

وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ لِّنُخْرِجَ بِهِ "اور ہم نے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا"
حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا ﴿١٦﴾ اور ہم نے نکالے اسکے ذریعے دانے ونباتات اور گھنے گھنے باغات۔"
اعصار ۔ نچوڑنا ۔ معصرات ۔ نچوڑنے والے ۔ جسطرح کپڑے کو نچوڑنے سے پانی گرتا ہے اسی طرح بادلوں کو نچوڑنے سے بارش برستی ہے ۔ یہاں "معصرات" سے بادل مراد ہیں یا وہ ہوائیں مراد ہیں کہ جو بادلوں کو نچوڑتی ہیں۔
ثجاجاً مسلسل و پے در پے سختی سے گرنا ۔ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "افضل الحج العج والثج" یعنی افضل حج وہ ہے کہ جس میں تلبیہ کیلئے آواز بلند ہو اور قربانی کیلئے مسلسل خون بہایا جائے۔"
بادلوں سے پانی بطن ارض پر نطفے کی مانند گرتا ہے جس سے نباتات خاک کے سینے کو چاک کر کے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔
جنۃ ۔ گھنا آباد باغ ۔ الفافا ۔ لپٹے ہوئے ۔ یعنی کثرت کیوجہ سے جنت کے درخت ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں گے۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝

"یقیناً فیصلے کا دن مقرر ہے کہ جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ گروہ آؤ گے"۔ فصل جدا کرنا۔ اور یوم الفصل یعنی روز حشر میں حق و باطل اور مومن و کافر اور نجات یافتہ و خاسر کے درمیان فیصلہ ہو گا اور دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی اور اس وقت دنیاوی تمام قرابت و اتصال کے رشتے ٹوٹ جائیں گے سوائے آسمانی صداقتوں کی تصدیق کرنے کی بنا پر ایمانی رشتے کے۔

اور اس روز انسان اور اسکی امیدوں کے درمیان فصل و جدائی ہو جائے گی چنانچہ سورہ الم سجدہ میں ہے کہ ان ربك هو يفصل بينهم يوم القيامة فيما كانوا فيه يختلفون ﴿٢٥﴾ یقیناً بروز قیامت تیرا پروردگار قطعی فیصلہ کرے گا کہ جن باتوں میں یہ لوگ دنیا میں باہمی جھگڑا کرتے تھے۔"

میقاتاً۔ ثواب و عقاب کا وقت و مقام ہے یعنی عمل مفروض و دنیاوی زمانے کی انتہاء اور ثواب و عقاب کا مقررہ وقت و مقام یعنی دار التکلیف و زمانہ تکلیف کے اختتام کے بعد روز حشر کا مقام و میقات ہے کہ جب حساب و کتاب کیلئے دوسرے نفخے کے ذریعے تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا اس وقت یعنی ارواح کا اپنے اصلی اجسام سے تعلق قائم ہو جائے گا اور پھر گروہ گروہ کی صورت میں تمام انسان میدان حشر میں وارد ہوں گے۔ صالحین و اخیار کے علیحدہ گروہ ہوں گے اور کفار و مشرکین اور اشرار و منافقین کے علیحدہ علیحدہ گروہ ہوں گے۔

ابو ایوب انصاری نے ان آیات کے متعلق پیغمبر اکرمؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا تم نے بڑا سوال کیا ہے اور بروز قیامت لوگ دس اقسام پر محشور ہوں گے اور خدا نے ہر قوم کی نشانی مقرر کر دی ہے تاکہ وہ پہچانے جا سکیں۔ بعض بندر کی صورت میں اور بعض خنزیر کی صورت میں اور بعض سرنگوں اور بعض اندھے ہوں گے جو ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھریں گے اور راہ نہیں پائیں گے۔ اور بعض بہرے گونگے ہوں گے اور بعض کی زبانیں لٹک رہی ہوں گی۔ اور بعض کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے اور بعض آگ کے درختوں پر معلق ہوں۔ اور بعض کو قطران کا تنگ لباس پہنایا جائے گا۔ جو انکی کھالوں کے ساتھ چپکا ہوا ہوگا۔ اور بعض سے مردار کی بدبو آئے گی۔ بندر کی صورت میں چغلخور ہوں گے۔ اور خنزیر کی صورت میں حرام کا مال کھانیوالے اور رشوت خور ہوں گے۔ اور سرنگوں سود خور ہوں گے۔ اور اندھے ناحق فیصلہ کرنیوالے قاضی ہوں گے اور بہرے گونگے وہ ہوں گے کہ جو اپنے اعمال پر اتراتے تھے۔ اور جنکی زبانیں سینے پر لٹک رہی ہوں گی وہ علماء ہوں گے کہ جو کہتے تھے اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اور جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے۔ یہ وہ ہوں گے جو پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتے تھے اور جو آگ کے درختوں پر لٹکے ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جو لوگوں کی شکایات حکام و بادشاہوں تک پہنچاتے تھے اور جن سے مردار کی بدبو آئے گی یہ وہ ہوں گے کہ جو شہوات و لذات میں مشغول رہتے تھے اور خدا کے حق کو اموال سے روکتے تھے۔ اور جو قطران کے سخت عذاب میں ہوں گے یہ اہل کبر و فخر ہوں گے۔"

وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ "اور آسمان کو اسطرح کھولدیا جائیگا کہ اسمیں دروازے ہی دروازے ہوں گے۔"
جب اس نظامِ تکوینی کی مدتِ بقاء پوری ہو جائے گی اور روزِ حساب برپا ہونے کا وقت آئیگا تو اسوقت یہ نجوم وکواکب یعنی اجرامِ فلکی ایک دوسرے سے آزاد ہو جائیں گے اور ان کے درمیان کوئی کشش کا سلسلہ باقی نہیں رہے گا۔ اور نگاہِ انسانی کیلئے آسمانی گہرائیوں تک رسائی کیلئے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی۔ نہ نزول سے کوئی چیز مانع ہوگی اور نہ ہی صعود سے کوئی چیز مانع ہوگی کیونکہ آسمانی چادر لپیٹ دی جائے گی وہ اپنی اصلی دخانی صورت میں پلٹ جائیگا تو اسوقت فضاءِ سمائی کھل جائے گی جیساکہ سورہ مرسلات میں ہے کہ واذا السماء فرجت ﴿۹﴾ "اور جب آسمان پھٹ جائے گا۔"
اور احادیث نبوی میں ہے کہ ہر انسان کیلئے آسمانی چھت میں دو دروازے ہیں ایک سے اس کا عمل بلند ہوتا ہے دوسرے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے اور موت کے بعد یہ دونوں دروازے بند ہو جاتے ہیں لیکن بروزِ حشر تمام آسمانی دروازے کھل جائیں گے۔ اور مومنین کیلئے جنت کے دروازے کھل جائیں گے جن سے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور میدانِ حشر ہی سے جنت میں اپنی منازل ونعمات کا نظارہ کریں گے۔"

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ "اور (اس روز) پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے۔"
سراب۔ وسیع بیابان وہموار زمین کہ جسے عربی میں قاعہ۔ اور قاع۔ یا قیع وقیعہ کہتے ہیں وہاں دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی فراوانی سے جاری ہے جبکہ وہاں پانی کا قطرہ تک نہیں ہوتا اسی وہمی پانی کو عربی میں سراب کہتے ہیں۔ چنانچہ کفار ومشرکین کے اعمال کو سراب کی مانند قرار دیا گیا ہے جیساکہ سورہ نور میں ہے کہ والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ ______ ﴿۳۹﴾ "اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں کہ پیاسا جسے دور سے پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اسکے پاس پہنچا تو اسے کچھ بھی نہ پایا۔"
اس آیۂ کریمہ میں بروزِ حشر پہاڑوں کی جو حالت ہوگی اسے بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ غبار کی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے تو انکی صورت سراب کی مانند ہو جائے گی۔"

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ یقیناً دوزخ گھات میں ہے۔ کہ جو سرکشوں کی بازگشت کی جگہ ہے۔"
مرصاد۔ گھات۔ گھات کی جگہ۔ پہنچنے کی جگہ۔ یعنی دوزخ کفار ومشرکین اور منافقین وظالمین کی گھات میں ہے دوزخ کے پاس سے ہر شخص گزرے گا۔ مومن سلامتی کے ساتھ گزرتے ہوئے خدا کا شکر ادا کرے گا اور کفار کو اسمیں دھکیل دیا جائیگا۔ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "پل صراط تلوار کی دھار سے تیز ہے اور یقیناً فرشتے مومنین ومومنات کی حفاظت

کریں گے اور یقیناً جبرائیل میرا دامن تھامے ہوگا اور میں کہوں گا پروردگارا محفوظ رکھ محفوظ رکھ اور اس میں گرنے والے بہت ہوں گے۔"

جس جہنم پر ملائکہ رحمت مومنین کی گھات میں ہوں گے ان کو دیکھتے ہی آگ سے بچا لیں گے اور ملائکہ عذاب کفار و مشرکین اور منافقین و ظالمین کی گھات میں ہوں گے ان کو دیکھتے ہی ناک سے پکڑ لیں گے آگ میں دھکیل دیں گے ــــ یعنی دنیا میں شہوات حیوانی و خواہشات شیطانی کی بھڑکائی ہوئی آگ میں گرفتار لوگ بروز حشر دوزخ کی آگ میں گرفتار ہوں گے۔ الٰہی تعلیمات و خدائی نمائندوں سے سرکشی کرنے والے اپنے کفر و سرکشی کی شدت و مقدار کے مطابق سزا پائیں گے۔

لٰبِثِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَحۡقَابًا ﴿۲۳﴾ کہ جس میں وہ صدیوں ٹھہرے رہیں گے۔"

• احقاب۔ واحد۔ حقب۔ زمانہ۔ یعنی زمانے کی ایک غیر واضح مدت۔ سورہ کہف میں ہے " لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا ﴿۶۰﴾ (موسیٰ نے اپنے ساتھی جوان سے کہا) جب تک دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک میں نہ پہنچ جاؤں (تو چلنے سے) باز نہیں آؤں گا برسوں اسطرح چلتا جاؤں گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اَسی حقبے ہوں گے اور ہر حقبہ اَسی برس کا ہوگا اور ہر برس تین سو ساٹھ یوم کا ہوگا اور ہر یوم تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا"ــــ اور ہر کافر و مشرک کیلئے اسکے کفر و شرک کی شدت کے لحاظ سے اسکے لئے احقاب ہوگا کسی کیلئے چالیس اور کسی کیلئے اسی حقبے ہوں گے۔ لفظ حقبہ کے معنی سے یہ بات واضح ہے کہ یہ ایک محدود زمانہ ہے اسمیں ابدیت نہیں ہے کیونکہ قرآن حکیم کا واضح اعلان ہے کہ جو سزا الٰہی ہوگی "جزاءً وفاقاً" وہ عقیدہ و عمل کی نوعیت و شدت کے موافق ہوگی۔ یعنی تقاضاء عدل کے لحاظ سے جو بھی سزا ملے گی وہ جرم کی نوعیت اور اسکی سختی و نرمی کے مطابق ہوگی۔ یعنی یہ دنیاوی زندگی محدود ہے اور اسکے جرائم بھی محدود زمانے تک ہیں لہذا تقاضاء عدل کے خلاف ہے کہ محدود حیات کے محدود جرائم کی سزا لامحدود اور ابدی ہو یعنی ہمیشہ کیلئے آتش دوزخ ہو۔ جبکہ قرآن حکیم میں خلاق عالم کا ارشاد ہے کہ لا تجزون الا ما کنتم تعلمون ﴿۵۴﴾ سورہ یٰسین "تم لوگوں کو اسی کا بدلہ دیا جائیگا کہ جو تم دنیا میں کرتے تھے۔"

اور سورہ مومن میں ہے سیئۃ فلا یجزی الا مثلها ﴿۴۰﴾ جس نے جو برا کام کیا تو اسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا۔"

لہذا یہ کیسا عدل ہوا کہ محدود وقت کے برے اعمال پر لامحدود سزا دی جائے جس سے رب العالمین جو رحمان و رحیم ہے اس کے لئے قساوت و ظلم کا اثبات ہو ــــ ہاں تمام کفار و مشرکین و ظالمین کی سزا کے احکام پر دوزخ کے ساتھ انکو نابود کر دیا جائے گا۔ اور مومنین و صالحین کیلئے جنت لامتناہی انعام یہ خدا کی رحمت و فضل ہے جو عدل سے بلند ہے۔ سزا میں عدل لازمی ہے لیکن ثواب و جزا اور عطا میں فضل و احسان کی زیادتی شامل ہے۔ اور غفران و قلت عذاب بھی فضل و احسان کا نتیجہ ہے

رحمت کی سبقت و اصلیت کی بنا پر مومنین جنت میں لامتناہی زندگی بسر کریں گے۔ تخلیق انسانی کا اصلی مقصد ایصالِ رحمت ہے نہ کہ غضب یعنی مقصودِ ذات رحمت ہے۔ اور دوزخ مومنین کی تخویف اور گناہوں کی تطہیر کیلئے ہے۔ یہ نفسِ انسانی اگر دنیا میں توبہ نصوح یا حسنات و مصیبات کے ذریعہ پاک ہو جائے تو عالم حساب میں تطہیر کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اگر یہاں نفس کی طہارت نہ ہوئی تو عالم برزخ میں برزخی آگ پاک کردے گی۔ پھر بھی اگر خباثت و معصیت کا زنگ رہ گیا تو اخروی آگ سے طہارت حاصل ہو جائے گی پھر محدود حیات و محدود عمل خیر کے بدلے میں لامتناہی جنت و حیات ہے کہ جو اس کا فضل و احسان ہے۔ خدا ہِ رحمان و رحیم کو انتقام سے عفو و غفران زیادہ محبوب ہے لہٰذا اس کا عذاب انتقام نہیں بلکہ عقیدہ و عمل کی شدت و نرمی اور اثرات کے مطابق حق و عدل ہے اور چونکہ نہ ہی دنیا لامتناہی ہے اور نہ ہی انسانی حیات اور اس کا عمل لامتناہی ہے لہٰذا کفار و مشرکین کا عذاب ان کے جرم و معصیت کے مطابق ہوگا بالآخر دوزخ کو اس کے اہل کے ساتھ ختم کردیا جائیگا۔

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝ جَزَاءً وِفَاقًا ۝

اور وہ اسمیں نہ ہی کسی قسم کی ٹھنڈک کا اور نہ ہی کسی پینے کے قابل چیز کا مزہ چکھیں گے۔ سوائے کھولتے پانی اور زخموں کے غسالے کے۔ یہ (انکی) کارگزاری کے مطابق پورا پورا بدلہ ہے۔"

حمیم۔ سخت کھولتا ہوا پانی۔ غساق۔ پیپ ملا خون۔ یا زخموں کا غسالہ۔

برد۔ یعنی ٹھنڈک کہ جو جسم کے ظاہر و باطن کو سکون پہنچاتی ہے۔ اور یہ سکون و ٹھنڈک عام ہوا سے یا نرم و لطیف ہوا سے یا پانی پینے سے یا پانی میں غوطہ لگانے سے حاصل ہوتی ہے اور دوزخ میں اس قسم کی کوئی چیز ٹھنڈک و سکون پہنچانے والی نہیں ہوگی بلکہ وہاں گرم کھولتا ہوا پانی ہوگا کہ جس کے پینے سے اندر کے اعضا کٹ جائیں گے اور پیاس میں مزید اضافہ ہوگا بعض نے برد سے نیند مراد لی ہے۔

اور آخرت میں یہ تمام سزائیں ہر جرم کی نوعیت اور شدت و ضعف اور اثرات کے بالکل مطابق اور تقاضاءِ عدل کے موافق ہوں گی کیونکہ خالق عالم کی ذات سے کسی کا کوئی ذرے سے بھی کم عمل اور اسکا اثر پوشیدہ نہیں ہے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝

کیونکہ وہ حساب کتاب کی امید نہیں رکھتے تھے اور انھوں نے ہماری آیات کو مکمل جھٹلایا تھا۔ حالانکہ ہم نے ہر شے و عمل کو شمار کرکے لکھ رکھا ہے اور ہم تو تمہارے عذاب میں صرف اضافہ ہی کریں گے۔"

یعنی مذکورہ آیات میں جس سزا و عذاب کا اعلان کیا گیا ہے یہ ان لوگوں کیلئے ہے کہ جو سزا و جزا پر یقین نہیں رکھتے تھے جو دنیاوی

زندگی کی لذات کے حصول کو مقصد حیات جانتے ہوئے کفر و شرک اور ظلم و معصیت کا جی بھر کے ارتکاب کرتے تھے اور اپنے خالق و رب کریم سے سرکشی و بغاوت کرتے اور اسکے نمائندوں کی تکذیب کرتے اور آخرت کے حساب و کتاب و حیات کا مذاق اڑاتے تھے۔ اور اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ ان کے کفر و ظلم کا کوئی پرسان حال نہیں ہے اور نہ ہی انکے عمل کا کوئی حساب ہے۔ حالانکہ ان کا ہر ہر عمل و حرکت اور قول و کلام کتاب تکوینی میں محفوظ ہے اور دنیا میں جسطرح کفار و مشرکین اور مجرمین و منافقین کے کفر و نفاق اور سرکشی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا تھا اسی طرح ان کے عذاب میں بھی اسی انداز سے اضافہ رہے گا۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ۝ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ۝ وَكَأْسًا دِهَاقًا ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ۝ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا یقیناً پرہیزگاروں کیلئے کامرانی کا ایک مقام ہے کہ (جہاں) باغات اور قسم قسم کے انگور۔ اور نوخیز کمسن دوشیزائیں ہیں۔ اور چھلکتے ہوئے خالص جام اور وہ اس (جنۃ) میں کوئی بیہودہ و جھوٹی بات نہیں سنیں گے۔ کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے انعام ان کے عمل کے حساب سے ہے۔

مفاز۔ فوز۔ کامیابی۔ رہائی = حدیقہ۔ باغ۔ کہ جسکی چار دیواری ہو = اعنابا۔ جمع ہے جس کے معنی قسم قسم کے انگور یا پھل کے ہیں۔

کواکب۔ واحد کاعب۔ دوشیزہ جو لذۃ کے لائق ہو۔ اتراب۔ ہمسن۔ دھاقاً۔ لبریز و صاف جام جو پے در پے ہوں گے۔

آسمانی دعوت کو قبول کرنے والے اور الٰہی تعلیمات پر عمل کرنے والوں کیلئے بروز حشر ہر آفت و پریشانی سے نجات ہو گی نہ ہی موت کی فکر اور نہ ہی بیماری و بڑھاپے کی پریشانی اور نہ ہی نعمات کے سلب ہونے کا کوئی خوف ہو گا۔ مکمل راحت و سکون اور دائمی کامیاب حیات و نعمات حیات ہوں گی۔ یہ ابدی نعمات متقیوں کیلئے ہوں گی۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ خدا کی قسم علیؑ ہر متقی کے سید و سردار ہیں۔ منہج۔

دنیاوی عیش و عشرت اور راحت و آرام اور عزت و اکرام کے حصول کیلئے انسان ظلم و معصیت کا بازار گرم کرتا ہے دوسروں کے حقوق کو پامال کرتا ہے ملاوٹ و ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور ہر ظلم و زیادتی اور جرم و برائی کا ارتکاب اس لئے کرتا ہے کہ اسے راحت و آرام اور عیش و عشرت حاصل ہو۔ لیکن آسمانی تعلیمات انسان کو ابدی حیات اور ابدی راحت و آرام کے حصول کیلئے متوجہ کرتی ہیں جہاں اسکی جسمانی و روحانی تمام لذات کا انتظام ہو گا وہاں قسم قسم کے پھلوں کے گھنے باغات ہوں گے اور باکرہ نوخیز دوشیزائیں ہوں گی۔ اور بھرے ہوئے جام جو دوشیزاؤں کے ہاتھوں میں ہوں گے جو متقیوں کو پیش کریں گی اور وہ جام جنتی مشروب سے لبریز ہوں گے کہ جو بغیر ملاوٹ کے خالص مشروب ہو گا جسمیں کسی طرح کی لغزش و ملاوٹ و غفلت نہیں ہو گی۔ اور

اسکی لذت و قوۃ ذائقہ عقول وارواح کیلئے ہوگی وہاں پاکیزہ ماحول و پاکیزہ نعمات ہوں گی۔
لہذا جنت میں مومنین کے پاکیزہ ذات وصفات ہونے کی بنا پران کے پاکیزہ مزاج کے خلاف کوئی لغو و بیہودہ بات اور کذب وافترا کی قسم کی بری بات بھی نہیں ہوگی متقین کیلئے یہ لامتناہی نعمات کثیرہ خدا کی طرف سے جزاء عطا ہے جو اسکی ربوبیت کا فضل و کرم اور احسان ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡهُ خِطَابًا ۚ يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۞ کہ جو آسمانوں و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کا پروردگار ہے وہ رحمان ہے (اس روز) کسی کو اس سے بات کرنے کی قدرت و طاقت نہیں ہوگی کہ جس روز روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (اس روز) کوئی کلام نہیں کرسکے گا سوائے اسکے کہ جسے رحمان نے اجازت دی ہے اور وہ درست و صحیح بات کرے گا۔"

یعنی آج جن سرکشوں کی زبانیں دراز ہیں کہ جو الٰہی پیغام و تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں جن کو چند روزہ مہلت نے اپنے خالق و مالک سے سرکش و باغی بنا دیا ہے بروز حشر کسی میں خالق کائنات و بادشاہ حقیقی سے خطاب و گفتگو کرنے کی ہمت نہیں ہوگی کہ دنیا کا مالک و بادشاہ بھی وہی تھا اور آخرت کا مالک بھی وہی ہے۔ اس روز تمام لوگ فرشتوں کو اور روح القدس کو صف بستہ مرعوب دیکھیں گے کہ اس کے مقرب فرشتوں میں سے بھی کسی کو بولنے کی ہمت و قدرت نہیں ہوگی۔
ہاں صرف وہ پروردگار سے خطاب و گفتگو کرے گا جس کو اسکی بارگاہ سے پہلے سے ہی اذن حاصل ہوگا۔
اور یہ وہ ذوات مقدسہ ہیں کہ جو مشیت الٰہی کا ظرف ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "بخدا بروز قیامت جن کو اذن دیا جائے گا وہ ہم ہیں اور "صوابا" کہنے والے ہم ہیں۔ تو معویہ ابن عمار نے عرض کیا فرزند رسول اس روز آپ کیا کہیں گے۔ امام نے فرمایا ہم اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کریں گے اور اپنے نبی پر درود بھیجیں گے اور اپنے شیعہ کی شفاعت کریں گے اور ہمارا پروردگار ہماری شفاعت کو رد نہیں کرے گا۔"
اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "بروز حشر لوگوں کو ایک مقام پر جمع کردیا جائیگا تو ان کے دلوں سے لا الہ الا اللہ مٹ جائیگا سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے ولایت علی کا اقرار کیا تھا۔"

ذٰلِكَ الۡيَوۡمُ الۡحَـقُّ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۞ تو یہ برحق دن ہے تو جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف پلٹنے کا صحیح راستہ اختیار کرے"
یعنی روز حساب حق ہے اور حتمی ہے ضرور آئیگا اسے کوئی ٹال نہیں سکتا اس روز ہر شخص کو پورا پورا حق واجر ملیگا۔ لہذا اس دنیاوی حیات کی فرصت میں اس روز کی مصیبت و پشیمانی سے بچنے اور ابدی راحت و کامرانی کے حصول کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ ورنہ

اس روز پشیمانی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ اس رحیم و کریم پروردگار کا عظیم احسان ہے کہ اس نے ان خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے بچنے کا بھی انتظام کر دیا ہے۔

إِنَّآ أَنذَرْنَٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنظُرُ ٱلْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ ٱلْكَافِرُ يَٰلَيْتَنِى كُنتُ تُرَٰبًۢا ۝

"یقیناً ہم نے تمہیں قریب ترین عذاب سے ڈرایا ہے کہ جس روز ہر انسان اپنے ہاتھوں کی آگے بھیجی ہوئی کمائی کو دیکھے گا اور (اس روز) کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔"

حیات دنیا کی مہلت انتہائی مختصر ہے اور اس حیات کی کارگزاری کے نتائج و اثرات موت کے وقت ہی سامنے آجاتے ہیں اور پھر برزخ میں اور پھر بروز حشر حیات دنیوی کا انجام سامنے آجائے گا اس وقت حیات فانی کے انجام کو دیکھ کر معلوم ہوگا کہ دنیاوی داستان حیات کی ہر ہر حرکت و قول آخرت کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔ اس روز آسمانی صداقتوں سے انکار کرنے والا یعنی توحید و رسالت اور امامت و ولایت الٰہیہ کی تکذیب کرنے والا جب اپنی ہلاکت کو سامنے دیکھے گا اور آسمانی صداقتوں کی تصدیق کرنے والے کی کامرانی کا مشاہدہ کرے گا کہ کس طرح ابوتراب کی ولایت نجات کا ذریعہ بن رہی ہے۔ اور ابوتراب یعنی امیر المومنین جنت و دوزخ کے درمیان کھڑے اپنے ماننے والے محبین و موالیوں کو دوزخ سے نجات دلا رہے ہیں تو اس وقت کافر حسرت سے کہے گا۔ اے کاش میں ترابی ہوتا۔

جناب ابن عباس سے پوچھا گیا کہ پیغمبر اکرم نے علی کو ابوتراب کی کنیت کیوں عطا کی تو ابن عباس نے کہا کہ اس لئے کہ علیؑ صاحب ارض ہیں اور اہل ارض پر پیغمبر اکرم کے بعد خدا کی حجت ہیں اور انہی کی وجہ سے زمین کی بقا و قرار ہے اور میں نے خود سنا ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ جب روز قیامت ہوگا اور کافر دیکھے گا کہ خدا نے علی کے شیعہ کیلئے جو اجر کا وعدہ کیا تھا اس اجر و کرامت اور منزلت و قرب کو جب دیکھے گا تو آرزو کرے گا اور کہے گا کاش کہ میں علی کا شیعہ و ترابی ہوتا۔

یہ ہیں اس آیت کے معنی۔ برہان۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کافر کہے گا کاش میں علوی ہوتا ابوتراب کا محب و موالی ہوتا۔" برہان۔

بروز حشر جب بعض جانور بھی زندہ کئے جائیں گے اور پھر جب حساب کے بعد وہ مٹی میں مل جائیں گے لہٰذا انکو دیکھ کر بھی کافر کہے گا کاش اسی طرح مٹی ہو جاتا۔"

سورہ النازعات (مکیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿١﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿٣﴾
فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿٥﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ
الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾
اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي
الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ
خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَاِذَا هُمْ
بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ
بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾
فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ
فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾
ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ

الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا
اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ
لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾
اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾
مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ
الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ
الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ
الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنْ
خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ
اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ

مُنْتَهٰهَا ﴿٤٤﴾ إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ كَأَنَّهُمْ
يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحٰهَا ﴿٤٦﴾

ترجمہ: شدت سے (کفار کی جان) نکالنے والوں کی قسم۔ اور بسہولت خوشی خوشی (مومنین کی جان)
نکالنے والوں کی قسم۔ اور تیز تیرنے والوں کی قسم۔ اور (اوامر الٰہی کی تعمیل میں) ایک دوسرے سے سبقت
کرنیوالوں کی قسم۔ اور (امور کائنات کی بحکم (رب) تدبیر کرنیوالوں کی قسم۔ کہ جس روز سخت ترین زلزلہ آئے گا
تو اسکے پیچھے ویسا ہی دوسرا زلزلہ آئیگا۔ اس روز قلوب (خوف سے) تیز دھڑک رہے ہوں گے۔ تو انکی نگاہیں (ندامۃ و
خوف سے) جھکی ہوں گی۔ وہ (کفار) کہتے ہیں کہ کیا واقعی (دنیا کی طرف) ہم پلٹائے جائیں گے جبکہ ہم
بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ لوٹنا تو بڑا نقصان دہ ہے۔ وہ تو یقیناً (حشر کیلئے)
ایک دھماکہ ہوگا۔ تو ناگاہ سب کھلے میدان میں ہونگے۔ کیا تمہارے پاس موسیٰ کی بات پہنچی ہے کہ جب
اسکے پروردگار نے اسے طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا کہ تم فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہوگیا
ہے اسے کہو کہ کیا تو کفر سے پاک ہونا چاہتا ہے۔ تو میں تیرے پروردگار کی طرف تیری رہنمائی کرتا ہوں تاکہ تجھے
خوف ہو۔ پھر موسیٰ نے اسے بڑا معجزہ دکھایا۔ تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔
پھر وہ پشت پھیر کر (خلاف) کوشش کرنے لگا۔ تو وہ قوم کو جمع کر کے بلند آواز سے چلایا اور کہا کہ میں تم سب
لوگوں کا رب اعلیٰ ہوں۔ تو خدا نے دنیا و آخرت کے (دونوں) عذاب میں اسے گرفتار کر لیا۔
یقیناً اس (واقعے) میں خدا سے ڈرنے والوں کیلئے درس عبرت ہے۔ تو کیا تمہارا (دوبارہ) پیدا کرنا زیادہ مشکل
ہے یا آسمان کا کہ جسے اس نے بنایا۔ اس نے اسکی چھت کو بلند کر کے ہموار کیا اور اسکی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو
ظاہر کیا اسکے بعد زمین کو ہموار بچھا کر پھیلا دیا تو اس سے اسکا پانی اور اسکی چراگاہیں نکالیں اور پہاڑوں کو اس پر نصب کر دیا۔ یہ سب
تمہارے اور تمہارے جانداروں کیلئے زندگی کا سامان ہے۔ پھر جب بڑی آفت آئے گی کہ جس روز انسان اپنے

تمام کیئے دھرے کو یاد کریگا۔ تو (اس روز) دوزخ کو دیکھنے والوں کے سامنے کردیا جائیگا۔ پس (دنیا میں) جو سرکش و باغی ہوا اور دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تو اسکا ٹھکانہ یقیناً دوزخ ہے۔ اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے پیشی سے ڈرتا رہا اور نفس کو ناجائز خواہشات سے روکے رہا تو اس کا مقام یقیناً جنت ہے۔ (اے رسولؐ) یہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ تو تمہیں اسکے ذکر کی کیا ضرورت اس کا معاملہ تو تمھارے پروردگار کے حوالے ہے۔ تم تو بس ڈرانے والے ہو کہ جو اس (قیامت) سے ڈرے۔ کہ جس روز لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ دنیا میں ایک شام یا ایک صبح ٹھہرے تھے۔

تلاوت:۔ سورہ نازعات کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے ارشاد نبوی ہے کہ "نازعات کی تلاوت کرنے والے کو بروز قیامت نہ ہی روکا جائے گا نہ ہی اس کا حساب ہوگا مگر نماز فریضہ پڑھنے کے وقت کی مقدار کے برابر یہاں تک کہ وہ جنت میں ہوگا۔ مجمع۔

اور پیغمبر اسلام کا فرمان ہے کہ اس سورہ کی تلاوت کرنیوالا عذاب الہٰی سے محفوظ رہے گا اور بروز قیامت خدا اسے ٹھنڈے جام سے سیراب کرے گا اور دشمن سے مقابلے کے وقت جو اسے پڑھے تو دشمن دفع ہوجائیگا۔ اور اسے ضرر نہ پہونچا سکے گا اور وہ محفوظ رہے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو اس سورہ کی تلاوت کیا کرے گا تو وہ سیراب مرے گا اور سیراب اٹھے گا اور سیراب محشور ہوگا۔ جامع۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص دشمن کے سامنے اس سورہ کو پڑھے تو دشمن اس سے منہ پھیر لیگا اور نہ دیکھ سکے گا اور جب کوئی اپنے خطرناک دشمن کے پاس جائے تو اس کے ہاں داخل ہونے سے قبل اس سورہ کو پڑھے تو اس کے ضرر سے نجات حاصل ہوگی اور باذن اللہ محفوظ رہے گا۔

اور اگر کسی چشمہ سے پانی نہ نکلے تو تین روز تک روزانہ اس چشمہ پر اس سورہ کو سات سات بار پڑھا جائے تو پانی جاری ہوجائیگا۔ اور گمشدہ دفینے پر پڑھا جائے تو باذن اللہ معلوم ہو جائے گا۔

کمال ایمان و اخلاق سے اس سورہ کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ "اس سورہ کی تلاوت کرنے والے کیلئے اسقدر اجر و ثواب ہے کہ گویا وہ اول عمر سے آخر عمر تک نماز فریضہ میں مشغول رہا اور ہر سال حج و عمرہ ادا کرتا رہا" منہج۔

مُنۡتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ مَنۡ یَّخۡشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمۡ
یَوۡمَ یَرَوۡنَهَا لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوۡ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: شدت سے (کفار کی جان) نکالنے والوں کی قسم۔ اور بسہولت خوشی خوشی (مومنین کی جان) نکالنے والوں کی قسم۔ اور تیز تیرنے والوں کی قسم۔ اور (اوامر الہی کی تعمیل میں) ایک دوسرے سے سبقت کرنیوالوں کی قسم۔ اور (امور کائنات کی بحکم (رب) تدبیر کرنیوالوں کی قسم۔ کہ جس روز سخت ترین زلزلہ آئے گا تو اسکے پیچھے ویسا ہی دوسرا زلزلہ آئیگا۔ اس روز قلوب (خوف سے) تیز دھڑک رہے ہوں گے۔ تو انکی نگاہیں (ندامۃ و خوف سے) جھکی ہوں گی۔ وہ (کفار) کہتے ہیں کہ کیا واقعی (دنیا کی طرف) ہم پلٹائے جائیں گے جبکہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ لوٹنا تو بڑا نقصان دہ ہے۔ وہ تو یقیناً (حشر کیلئے) ایک دھماکہ ہوگا۔ تو ناگاہ سب کھلے میدان میں ہونگے۔ کیا تمہارے پاس موسیٰ کی بات پہنچی ہے کہ جب اسکے پروردگار نے اسے طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا کہ تم فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہوگیا ہے اسے کہو کہ کیا تو کفر سے پاک ہونا چاہتا ہے۔ تو میں تیرے پروردگار کی طرف تیری رہنمائی کرتا ہوں تاکہ تجھے خوف ہو۔ پھر موسیٰ نے اسے بڑا معجزہ دکھایا۔ تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

پھر وہ پشت پھیر کر (خلاف) کوشش کرنے لگا۔ تو وہ قوم کو جمع کرکے بلند آواز سے چلایا اور کہا کہ میں تم سب لوگوں کا رب اعلیٰ ہوں۔ تو خدا نے دنیا و آخرت کے (دونوں) عذاب میں اسے گرفتار کرلیا۔

یقیناً اس (واقعے) میں خدا سے ڈرنے والوں کیلئے درس عبرت ہے۔ تو کیا تمہارا (دوبارہ) پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا کہ جسے اس نے بنایا۔ اس نے اسکی چھت کو بلند کرکے ہموار کیا اور اسکی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو ظاہر کیا اسکے بعد زمین کو بچھا بچھا کر پھیلا دیا تو اس سے اسکا پانی اور اسکی چراگاہیں نکالیں۔ اور پہاڑوں کو اس پر نصب کردیا۔ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کیلئے زندگی کا سامان ہے۔ پھر جب بڑی آفت آئے گی کہ جس روز انسان اپنے

تمام کیئے دھرے کو یاد کریگا۔ تو (اس روز) دوزخ کو دیکھنے والوں کے سامنے کر دیا جائیگا۔ پس (دنیا میں) جو سرکش و باغی ہوا اور دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تو اسکا ٹھکانہ یقیناً دوزخ ہے۔ اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے پیشی سے ڈرتا رہا اور نفس کو ناجائز خواہشات سے روکے رہا تو اس کا مقام یقیناً جنت ہے۔ (اے رسولؐ) یہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ تو تمہیں اسکے ذکر کی کیا ضرورت اس کا معاملہ تو تمہارے پروردگار کے حوالے ہے۔ تم تو بس ڈرانے والے ہو کہ جو اس (قیامت) سے ڈرے۔ کہ جس روز لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ دنیا میں ایک شام یا ایک صبح ٹھہرے تھے۔

تلاوت:۔ سورہ نازعات کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے ارشاد نبوی ہے کہ "نازعات کی تلاوت کرنے والے کو بروز قیامت نہ ہی روکا جائے گا نہ ہی اس کا حساب ہوگا مگر نماز فریضہ پڑھنے کے وقت کی مقدار کے برابر یہاں تک کہ وہ جنت میں ہوگا مجمع۔

اور پیغمبر اسلام کا فرمان ہے کہ اس سورہ کی تلاوت کرنیوالا عذاب الٰہی سے محفوظ رہے گا اور بروز قیامت خدا اسے ٹھنڈے جام سے سیراب کرے گا اور دشمن سے مقابلے کے وقت جو اسے پڑھے تو دشمن دفع ہو جائیگا۔ اور اسے ضرر نہ پہونچا سکے گا اور وہ محفوظ رہے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو اس سورہ کی تلاوت کیا کرے گا تو وہ سیراب مرے گا اور سیراب اٹھے گا اور سیراب محشور ہوگا۔ جامع۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص دشمن کے سامنے اس سورہ کو پڑھے تو دشمن اس سے منہ پھیر لیگا اور نہ دیکھ سکے گا اور جب کوئی اپنے خطرناک دشمن کے پاس جائے تو اس کے ہاں داخل ہونے سے قبل اس سورہ کو پڑھے تو اس کے ضرر سے نجات حاصل ہوگی اور باذن اللہ محفوظ رہے گا۔

اور اگر کسی چشمہ سے پانی نہ نکلے تو تین روز تک روزانہ اس چشمہ پر اس سورہ کو سات سات بار پڑھا جائے تو پانی جاری ہو جائیگا۔ اور گمشدہ دفینے پر پڑھا جائے تو باذن اللہ معلوم ہو جائے گا۔

کمال ایمان و اخلاق سے اس سورہ کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبر اکرم نے فرمایا ہے کہ "اس سورہ کی تلاوت کرنے والے کیلئے اسقدر اجر و ثواب ہے کہ گویا وہ اول عمر سے آخر عمر تک نماز فریضہ میں مشغول رہا اور ہر سال حج و عمرہ ادا کرتا رہا " منہج۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝٣ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝٤ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝٥

شدت سے (کفار کی جان) کھینچنے والوں کی قسم۔ اور بسہولت خوشی خوشی (مومنین کی جان) نکالنے والوں کی قسم۔
اور تیز تیرنے والوں کی قسم۔ اور (امور الٰہی کی تعمیل میں) ایک دوسرے سے سبقت کرنے والوں کی قسم۔ اور (امور
کائنات کی بحکم رب) تدبیر کرنے والوں کی قسم"

النازعات ۔ شدت و سختی سے کھینچنے والی قوتیں۔

غرقاً ۔ ڈوبنا ۔ غائب ہونا ۔ یعنی ارواح کا اجسام کی تاریکیوں میں غرق ہونا۔ اور کفار کی ارواح کا حیوانی خواہشات
ولذات میں غرق ہونا۔ اور فرشتوں کا احکام الٰہی کی تعمیل میں غرق ہونا جیسے تیر چلانیوالا کمان میں مستغرق ہو کر پوری
قوت سے کمان کو کھینچتا ہے تاکہ تیر زیادہ دور جائے۔ اسی طرح کفار و مشرکین اور باغی و سرکش افراد کی ارواح کو فرشتے
انتہائی شدت و سختی سے کھینچکر نکالتے ہیں۔

قرآن حکیم اکثر مقامات پر بنیادی عقائد و آفاقی صداقتوں کو ثابت کرنے و ذہن نشین کرانے کیلئے تکوینی آیات
کی قسم کھا کر ایک طرف بنیادی عقائد و نظریات کی صداقت و حقیقت کو واضح کرتا ہے تو دوسری طرف ان تکوینی آیات
کی عظمت و حکمت اور افادیت کیطرف عقول بشری کو متوجہ کرتا ہے جسطرح نظریاتی و عملی طور پر زمین پر دو طرح کے انسان
بستے ہیں ایک وہ ہیں کہ جو خالق کائنات اور اسکے انبیاء و تعلیمات پر ایمان و ایقان حاصل کرکے حیات دنیوی کو الٰہی
تعلیمات کے مطابق بسر کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ افراد ہیں کہ جو خالق کائنات کے وجود سے انکاری اور اسکے انبیاء و
تعلیمات کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور خدا کی زمین پر ظلم و فساد اور فسق و فجور پھیلاتے ہوئے حیوانی و شیطانی حیات کے نمونے
بن جاتے ہیں۔ اور دنیا چونکہ امتحان و عمل اور مہلت کی جگہ ہے لہذا خالق عالم و عادل حقیقی کیطرف سے اجر و انعام کی منزل
پر دونوں طرح کے افراد کے ساتھ برابر کا سلوک نہیں ہو سکتا۔ لہذا مہلت حیات کے ختم ہوتے ہی جب جسد و روح کے
جدائی کا وقت آتا ہے تو اسی وقت سے دونوں کی نظریاتی و عملی حیات کے مطابق انکے نتائج کے اظہار کا آغاز ہو جاتا ہے
اسی بنا پر موت کی کیفیات دونوں طرح کے افراد پر جدا جدا وارد ہوتی ہیں۔ آسمانی و آفاقی صداقتوں پر ایمان و ایقان
رکھنے والوں کیلئے موت جنت کی بشارت کا پیغام ہوتی ہے۔ اور کافر و مشرک اور ظالم و منافق یعنی الہامی صداقتوں
کی تکذیب کرنیوالوں کیلئے موت ابدی عذاب کا پیغام ہوتی ہے۔

سورہ نازعات کے شروع کی آیات میں دونوں طرح کے افراد کی موت کی کیفیت کو جامع الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

والناشطات نشطاً ۔ " اور بسہولت خوشی خوشی (مومنین کی جان) نکالنے والوں کی قسم"

نشط ۔ غم کا رفع ہونا۔ وہ گرہ کہ جس کا کھولنا آسان ہو۔ اونٹ کا زانو بند کو کھولکر آزاد ہو جانا۔ جذب کرنا۔ کھودنا۔ کھال کھینچنا۔
اور "نزع" شدت سے کھینچنا۔ اور "نشط" نرمی سے نکالنا۔

یعنی وہ فرشتے کہ جو مومنین کی ارواح کو نرمی و خوشی سے نکالتے ہیں۔ اور دنیاوی مصائب و آلام میں مقید ارواح کو ملائکہ رحمت نرمی سے آزادی دلاتے ہیں۔ اسطرح اجسام سے ارواح کے تعلق کی گرہ کو کھولنے کے ساتھ اعضائے جسمانی کے آپس کے تعلق کی گرہ کو بھی کھولدیتے ہیں۔ اور پھر ارواح کا دنیاوی اجسام سے آزادی کے بعد برزخی اجسام سے تعلق کر دیا جاتا ہے اور پھر بروز حشر برزخی اجسام سے آزاد کر کے اصلی دنیاوی اجسام سے تعلق قائم کر دیا جائیگا۔

آسمانی و الہامی صداقتوں پر ایمان و ایقان رکھنے والوں کی ارواح کو انکے اجسام سے جدا کرنے پر مامور فرشتے خوشی خوشی روشن و نورانی صورت میں مومن کے پاس آتے ہیں جیساکہ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ جب مومن کا دنیا سے انقطاع اور آخرت کی طرف جانے کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس جب فرشتے آتے ہیں تو ان کے چہرے سورج کیطرح چمکدار ہوتے ہیں اور انکے پاس جنت کا کفن و حنوط ہوتا ہے اور نگاہوں کی رسائی تک بیٹھ جاتے ہیں اور پھر ملک الموت آکر مومن کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ "اے نفس مطمئنہ اللہ کی مغفرت و رضوان کی طرف نکل چلو۔ تو مومن کی روح اسطرح نکلتی ہے کہ جسطرح مشک سے پانی کا قطرہ گرتا ہے اور وہ روح اس کے پاس نہیں ٹھہرتی پھر فرشتے اسے کفن و حنوط دیتے ہیں تو اس سے مشک کی خوشبو پھیلتی ہے اور جب کافر کا دنیا سے جانے کا وقت آتا ہے تو آسمان سے سیاہ صورت فرشتے اسکے پاس آتے ہیں اور نگاہوں کی رسائی تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خبیث نفس اب خدا کی ناراضگی کیطرف چل! اور اسکی روح کو اسطرح کھینچتا ہے کہ جسطرح کہ لوہے کی سلاخ اون میں ڈالکر کھینچی جاتی ہے اور اسے تنگ ظرف میں ڈالدیتے ہیں پھر اس سے مردار کی مانند بدبو نکلتی ہے۔"

اور امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ "فرشتے کفار کی ارواح کو کھال کے درمیان سے اور ہر بال و ناخن کے نیچے سے کھینچکر نکالتے ہیں اور کافر موت کے وقت خود کو غرق شدہ دیکھتا ہے اور مومن موت کے وقت خوشی و نشاط میں ہوتا ہے کیونکہ موت کے وقت اسے جنت دکھادی جاتی ہے اور حوریں اس سے کہتی ہیں ہماری طرف جلدی آؤ کہ ہم تمہارے انتظار میں ہیں تو مومن اس سے خوش ہو جاتا ہے۔"

والسابحات سبحًا ﴿۳﴾ "اور تیز تیرنے والوں کی قسم" سبح۔ پانی یا ہوا میں تیز تیز تیرنا جسمانی تیرنا یا روحانی تیرنا۔ یہاں وہ فرشتے مراد ہیں کہ جو تکوین کے سمندر میں تیز رفتاری سے پرواز کرتے ہیں۔ یا عظیم ستارے و سیارے کہ جو کائنات کی فضاؤں میں خدا کی متعین کردہ راہوں پر تیر رہے ہیں۔ یا وہ خاص فرشتے کہ جو اوامر الٰہی و وحی ربانی کے حصول کیلئے یا ارحام میں انسانی تصویر بنانے کیلئے یا مخلوق کے ارزاق پہونچانے کیلئے تکوین کے سمندر میں تیزی سے تیرتے ہیں پرواز کرتے ہیں۔

اور عقول بشری بھی جو آفاق میں غور و فکر کیلئے پرواز کرتی ہیں۔ اور یا وہ فرشتے کہ جو مومنین کی ارواح کو جب نکالتے ہیں تو وہ راحت محسوس کرتی ہیں جسطرح پانی میں تیرنے والا ماہر تیراک راحت محسوس کرتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ "المسابحات۔ وہ فرشتے ہیں کہ جو مومنین کی ارواح نکالتے ہیں جسطرح کہ کوئی تیراک پانی سے کسی چیز کو باہر نکالتا ہے۔"

فالسابقات سبقاً ۞ ۵ "اور (امور الہٰی کی تعمیل میں) ایک دوسرے سے سبقت کرنیوالوں کی قسم" یعنی الہٰی اوامر کی تعمیل میں سبقت کرنیوالے۔ اور وہ فرشتے کہ جو بحکم رب ارواح کو قبض کرنے میں سبقت کرتے ہیں۔ یا وہ فرشتے کہ جو مومنین کی ارواح کو جنت کیطرف لیجانے میں سبقت کرتے ہیں۔"

ارواح بشریہ جب مادی جسمانی لوازمات و قیود سے آزاد ہو جاتی ہیں تو عالم علوی سے اتصال کے شوق میں اجسام کی ظلمت سے نکل کر عالم ملکوت کیطرف تیز تیراک کی مانند سبقت کرتی ہیں۔ اور دنیا سے نفرت اور عالم علوی سے محبت و رغبت کے لحاظ سے ارواح کے مدارج ہیں جسقدر ایمانی و عرفانی قوت زیادہ قوی ہوگی اسی قدر عالم ملکوت و حقیقت کیطرف پرواز تیز تر ہوگی۔ عارف ربانی امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "مومنین کی ارواح جنت کی طرف سبقت کرتی ہیں۔" اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ "مومنین کی ارواح جنت کیطرف ایک دوسرے سے سبقت کرتی ہیں اور کفار کی ارواح دوزخ کیطرف سبقت کرتی ہیں جسطرح کہ دنیا میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے تھے۔"

موت کے بعد مومنین کی ارواح ثواب و کرامت کے حصول کیلئے رحمت و رضوان کیطرف سبقت کرتی ہیں اور موت کے وقت کامرانی کا مشاہدہ کرتے ہی فرشتوں کیطرف سبقت کرتی ہیں۔ یہاں وہ تمام پاکیزہ قوتیں مراد ہیں کہ جو اوامر الہٰی کی تکمیل اور مشیت ربانی کے مطابق احکام الہٰی کے نفاذ میں سبقت کرتی ہیں۔ فرشتے معصوم ہیں اور امور تکوینی و تشریعی پر خدا کی طرف سے مامور ہیں لہٰذا یہاں وہ مراد ہیں۔ لیکن لباس بشری میں خلعت عصمت و طہارت سے آراستہ کچھ ایسی ذوات مقدسہ ہیں کہ جو اوامر الہٰی کی تعمیل اور قربت الہٰی کے حصول میں تمام سبقت کرنیوالوں سے اول و سابق ہیں اور وہی سب سے بڑھکر مقربان الہٰی ہیں کہ جن کا سورہ الواقعہ میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ والسابقون السابقون ۞ ۱۰ اولئٰک المقربون ۞ ۱۱ اور جو سبقت کرنیوالے ہیں وہی مقربین (الہٰی) ہیں۔

فالمدبرات امراً ۞ ۶ اور (امور کائنات کی بحکم رب) تدبیر کرنیوالوں کی قسم۔" یعنی وہ قوتیں و فرشتے کہ جو بحکم پروردگار امور کائنات کی اور انسانی حیات کے معاملات کی ایک سال سے دوسرے سال تک کی تدبیر کرتے ہیں اور امور کائنات کی تدبیر کرنیوالے چار فرشتے ہیں جبرائیل کہ جو ہواؤں اور الہٰی لشکروں پر اور نظام تکوینی و تشریعی وحی وغیرہ پر مامور ہے اور میکائیل کہ جو بارش و نباتات اور ارزاق پر مامور ہے اور عزرائیل کہ جو قبض ارواح پر مامور ہے اور اسرافیل کہ جو صور

پھونکنے پر متعین ہے۔ تکوین و تشریع میں مدبر حقیقی خدا کی ذات ہے لیکن یہاں تدبیر کرنے کی نسبت ان پاکیزہ ذوات کی طرف دی گئی کہ جو مشیت الٰہی کے مطابق تکوین و تشریع کی تدبیر کرتی ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس ایک چاند کی شب میں کچھ اصحاب بیٹھے تھے کہ انھوں نے آسمان کی طرف دیکھکر کہا فرزند رسول یہ آسمان کسقدر خوبصورت ہے اور نجوم و کواکب کسطرح جگمگا رہے ہیں۔ امام نے فرمایا تم ان کے متعلق بات کرتے ہو اور یقیناً تدبیر کرنے والے چار فرشتے ہیں۔ جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل و عزرائیل یہ فرشتے جب زمین کیطرف دیکھتے ہیں تو تم کو اور تمہارے برادران ایمانی کو زمین کے اطراف میں دیکھتے ہیں تو تمہارا اور تمہارے بھائیوں کا نور انکی طرف ان ستاروں سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے اور تمہاری طرح وہ کہتے ہیں کہ ان مومنین کا نور کسقدر خوبصورت ہے؟

ان آیات سے متعلق مفسرین نے کئی معانی کئے ہیں ایک وہ معنی و مفہوم ہے جو تحریر کیا گیا ہے اس کے علاوہ یہ معانی کئے گئے ہیں (۱) ایک افق سے دوسرے افق کیطرف جانے والے ستاروں کی قسم۔ نقل مکانی کرنے والے ستاروں کی قسم۔ (برج در برج۔ تیر نے والے ستاروں کی قسم۔ سرعت رفتار میں سبقت کرنے والے ستاروں کی قسم۔ دنیا کے امور کی تنظیم و تدبیر کرنیوالے ستاروں کی قسم۔

(۲) پاک ارواح کی قسم جو لقاء الٰہی کی سخت مشتاق ہیں۔ ان نفوس کی قسم جو خوشی سے اجسام کو چھوڑتے ہیں۔ ان نفوس کی قسم کہ جو فضا میں بے انتہا تیزی کرتے ہیں۔ ان ارواح کی قسم جو درجات عالیہ کی طرف سبقت کرتی ہیں۔ ان نفوس کی قسم جو اس دنیا میں تدبیر کرتے ہیں۔

(۳) قسم ہے کمانداروں کی جو شدت سے تیر پھینکتے ہیں۔ قسم ہے راہ جہاد میں خوشی سے نکلنے والوں کی قسم ہے جہاد کی طرف تیزی سے بڑھنے والوں کی۔ قسم ہے امر جہاد میں ایک دوسرے سے سبقت کرنیوالوں کی۔ اور قسم ہے امر جہاد میں تدبیر کرنے والوں کی۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ "جس روز سخت ترین زلزلہ آئیگا تو اسکے پیچھے ویسا ہی دوسرا زلزلہ آئے گا"

راجفۃ۔ سخت ترین حرکت۔ یا سخت ترین آواز (صیحہ) کہ جو کان و دماغ کے پردے پھاڑ دے۔ رجفہ وہ عالمگیر زلزلہ و دھماکہ ہے کہ جو قیامت برپا کرنے کیلئے آئے گا جس سے یہ نظام ارضی تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اور زمین کی داخلی معتدل حرکات کی بنا پر بھی اسے رجفہ کہا جاتا ہے۔ اور زمین کی داخلی چودہ حرکات ہیں۔

رادفہ۔ ردیف۔ تابع۔ اور وہ شخص کہ جو گھوڑے پر یا کسی دوسری سواری کی پشت پر کسی کے پیچھے بیٹھے یعنی جو کسی کے بعد آئے یعنی قیامت برپا ہونے کیلئے اور تمام ذیحیات کو موت سے ہمکنار کرنے کیلئے پوری زمین ایک سخت

ترین زلزلے ودھماکے سے لرز جائے گی جس سے تمام پہاڑ خاکستر ہو جانے کے ساتھ تمام ذیحیات موت کا شکار ہو جائیں گے اور زمین کی تمام پستیاں و بلندیاں ختم ہو کر زمین ہموار ہو جائے گی۔ تو اسطرح تمام انسان چالیس روز یا چالیس سال تک موت سے ہمکنار رہیں گے تو اس کے بعد دوسرا عالمگیر زلزلہ ودھماکہ ہوگا کہ جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ یعنی پہلا زلزلہ ودہماکہ موت کی نیند سُلا دے گا اور دوسرا زلزلہ ودہماکہ حیات بخش ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "راجفہ" امام حسین ہیں اور "رادفہ" امیر المومنین ہیں اور پہلا کہ جو اپنے سر سے خاک کو جھاڑتا ہوا نمودار ہوگا وہ امام حسینؑ ہوں گے اور ان کے ساتھ پچھتر ہزار افراد ہوں گے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ انّا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا "یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور مومنین کی دنیاوی حیات میں مدد کریں گے اور اس روز بھی کہ جب روز گواہ کھڑے ہونگے۔"

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ "اس روز قلوب تیز دھڑک رہے ہوں گے۔ تو انکی نگاہیں (ندامۃ اور خوف سے) جھکی ہوں گی۔"

واجفۃ۔ وجیف۔ تیز رفتار۔ تیز حرکت۔ مضطرب و خائف۔ خفقانِ قلب۔

جب محشر برپا ہونے اور انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کیلئے دوسرا عالمگیر سخت ترین زلزلہ ودھماکہ ہوگا کہ جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اسوقت انسان کی جو حالت ہوگی اسے قرآن حکیم مختلف مقامات پر مختلف انداز سے واضح کرتا ہے۔ ان آیات میں بھی انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ اسوقت قلوب کسطرح شدّت خوف کی وجہ سے تیز دھڑک رہے ہوں گے اور قلوب وجسد کی نگاہیں خوف و ندامت سے جھکی ہوں گی۔ یہ خصوصاً ان لوگوں کی حالت ہوگی کہ جو وحی ربانی اور آسمانی پیغامات کی تکذیب کرتے تھے اور بروزِ قیامت زندہ ہونے سے انکار کرتے تھے لیکن جب بروز قیامت زندہ کھڑے ہوں گے تو اسوقت اپنے انجام بد کو دیکھکر خوفزدہ و سراسیمہ اور نادم و پشیمان ہوں گے۔ سورہ نور میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ "یوم تتقلب فیہ القلوب والابصار (۳۷) جس روز (خوف کیوجہ سے) قلوب و آنکھیں الٹ جائینگی۔" اور عارف ربانی امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا "رب ھب لی کمال الانقطاع الیک وانر ابصار قلوبنا بضیاء نظرھا الیک" پروردگارا مجھے یہ قوۃ و توفیق عطا فرما کہ تمام کائنات سے ہٹ کر میرا رخ تیری طرف رہے اور ہمارے قلوب کو اپنے جمال و جلال کیطرف دیکھنے کے نور سے منور فرما۔"

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ۝ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾

"وہ (کفار) کہتے ہیں کہ کیا واقعی (دنیا کی طرف) ہم پلٹائے جائیں گے جبکہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو چکے ہوں گے (پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ لوٹنا تو بڑا نقصان دہ ہے۔ وہ تو یقیناً (حشر کیلئے) ایک ہی دھماکہ ہوگا۔ تو ناگاہ سب کھلے میدان میں ہوں گے۔"

حافرہ۔ حفر کھودنا۔ اور معنی محفرہ یعنی کھودا ہوا یعنی قبر۔ اور گھوڑے کے سم کو بھی اسی بنا پر حافرہ کہا جاتا ہے کہ اس سے وہ زمین کو روندنا و کھودتا ہے۔ اور حافرہ راستے کو بھی کہتے ہیں۔

زجرۃ۔ سخت ترین آواز (صیحہ)، ساھرہ۔ روئے زمین۔ قیامت کی سفید و ہموار زمین۔ زمین کی پشت۔ عرب بیابان و ہموار زمین کو ساھرہ کہا کرتے۔

یعنی جب دوسرا عالمگیر زلزلہ و دھماکہ ہوگا تو تمام انسان زمین کے بطن سے نکل کر اس کی پشت پر زندہ موجود ہونگے۔ کفار و مشرکین کو جب روز حشر برپا ہونے اور حساب و کتاب کیلئے انسان کے دوبارہ زندہ ہونے کیلئے کہا جاتا تو وہ کہا کرتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے کے بعد انسان دوبارہ کس طرح زندہ ہوں گے۔ اور وہ مذاق سے کہتے کہ یہ لوٹنا تو بڑا نقصان کا ہوگا۔ ان آیات میں کفار و مشرکین کے قول کو بیان کرنے کے بعد اسکا جواب دیا گیا ہے کہ جس خلاقِ عالم نے ابتداءً تمام کائنات کو عدم سے خلق کیا تو اسی کے حکم سے ایک صیحہ و دھماکہ کے ذریعے خاک میں ملے ہوئے تمام انسانی اجسام مکمل ہو کر اپنی ارواح کے ساتھ میدان حشر میں موجود ہوں گے۔

یعنی اس زمین سے انسان کی دوسری ولادت ہوگی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ "ساھرہ زمین ہے کہ جب تمام لوگ قبروں میں ہوں گے تو ایک آواز سنیں گے تو قبروں سے سب باہر نکل آئیں گے اور سطح زمین پر جمع ہو جائیں گے۔" اور پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "کرّۃ" "لوٹنا" بروز حشر دوبارہ حیات کیطرف لوٹنا اپنے اہل کیلئے مبارک و نفع بخش ہے۔ کہ جب میری و علیؑ کی اور علیؑ کی اولاد سے ائمہ کی پیروی کرنیوالے کو میری و علیؑ کی ولایت اور فرزندانِ علی کی ذوات و محبت نفع پہنچائے گی اور ہماری محبت و ولاء رکھنے کی وجہ سے خدا ان کے لئے جنت کا حکم دے گا۔ اور کرّہ۔ لوٹنا۔ نقصان و خسارے کا بھی ہے کہ مجھ سے اور علیؑ سے اور ان کے بعد کے اوصیاء سے عداوت رکھنے والے کیلئے اس عداوت کی بنا پر دوزخ کے اسفل سافلین میں دھکیلے جانے کا حکم دیا جائیگا کہ جہاں وہ جائیں گے۔" جامع۔

هَلْ اَتٰكَ حَدِیْثُ مُوْسٰی ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤی اَنْ تَزَكّٰی ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِیَكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَخْشٰی ﴿۱۹﴾

کیا تمہارے پاس موسیٰ کی بات پہونچی ہے کہ جب اسکے پروردگار نے اسے طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا۔ کہ تم فرعون کے

کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ تو اسے کہو کہ کیا تو کفر سے پاک ہونا چاہتا ہے۔ تو میں تیرے پروردگار کی طرف تیری رہنمائی کرتا ہوں تاکہ تجھے خوف ہو۔"

طغیٰ ۔ طغیان ۔ حد سے تجاوز کرنا۔ فکر و عقیدہ اور عمل و کردار میں حدود کو توڑ کر تجاوز کر جانا۔

یہاں طاغی وہ ہے کہ جو کفر و الحاد اور فسق و فجور میں آگے بڑھ جائے۔ اور دنیا کی محبت و عشق انسان کو اپنے خالق و مالک سے سرکش و باغی بنا دیتا ہے۔ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ " دنیا کی محبت وعشق ہر برائی کی اصل و جڑ ہے۔"

اور امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "جس نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا وہ باغی ہوا اور بغیر حجۃ کے عمل میں گمراہ ہوا۔"

قرآن حکیم سابقہ امم کے تذکروں کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ کس طرح خلاق عالم کیطرف سے انبیاء کرام پیغام ھدایت کے ساتھ انکی طرف آتے رہے اور وہ سرکش و باغی افراد و اقوام کسطرح ان الٰہی نمائندوں سے بغاوت کر کے ان کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتی رہیں۔ اور کس ہمت و جرائت اور صبر و استقلال سے الٰہی نمائندے انکے مظالم برداشت کرتے ہوئے انکو مقصد حیات سے آگاہ کرتے ہوئے انھیں اخروی خطرات سے باخبر کرتے رہے۔ لیکن جب ان باغی و سرکش انسانوں کی بغاوت و ظلم نے تمام حدود کو توڑ ڈالا اور انکی ھدایت کا امکان ختم ہو گیا تو پھر کسطرح ان کو الٰہی عذاب نے فوراً دبوچ لیا پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو انکے انجام بد سے نہ بچا سکی۔

ان آیات میں جناب موسیٰ کے تذکرے سے پیغمبر اکرم کی تسکین قلب کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ فرعون جیسے سرکش کو راہ راست پر لانے کیلئے جناب موسیٰ کسطرح کوشاں رہے لیکن فرعون آخر دم تک کفر و سرکشی پر قائم رہا اور بالآخر ذلت و رسوائی کی موت کا شکار ہوا۔ تو اے پیغمبر اسلام ان کفار مکہ کی سرکشی سے آپ ملولِ خاطر نہ ہوں اگر یہ ھدایت کی طرف نہ آئے تو ان کو بھی انجام بد سے کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی

فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿٢١﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٤﴾

فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾

پھر موسیٰ نے اسے بڑا معجزہ دکھایا۔ تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر وہ پشت پھیر کر (خلاف) کوشش کرنے لگا۔ تو قوم کو جمع کر کے بلند آواز سے چلایا اور کہا کہ میں تم سب لوگوں کا رب اعلیٰ ہوں۔

تو خدا نے دنیا و آخرت کے (دونوں) عذاب میں اسے گرفتار کر لیا۔ یقیناً اس (واقعے) میں خدا سے ڈرنے والوں کے لئے درس عبرت ہے۔"

۔ عبرت انگیز عذاب۔ لوہے کی لگام۔ جانور کو روکنے والی رسی۔

یہاں نکال سے ایسا عذاب مراد ہے کہ جو سختی و شدت اور ذلت و رسوائی کی بنا پر دوسروں کیلئے عبرت ہونے کے ساتھ کفر و شرک اور فسق و فجور سے باز رکھنے کا سبب بنے۔

ان آیات میں ایک سرکش و باغی انسان کا تذکرہ ہے اور خالق کائنات کیطرف سے اسے مسلسل مہلت دینے اور اُسے راہِ راست پر لانے کیلئے اہتمام کا تذکرہ ہے۔ الٰہی نمائندہ خدا کا رسول اسے ہدایت پر لانے کیلئے مسلسل کوشش کرتا رہا، اور وہ مسلسل سرکشی و معصیت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اپنی سرکشی و بغاوت کے نتیجے میں دریائے نیل میں غرق ہو گیا جبکہ اس کی سرکشی و بغاوت کی بنا پر اس کے لئے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کی بد دعا کے چالیس سال کی طویل مہلت کے بعد اسے ہلاک کیا گیا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾

"تو کیا تمہارا (دوبارہ) پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا کہ جسے اس نے بنایا۔ اس نے اسکی چھت کو بلند کر کے ہموار کیا اور اسکی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو نکالا۔"

سمک۔ بلندی۔ چھت۔ کسی چیز یا دیوار کا اوپر سے نیچے کی طرف اندازہ کرنا عمق اور نیچے سے اوپر کیطرف اندازہ کرنا ارتفاع اور سمک کہلاتا ہے۔

تسویہ۔ کسی چیز کے تمام اجزاء کا بغیر ترجیح کے مساوی کرنا۔ جو جس کا مقام ہو اسے وہیں رکھنا۔ جو جس کے مناسب ہو اسے وہی دینا۔ اور آراستہ کرنا۔ یعنی کسطرح خلاق عالم نے وسیع آسمان کی چھت کو بلند کر کے نجوم و کواکب سے آراستہ کیا ہے۔

قرآن حکیم بروز حشر حساب و کتاب کیلئے دوبارہ زندہ ہونے کو تکوینی آیات سے ثابت و واضح کرتا ہے۔ ان آیات میں خلاق عالم کی قدرت و اقتدار کیطرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ کیا شمس و قمر اور سیاروں و ستاروں بھرے اس نیلگوں آسمان کی وسیع چھت کا پیدا کرنا مشکل امر ہے یا کرۂ زمین میں بکھرے ہوئے انسانی اجسام کے ذرات کا جمع کر کے اسے دوبارہ اصلی صورت میں پیدا کرنا مشکل امر ہے اور پھر جبکہ روزمرہ تم الٰہی قدرت و اقتدار کے کرشمے اس کائنات میں دیکھتے رہتے ہو۔ اور زندگی کی مناسبت کیلئے شب و روز اور موسموں کا بدلنا اور نباتات کے بیج کا خاک میں جا کر اپنی اصلی صورت کو تبدیل کر کے نباتات کی صورت میں ظاہر ہو کر پھر اسی بیج کا اصلی صورت میں خود ظاہر ہونا کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انسانی اجسام کے خاک میں مل جانے کے بعد دوبارہ بروز حشر اصلی صورت میں خلاق عالم ان کو ظاہر کر سکتا ہے۔

ایک شامی سے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خالق مخلوق سے پہلے تھا اگر اول مخلوق کسی شے سے پیدا ہوتی تو یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا پھر وہ خدا کے ساتھ ہمیشہ رہتی تو خدا سب سے مقدم اور اول نہ ہوتا لیکن خدا تو اس وقت تھا جب اسکے علاوہ کوئی شے نہ تھی اس نے جس شے کو پہلے پیدا کیا اسی سے تمام اشیاء کو پیدا کیا اور اس نے تمام اشیاء کا نسب پانی کیطرف قرار دیا اور پانی کا نسب نہیں ہے کہ جسکی طرف اسے منسوب کیا جائے اور ہوا کو پانی پر مسلط کیا تو ہوا نے پانی کی سطح کو مشتق کیا تو پانی سے اسقدر جھاگ

بلند ہوئی کہ جسقدر خدا چاہتا تھا تو اس جھاگ سے سفید و صاف ہموار زمین پیدا کی کہ جسمیں پستی و بلندی اور گڑھا و شگاف اور درخت و نبات نہیں تھے تو اسے پانی پر پھیلا دیا اور اسی نے پانی سے آگ کو پیدا کیا تو آگ نے پانی کی سطح کو شق کیا تو پانی سے دخان (دھواں گیس) بلند ہوا کہ جسقدر وہ چاہتا تھا تو اس دخان سے صاف شفاف آسمان پیدا کیا جسمیں سوراخ و شگاف نہیں تھا یہ ہے خدا کا قول کہ السماء بناھا۔ رفع سمکہا وسوّٰھا۔ واغطش لیلھا واخرج ضحاھا۔ اسوقت شمس و قمر اور نجوم و بادل نہیں تھے تو اس نے آسمان کو زمین پر تن دیا پھر مخلوق کو نسبت دی اصل کیطرف اور آسمان کو زمین کے پھیلانے سے پہلے بلند کیا اور خدا کا قول ہے کہ " والارض بعد ذلک دحاھا "

اور کسطرح زندگی کی روانی کیلئے زمین کو حرکت دے کر شب و روز کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا خدا نے دن کو رات سے پہلے پیدا کیا۔ آپ نے فرمایا " ہاں خدا نے دن کو رات سے پہلے پیدا کیا "

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝

"اور اس کے بعد زمین کو ہموار کر کے لڑھکا دیا تو اس سے اس کا پانی اور اسکی چراگاہیں نکالیں۔ اور پہاڑوں کو اس پر نصب کر دیا گیا۔ یہ سب تمہارے اور تمہارے جانداروں کیلئے زندگی کا سامان ہے"

دحیٰ - طحی - حرکت دینا۔ ایسی حرکت کہ جو لٹو کی مانند محوری ہو۔ اس لفظ " دحو " سے زمین کی گولائی و حرکت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

زمین کو پانی کی جھاگ سے پیدا کر کے کسطرح پانی پر بچھا کر متحرک کر دیا گیا۔ اور کسطرح اس پر حیات کی روانی کیلئے اسے تمام صلاحیتوں سے آراستہ کر کے ہموار بنا دیا گیا۔ اس سے ذیحیات کی خوراک کیلئے نباتات کا اخراج بھی ہے اور پینے کیلئے پانی کے چشمے بھی اسی سے جاری ہوتے ہیں اور اس پر رہنے کیلئے مکانات کی تعمیر بھی آسانی سے ہو سکتی ہے اور اس پر حیات کی بقا کیلئے کسطرح اسے [illegible] مرکزی حرکت پر رواں دواں کر دیا گیا اور اسکی حرکت کو اعتدال پر رکھنے کیلئے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے گئے اور کسطرح مادر گیتی کو فیاض بنایا کہ تمام ذیحیات کی خوراک و لباس کا خاموشی سے اہتمام کر رہی ہے۔ انسان بھی اسی سے خوراک حاصل کرتا ہے اور جانور بھی اسی سے خوراک حاصل کرتے ہیں اور کسطرح یہ زمین خلاق عالم کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کر رہی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند عالم نے جب زمین کو پیدا کرنا چاہا تو ہوا کو حکم دیا تو ہوا نے پانی میں تلاطم پیدا کر کے موجیں پیدا کیں کہ جس سے جھاگ پیدا ہوئی کہ جسے خانہ کعبہ کے مقام پر جمع کیا گیا تو وہ جھاگ ایک پہاڑ کی مانند تھی پھر اس کے نیچے سے زمین کو بچھایا گیا جیسا کہ خدا کا قول ہے انّ اول بیت وضع للناس ۔ الخ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ " یقیناً " خداوند عالم نے زمین کو کعبہ کے نیچے سے منیٰ تک پھیلایا پھر منیٰ سے عرفات تک

پھیلایا پھر عرفات سے منیٰ تک پھیلایا تو زمین عرفات سے اور عرفات منیٰ سے اور منیٰ کعبہ سے ہے "۔ نور الثقلین ۔
اور امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے چٹانوں و بلند پہاڑوں کے نصب کئے جانے سے زمین کی حرکات کو معتدل بنا دیا۔
تو پہاڑوں کے نصب کئے جانے سے زمین کے میدانوں میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا "۔
اور آپ نے فرمایا کہ " زمین کو سکون حاصل ہوا اس سے کہ وہ اپنے اہل کو کہیں لیکر لڑھک جاتی اور اپنے مقام سے ہٹ جاتی
تو پاک ہے وہ ذات کہ جس نے اسکے پانی کی موجوں کے بعد اسے قرار عطا کیا اور اسکے اطراف میں رطوبت کے بعد اسے جامد
بنایا اور اسے اپنی مخلوق کیلئے گہوارہ بنایا اور مخلوق کیلئے بچھونا قرار دیا۔"

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾

پھر جب بڑی آفت آئے گی کہ جس روز انسان اپنے تمام کئے دھرے کو یاد کرے گا تو (اس روز) دوزخ
کو دیکھنے والوں کے سامنے کر دیا جائے گا "۔

الطامۃ ۔ غالب و بلند ۔ طمّ ۔ بھر جانا ۔ طمطام ۔ سمندر کا وسط ۔ امر عظیم ۔ کثیر شے ۔ یعنی ایسی قوی و غالب آفت و
مصیبت کہ جو تمام اشیاء کو ڈھانپ لے ۔ یہاں اس سے قیامت مراد ہے کہ جس کے اثرات سے کوئی موجود نہیں بچ سکے گا ۔ وہ
ایسی آفت و مصیبت ہوگی کہ جو تمام آفات و مصائب سے قوی و سب پر غالب ہوگی ۔ اور اسکا وصف " کبریٰ " سے کرکے
اسکی آفت و مصیبت کی شدت کو ظاہر کیا گیا ہے ۔ قیامت برپا ہونے کی ایسی گھڑی ہوگی کہ تمام حوادثات کو بھلا دیگی۔
اور یہ طامۃ الکبریٰ ۔ دوسرا عالمگیر زلزلہ و صیحہ ہوگا کہ جس کے بعد تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اسوقت انسان
اپنی دنیاوی زندگی کی تمام کارگزاری کو یاد کرے گا اور تمام کوتاہیاں نظر کے سامنے آجائیں گی ۔ جسطرح کہ یہاں دنیا میں بھی
جب کوئی سخت مصیبت وارد ہوتی ہے تو انسان اپنی تمام خطاؤں کو یاد کرتا ہے اور ندامت کا اظہار کرتا ہے اور اس وقت
تمام انسانوں کو جنت و دوزخ کا نظارہ بھی کرایا جائیگا تو دنیا میں آسمانی پیغام سے باغی و حیوانی و شیطانی زندگی بسر کرنے
والے اس روز جنت سے محروم رہنے پر جب جنت کا نظارہ کریں گے تو انتہائی حسرت و یاس میں ہوں گے اور دنیا میں آسمانی
صداقتوں پر ایمان و ایقان رکھنے والے اور الہامی پیغامات کی پیروی کرنیوالے اس روز جب دوزخ کو دیکھیں گے تو دوزخ سے
نجات اور جنت کے حصول پر پروردگار کا ڈھیروں شکر و حمد ادا کریں گے ۔

امیر المومنین علیہ السلام نے ایک طویل حدیث میں فرمایا کہ " آگاہ رہو کہ اسکے بعد طامۃ الکبریٰ ہے ۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیا ہے تو
آپ نے فرمایا یہ " دابۃ الارض " ہے کہ جو صفا کے پاس سے ظاہر ہوگا اس کے پاس سلیمان کی انگوٹھی اور موسیٰ کا عصا
ہوگا وہ ہر مومن کے چہرے پر انگوٹھی سے مہر ثبت کرے گا کہ ھذا مومن حقاً ۔ اور ہر کافر کے چہرے پر مہر لگائے گا کہ
ھذا کافر " ۔ تو اسوقت مومن ندا دے گا کہ اے کافر تمہارے لئے ویل و تباہی برحق ہے ۔ اور کافر ندا دے گا کہ اے

مومن تجھے مبارک ہو میں چاہتا تھا کہ تمہاری مانند ہوتا تاکہ عظیم کامیابی حاصل کرتا۔ پھر " دابۃ الارض " اپنا سر بلند کرے گا تو باذن اللہ مشرق و مغرب کے درمیان دیکھے گا۔ اور یہ مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کے بعد ہے کہ اسوقت توبہ اٹھالی جائے گی تو توبہ قبول نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی عمل قبول ہوگا اسوقت کسی نفس کا ایمان لانا مفید نہیں ہوگا اور اسکے بعد کے متعلق مجھ سے نہ پوچھو کیونکہ پیغمبر اکرم نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ اپنی عترت کے علاوہ کسی کو آگاہ نہ کروں "۔ نور الثقلین ۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ پس (دنیا میں) جو سرکش و باغی ہوگا اور دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی تو اس کا ٹھکانہ یقیناً دوزخ ہے "۔

یہ دنیاوی زندگی آخرت کی ابدی زندگی کا مقدمہ ہے اور یہ دنیا اخروی زندگی کیلئے سامان راحت جمع کرنے کی جگہ ہے۔ اسی لئے جب طامۃ الکبریٰ یعنی دوسرا صیحہ ہوگا اور تمام انسان حساب و کتاب کیلئے زندہ کھڑے ہو جائیں گے تو اسوقت انسانوں کے دو گروہ ہوں گے ایک وہ گروہ کہ جسکی فکر بیدار تھی اور اس نے ایمان و ایقان کے ساتھ اخروی ابدی حیات کی راحت کے حصول کیلئے ایثار کیا تھا اور بارگاہ الٰہی میں حاضری کے احساس سے آسمانی فرامین کی اطاعت کرتا رہا تو اس کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہوگا۔ اور دوسرا گروہ وہ ہوگا جو آسمانی پیغام سے بغاوت کرنے کی بنا پر حیوانی و شیطانی خواہشات کا غلام بنا رہا اور اخروی حیات کیلئے کچھ نہیں کیا ہوگا تو اسکا دوزخ ٹھکانہ ہوگا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

" اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے پیشی سے ڈرتا رہا اور نفس کو ناجائز خواہشات سے روکے رہا تو یقیناً اسکا مقام جنت ہے "۔

ان آیات میں اس دوسرے گروہ کا تذکرہ ہے کہ جس نے آسمانی پیغام پر ایمان و ایقان کے ساتھ خواہشات حیوانی و شیطانی کی غلامی سے اپنی ذات کو محفوظ رکھا تو یقیناً کامیاب و کامران دنیا سے رخصت ہوا اور ابدی جنت کی حیات و راحت کا مستحق ہوا۔ ان آیات میں اعتقاد صحیح و عمل صحیح کو دو جملوں میں بیان کر دیا گیا ہے (۱) خوف۔ یعنی خدا کی عظمت و جلالت اور اسکی بارگاہ میں حاضری کے خیال کے ساتھ اس کے عدل کا خوف ہونا۔ (۲) اور اسکے عدل کے خوف کی بنا پر خواہشات حیوانی و وساوس شیطانی سے پرہیز کرنا۔ نفسانی و حیوانی خواہشات ہی انسانی حیات کی ہلاکت و تباہی کا سبب بنتی ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "اپنی خواہشات نفسانی سے اسطرح ڈرو جسطرح اپنے دشمنوں سے ڈرتے ہو اور لوگوں کیلئے اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے سے بڑھکر کوئی دشمن نہیں ہے اور انکی زبانیں جال ہیں "۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "اپنے نفس اور اسکی خواہشات کو آزاد نہ چھوڑ دکیونکہ اسکی خواہشات گھٹیا ہیں اور نفس کا اور اسکی خواہشات کا آزاد چھوڑ دینا نفس کیلئے بیماری ہے اور نفس کو اسکی خواہشات سے روکنا اسکی دوا ہے" اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "جس نے یہ جان لیا کہ جنت کا حصول تکالیف و پریشانیوں کے ساتھ ہے اور اس نے دنیا میں تکالیف و آلام پر صبر کیا تو وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور دوزخ کا تعلق دنیاوی لذات و خواہشات نفسانی کے ساتھ ہے تو جس نے نفس کو لذاتِ دنیا و خواہشات نفسانی کیلئے آزاد چھوڑ دیا تو وہ دوزخ میں داخل ہوا" نور الثقلین ـــ اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "جس نے یہ جان لیا کہ یقیناً خدا اسے دیکھتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اسے سنتا ہے اور جو وہ نیکی یا برائی کرتا ہے خدا اسے جانتا ہے تو اس علم و احساس نے اسے بُرے اعمال سے باز رکھا تو یہ وہ شخص ہے کہ جس کے لئے خدا کا ارشاد ہے کہ اَمامن خاف مقام ربہ - الخ" امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا "مجھے تمہارے لئے دو باتوں کا خوف ہے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی اور لمبی امیدیں۔ اور خواہشات نفسانی حق سے روک دیتی ہیں اور لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں"

اور امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا "سخت و طاقتور وہ شخص نہیں کہ جو لوگوں پر غالب آجائے بلکہ سخت و قوی وہ شخص ہے کہ جو اپنے نفس پر غالب آجائے" امیر المومنین علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ "خواہشات نفسانی و شیطانی میں عقل کارخصت ہو جانا ہے" اور ابن عباس کہتے ہیں کہ "فامامن طغیٰ و اٰثر الحیوٰۃ الدنیا" علقمہ بن الحارث ابن عبد الدار کیلئے ہے اور "وامامن خاف مقام ربہ - الخ" سے خصوصاً علی ابن ابیطالب اور جو ان کے طریقے و راستے پر ہے وہ مراد ہیں" برھان۔

امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک شخص اپنی زوجہ کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہا تھا کہ اسکی کشتی ٹوٹ گئی اور وہ غرق ہوگیا لیکن ایک تختے پر اسکی زوجہ بچ گئی جو اس پر تیرتی ہوئی ایک جزیرے میں پہنچ گئی وہاں ایک ڈاکو تھا جس نے عورت کو دیکھکر بدکاری کا ارتکاب کرنا چاہا لیکن وہ عورت دامن بچاتی رہی جب وہ بے بس ہوگئی تو اسکا جسم کانپنے لگا اور ایک سرد آہ لی۔ اس شخص نے خوف کا سبب پوچھا تو عورت نے کہا کہ میں آسمان کے پروردگار سے ڈرتی ہوں۔ اس شخص نے پوچھا کہ کیا اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ کیا ہے کہ جسکی وجہ سے اسقدر خوف کر رہی ہو اس نے کہا خدا کی عزت کی قسم اس سے پہلے میں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا۔ تو اس شخص کے دل میں بھی خدا کا خوف پیدا ہوا اور وہ برائی سے باز آکر تائب ہوگیا اور پھر اپنے گھر کا رخ کیا کہ راستے میں ایک راہب سے ملاقات ہوئی جو اس زمانہ کا بڑا زاھد و عبادت گزار تھا راہب نے کہا کہ سخت گرمی ہے خدا سے دعا کریں کہ وہ ہمارے سروں پر سائے کیلئے بادل کو بھیجدے تو اس شخص نے کہا کہ میں تو بڑا گنہگار ہوں لہذا خدا سے دعا کی جرأت نہیں کر سکتا راہب نے کہا میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو چنانچہ راہب نے دعا کی اور اس شخص نے آمین کہی تو خدا نے ان کے سروں پر سائے کیلئے ایک بادل بھیجدیا اور جب وہ کافی دور تک سفر کرنے کے بعد اپنے اپنے راستے

پر روانہ ہونے کیلئے جدا ہوئے تو بادل راہب کو چھوڑ کر اس شخص کے سر پر سایہ کیئے اس کے ساتھ روانہ ہوا تو راہب نے دیکھکر کہا اے نوجوان تو بہت نیک ہے میری دعا بھی تیری وجہ سے قبول ہوئی اور بادل تیرے لئے آیا ہے لہذا بتاؤ تم نے کونسی اہم نیکی کی ہے۔ تو اس شخص نے اپنی توبہ کا واقعہ سنایا۔ تو راہب نے کہا خدا نے تیری خطاؤں کو معاف کر دیا ہے اب آئندہ درست و احتیاط سے رہنا۔ برھان۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا۝ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا۝ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا۝ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا۝

(اے رسول) یہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ تو تمہیں اسکے ذکر کی کیا فکر ہے اسکا معاملہ تو تمہارے پروردگار کے حوالے ہے۔ تم تو بس ڈرانے والے ہو کہ جو اس (قیامت) سے ڈرے کہ جس روز لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ دنیا میں ایک شام یا ایک صبح ٹھہرے تھے۔"

(الساعۃ۔ ضائع ہونا۔ زائل ہونا۔ قلیل وقت۔ آیات قرآنی میں ساعت قلت کے معنی میں ہے اور یہاں کائنات کے زوال و ضائع ہونے کا وقت مراد ہے کہ جب دنیاوی زمان و مکان زائل ہو جائیں گے اور اسکے بعد ایسے زمان و مکان کا آغاز ہوگا جسکے لئے نہ ہی زوال ہے نہ ہی انتہا ہے۔"

سورۂ روم میں ہے کہ "جس روز قیامت برپا ہوگی تو گنہگار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے اسی طرح وہ (دنیا میں بھی) افترا پردازیاں کیا کرتے تھے" ۵۵ اور سورہ یونس میں ہے کہ "اور جس روز خدا ان (ظالم و باغی) لوگوں کو جمع کرے گا تو یہ لوگ (خیال کریں گے کہ دنیا میں) بس دن سے ایک گھڑی بھر ٹھہرے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے تو جن لوگوں نے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو جھٹلایا تھا وہ ضرور گھاٹے میں رہیں گے اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے۔" اور صاحبان ایمان کا مذاق اڑانے والے سرکش و مجرمین کفار کیلئے سورہ مومنون میں ہے کہ "خدا ان سے پوچھے گا کہ تم زمین پر کتنے برس رہے تو وہ کہیں گے کہ پورا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ تو تم شمار کرنے والوں سے پوچھ لو۔ تو خدا کہے گا کہ بیشک تم (زمین پر) بہت ہی کم ٹھہرے تھے کاش کہ تم (یہ بات دنیا میں) سمجھے ہوتے۔" دنیا کے خاتمے اور حیات برزخی کے اختتام کے بعد قیامت کے قیام اور انسانی حشر و نشر کا کفار و مشرکین مذاق اڑایا کرتے تھے اور بار بار قیامت کا وقت دریافت کرتے تو خلاق عالم نے اپنے حبیب سے خطاب کیا کہ قیامت کا برپا کرنا اور اس کے وقت کا علم ہم سے متعلق ہے کیونکہ سب کی بازگشت ہماری طرف ہے آپ ان کو سرکشی و کفر کے برے انجام سے ڈراتے رہیں اور قیامت کے حساب و کتاب سے وہی ڈرے گا کہ جسکی فکر بیدار ہوگی اور خالق کائنات پر ایمان د

ایقان کے ساتھ الہامی تعلیمات پر عمل کرتا ہوگا اور وہ شخص کہ جو غائب خدا کا فرمانبردار بنکر اس کے عدل کے فیصلے سے ڈرتا ہے اس کیلئے سورہ یسین میں پیغمبر اکرم سے خطاب ہے کہ "آپ اسے گناہوں و لغزشوں کی بخشش اور باعزت اجر کی خوشخبری سُنا دیں" اور سورہ رعد میں ہے کہ "تم پر صرف پہونچا دینا ہے اور ہم پر حساب و کتاب لینا ہے" (۲۵)

بروز حشر جب یہ کفار و مشرکین کہ جو روز حشر کا مذاق اڑایا کرتے تھے اس روز وہ نادم و پشیمان ہوں گے اور خیال کریں گے کہ اس اخروی و ابدی حیات کے مقابلے میں دنیاوی و برزخی حیات کسقدر قلیل تھی ایک صبح کی مانند یا ایک شام کی مانند تھی۔

آخرت میں صاحبانِ ایمان اور کفار و فساق دونوں دنیاوی زندگی کو قلیل تصور کریں گے کفار و مشرکین اس بنا پر قلیل تصور کریں گے کہ وہ کفر و شرک اور معصیت میں غرق رہے اور اخروی ابدی زندگی کی راحت کو دنیا کی مختصر حیات کی راحت پر قربان کر دیا جو کہ اخروی زندگی کے مقابلے میں انتہائی کم و بے حقیقت ہے۔ اور صاحبان ایمان اس بنا پر قلیل تصور کریں گے کہ وہ اخروی حیات کیلئے سامان راحت فراہم کرنے میں مصروف تھے کہ حیات جلدی ختم ہوگئی وہ زیادہ سامان راحت حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ پیغمبر اکرم سے مروی ہے کہ خداوند عالم جب جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل کر دے گا تو اہل جنت سے کہے گا کہ تم زمین پر کتنے برس رہے تو وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا حصہ۔ تو کہے گا ہاں تم نے ایک دن یا دن کے کچھ حصے کے بدلے میں میری رحمت و رضوان اور میری جنت اجر میں حاصل کی ہے تو اس میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہو۔ پھر دوزخیوں سے کہے گا کہ تم دنیا میں کتنے برس رہے تو وہ بھی کہیں گے کہ ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ تو خدا کہے گا ایک دن یا ایک دن کے کچھ حصے کے بدلے میں کسقدر برا اجر میرا دوزخ و میری ناراضگی تم نے پائی ہے تو اسمیں ہمیشہ رہو" درمنثور۔

سورہ عبس (مکیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۝٣
اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝٤ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝٥ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝٦
وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝٨ وَهُوَ يَخْشٰى ۝٩
فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝١٠ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝١٢
فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝١٣ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝١٤ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝١٥ كِرَامٍ
بَرَرَةٍ ۝١٦ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝١٧ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝١٨
مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝١٩ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝٢٠ ثُمَّ اَمَاتَهٗ
فَاَقْبَرَهٗ ۝٢١ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝٢٢ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ۝٢٣
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ۝٢٤ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝٢٥

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾

وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا

لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ

مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ

مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

ترجمہ:- اس نے ترشروئی کی اور بے رخی برتی۔ اس لئے کہ اس کے پاس ایک نابینا آگیا۔ حالانکہ تجھے کیا معلوم کہ وہ نابینا (تم سے زیادہ) پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا وہ نصیحت سنتا کہ جو اسے نفع پہونچاتی۔ تو جو دولتمند ہے۔ تو تم اسکی ہمنوائی کرتے ہو۔

حالانکہ تم پر اسکی ذمہ داری نہیں ہے کہ اگر وہ پاکیزگی قبول نہ کرے۔ اور وہ تیرے پاس کوشش کرکے آیا۔ اور وہ (خدا سے) ڈرتا بھی ہے۔ تو تم نے اس سے بے رخی اختیار کی۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً وہ (آیات) سراسر نصیحت ہیں۔ تو جو چاہے اسے یاد رکھے۔ اور وہ (قرآن) محترم صحیفوں میں ہے۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔ ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے۔ کہ جو انتہائی معزز و نیک ہیں۔ ھلاک ہوا انسان کہ کس چیز نے اسے کافر بنا دیا۔ کہ (خدا نے) اسے کس (غلیظ) شئے سے پیدا کیا ہے۔ حقیر نطفے سے اسے پیدا کیا۔ پھر اس کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا۔ پھر (اس کے لئے) راہ (حیات و ھدایت) کو آسان کر دیا۔

اسے محشور کرے گا۔ کے ساتھ جسم و روح گا پھر جب چاہے دفنایا۔ قبر میں تو اسے دی موت پھر اسے
کو انسان پس کیا نہیں پورا نے اس اسے تھا دیا حکم جو اسے خدا نے (ان تمام باتوں کے باوجود)
طرح شق کیا۔ پھر اچھی کو زمین ہم نے پھر برسایا پانی موسلا دھار ہم نے یقیناً دیکھنا چاہیئے بغور کیطرف خوراک
(یہ سب) چارا گاھیں۔ اور پھل و اور گھنے باغات۔ اور زیتون و کھجور۔ انگور و سبزیاں۔ اگایا غلہ اسمیں ہم نے
روز آدمی اپنے جس آئے گی۔ آواز ترین سخت پھر جب فائدے کیلئے ہے۔ جانوروں کے اور تمہارے لئے تمہارے
ہوگی حالت ایسی کی شخص ہر روز اس اولاد سے۔ اور زوجہ اور اپنی باپ سے۔ اور ماں اور اپنی بھاگے گا۔ بھائی سے
خوش و خرم ہوئے ہنستے ہوں گے۔ روشن چہرے بہت سے روز اس گی کر دے بے پرواہ سے دوسرے کہ جو اسے
لوگ ہیں " بدکار کافر یہی ہوگی۔ چھائی سیاہی پر ان گا۔ ہو غبار (کا) غم ذلت و روز (اس پر چہروں سے بہت اور

تلاوت:۔ حدیث نبوی میں ہے کہ اس سورہ کی بکثرت تلاوت کرنیوالا قبر سے خوش و خرم برآمد ہوگا۔
اور اگر اسے ہرن کی جھلی پر لکھکر کوئی اپنے پاس رکھے تو جس طرف متوجہ ہوگا نیکی و بھلائی دیکھے گا۔" برہان
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ عبس کی تلاوت کرنیوالا جنت میں خدا کی کرامت کے سائے
میں ہوگا اور بروز قیامت خوش و خرم ہوگا "
امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "سفر میں اس سورہ کی تلاوت کرنیوالا اس سفر میں کامیابی حاصل کرے گا"

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝١ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝٢ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝٣ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝٤ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝٥

اس نے ترشروئی کی اور بے رخی برتی۔ اس لئے کہ اسکے پاس ایک نابینا آیا۔ حالانکہ تجھے کیا خبر کہ وہ (نابینا تم سے
زیادہ باطنی) پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا وہ نصیحت سنتا کہ وہ نصیحت اسے نفع پہنچاتی "

عَبَسَ ۔ تنگدلی سے تیوری چڑھانا۔ ناگواری سے منہ سکیڑنا۔ گوبر یا مینگنی کا جانور کی دم پر خشک ہو جانا۔
چہرے پر میل کا خشک ہو جانا۔
تَوَلّٰى ۔ رخ پھیرنا۔ توجہ ہٹانا ۔ یہ دونوں ماضی غائب کے صیغے ہیں یعنی کسی شخص کی ناپسندیدہ حرکت و تنگدلی
کا ان آیات میں ذکر کر کے پیغمبر اکرم کو آگاہ کیا گیا ہے۔
اہلسنت کے اکثر مفسرین نے ان ابتدائی آیات میں پیغمبر اکرم کی ذات کو مراد لیا ہے چنانچہ رازی و بیضاوی اور نیشاپوری
و سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے کہ پیغمبر اکرم کی خدمت میں اکابر قریش سے ابوجہل و عتبہ ابن ربیعہ۔ امیہ ابن خلف

دابی ابن کعب۔ شیبہ اور عباس ابن عبدالمطلب بیٹھے تھے اور پیغمبر اکرم ان کو اسلام کیطرف رغبت دلانے میں مصروف تھے کہ جناب خدیجہ کا پھوپھی زاد بھائی عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی علم و معرفت کی طلب و شوق میں پیغمبر اکرم کے قریب بیٹھنے کی غرض سے لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا حضور اکرم کے قریب جا بیٹھا اور کہا یارسول اللہ جو کچھ خدا نے آپ کو عطا کیا ہے اس سے مجھے تعلیم کیجئے۔ دو تین بار کہا لیکن پیغمبر اکرم ان افراد سے گفتگو میں مصروف رہے اور ترشروئی سے عبداللہ سے رُخ پھیر لیا۔ تو یہ سورہ نازل ہوا ـــــ

مفسرین نے آیات کے مسلسل تنبیہی انداز کی پرواہ کئے بغیر ان آیات سے پیغمبر اکرم کی ذات کو مراد لیکر پھر مقام نبوت کو بچانے کیلئے کمزور تاویلیں کی ہیں۔ حالانکہ آیات کا مسلسل تنبیہ و سرزنش کا انداز خود واضح کر رہا ہے کہ یہاں پیغمبر اکرم کی ذات مراد نہیں ہے۔ اور یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ ایک نابینا مسلمان علم و معرفت اور احکام الہٰی کے حصول کے شوق میں اور خدا کی عظمت و جلالت کے خوف کے ساتھ خلق مجسم و مدینۃ العلم کے پاس بڑھکر حاضر ہو اور پیغمبر اکرم دل تنگ ہو کر اس سے چہرہ پھیر لیں اور جواب بھی نہ دیں۔ جبکہ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ میں اخلاقی بلندیوں کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔" یعنی وہ ذات کہ جو بزبان وحی خلق مجسم اور مومنین کیلئے رؤف و رحیم ہو کہ جسکی سیرت و کردار کی پیروی انسانیت و شرافت کی تکمیل و معراج ہو اور جو غرباء و مساکین صحابہ کے درمیان بیٹھ کر ان کے زانو کو اپنے زانو کے ساتھ ملا کر انکو بٹھائے اور یہ کہے کہ "میں بھی مسکین ہوں اور مساکین کے ساتھ بیٹھنے کو پسند کرتا ہوں" تو ایسی پاکیزہ ذات سے کسی صحابی کے ساتھ ایسا سلوک و عمل نہیں ہو سکتا کہ اس عمل کی ناپسندیدگی کے اظہار کیلئے آیات قرآنی کا تنزول ہو۔ اور جبکہ قرآن حکیم میں خداوند عالم کا اپنے حبیب سے خطاب ہے کہ "اپنے شانوں کو انکساری کیلئے مومنین کیلئے جھکا دو"۔ اور پھر جبکہ اغنیاء نے آپ سے درخواست کی تھی کہ ان کے لئے ایک ایسا وقت مخصوص کیا جائے کہ جب غرباء کو پیغمبر اکرم اپنے پاس سے ہٹا دیں۔ تو قرآنی آیت کا نزول ہوا کہ جسمیں غرباء کو بزم رسالت سے علیحدہ کرنے سے ممانعت کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا گیا کہ اے پیغمبر اگر آپ نے اغنیاء کی خوشنودی کیلئے غرباء صحابہ کو اپنے پاس سے ہٹا دیا تو آپ ظالم بن جائیں گے اور سورہ آلعمران میں خدا کا ارشاد ہے۔ ولو کنت فظاً۔ الخ۔ (اے رسول) اگر تم بدمزاج و سخت دل ہوتے تو یہ لوگ (کب سے) تمہارے گرد سے منتشر ہو جاتے تو تم ان سے درگزر کرو۔ الخ۔

لہذا وحی و مشیت الہٰی کی تابع ذات کہ جسکی پیروی میں دنیائے انسانیت کی تکمیل و معراج ہو اس سے کسی مسلمان صحابی کے ساتھ تحقیر و توہین کے عمل کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان تنبیہی آیات میں پیغمبر اکرم کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا شخص ہے کہ جسکی ذات کو چھپانے کیلئے پیغمبر اکرم کی ذات پر الزام تراشی کو اسقدر عام کر دیا گیا کہ بہت کم مفسرین اس فریب سے بچ سکے۔ چنانچہ امام جعفر صادق ؑ کے فرمان کے مطابق یہ سورہ ایک مالدار اموی اور رسول خدا کے مؤذن عبداللہ ابن ام کلثوم کیلئے نازل ہوا ہے عبداللہ نابینا تھا اور پیغمبر اکرم کے پاس آیا جبکہ آپ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے جن میں یہ اموی بھی آپ کے قریب بیٹھا تھا۔

توجب عبداللہ آئے تو ان افراد سے آگے بڑھکر پیغمبر اکرم کے قریب ہو کر جا بیٹھے اور پیغمبر اکرم نے اسے اموی سے بھی آگے بڑھا کر اپنے پاس بٹھایا جس پر اموی نے ترشروئی سے منہ پھیر لیا تو یہ سورہ نازل ہوا۔
پہلی دو آیات میں ابن مکتوم سے بد دلی سے منہ پھیرنے والے کے تذکرے کے بعد چوتھی و پانچویں آیت میں اسی ترشروئی کا اظہار کرنیوالے سے خطاب ہے کہ "تم کیا جانو کہ وہ نابینا (تم سے زیادہ) پاکیزگی حاصل کرتا۔

فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ۝ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ۝ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۝ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۝ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۝

" تو جو دولتمند ہے تو تم اسکی ہمنوائی کرتے ہو۔ حالانکہ تم پر اسکی ذمہ داری نہیں ہے کہ اگر وہ پاکیزگی قبول نہ کرے۔ حالانکہ وہ (نابینا) تو تیرے پاس کوشش کر کے آیا۔ اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے۔ تو تم اس سے بے رخی اختیار کرتے ہو۔
تصدّیٰ ۔ درپے ہونا۔ ہمنوائی کرنا۔ آواز کی بازگشت ۔ **تلھّیٰ** ۔ بد دلی سے منہ پھیرنا۔ بے توجہی کرنا۔
ان آیات میں بھی تنبیہ و سرزنش کا سخت انداز تخاطب ہے کہ وہ کفار قریش کہ جو دولت و ریاست کے پجاری اور حق و صداقت سے باغی اور جو نہ ہی ھدایت ربانی کو قبول کرنے کیلئے تیار ہیں اور نہ ہی تزکیہ باطن چاہتے ہیں تم ایک نابینا صحابی سے رخ پھیر کر ان سرکش و متکبر کفار و اغنیا کی طرف رغبت رکھتے ہو۔ حالانکہ ان کے ایمان لانے و تزکیہ نفس کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے کیونکہ تم نبی و رسول نہیں ہو۔ وہ نابینا مسلمان تزکیہ باطن کیلئے کلمات علم و ھدایت سننے کی غرض سے تم سے آگے بڑھکر مدینۃ العلم کے قریب جا بیٹھا اور پیغمبرؐ نے بھی اسے اپنے قریب کر لیا تو یہ بات تم پر اسقدر ناگوار گزری کہ تم نے اس مسلمان سے اپنا دامن بھی سمیٹ لیا اور ترشروئی سے منہ بھی پھیر لیا۔ نہ ہی توہین مومن کا خیال کیا اور نہ ہی بزم رسالت کی حرمت کا خیال کیا حالانکہ وہ علم و ھدایت کے شوق میں جلدی جلدی پیغمبر اکرم کی خدمت میں پہنچا تھا۔ تو تم نے اس سے بے رخی اختیار کی ان اغنیار کفار کیطرف راغب رہے کہ جن کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝

" ہرگز نہیں۔ یقیناً وہ (آیات قرآنی) سراسر نصیحت ہیں۔ تو جو چاہے اسے یاد رکھے ــــ وہ (قرآن) محترم صحیفوں میں ہے جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔ ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے کہ جو انتہائی معزز و نیک ہیں "
کلاّ ۔ ہرگز نہیں یعنی ترشروئی و تنگ دلی سے ایک مسلمان سے منہ پھیر لینا اور سرکش اغنیار کی طرف راغب و متوجہ

ہونا ہرگز ادب نہیں ہے۔ جبکہ یہ قرآن سراسر موعظہ و نصیحت ہے یہ غافلوں کیلئے تذکرہ اور جاہلوں کیلئے تنبیہ ہے صاحب سماعت و بصیرت کیلئے نصیحت ہے۔ جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرکے اور اس کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرکے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

مکرّمہ ۔ عزت و شرف والے۔ وہ کرامتِ ذات و صفات کی بنا پر صاحب عصمت و طہارت ہیں۔

مرفوعۃ ۔ وہ بلند مرتبہ ہیں۔ خدا کے نزدیک رفیع القدر ہیں۔

مطہرّۃ۔ پاکیزہ ہیں۔ یعنی ہر نقص و جہل اور لغو و شک سے پاک ہیں۔

سفرۃ۔ مفرد سافر۔ لکھنے والے۔

بررۃ ۔ مفرد "بار" صالح و متقی۔

یعنی یہ قرآن حکیم ایسے اوراق و صحائف میں تحریر ہے کہ جو عزت و شرف اور عظمت و رفعت والے ہیں اور ہر نقص و ریب باطل و فاسد افکار و نظریات سے پاک ہیں۔

اور ایسے پاکیزہ ہاتھوں سے تحریر ہوا ہے اور ایسے پاکیزہ ہاتھوں کے سپرد ہوا ہے کہ جو پاکیزہ ہیں کہ جو ذات کے لحاظ سے کریم ہیں اور عمل و صفات کے لحاظ سے ابرار و اتقیاء ہیں۔ چاہے وہ (کرام بررہ) کتاب حکیم لانے والے فرشتے ہوں یا صاحب قرآن رسول مقبول اور آپ کے اوصیاء ائمہ اہل بیت ہوں۔

اور امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "ہماری احادیث بھی کذب سے پاک صحائف میں ہیں"

ثُمَّ اَمَاتَهٗ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿١٩﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿٢٣﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿٢٢﴾ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٧﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٨﴾

"ہلاک ہوا انسان کہ کس چیز نے اسے نافرمان بنا دیا۔ کہ (خدا نے) اسے کس چیز سے پیدا کیا۔ اسے نطفے سے پیدا کیا پھر اس کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا۔ پھر (اسکے لئے) راہ (ہدایت و حیات) کو آسان بنا دیا۔ پھر اسے موت دی تو اسے قبر میں دفنایا۔ پھر جب چاہے گا جسم و روح کے ساتھ اسے محشور کرے گا۔ (اسکے باوجود) خدا نے جو اسے حکم دیا اسے اس نے پورا نہیں کیا" ــــ یہاں ہلاک ہونے والے انسان سے عتبہ ابن ابولہب مراد ہے اور اسکے بعد اسکی صفات کا حامل ہر کافر و سرکش انسان مراد ہے۔ اور "ما" تعجب کے لئے ہے"

ان آیات میں انسان کو اسکی تخلیق کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ کس طرح وہ اپنی تخلیق کو فراموش کرکے اپنے پروردگار سے سرکش ہو جاتا ہے کہ جس نے اسے حقیر جرثومے سے خلق کرکے اشرف کائنات قرار دیا ہے۔ وہ اپنے خالق و مالک سے رخ موڑ کر نفسانی و حیوانی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ اس پر غور و فکر نہیں کرتا کہ کس طرح ایک حقیر خوردبینی جرثومے سے

اس خورد بینی جرثومے میں تمام
دیکھنے سننے و بولنے والا اور عقل و شعور کا حامل بشری صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس خوردبینی جرثومے میں تمام انسانی اعضاء یعنی رگیں و پٹھے اور قلب و جگر اور آنکھیں و ناک کان تمام اعضاء موجود ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے آباء و اجداد کے جسمانی و مزاجی اور اخلاقی و روحانی حالات و اوصاف بھی اس حقیر جرثومے کے وجود میں پنہاں ہوتے ہیں یعنی نسل اور قوم و قبیلہ کی تمام خصوصیات اسمیں موجود ہوتی ہیں اور دنیا میں آنے کے بعد اسکے خد و خال اور حالات کیسے ہوں گے شکل و صورت اور قد و قامت اور ضعف و قوت اور رنگ و آواز اور اخلاقی و ایمانی حالات و کیفیات اور سعادت و شقاوت یعنی مکمل داستان حیات اس حقیر جرثومے میں تحریر ہوتی ہے۔ خالق علیم و قدیر نے انسان کی ظاہری و باطنی تخلیق کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے اور اسکی حیات کو متوازن قرار دیتے ہوئے اس کے لئے اصولِ حیات مقرر کر دیئے ہیں۔ جبکہ انسان کو مذکورہ امور پر کسی طرح کا اختیار نہیں ہے سوائے اس کے کہ جو اسے عقل و شعور اور ارادہ و اختیار عطا کر دیا گیا ہے اسکی بنا پر سعادتمند بنتا ہے یا بدبخت۔ اسکے علاوہ نہ ہی اسے اپنی تخلیق و بناوٹ پر اختیار ہے اور نہ ہی موت و حیات پر اختیار ہے اور نہ ہی موت کے وقت و مقام پر اختیار ہے۔ یعنی بطن مادر میں جب انسانی تصویر بن رہی تھی اسی وقت اسکی مکمل داستانِ حیات بھی ایک معین انداز سے تحریر ہو رہی تھی۔ اور یہ کہ دنیا میں وارد ہونے کے بعد اس سے نسلی خصوصیات کا اظہار کسقدر ہوگا اور یہ ماحول کا اثر کہاں تک قبول کرے گا۔ یہ تمام امور تخلیق کے وقت طے کر دیئے گئے تھے۔ تو کیا ان تمام حکمتوں کی حامل انسانی تصویر یعنی کسی حکیم اور علیم و قدیر خالق کے بغیر بن سکتی ہے۔ انہی مصالح و حکمتوں کیطرف عقل انسانی کو ان آیات میں متوجہ کر کے اسے الٰہی دعوت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

ثم السبیل یسرہ ○ "پھر (اسکے لئے) راہ (حیات و ہدایت) کو آسان بنا دیا"
پھر جب انسانی وجود کی بطن مادر میں تکمیل ہو جاتی ہے تو دنیا میں وارد ہونے کیلئے اسکی راہ کو آسان کر دیا جاتا ہے اور اسکے بعد دنیا میں زندگی بسر کرنیکی بھی تمام راہوں کو اسکے لئے آسان کر دیا جاتا ہے۔ دنیا میں وارد ہونیکے بعد کسطرح رو رو کر وہ خوراک کی ضرورت کا اظہار کرتا ہے۔ پھر زندگی بھر حیات کیلئے کسب معاش اور دفع مضرت اور طلب منفعت اور تکثیر نسل کی راہوں کو اس کیلئے آسان و واضح کر دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی علم و معرفت اور دین و ایمان اور اخروی کامیاب حیات کے حصول کی تمام راہوں کو بھی آسان و واضح کر دیا گیا ہے۔ اب انسان کا اختیار ہے کہ اخروی حیات کیلئے کس راستے کو اختیار کرتا ہے اور خدا کی عطا کردہ قوتوں و صلاحیتوں کو کسطرح استعمال کرتا ہے۔ راہ حق کو اپناتا ہے یا باطل کو۔

ثم اماتہ فاقبرہ ○ "پھر اسے موت دی تو اسے قبر میں دفنایا"

موت وحیات وکارخانہ حیات پروردگار کے دست قدرت میں ہے۔ انسان کو نہ ہی اپنی تخلیق پر اختیار ہے اور نہ ہی اپنی تصویر وساخت پر اختیار ہے اور نہ ہی اپنی موت وحیات پر اختیار ہے۔ ہاں وہ اپنے اختیاری امور یعنی ایمان وعمل سے اپنے لئے موت کو سعادت ونعمات ابدی کا پیغام قرار دے سکتا ہے اور بدبختی وھلاکت کی وعید بھی قرار دے سکتا ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "دنیا مومن کیلئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا مقام ہے جس طرح گھوڑ دوڑ نے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں۔ یہاں خیرات وحسنات میں ایک دوسرے سے سبقت کرنیوالے کیلئے موت نعمت ہے اور اس کا مقصود ونتیجہ جنت ہے" اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "خدا کی قسم فرزند ابو طالب کو موت سے اس سے زیادہ انس ہے کہ جو بچے کو شیر مادر سے انس ہوتا ہے"

اس مذکورہ آیت میں موت کے ساتھ دفن کی نسبت بھی خدا نے اپنی طرف دی ہے یعنی جسطرح موت کے وقت وجگہ کو اس نے طے کر دیا ہے اسی طرح مقام دفن کو بھی اس نے طے کر دیا ہے۔ انسان کو نہ ہی اپنی موت پر اختیار ہے اور نہ ہی مقام دفن پر اختیار ہے۔ اور قبور کو انسانی اجسام کیلئے امین قرار دیا گیا ہے۔ لہذا خدا جب چاہے گا زمین انسانی اجسام کی امانات کو صحیح وسالم صورت میں واپس کر دے گی۔ امام علی رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ مردے کو دفن کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا "تاکہ لوگوں پر اسکی خرابی وبدمنظری اور بدبو ظاہر نہ ہو اور اسکی آفت وفساد اور گندگی وبدبو سے لوگوں کو اذیت نہ پہونچے اور وہ دوست ودشمن سے پوشیدہ رہے کہ دشمن ملامت نہ کر سکے اور دوست غمگین نہ ہو" نور الثقلین۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ۝ "(اس کے باوجود) خدا نے جو اسے حکم دیا اسے اس نے پورا نہیں کیا"

كَلَّا۔ ہرگز نہیں ــ یعنی پروردگار کے اس قدر عظیم احسانات کے بعد انسان کو اپنے پروردگار کا نافرمان ہرگز نہیں ہونا چاہیئے لیکن اسکے برعکس خدا نے جو اسے حکم دیا اس سے سرکشی ونافرمانی کرتا ہے۔ اسی رحمان ورحیم پروردگار نے اسے ظاہری وباطنی کمالات وصلاحیتیں عطا کی ہیں۔ اور ان صلاحیتوں کو انسانیت وشرافت کی حدود میں استعمال کرنے کا طریقہ بتلانے اور انسانی فطرت کو بیدار کرنے کیلئے انبیاء ورسل کو بھیجا۔ لیکن یہ غافل انسان اپنی جہالت وسرکشی کی بنا پر فطری اصولوں اور الہٰی اوامر ونواہی سے بغاوت کرتا رہا۔ نہ ہی قوانین فطرت کی پرواہ کی اور نہ ہی آسمانی تعلیمات کی پرواہ کی۔ بلکہ حیوانی خواہشات کا غلام بنکر فطرت کی پکار کو دبا کر حقائق وعدالت کو پامال کرتا رہا۔ پاکیزہ فطرت کے ساتھ دنیا میں وارد ہوا اور پھر کفر ومعصیت سے فطرت کو زنگ آلود کر کے دنیا سے جاتا ہے۔ ماحول کے اثرات کی بنا پر اپنی فطرت واحکام سماوی سے بغاوت کرتا ہے۔ حالانکہ اپنے خالق ومالک اور رحمان ورحیم پروردگار

کا اسے سب سے زیادہ فرمانبردار ہونا چاہیئے۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾
وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

"پس انسان کو اپنی خوراک کی طرف بغور دیکھنا چاہیئے۔ یقیناً ہم نے موسلادھار پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح شق کیا۔ پھر ہم نے اس میں غلہ اگایا۔ انگور سبزیاں۔ اور زیتون و کھجور۔ اور گھنے باغات۔ اور پھل و چراگاہیں (یہ سب) تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کیلئے ہیں۔ صباً۔ گرانا۔ یعنی تخلیق کے وقت زمین کو بار آور کرنے و نباتات کے لائق بنانے کیلئے پہلی بارش بھی برسائی۔ فاکھۃ۔ پھل۔ کہ جو انسانی خوراک ہیں۔ ابّا۔ سبزہ و چراگاہیں۔ کہ جو حیوان کی خوراک ہے۔

ان آیات میں پھر انسان کو الٰہی احسانات و نعمات کیطرف متوجہ کر کے اسے اپنے پروردگار سے سرکشی کرنے سے روکا گیا ہے۔ کہ انسان کو اپنی خوراک کیطرف غور سے دیکھنا چاہیئے کہ کسطرح پروردگار نے آسمان سے پانی برسانے کا انتظام کیا ہے اور کس طرح نباتات و نازک گھاس زمین کو شگافتہ کر کے نمودار ہوتے ہیں۔ ایک ہی قسم کا پانی برستا ہے اور ایک ہی طرح کی خاک کو شگافتہ کر کے رنگ برنگے اور مختلف ذائقے و تاثیرات کے حامل نباتات ظاہر ہوتے ہیں۔ جسطرح جسمانی خوراک کا انتظام آسمان سے پانی برسا کر کیا گیا ہے اسی طرح روحانی تربیت کیلئے بھی اس نے وحی و شریعت اور علم و حکمت اور معارف و حقائق کی بارش برسا کر اہتمام کیا۔ ابّاً۔ حضرت ابوبکر سے (ابّاً) کے معنی دریافت کئے گئے تو آپ نے کہا کہ کونسا آسمان مجھ پر سایہ کرے اور کونسی زمین مجھے اٹھائے جب میں یہ کہوں کہ کتاب الٰہی میں ایسی باتیں ہیں کہ جو میں نہیں جانتا۔" درمنثور۔ اور ایک موقع پر حضرت عمر نے منبر پر الٰہی آیات کی تلاوت کی تو جب آپ سے معنی دریافت کئے گئے تو کہا یہ میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہے جس کو تم نہیں جانتے اسکی تم پر تکلیف نہیں ہے جو جانتے ہو اس پر عمل کرو۔ باقی خدا کے سپرد کر دو۔" درمنثور۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾

"پھر جب سخت ترین آواز آئے گی۔ کہ جس روز آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اپنے ماں باپ سے۔ اور اپنی زوجہ و اولاد سے۔ اس روز ہر شخص کی ایسی حالت ہو گی کہ جو اسے دوسرے کی فکر سے بے پرواہ کر دیگی۔" الصاخۃ۔ سخت ترین آواز۔ ایسی شدید آواز کہ جو کانوں کے پردے پھاڑ کر بہرہ کر دے۔ یہ سخت آواز دوسرا

صیحہ ہے کہ جس سے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ اور اس وقت انتہائی دہشت و خوف کی بنا پر ہر شخص اپنی اپنی فکر میں غرق ہوگا۔ آج دنیا میں اپنے خاندان اور قوم و قبیلے کی قوت و کثرت پر فخر و غرور کرنے والے اس روز دہشت و خوف اور بدحواسی کی حالت میں اپنی اولاد و والدین تک سے فرار کر رہے ہوں گے اور عام انسانوں کو لباس سے عاری ہونے کے باوجود کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہونے کا ہوش نہیں ہوگا۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا پہلا شخص کہ جو اپنے بھائی سے بھاگے گا وہ ہابیل ہیں اور اپنی زوجہ سے دور ہونے والے جناب نوحؑ و جناب لوطؑ ہوں گے۔ اور اپنے چچا آزر سے دور ہونے والے جناب ابراہیم ہوں گے۔"

آج جو کفر و سرکشی کرتے ہوئے آسمانی صداقتوں کو سننے کیلئے تیار نہیں ہوتے وہ اس وقت کو یاد کریں کہ جب بہرہ کر دینے والی اور ہوش و حواس معطل کر دینے والی سخت ترین آواز آئے گی۔ پہلی آواز سے تمام ذیحیات کی ھلاکت ہوگی اور دوسری آواز انسانوں کو زندہ کر دے گی۔ تو اس وقت کسی کو کسی کی پرواہ نہیں ہوگی پیغمبرؐ اکرم سے آپ کی کسی زوجہ نے دریافت کیا کہ بروز قیامت کیا انسان اپنے قریبی افراد کو یاد رکھے گا۔ آپؐ نے فرمایا تین مقام پر کوئی کسی کو یاد نہیں رکھے گا (۱) میزان کے پاس کہ جب انسان دیکھ رہا ہوگا کہ اسکا میزان عمل وزنی ہوتا ہے یا ہلکا (۲) اور صراط کے پاس کہ جب انسان دیکھے گا کہ وہ گزر سکے گا یا نہیں (۳) اور صحائفِ اعمال ملتے وقت دیکھے گا کہ دایئں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملتا ہے یا کہ بائیں ہاتھ میں"

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾
ترهقها قترة ﴿٤١﴾ اولئك هم الكفرة الفجرة ﴿٤٢﴾

"اس روز بہت سے چہرے روشن ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش و خرم۔ اور بہت سے چہروں پر اس روز (ذلت و غم کا) غبار ہوگا۔ ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔ یہی کافر و بدکار لوگ ہیں"

مسفرة۔ روشن و تابناک = مستبشرة۔ ھشاش بشاش = ضاحکة۔ ہنستے مسکراتے = غبرة۔ غبار رھق۔ چھپانا = فترة۔ ذلت و رسوائی کی سیاہی =

ان آیات میں واضح طور پر انسانی انجام کو بیان کیا گیا ہے کہ بروز حشر انسانوں کے دو گروہ ہوں گے ایک کامیاب و کامران اور دوسرا ناکام۔ اور چونکہ انسانی چہرہ اسکی باطنی کیفیت و حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لئے وہ کامیاب گروہ کہ جس نے اپنے پروردگار کے وجود و احسانات کا اقرار و اعتراف کر کے اس کے احسانات کا شکریہ ادا کیا اور دنیاوی حیات کو اپنے پروردگار کی مرضی کے مطابق بسر کیا تو وہ بروز حشر کامیاب ہوگا اور انکی خوشی و کامرانی کا اظہا

ان کے چہروں سے ہوگا۔ انکے باطن چونکہ توحید و نبوۃ اور ولایت آل محمدؐ کے نور سے منور تھے اس لئے انکے چہرے بھی نورانی ہوں گے اور وہ خوش و خرم ہوں گے۔ اور جن کے باطن کفر و شرک اور فسق و نفاق سے تاریک تھے تو انکی ناکامی و بربادی کا اظہار انکے چہروں کی ذلت و رسوائی کی سیاہی سے ہوگا۔ اور صاحبانِ ایمان کے درجات کے لحاظ سے چہرے نورانی ہوں گے اور سب سے زیادہ نورانیت کا اظہار محمدؐ و آل محمدؐ کے نورانی چہروں سے ہوگا جن کے نور سے مومنین نور اخذ کریں گے اور تمام اہل محشر انکی طرف متوجہ ہوں گے۔"

انس صحابی نے ان نورانی چہروں کے متعلق پیغمبر اسلام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "اے انسؓ ہم اولادِ عبد المطلب کے چہرے ہیں اور وہ میں اور علی ہیں اور حمزہ و جعفر ہیں اور فاطمہ ہیں اور حسن و حسین ہیں ہم جب قبور سے ظاہر ہوں گے تو ہمارے چہرے سورج کی مانند روشن ہوں گے۔" منہج۔

اور جو لوگ کائنات میں الٰہی آیات کا مشاہدہ کرتے ہوئے اور آسمانی دعوت کی صداقت کو دیکھتے ہوئے توحید و نبوۃ سے انکاری تھے اور ولایت آل محمد سے باغی تھے تو اس روز انکے چہرے ناکامی کی بنا پر ذلت و رسوائی سے سیاہ و تاریک ہوں گے۔ دنیا میں صاحبان ایمان کا مذاق اڑایا کرتے تھے انکی توہین و تذلیل کیا کرتے تھے اور انکی حالت پر ہنستے تھے۔ لیکن بروز حشر صاحبان ایمان کی کامیابی کو دیکھ کر ذلیل و خوار اور حسرت و یاس میں ہوں گے۔

سُوۡرۃ التکویر (مکیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ ۝۲ وَاِذَا الۡجِبَالُ
سُیِّرَتۡ ۝۳ وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۝۴ وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۝۵
وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۝۶ وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۝۷ وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ
سُئِلَتۡ ۝۸ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۝۹ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَآءُ
کُشِطَتۡ ۝۱۱ وَاِذَا الۡجَحِیۡمُ سُعِّرَتۡ ۝۱۲ وَاِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ۝۱۳ عَلِمَتۡ
نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ۝۱۴ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۝۱۵ الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ۝۱۶ وَالَّیۡلِ
اِذَا عَسۡعَسَ ۝۱۷ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۝۱۸ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ۝۱۹ ذِیۡ
قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۝۲۰ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ۝۲۱ وَمَا صَاحِبُکُمۡ

بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ
بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾
إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾
وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ :- ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
جب سورج (کی بساط کو) لپیٹ دیا جائیگا۔ اور جب ستارے بے نور ہو کر بکھر جائیں گے۔
اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ اور جسوقت دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں حمل گرا دیں گی۔
اور جب وحشی جانور اکھٹے کئے جائیں گے۔ اور جسوقت سمندر مشتعل آگ ہو جائیں گے۔
اور جب ارواح کو اجسام سے ملا دیا جائیگا۔
اور جب زندہ درگور کے متعلق پوچھا جائیگا کہ وہ کس جرم میں قتل کر دیگئی۔
اور جسوقت اعمالنامے کھولدیئے جائیں گے۔ اور جب آسمانی شامیانہ اکھاڑ دیا جائے گا۔
اور جب دوزخ کو سخت بھڑکا دیا جائیگا۔ اور جب جنت کو آراستہ قریب کر دیا جائے گا۔
تب ہر شخص جان لیگا کہ وہ کیا (اعمال) لیکر آیا ہے۔ تو مجھے قسم ہے چلتے چلتے پیچھے ہٹ جانیوالے ستاروں کی۔
اور قسم ہے چلتے چلتے چھپ جانیوالے ستاروں کی۔ اور رات کی قسم کہ جب چھا جائے۔
اور صبح کی قسم کہ جب وہ روشن ہو جائے۔ یقیناً وہ (قرآن) رسول بزرگ کا (لایا ہوا) کلام ہے۔

جو صاحب قوۃ ہے عرش کے مالک کے ہاں بلند مقام رکھتا ہے۔ کہ جسکی (عالم بالا میں بھی) اطاعت کی جاتی ہے پھر وہ امین بھی ہے۔ (اے اہل مکہ) تمہارا ساتھی (محمدؐ) دیوانہ نہیں ہے۔
اور یقیناً اس (پیغمبرؐ) نے اسے دیکھا افق مبین پر۔ اور وہ (خدا) غیب کی باتیں (اپنے رسول کو) بتانے میں بخیل نہیں ہے۔
اور وہ (قرآن) نہیں ہے شیطان مردود کا کلام۔ تو تم کہاں جا رہے ہو۔
وہ (قرآن) تو یاد دہانی و نصیحت ہے جہان والوں کیلئے۔ تم میں سے ہر اس شخص کیلئے کہ جو سیدھی راہ پر چلنا چاہتا ہے
اور تم تو کچھ چاہتے ہی نہیں مگر وہی جو تمام جہانوں کا پروردگار اللہ چاہتا ہے۔"

تلاوت: پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا کہ جو بروز قیامت خدا کی نگاہ رحمت چاہتا ہے تو سورہ تکویر کی تلاوت کیا کرے
ابی ابن کعب راوی ہیں کہ پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا کہ جو اس سورہ کی تلاوت کرتا ہے تو بروز قیامت جب صحیفے کھلیں گے اور جب لوگ رسوا ہوں گے تو اس وقت خدا اسے اپنی پناہ میں لے لیگا۔
اور احادیث نبوی میں ہے کہ جس کسی کی آنکھ درد کرتی ہو تو اس سورہ کو اس پر پڑھا جائے تو باذن اللہ شفا ہوگی اور آنکھ کے درد والا اگر اس سورہ کو لکھکر اپنے پاس رکھے تب بھی باذن اللہ درد دور ہو جائے گا۔ اور اس سورہ کی مسلسل تلاوت سے آنکھوں کی بینائی کو قوۃ حاصل ہوتی ہے اور اسکی تلاوت سے آنکھوں کو آشوب و جالوں سے نجات حاصل ہوگی۔

نزول: رسولان الٰہی کی دعوت و تعلیم کا محور عقیدۂ توحید کی تعلیم دینا اور حیات انسانی کے مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے وجود و حیات کی قدر و منزلت کو واضح کرنے کے ساتھ روز جزا کو ذہن نشین کرانا ہے اور سرکش و غافل انسانوں نے انہی دو بنیادی صداقتوں سے انکار کرنے کی بنا پر رسولان سماوی و داعیان الٰہی کی تکذیب و توہین اور پیغام سماوی سے انکار کیا۔ اسی بنا پر سرکش و غافل انسانوں نے کبھی خالق کائنات کے وجود سے انکار کیا اور کبھی اسکے عدل و احسان سے انکار کرتے ہوئے حیات کے وجود کو بے مقصد ثابت کرتے ہوئے زمین پر ظلم و معصیت کو عام کیا۔ اور کبھی یوم حساب کی تکذیب کی لیکن آغاز انسانیت سے ہی رسولان سماوی انسان کو خالق کائنات سے متعارف کراتے ہوئے اسے مقصد حیات سے آگاہ کرتے رہے اور یوم حساب اور اسکے برپا ہونے کی کیفیات سے اسے روشناس کراتے رہے۔
یہی صورت کفار مکہ کی تھی کہ جسکی بنا پر یہ تمام بنیادی صداقتیں انکے ذہن نشین کرانا ضروری تھیں اس سورہ میں بھی یوم حساب کے برپا ہونے کی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے اور ان سماوی صداقتوں کو ثابت کرنے کے ساتھ رسول صادق کی ذات سے بھی متعارف کرایا گیا ہے یہ سورہ بھی دعوت اسلامی کے ابتدائی برسوں میں نازل ہوا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝٢ جب سورج (کی بساط کو) لپیٹ دیا جائے گا۔ اور ستارے بے نور ہو کر بکھر جائیں گے۔ واذا الجبال سیّرت ۝ اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔"

تکویر۔ لپٹنا۔ کسی شے کو دوسری شے پر دائرے کی صورت میں لپٹنا جیسے عمامہ سر پر اسطرح لپٹنا کہ ہر پیچ دوسرے پیچ کو دائرے کی صورت میں چھپالے۔ سورہ زمر میں خلاق عالم کا ارشاد ہے کہ "یکوّر اللیل علی النهار ویکوّر النهار علی اللیل۔ وہی (خدا) رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔" زمین کے گول ہونے کی بنا پر خلاق عالم رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔

انکدار۔ تاریک ہونا منتشر ہونا۔ گر پڑنا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ انکدر الطائر۔ پرندہ یا پرندے کا بچہ گھونسلے سے زمین پر گر پڑا۔ قرآن حکیم مختلف مقامات پر اس کائنات کے اختتام پذیر ہونے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے روز حساب کے برپا ہونے اور دوسرے نظام تکوینی کے قیام کو واضح صورت میں بیان کر کے انسان کو اسکے انجام سے آگاہ کرنے کے ساتھ اسے مقصد حیات کے حصول کیطرف متوجہ کرتا ہے۔ یعنی کائنات کی کسی شے و کسی ذرے کو ثبات و بقا نہیں ہے یعنی کائنات کی ہر شے و ہر ذرے کا تغیّر و تبدل کائنات کے فنا و تباہ ہونے کی دلیل ہے۔ کائنات مادی کے بڑے بڑے اجسام شمس و قمر اور سیارے و ستارے ایک روز پاش پاش ہو جائیں گے۔ جب اس کارخانہ کائنات کے وجود و بقا کا وقت پورا ہو جائیگا تو سورج کا چراغ بجھا دیا جائیگا۔ اور سورج چونکہ اس نظام تکوینی کا مرکز ہے اور اسی کے نور و حرارت اور قوت سے منسلک سیارے و ستارے منظم طور پر رواں دواں ہیں اور اسی کی بدولت سیاروں پر حیات کا وجود و بقا رہے۔ اس لئے سورج کی آخری شعلہ فشانی کرنے کے بعد جب اچانک وہ خاموش ہو جائیگا تو اس وقت سیارے و ستارے کشش کی زنجیروں سے آزاد و بے نور ہو کر بکھر جائیں گے۔ اسوقت قیامت خیز دھماکے و ھلاکت خیز زلزلے سے پہاڑ جڑوں سے اکھڑ کر اور خاکستر ہو کر فضا میں اڑ رہے ہوں گے جیسا کہ سورہ نبا میں خلاق عالم کا ارشاد ہے کہ " وسیّرت الجبال فکانت سرابا۔ (٢٠) اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو جائیں گے۔ اور سورہ الحاقہ میں ہے کہ " وحملت الارض فدکتا دکۃ واحدۃ۔ (١٤) اور زمین و پہاڑ ایک بار ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔"

سورہ تکویر کی ابتدائی آیات میں اس مفہوم کیطرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک خدا قادر مطلق و فاعل مختار ہے۔ وہ جسطرح اس وسیع کائنات کو عدم سے وجود عطا کرنے پر قادر ہے اسی طرح اس کائنات کو درہم برہم کرنے اور اسکے بعد دوسری دنیا قائم کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ جس دنیا کے قوانین اس دنیا سے مختلف ہونگے احادیث کے لحاظ سے حیات ارضی کی بقا کیلئے سورج کی حرارت و شعلہ فشانی کو حد اعتدال پر رکھنے کیلئے اس پر کسی خاص مادے کی بارش ہوتی رہتی ہے جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ " سورج جب طلوع کرتا ہے تو اسکے

ساتھ چار فرشتے ہوتے ہیں ایک فرشتہ ندا دیتا ہے کہ اے نیک انسان نیکی کو مکمل کر اور تجھ بشارت ہو۔ دوسرا فرشتہ ندا دیتا ہے کہ اے برے انسان برائی کو کم کر دے اور چھوڑ دے اور تیسرا فرشتہ ندا دیتا ہے کہ خدا یا کی میں خرچ کرنیوالے کو زیادہ عطا کر اور روکنے والے کے مال کو ضائع کر دے اور چوتھا فرشتہ سورج پر پانی چھڑکتا ہے اگر وہ پانی نہ چھڑکتا تو زمین جل جاتی ۔" بحار - کافی

وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۝ وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۝

" اور جبوقت دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں حمل گرا دیں گی ۔ اور جب وحشی جانور اکھٹے کئے جائیں گے ۔
عشراء - وہ اونٹنی کہ جس کے حمل کو دس ماہ ہو جائیں تو وہ بچے کو جنم دینے تک عشراء کہلاتی ہے ۔ اور عرب قوم کے نزدیک ایسی اونٹنی انتہائی محبوب وقیمتی سرمایہ تھی ۔ چنانچہ جب قیامت برپا ہونے کیلئے عالمگیر زلزلہ آئیگا تو اسوقت جاندار اپنے حمل کو گرا دیں گے اور ایسی دہشت کا عالم ہوگا کہ کسی کو اپنی قیمتی سے قیمتی اور محبوب ترین شے کی پرواہ نہیں ہوگی اور خوف و دہشت سے تمام درندو چرند جانور ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور کوئی درندہ کسی جانور کو ضرر نہیں پہونچائے گا ۔

وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۝ اور جبوقت سمندر مشتعل آگ ہو جائیں گے "
تسجیر - تنور کا بھڑکانا - آگ کا بھڑکانا "
روز حشر برپا ہونے کیلئے جب نظام تکوینی درہم برہم ہو جائیگا اور سیاروں وستاروں اور تمام اشیاء کا تعلق واتصال قطع ہو جائیگا تو اسوقت سمندر کے پانی کے آکسیجن و ہائیڈروجن گیس میں تبدیل ہو جانے سے اسمیں آگ بھڑک اٹھے گی یعنی تمام اشیاء کے ایٹم تک ٹوٹ ٹوٹ کر دھماکہ خیزی میں اضافہ کر دیں گے ۔ تو جب سمندر کا پانی ختم ہو جائیگا اور تمام ذی حیات موت سے ہمکنار ہو جائیں گے تو اسکے بعد انسانی حشر و نشر کیلئے زمین کو پوری طرح ہموار بنا دیا جائیگا اسوقت زمین پر کوئی پستی و بلندی نہیں رہے گی تاکہ تمام انسان اس پر سما سکیں ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ " زمین کے اردگرد سمندر آگ میں تبدیل ہو جائیں گے ۔" نور الثقلین ۔
ابی ابن کعب نے کہا قیامت برپا ہونے سے قبل چھ نشانیاں واقع ہوں گی کہ لوگ بازاروں میں مصروف ہوں گے کہ اچانک سورج کی روشنی ختم ہو جائے گی اور پہاڑ زمین پر گر پڑے گے اور زمین مضطرب و لرزاں ہو جائے گی تو جن وانس دہشت زدہ ہو جائیں گے اسوقت جن انسانوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے لئے خبر لاتے ہیں تو جن سمندروں کیطرف جائیں گے تو دیکھیں گے کہ سمندر آگ میں تبدیل ہو گئے ہیں جو آگ جوش

مار رہی ہے تو اسوقت ایک ہوا آئے گی جو تمام ذی حیات کو موت سے ہمکنار کر دے گی " تفسیر مظہری۔

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ اور جب ارواح کو اجسام سے ملا دیا جائے گا "

تزویج ۔ ایک شئے کا دوسری شئے سے ملانا کہ جو دونوں ایک طرح کی ہوں یا مثل ہوں یا ملنے میں انکے درمیان مناسبت ہو۔ اس لحاظ سے آیت کا مفہوم وسیع ہے۔ یعنی جب میدان حشر برپا ہونے کیلئے نظام تکوینی کو تبدیل کر دیا جائیگا تو تمام انسانوں کے اجسام کو زمین سے نکال کر انکی ارواح کو ان سے ملحق کر دیا جائیگا ② اور اسکے بعد حساب و کتاب کی منزل پر مومن کو مومن کے ساتھ اور کافر کو کافر کے ساتھ اور منافق کو منافق کے ساتھ اور عیسائی کو عیسائی کے ساتھ اور یہودی کو یہودی کے ساتھ ملحق کر دیا جائیگا ③ اور ہر شخص کو اپنے نبی و امام اور پیشوا کے ساتھ ملا دیا جائیگا ④ اور پھر مومنین کو جنت میں حوران جنت اور کفار و منافقین کو دوزخ میں ان کے ساتھی شیاطین کے ساتھ ملا دیا جائیگا"

جناب عبداللہ ابن عباس راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ بروز قیامت جب ہر مومن پل صراط کو عبور کر کے جنت کے دروازے پر پہونچے گا تو خدا دنیا کی چار عورتوں اور ستر حور العین کے ساتھ اسکی تزویج کرے گا سوائے امیرالمومنین کہ انکے لئے صرف جناب فاطمہؑ مخصوص ہیں کیونکہ ان سے بڑھکر علیؑ کی ہمسری کے کوئی لائق نہیں ہے "

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ۝ " اور جب زندہ درگور کے متعلق پوچھا جائیگا کہ وہ کس جرم میں قتل کیگئی "

اسلام سے قبل عرب قوم میں دختر کشی کی رسم بدرائج تھی۔ فقر و احتیاج کے خوف سے یا گھر میں رہجانے اور تزویج نہ ہونے کی فکر سے یا جنگ میں دشمن کے قیدی بنجانے کے خوف کیوجہ سے ایک خاص قبیلے و مخصوص افراد نے اس رسم بد کو اپنا رکھا تھا۔ قیس ابن عاصم نے مسلمان ہونے کے بعد پیغمبرؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس نے زمانہ جاہلیت میں اپنی سات بیٹیاں زندہ دفن کی تھیں اب کیا کرے تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہر ایک کیلئے ایک ایک غلام آزاد کرو۔ انہوں نے عرض کیا میرے پاس اونٹ ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہر ایک کیلئے ایک ایک اونٹ خانہ کعبہ کا ھدیہ کر دو " ابو الفتوح رازی

انسان جب پست ہوتا ہے تو اسقدر گر جاتا ہے کہ حیوان بھی شرما جائے ۔ عرب کے جس قبیلے میں دختر کشی کی رسم بدرائج تھی اس کے ہاں جب کسی عورت پر ولادت کے آثار ظاہر ہوتے تو اسے کسی گڑھے کے پاس لیجاتے لڑکی پیدا ہوتی تو وہیں دفن کر دیجاتی اور اگر کسی صورت میں لڑکی بچ جاتی تو جبتک ذلت سمجھ کر برداشت کر سکتے کرتے پانچ چھ سال کی عمر میں بھی پہنچ جاتی تو سنگدل باپ ویرانے میں جاکر گڑھا کھود کر اسے زندہ دفن کر دیتا۔ آج کی مہذب و ترقی یافتہ دنیا میں زمانہ جاہلیت کی تمام بری رسومات و عادات شدت و اضافے کے ساتھ موجود ہیں اور اولاد کو دنیا میں وارد ہونے سے پہلے

ہی مہذب و جدید ذرائع سے ختم کرنے کے طریقے رائج ہیں لیکن ان تمام انسانیت سوز اور حیوان کو شرمادینے والی حرکات و اعمال کے باوجود آج کے لوگ ترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ دنیا میں جو بھی ظلم و ستم سے بےگناہ قتل کئے گئے وہ بروز قیامت جب اٹھیں گے تو انکی رگوں سے خون جاری ہوگا جس سے مشک کی خوشبو آرہی ہوگی اور ہر مقتول اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے اٹھے گا اور فریاد کرے گا کہ خدایا اس سے پوچھا جائے کہ اس نے کس جرم میں مجھے زندگی سے محروم کیا تھا۔

قرآن حکیم کی جامعیت و شان اعجازی کی بنا پر اسکی ہر ہر آیت ظاہری معنی کے ساتھ باطنی معانی و حقائق کو بھی اپنے دامن میں پنہاں رکھتی ہے جیساکہ انہی آیات کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "ایک بدترین قتل ہے اور ایک بہترین زندہ کرنا ہے کسی نفس کو ہدایت کرنا بہترین زندہ کرنا ہے اور کسی نفس کو گمراہ کرنا بدترین قتل کرنا ہے" تفسیر صافی ـــــ اور امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "یہاں وہ قتل مراد ہے کہ جو ہماری مودت و ولا میں قتل ہوا" کافی۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "بروز محشر فاطمۃ الزہرا کے فرزند محسن کی شہادت کے متعلق بھی سوال کیا جائیگا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا"

انہی آیات سے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ "ہم اہل بیت کی محبت جو تم پر فرض کی گئی ہے اسکے متعلق تم سے سوال کیا جائیگا اور ہمارا حق اور ہماری محبت تمام لوگوں پر فرض ہے اور سوال کیا جائیگا کہ انہوں نے ہمیں کیوں قتل کیا" نور الثقلین ـــــ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "یہ آیات آل محمدؐ کے اقربا کے بارے میں نازل ہوئیں اور ہر اسکے لئے کہ جو آل محمدؐ کی محبۃ و ولا میں قتل کیا گیا" کافی ـــــ

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾

اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ اور جب آسمانی چھت اکھاڑی جائے گی اور جب دوزخ کو سخت بھڑکا دیا جائیگا۔ اور جب جنت کو آراستہ قریب کر دیا جائیگا۔ تب ہر شخص جان لیگا کہ وہ کیا اعمال لیکر آیا ہے"

صحف = واحد صحیفہ۔ اعمال انسانی کو ضبط کرنیوالے صحائف۔ قلوب و نفوس کے صحائف جو عقائد و اعمال کو ضبط کرتے ہیں
کشط = قشط حیوان کی کھال کا اسکے سر سے یا بدن سے اتارنا۔ اکھاڑنا۔ زائل کرنا۔
سعّر = آگ کا شدت سے بھڑکانا۔ ازلفت۔ آراستہ کرنا۔ قریب لانا۔
یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو غیب کے پردے نگاہوں کے سامنے سے ہٹادیئے جائیں گے تو آسمانی حجابات بھی جب

نگاہوں کے آگے سے ہٹ جائیں گے تو ہر انسان جنت و دوزخ کا نظارہ کرے گا اور جنتی جب دوزخ کو دیکھیں گے تو
دوزخ سے نجات پر خدا کے فضل و احسان اور کامیابی پر خدا کا شکر و حمد بجا لائیں گے۔ اور دوزخی جب جنت کا نظارہ کریں گے
تو اپنی ناکامی پر انتہائی حسرت و یاس کا اظہار کریں گے۔ سورہ کی شروع کی آیات میں اس نظام تکوینی کے انجام سے آگاہ
کرنے کے بعد روز حشر کے برپا ہونے کو بیان کرتے ہوئے انسان کی عبرت و اصلاح کیلئے اسکی دنیاوی کارگزاری کے انجام سے
اسے باخبر کیا گیا ہے کہ اس روز ہر انسان کا صحیفۂ عمل یعنی داستانِ حیات کو اس کے سامنے کر دیا جائیگا اور پھر اسی کے
مطابق اسکے ساتھ عدل و احسان کا سلوک کیا جائیگا۔ اس روز صحائف اعمال انسان کے باطن سے ظاہر ہو جائیں گے
جیسا کہ سورۂ آلعمران میں خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا۔ الخ اس روز کہ جب
ہر شخص نے جو کچھ (دنیا میں) نیکی کی تھی اور جو کچھ برائی کی تھی اسے موجود پائے گا۔ الخ۔
اسوقت انسان دیکھے گا کہ اسکی داستان حیات کی ہر حرکت اور ہر کلمہ و کلام کسطرح محفوظ ہوتا رہا ہے اور اسکی باطنی کیفیات
اور عقائد و نظریات اور اسکے عقائد و اعمال کے اثرات تک بھی کسطرح محفوظ ہوتے رہے ہیں۔ دنیا میں مادیت و معصیت
کے حجابات نگاہ انسانی کو جنت و دوزخ اور عالم حقیقت کو دیکھنے سے مانع ہیں لیکن موت کے وارد ہونے ہی یہ تمام
حجابات ہٹ جاتے ہیں چنانچہ اس وقت ہر انسان فرشتوں کو دیکھتا ہے اور نبی و ائمہ کو دیکھتا ہے جبکہ اسکے پاس موجود افراد
نہیں دیکھ سکتے۔ جیسا کہ سورہ ق میں ہے کہ "لقد کنت ——————————
—— الیوم حدید (٢٢) "تو اس روز جزا سے غفلت میں پڑا تھا تو آج ہم نے تیرے سامنے سے پردے
کو ہٹا دیا ہے تو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے" اسی بنا پر فکر انسانی کو بیدار کرنے کیلئے ارشاد نبوی ہے کہ موتوا قبل
ان تموتوا "یعنی موت آنے سے پہلے ہی موت کی کیفیت کو اپنا لو" یعنی جسطرح موت کے وقت تمام حجابات
نگاہوں کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں تو اس وقت جب اپنے انجام و کارگزاری سامنے آتی ہے لیکن مہلت ختم
ہو جانے کی وجہ سے احساس بیداری ہوتے ہوئے حسرت ہوتی ہے کہ کاش کچھ مہلت ملجاتی تاکہ سامانِ آخرت فراہم کر لیتا
تو اسی طرح موت آنے سے پہلے ہی یہ احساس بیدار کرو تاکہ مہلت سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے زادِ آخرت
زیادہ سے زیادہ فراہم کیا جا سکے تاکہ موت کے وارد ہونے کے بعد پشیمانی نہ ہو۔ لیکن وہ خاصانِ خدا کہ
جو لباسِ عصمت و طہارت سے آراستہ تھے کہ جنکی تعلیم و سیرت کی پیروی دنیائے انسانیت کیلئے ذریعہ نجات
ہے وہ اس مادی دنیا میں بشری لباس میں ہوتے ہوئے کائنات کے تمام حقائق و بواطن کا مشاہدہ کرتے ہیں
اور کوئی مادی پردہ انکی نگاہوں کیلئے مانع نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ سید الاوصیاء امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تھا
کہ لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً۔ اگر میری نگاہوں کے سامنے سے تمام حجابات ہٹا بھی دیئے جائیں تو بھی
میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا"۔۔۔۔ یہی مقام توجہ تھی کہ ایک روز جب امیر المومنین وادی السلام میں تشریف

لیگئے اور زمین پر بیٹھنا چاہا تو کمیل نے عرض کیا میں کپڑا بچھاتا ہوں۔ تو آپ نے اسے منع کیا اور فرمایا یہاں مومنین حلقہ کئے موجود ہیں۔ یعنی وہاں ارواح اجسام مثالی کے ساتھ موجود رہتی ہیں لیکن کمیل نہ دیکھ سکے اور نگاہ ولایت دیکھ رہی تھی۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ﴿۱۶﴾ مجھے قسم ہے چلتے چلتے پیچھے ہٹ جانے والے ستاروں کی۔
اور قسم ہے چلتے چلتے چھپ جانے والے ستاروں کی ۔"

الخنس ۔ واحد خانس۔ پوشیدہ ہونا۔ آگے بڑھکر پیچھے ہٹنا۔ اور ظاہر ہو کر چھپ جانا۔ اسی مناسبت سے شیطان کو خناس کہا جاتا ہے کہ وہ پوشیدہ ہے اور انسان کیطرف بار بار لوٹ کر آتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ "جب انسان خدا کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر خدا سے غافل ہوتا ہے تو شیطان پھر لوٹ آتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے۔" منہج۔

الجوار ۔ واحد جاریہ۔ جاری ہونا۔ یعنی دائرے کی صورت میں مستقل حرکت کرنیوالے سیارے و ستارے ان میں بعض بہت تیز رفتار ہیں اور بعض کی رفتار درمیانی ہے اور بعض سست رفتار ہیں۔

الکنس ۔ واحد کانس ۔ پناہ کی جگہ۔ ہرن کا اپنی جگہ میں پناہ لینا۔

یہاں سیاروں کا حرکت کرتے ہوئے غائب ہو جانا مراد ہے کہ جسطرح ہرن اپنے مسکن میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ "الجوار الکنس" یعنی ایسے سیارے بھی مراد ہیں جو پیچھے ہٹتے بھی دکھائی دیتے ہیں اور ایسے سیارے بھی کہ جو آگے بڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ایسے سیارے بھی کہ ظاہر ہو کر پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔

ان آیات میں سیاروں و ستاروں کے ظہور و غروب سے انکی آزادانہ حرکت کا اظہار ہے۔ اس نظام کے پانچ سیارے حرکت کرتے ہوئے اپنی ابتدائی منزل کیطرف لوٹ آتے ہیں اسی لئے ان کو متحیرہ کہتے ہیں اور وہ عطارد۔ زہرہ مشتری مریخ اور زحل ہیں ـــــ اور حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ وہ سیارے ہیں جو رات کو ظاہر ہوتے ہیں اور دن کو پوشیدہ ہو جاتے ہیں دیکھے نہیں جاتے۔"

ظاہری معنی کے لحاظ سے اس آسمان کے سیارے مراد ہیں لیکن باطنی معنی کے لحاظ سے آسمان نبوت کے سیارے مراد ہیں اور خصوصاً امام زمانہ مراد ہیں جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے جب اس آیت کے باطنی معنی دریافت کئے گئے تو آپ نے فرمایا "الخنس امام ہے کہ جو لوگوں کی نگاہوں سے (۲۶۰) ہجری میں پوشیدہ ہو جائیگا تو اس کے علم و نور کا فیض منقطع ہو جائیگا۔ پھر جب وہ ظاہر ہو گا تو شہاب کیطرح ظاہر ہو گا کہ جو شب تاریک میں چمکتا ہے اگر تم اس زمانے کو پالو تو تم خوشحال ہو اور تمہاری نگاہیں روشن ہیں۔" نور الثقلین۔

وَالَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ "اور رات کی قسم جب چھا جائے۔ اور صبح کی قسم کہ جب وہ روشن ہو جائے"

عسعس ۔ رخ پھیرنا ورخ موڑنا ۔یعنی آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا ۔ اور "عسّ" رات کو کوئی شے طلب کرنا۔ تاریک ہو جانا۔

تنفس ۔ زندہ کا سانس لینا ۔صبح کی ہوا کا چلنا ۔ صبح کیلئے روشنی کا رات کی تاریکی سے نمودار ہونا ۔شق ہونا ۔ کھل جانا ۔اور دل کا بوجھ ہٹنے وغم کی تاریکی سے نجات پانا۔

حیات کے سکون وبقا کیلئے رات کے آنے کی قسم اور زندگی کو متحرک کرنے کیلئے رات کے جانے کی قسم اور صبح کی قسم کہ جب زندگی کی حرکت وعملی آغاز کیلئے شب تاریک سے صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے ۔ نیند موت کی مانند ہے جس کے لئے رات کو خلق کیا گیا ہے اور بیداری وحرکت علامت حیاۃ ہے جسکی روانی کیلئے دن کو خلق کیا گیا ۔ لہذا شب تاریک سے صبح کا طلوع حیات کا سانس لینے کی مانند ہے زمانۂ فطرت یعنی ظہور اسلام سے قبل کفر وشرک اور ظلم ومعصیت کی گہری تاریکی میں جب انسانیت وشرافت تڑپ رہی تھی تو اس وقت نور رسالت ونور وحی کے ظہور کی جب صبح ہوئی تو بشریت وانسانیت نے نئی حیات کا سانس لیا ۔یعنی انوار وحی ربانی کا ظہور ورسالت آسمانی کی صبح نے سانس لیا کہ جسکی روشنی نے پوری دنیا کو منور کردیا ۔اس بنا پر نور وحی ربانی ورسالت رحمانی کے نور کے طلوع ہونے کی صبح کی قسم کھائی گئی ہے۔

اصبغ ابن نباتہ نے امیرالمومنین سے ان آیات کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ "خدا نے ان لوگوں کیلئے مثال دی ہے جنھوں نے خدا کے مقرر کردہ صاحبانِ امر ائمہ سے انحراف کیا اور خود ولی الامر ہونے کا دعویٰ کیا اور صبح سے مراد ائمہ کی صبح ہے کہ ان کا نور صبح کے نور سے زیادہ روشن ہے کہ جب سانس لیتی ہے ۔" جامع ـــــ

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾

یقیناً وہ (قرآن) رسولِ کریم کا (لایا ہوا) کلام ہے۔

یعنی قرآن حکیم کلام الٰہی ہے نہ ہی ملک کا کلام ہے اور نہ ہی انسانی اختراع ہے یہ کلام ربانی ہے کہ بجز بانِ عصمتِ رسالت سے ظاہر ہوا اس لئے رسول کریم کیطرف منسوب ہوا اور کتاب محمدؐ وقرآن محمدؐ کہلایا جسطرح وحی الٰہی خدا کا کرم احسان ہے اسی طرح حامل وحی ربانی اور مبلغ آیاتِ الٰہی رسول کریم کی ذات بھی خدا کا کرم واحسان اور نعمۂ عظمیٰ ہے۔

اس آیۂ کریمہ میں "رسول کریم" سے جبرائیل امین مراد ہیں یا محمدؐ امین مراد ہیں کہ جو تمام رسولوں کے رسول اور جبرائیل کے معلم وسردار ہیں ۔ قرائن کے لحاظ سے یہاں "رسول کریم" سے پیغمبرؐ اکرم کی ذات گرامی مراد ہے کیونکہ سورہ میں جو ایجابی وسلبی صفات بیان کیگئی ہیں وہ پیغمبرؐ اکرم کی ذات کیلئے مخصوص ہیں۔

کریم ۔ ذوقوۃ ۔ عند ذی العرش مکین ۔مطاع ۔امین ۔ وما صاحبکم بمجنون ۔ ولقد رآہ بالافق المبین ۔

وما ھو علی الغیب بظنین ۔ وما ھو بقول شیطان رجیم ۔ یعنی پیغمبر اکرمؐ رسول کریم ہیں ۔ صاحب قوۃ ہیں ۔ عرش کے مالک کے انتہائی قریب یعنی ہم توحید کے بزم نشین ہیں ۔ اور عرش سے فرش تک ہر جگہ انکی رسالت کا دائرہ ہے لہذا ہر جگہ واجب الطاعت ہیں ۔ اور الٰہی امانات کے امین ہیں ۔ اور تمہارے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا تمہارا صاحب (پیغمبرؐ اکرم) دیوانہ نہیں ہے ۔ اور نہ ہی کاھن و شاعر ہیں ۔

کفار عرب کے سامنے پیغمبر اکرم کی ذات و رسالت ہی محل بحث تھی اسی لئے کبھی رسول اکرم کو کاہن و شاعر کہا اور کبھی ساحر و دیوانہ کہا ۔ یہ الزامات جبرائیل پر نہیں لگائے جبرائیل کو تو کفار جانتے بھی نہیں تھے ۔ جبرائیل وحی الٰہی کے پہونچانے کا ذریعہ ہیں لہذا پہلے رسول اکرم کی رسالت ثابت ہو پھر جبرائیل کا وجود صاحب ہوگا ۔ کیونکہ غیب کی اخبار یعنی جبرائیل و وحی کی خبر سے پیغمبرؐ اکرم نے آگاہ کیا ۔

ذِی قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ۙ "جو صاحب قوۃ ہے مالک عرش کے ہاں بلند مقام رکھتا ہے"

یعنی پیغمبرؐ اکرم صاحب قوۃ و قدرت ہیں جسطرح خود خلاق عالم شدید القویٰ ہے اسی طرح اسکا حبیب بھی ذی قوۃ ہے خدا کا رسول اسکی وحی و قرآن کا مبلغ و امین ہے اسکا شعر و کہانت اور سحر سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ نہ ہی وہ ضعیف العقل و دیوانہ ہے اور نہ ہی کمزور ہے کہ وحی رحمانی و وحی شیطانی کے درمیان فرق نہ کرسکے ۔ اور نہ ہی معرفت الٰہی اور ایمان و اعتقاد میں کمزور ہے کہ وحی الٰہی میں خیانت کرے بلکہ وہ خدا کا رسول صادق و امین ہے باطنی و روحانی ہر لحاظ سے انتہائی قدرت و اقتدار کا مالک ہے ۔ یہ اس لئے کہ عرش عظیم کے مالک خداوند عالم کا محبوب و انتہائی قریب ہے قرآن حکیم اسکی قدرت و قوۃ اور عظمت کا گواہ ہے ۔ وہ قرآن کہ جسکی عظمت کی بنا پر آسمان و زمین اسے برداشت نہ کرسکے اسے قلب پیغمبر نے برداشت کیا وہ اپنے حقائق و معارف اور علوم کے ساتھ قلب پیغمبر پر نازل ہوا ۔ قرآن حکیم عرشی ہے تو اس کا حامل و مبلغ رسول کریم بھی عرشی ہے اور اس رسول کریم کی قوت بھی عرشی ہے ۔ اس کے رسول عظیم کی انگلی کی معمولی جنبش سے چاند دو حصوں میں تقسیم ہو کر اسکی قوۃ و عظمت کی گواہی دیتا ہے ۔

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ؕ وَ مَا صَاحِبُکُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ

"کہ جسکی (عالم بالا میں بھی) اطاعت کی جاتی ہے پھر وہ امین بھی ہے ۔ (اے اہل مکہ) تمہارا ساتھی (پیغمبر اکرم) دیوانہ نہیں ہے" مالک عرش کے نزدیک پیغمبر اکرم تمام خلق کیلئے واجب الطاعۃ ہیں تمام صاحبان قوۃ و شرف ملائکہ اور جن و انس پر آپ کی اطاعت فرض ہے اور آپ خدا کی وحی اور دین و شریعت پر امین ہیں اظہار رسالت سے قبل بھی محمدؐ امین تھے اور جب کمزور انسان کی امانتوں میں امانتدار تھے تو شدید القویٰ مالک عرش کی امانات میں کسقدر امین ہوں گے اور اپنی قوم کے درمیان

ایک طویل عرصہ گزارا اور انہوں نے اسے صادق و امین قرار دیا اسوقت پیغمبرؐ کی ذات و سیرت پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا جیسے ہی آپ نے پیغام الٰہی و وحی سماوی کا پیغام سُنایا تو کفار نے ہر طرح کے الزامات لگانے شروع کر دیئے تو خداوند عالم نے اپنے حبیب سے ان تمام الزامات کی خود نفی کی کہ میرا رسول جو تمہارے ساتھ ایک طویل عرصہ رہا تم اسکی عزت و احترام کرتے تھے وہ دیوانہ و کمزور نہیں ہے وہ تمام بشری نقائص سے پاک ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب ابوبصیر نے اس آیت کے معنی دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ پیغمبر اکرم لوگوں کے درمیان علیؑ کو خلافت و ولایت کیلئے نصب کرنے میں ہرگز دیوانے نہیں ہیں۔"

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ "اور اس (پیغمبرؐ) نے اُسے افق مبین میں دیکھا۔"

یہ کون ہے کہ جسے پیغمبر اکرمؐ نے افق مبین پر دیکھا۔ کیا آپؐ نے جبرائیل کو وہاں دیکھا کہ جو وسیلہ وحی ہے جبکہ اس آیت سے قبل جبرائیل کا واضح تذکرہ نہیں ہے بلکہ موضوع بحث ذات نبوی کا تذکرہ ہے جبکہ پیغمبر اکرم کا جبرائیل کو افق مبین پر دیکھنا پیغمبرؐ اکرم کیلئے فضیلت و شرف نہیں ہے۔ جبرائیل تو اکثر وحی لیکر خدمت نبوی میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حضور اکرم کے شاگرد تھے اور شاگرد کو دیکھنا ایسے با عظمت و کمال استاد کیلئے شرف و فضیلت نہیں ہے بلکہ شاگرد کا ایسے عظیم استاد کی زیارت کرنا شاگرد کیلئے فضیلت و شرف ہے اور جبرائیل تو وحی الٰہی لانے کا ذریعہ ہیں اور پھر شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر رکتے ہوئے عرض کیا تھا کہ "اگر ایک انگلی کے برابر بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا۔" لیکن پیغمبرؐ اکرم جسم و لباس کے ساتھ آگے بڑھ گئے اور نورانی حجابات کو عبور کرتے ہوئے قاب قوسین کی منزل تک پہونچ گئے۔ وہاں آپؐ نے جو کچھ دیکھا وہ جبرائیل نہیں دیکھ سکتے تھے۔

لہٰذا یہاں دیکھنے سے مراد قربت الٰہی و معرفت الٰہی کا کمال اور نور یقین و نگاہ قلب سے جمال و جلال توحید کا مشاہدہ کرنا مراد ہے کیونکہ اجسام کی نگاہوں کیطرح قلوب کی بھی نگاہیں ہے جیساکہ سورہ نازعات میں ہے قلوب یومئذ واجفة ۝ ابصارها خاشعة ۝ جس روز دل دھڑک رہے ہوں گے۔ اور ان کے قلوب کی نگاہیں جھکی ہوں گی۔ اور ایک دعا میں ہے کہ

واَنِرْ ابصار قلوبنا بضیاء نظرها الیك حتی تخرق حجب النور فتصل الی معدن العظمة۔

"خدایا ہمارے قلوب کی نگاہوں کو اپنے جمال و جلال کے دیکھنے کیلئے اسطرح منور کردے کہ تمام نورانی حجابات سے گزر کر تیرے مرکز عظمت و جلال تک پہنچ جائیں۔"

اور جب امیر المومنین سے کہا گیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا "میں رب کی کیسے عبادت کرسکتا ہوں جبکہ میں نے اسے نہ دیکھا ہو میں نے مشاہداتی ظاہری نگاہوں سے نہیں بلکہ حقیقت ایمان کے ساتھ نگاہ قلب سے دیکھا ہے۔"

اور شب معراج تمام حجابات دور ہو گئے اور پیغمبر اکرم جسم ولباس کے ساتھ امکان کے آخری نقطہ تک پہنچ گئے صرف حجاب الوہیت رہ گیا کہ جس کا جدا ہونا ناممکن ہے کیونکہ وہ مقام وجوب ہے اس کے علاوہ باقی تمام حجابات نور وظلمت دور ہو گئے اور "افق مبین" سے مراد یا آفاق تکوینی کا اعلیٰ مقام ہے یا آفاقِ معرفت کا بلند ترین مقام ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ماہ شعبان میں روزانہ ستر مرتبہ "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم الحی القیوم واتوب الیہ" پڑھا کرے تو اس کے لئے اس کا اجر افق مبین میں لکھا جائیگا۔ عرض کیا گیا "افق مبین" کیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا عرش کے پاس ایک فضاء و مقام ہے کہ جہاں نہریں جاری ہیں کہ جن کے اطراف ستاروں کی مانند جام رکھے ہیں" قمی۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ "اور وہ غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہے"

جس طرح خلاق عالم نے اپنے حبیبؐ کیلئے فیوضات ونعمات اور غیوبات میں بخل نہیں کیا ہے اس نے ممکنات کے تمام غیوبات کو اپنے حبیبؐ کیلئے آشکار کر دیا ہے۔ اسی طرح اس کا حبیب ورسولؐ انسانوں کیلئے اپنے علوم وفیوضات سے بخل نہیں کرتا جو خداوند عالم اس پر وحی نازل کرتا ہے وہ پہنچا دیتا ہے اور فیوضات غیب و وحی ربانی سے آگاہ کرنے میں بخل نہیں کرتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب اس آیت کے معنی دریافت کئے گئے تو آپؑ نے فرمایا کہ "خدا اپنے حبیب کیلئے علم غیب عطا کرنے میں بخیل نہیں ہے بلکہ ان کو علم غیب سے آگاہ کر دیا ہے" جامع ـــ

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ "اور وہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام نہیں ہے۔

قرآن وحی الٰہی ہے اور ایسا کلام ربانی ہے کہ جس پر کسی مخلوق کو قدرت نہیں ہے شیطان تو راندہ درگاہ الٰہی ہے جس قادر مطلق خلاق عالم نے اپنی قدرت اور علم وحکمت سے اس عظیم کائنات کو خلق کیا اور سیاروں وستاروں کو روشن کیا وہی تاریک شب سے صبح کی روشنی کو ظاہر کرتا ہے وہی شب وروز کا خالق ہے اسی نے حامل وحی کو وحی قرآنی کے متحمل ہونے کی قوۃ عطا کی جسطرح وحی الٰہی یعنی قرآن حکیم معجزہ ہے اسی طرح حامل قرآن رسولِ رحمان کی ذات بھی معجزہ ہے جسطرح قرآن حکیم کتاب آسمانی ہے اسیطرح حامل قرآن رسول بھی آسمانی ہے تمام انبیاء آسمان ربوبیت کے درخشاں ستارے ہیں جو ارواح وقلوب کو منور کرتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ کے متعلق جب امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسلام سے قبل قریش کے درمیان کاہن شیطانی افکار سے غیب کی خبریں دیا کرتے تھے شیطانی خبریں کاہنوں کی زبان پر جاری ہوتی تھیں اس بنا پر اس آیت میں اسکی نفی کی گئی ہے کہ پیغمبر ان کاہنوں کی مانند نہیں ہے کہ شیاطین کی بات کہے بلکہ اسکا کلام وحی ربانی ہے۔

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ۝

تو تم کہاں جا رہے ہو۔ وہ (قرآن) تو صرف یاد دہانی و نصیحت ہے جہان والوں کیلئے۔ تم میں سے ہر اس شخص کیلئے کہ جو سیدھی راہ پر چلنا چاہتا ہے۔"

یعنی اے کفار و مشرکین تم اس وحی ربانی و ھدایت قرآنی اور رسول یزدانی کو چھوڑ کر کہاں بھٹک رہے ہو کیونکہ وحی سماوی و رسل سماوی کا پیغام و تعلیم فطرت و عقل کے مطابق ہے اور تم رسول باطن یعنی عقل سے کیوں رہنمائی حاصل نہیں کرتے اور تم وحی الٰہی و نور قرآنی کی روشنی کو چھوڑ کر کفر و شرک کی تاریکیوں میں کیوں بھٹکتے ہو جبکہ ہر طرح سے تم پر اتمام حجۃ کر دی گئی ہے قرآن حکیم جو وحی رحمانی اور عالمین کیلئے ھدایت ربانی ہے اور تمام شکوک و شبہات کو دور کرنیوالا کلام معجز بیان ہے یہ رسول سماوی و کلام سماوی ہر غفلت و جہالت اور کفر و معصیت سے نکال کر قلوب و ارواح کو نور ہدایت سے منور کرتے ہیں اور فطرت انسانی میں آسمانی صداقتوں و حقائق کو نقش کرتے ہیں۔ اور یہ قرآن کریم رسول ربانی کا گواہ ہے اور رسول ربانی اس قرآن رحمانی کا گواہ ہے اور یہ کلام سماوی رسول سماوی کی صداقت کا ابدی معجزہ ہے اور انسانیت کیلئے نجات و کامرانی کا نسخہ کیمیا ہے اس سے ھدایت و نصیحت وہی حاصل کر سکتا ہے کہ جسے روز حشر یعنی سزا و جزا کا ایمان و یقین ہو اور جو ھدایت چاہتا ہے اور ھدایت پر قائم رہنا چاہتا ہے اسکے لئے یہ ذکر ہے و نور ھدایت ہے۔ ان آیات کے متعلق جب امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "تم ولایت علیؑ کو چھوڑ کر کدھر بھاگ رہے ہو اور علی کی ذات ہر اس شخص کیلئے ذکر ہے کہ جس سے خدا نے علیؑ کی ولایت کا عہد لیا تھا یہ دنیا جہان کیلئے نصیحت ہے" عرض کیا گیا "من شاء منکم ان یستقیم" کے کیا معنی ہیں۔ تو امام نے فرمایا کہ "جو راہ حق کو حاصل کرنا اور اس پر چلنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ علیؑ کی ولایت پر قائم رہے اور ان کے بعد ائمہ کی پیروی کرے" جامع۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ "اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر وہی جو تمام جہانوں کا پروردگار چاہتا ہے۔"

اس آیت میں جہاں اقتدار الٰہی کا تعارف کرایا گیا ہے کہ اس کائنات میں اسی کا حکم نافذ ہے اور اسی کی طلب و مشیت تقدیری و تدبیری کو غلبہ حاصل ہے وہاں مشیت تشریعی کی منزل میں اپنی مشیت رحمانی کو انسان کے شامل حال کرتے ہوئے اسے اپنے اعتقاد و عمل میں فاعل مختار قرار دیا ہے تاکہ جزا و سزا کی منزل پر تقاضاء عدل کی تکمیل ہو لیکن خلاق عالم نے انسانی ھدایت و رہنمائی کیلئے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی ایسی مثالی ذوات خلق کی ہیں کہ جنکی انتہائی اطاعت و فرمانبرداری کی بنا پر ان کے ہر قول و عمل اور ارادے کو خلاق عالم نے اپنا قول و عمل قرار دیا ہے۔ انہی ذوات مقدسہ سے اصلاً ان آیات میں خطاب ہے۔ اور عام سرکش و نافرمان انسانوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ ایک طرف تمہاری سرکشی اور

کفر کی شدت کا یہ حال ہے کہ تم رسول سماوی و کتاب ربانی کی ھدایات و نور کے ہوتے ہوئے بھٹک رہے ہو اور اپنے رب کریم سے بغاوت کر رہے ہو اور دوسری طرف خدا کے کچھ ایسے برگزیدہ خاص بندے بھی ہیں کہ جن کی فرمانبرداری کا یہ حال ہے کہ انکی ہر خواہش و ارادہ الہٰی ارادے کے تابع ہے اور خلاق عالم کا ان کے لئے ارشاد ہے کہ "تم وہی چاہتے ہو جو عالمین کا پروردگار چاہتا ہے۔"

چنانچہ حضرت امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ "یقیناً خدا کے امانتداروں کا فعل خدا کا فعل ہے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے "وما تشاؤن" الخ۔ اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "خداوند عالم نے ائمہ معصومین کے قلوب کو اپنے ارادے کا محل قرار دیا ہے پس جب اللہ کوئی امر چاہتا ہے تو وہ بھی چاہتے ہیں۔"

سورہ انفطار (مکیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ① وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ② وَإِذَا الْبِحَارُ
فُجِّرَتْ ③ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ④ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ⑤
يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ⑥ الَّذِي خَلَقَكَ
فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ⑦ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ⑧ كَلَّا بَلْ
تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ⑨ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ⑩ كِرَامًا كَاتِبِينَ ⑪

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي
جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا
أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ
لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جب آسمان پھٹ جائیگا۔ اور جس وقت ستارے (ٹوٹ پھوٹ کر) بکھر جائیں گے۔ اور جب سمندر پھٹ کر مل جائیں گے اور جس وقت مردوں کو نکال دیا جائے گا۔ تو (اسوقت) ہر شخص جان لیگا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔

اے انسان تجھے رب کریم سے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے۔ کہ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے سنوارا۔ تو تجھے ہر طرح سے متوازن بنایا۔ جس صورت میں چاہا تیری ترکیب کی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تم تو روز جزا کو جھٹلاتے ہو۔ یقیناً تم پر نگراں مقرر ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ کہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتے ہیں۔

یقیناً نیک لوگ (جنۃ کی ہمیشہ کی) نعمات میں ہوں گے۔ اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔
بروز قیامت وہ دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ اور وہ لوگ دوزخ سے غائب نہیں ہو سکیں گے۔

تلاوت: سورہ انفطار کی ایمان و اخلاص سے مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "جو سورہ انفطار کو پڑھتا رہے تو بروز حشر جب صحائف اعمال کھلیں گے تو خدا اسے رسوائی سے محفوظ رکھے گا اور اسکی ہر طرح سے پردہ پوشی کرے گا اور اسکی حالت کو درست کرے گا اور اگر کوئی قیدی اس سورہ کو باقاعدہ پڑھا کرے اور لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اسے قید سے نجات ملے گی اور آنے والے خطرات سے محفوظ رہے گا اور اس کے حالات بہت جلد سازگار ہو جائیں گے۔ باذن اللہ۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص سورہ الفطار و سورہ انشقاق کو باقاعدہ نماز فریضہ و نوافل میں پڑھتا رہا تو بروز قیامت قرب الٰہی اور اسکے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوگا اور لوگوں کے حساب سے فراغت تک مسلسل بلا واسطہ اس پر خدا کی نگاہ رحمت رہے گی۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "بارش برستے وقت اگر کوئی اس سورہ کی تلاوت کرے تو بارش کے قطرات کے برابر خدا اس کے گناہوں کو معاف کرے گا اور اسے آنکھوں پر پڑھا جائے تو نگاہ تیز و قوی ہوگی اور آنکھوں کا چوندھیا بقدرت الٰہی ختم ہو جائے گا۔"

اس سورہ میں بھی انسانی فکر و عمل کی اصلاح یعنی مقصد حیات سے آگاہی کیلئے خالق کائنات کی ذات و صفات یعنی قدرت و اقتدار اور عدل و رحمت سے متعارف کرانے کے ساتھ جاہل و غافل انسان کو اسکے انجام سے خبردار کیا گیا ہے اور روز حشر کے برپا ہونے کو اسطرح بیان کیا گیا ہے تاکہ علم الیقین حاصل ہو جائے۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ عبداللہ ابن عمر راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "جو شخص روز قیامت کو اسطرح دیکھنا چاہتا ہے کہ جس طرح سے آنکھوں سے مشاہدہ کیا جاتا ہے تو اسے چاہیئے کہ سورہ تکویر۔ سورہ الفطار اور سورہ انشقاق کی تلاوت کرے۔"

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝

بعثرت ۵ — "جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جس وقت ستارے (ٹوٹ پھوٹ کر) بکھر جائیں گے اور جب سمندر پھٹ کر مل جائیں گے۔ اور جس وقت قبریں مردوں کو نکال دیں گے۔"

الفطر۔ طولانی شق کرنا۔ انفطار شق ہونے کو قبول کرنا۔

یعنی نجوم و کواکب کیلئے دو طرح کا شق ہونا ہے۔ پہلا ابتدائی پیدائش کے وقت تخلیقی جوہر سے انکو پیدا کر کے شق کیا گیا۔ اور دوسرا شق کرنا اسوقت ہوگا کہ جب روز جزا برپا کرنے کیلئے ان نجوم و کواکب کو شق کر کے اپنی ابتدائی دخانی صورت میں تبدیل کر کے اس کائنات کی بساط کو لپیٹ دیا جائیگا۔ پہلا شق کرنا تعمیر و تخلیق کیلئے تھا اور دوسرا شق کرنا تخریب و تباہی کیلئے ہوگا۔

انتشار۔ بکھر جانا۔ یعنی اس نظام تکوینی کے اختتام کے وقت سیارے و ستارے کشش کی زنجیروں سے آزاد ہو کر بکھر جائیں گے۔ اور بے نور ہو کر پاش پاش ہو کر کائنات کی گہرائیوں میں غائب ہو جائیں گے۔

فجرتھا کا فتہ ہونا۔ یعنی روز حشر برپا ہونے کیلئے اور زمین کی صورت کو بدلنے کیلئے جب سمندروں میں سخت طغیانی آئے گی تو درمیانی حدود کو توڑ کر سب سمندر مل جائیں گے۔

قرآن حکیم انسانی تخلیق کے مقصد اور اسکے حصول کیلئے بنیادی صداقتوں و حقیقتوں کو اسطرح وضاحت واستدلالی صورت میں بیان کرتا ہے تاکہ ایمان و ایقان حاصل ہونے کے ساتھ انسانی فکر و عمل میں طہارت و اصلاح ہو۔ انہی بنیادی صداقتوں و عقائد میں سے عقیدہ آخرت ہے کہ جسے قرآن حکیم نے کئی مقامات پر مختلف انداز سے اسطرح بیان کیا ہے تاکہ صاحبان بصیرت کو حق الیقین حاصل ہو۔ اس سورہ کے آغاز میں بھی اس نظام تکوینی کے درہم برہم ہونے اور روز حساب کے برپا ہونے کو بیان کرتے ہوئے انسان کو اسکے انجام کیطرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جب اس نظام تکوینی کی بقا کی مدت ختم ہو جائے گی تو سیاروں و ستاروں بھرا آسمان پھٹ جائیگا اور سورج کا چراغ بجھ جانے کیوجہ سے سیارے و ستارے بے نور ہو کر غیر مرئی زنجیروں سے آزاد ہو کر بکھر جائیں گے اور سمندر بپھر کر ایک دوسرے سے ملجائیں گے اور پھر بخارات میں تبدیل ہو کر اڑ جائیں گے۔ اور یہ آسمان اور نجوم و کواکب اپنی اصلی ابتدائی دخانی صورت میں تبدیل ہو جائیں گے اور یہ زمین تبدیل ہو کر مشیت الٰہی سے انسانی حشر و نشر کیلئے ہموار ہو کر باقی رہ جائے گی۔ آج انسان نے ایٹم اور غیر مرئی طاقتور شعاعوں پر قابو پا کر اس کرہ ارض کی تباہی کا سامان فراہم کر لیا۔ تو پھر خالق کائنات کیلئے اس نظام کائنات کا درہم برہم کرنا کونسی بڑی بات ہے۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝ تو (اس وقت) ہر شخص جان لیگا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔ جب انسان اپنی داستان حیات کے حساب و کتاب کیلئے دوبارہ زمین سے زندہ نکلے گا تو اس وقت دنیاوی پوری داستان حیات اسکی نگاہوں کے سامنے آجائے گی تب اسے معلوم و احساس ہوگا کہ اس نے دنیا سے آخرت کی طرف کیا منتقل کیا تھا اور آخرت کیطرف منتقل ہونے کے بعد پیچھے کیا چھوڑ کر آیا تھا۔ دنیا میں جہالت و غفلت اور سرکشی کی بنا پر اپنی حیات کے مقصد کیطرف متوجہ نہیں ہوا تھا لیکن بروز حشر معلوم ہوگا کہ اسکی داستان حیات کا ذرہ ذرہ محفوظ کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ سورہ القیامۃ میں فرمان الٰہی ہے کہ ینبأ الانسان یومئذ بما قدم واخر ⓭ تو اس روز انسان کو آگاہ کر دیا جائیگا اس سے کہ جو اس نے اپنے آگے بھیجا تھا اور جو کچھ پیچھے چھوڑا تھا۔"

اور پیغمبر اکرمؐ و امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ "جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے تو اس وقت لوگ کہتے ہیں کہ اس مرنیوالے نے کیا چھوڑا ہے اور وہاں موجود فرشتہ کہتا ہے کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے"۔ موت کا پیغام آتے ہی داستان حیات کے نتائج سامنے آجاتے ہیں اگر فرزند دنیا تھا تو حسرت و یاس ہوتی ہے اور اگر فرزند آخرت بنا رہا تو خوش و مسرور ہوتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ "آخرت کیلئے اسطرح کام کرو گویا کہ کل تمہاری موت ہے اور دنیا کے لئے اسطرح کام کرو جیسا کہ ہمیشہ زندہ رہو گے"۔ یعنی آخرت کیلئے جلدی اہتمام و انتظام کرو سستی نہ کرو کیونکہ موت کا پیغام کسی وقت بھی آسکتا ہے اور دنیا کیلئے صبر و تحمل سے کام کرو کیونکہ تم فرزند آخرت ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے

کہ "بروز قیامت ہر فرزند اپنی ماں کے ساتھ ہوگا لہذا تم فرزند آخرت بنو فرزند دنیا نہ بنو۔"

انسانی اعمال دو طرح کے ہیں ایک وہ اعمال ہیں کہ جو بجالانے ہی منقطع ہوکر آخرت کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے نماز و روزہ وغیرہ۔ اور دوسرے وہ اعمال ہیں کہ جو آخرت کی طرف منتقل ہونے کے ساتھ اپنی شدہ و قوت کے لحاظ سے دنیا میں اثرات مرتب کرتے ہیں۔ انسان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن اس کے عمل کا اثر باقی و جاری رہتا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "حاکم و بادشاہ اگر عادل ہو تو رعایہ کے عدل میں شریک ہوتا ہے اور اگر ظالم ہو تو رعایہ کے ظلم میں حصہ دار ہوتا ہے۔" یعنی حکمران اگر ظالم و بدکار اور دنیا کا پجاری ہو تو رعایہ پر اچھے اثرات مرتب ہونے کی بنا پر انکے عدل و نیکی میں حصہ دار ہوگا۔ اور پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "انسان کا عمل منقطع ہو جاتا ہے لیکن اولاد کے ذریعے یا لگائے گئے درخت کے ذریعے یا چشمۂ آب کے ذریعے یا حمام بنانے کے ذریعے اس کا عمل جاری رہتا ہے۔"

اور الٰہی عدل و احسان کا تقاضا ہے کہ اعمال کے اثرات کے مطابق اجر و بدلہ دیا جائے۔ قرآن حکیم نے کئی مقامات پر متوجہ کیا ہے کہ عمل کرتے وقت یہ خیال و احساس رہے کہ اپنے کیے گئے اعمال کے اثرات کے لحاظ سے عمل جاری رہتا ہے لہذا ایسا صالح عمل ہو کہ جس سے نیکی جاری و ساری رہے۔ لہذا یہ بات واضح ہے کہ جسقدر افراد فکری و عملی طور پر کسی کے عمل سے متاثر ہوں گے اسی قدر اس کا حساب اسکے صحیفہ عمل میں درج ہوگا۔ اگر کسی کے نیک یا برے عمل سے دس لاکھ یا بیس لاکھ افراد متاثر ہوئے تو اسی قدر نیکی یا برائی اسکے صحیفہ عمل میں منتقل ہوگی۔ اسی طرح آج سے چودہ سو برس قبل اگر کسی نے کوئی ایسا عمل خیر یا عمل بد کیا تھا اور آجتک اس کے اثرات باقی ہوں تو آجتک جو کروڑوں افراد اس عمل سے متاثر ہوکر مرتکب ہوئے ان سب کی نیکی یا برائی اسی شخص کیطرف بھی منتقل ہوگی۔ اور بروز خندق خدا کے ولی کی ایک ضربت کا مختصر عمل کسقدر وزنی تھا کہ جس کے قیامت تک کے صالح و جاری اثرات کو دیکھکر پیغمبر اکرم نے فرمایا تھا کہ "بروز خندق علیؑ کی ایک ضربت قیامت تک جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔"

غرض قرآن حکیم کئی مقامات پر واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ انسان کا ہر قول و عمل جہاں محفوظ ہو رہا ہے وہاں اسکے اعمال کے اثرات بھی محفوظ ہو رہے ہیں۔ جس جس عمل کا جبتک جہاں جہاں اور جسقدر افراد پر جس شدت سے اثر انداز ہوتا ہے خالق علیم و قدیر سب کو جانتا ہے اسی بنا پر وہ پورا پورا اجر بھی عدل و احسان کی بنا پر عطا کرے گا چنانچہ سورۂ یٰسین میں اس نے ایک اور حقیقت سے متعارف کرایا ہے اور متوجہ کیا ہے کہ انسانوں نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے اور پھر فرمایا کہ "ہم نے ہر شئے کو شمار کر کے امام مبین میں ودیعت کر دیا ہے۔" یعنی کائنات کے تمام حقائق کے ساتھ تمام انسانوں کے اعمال و اثرات کا حساب بھی امام مبین کو عطا کر دیا ہے کیونکہ پیغمبر اکرم کے بعد امام ہی بروز حشر انسانی اعمال و نیات کا گواہ ہوگا۔"

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ اے انسان تجھے رب کریم سے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے ۔"

آیت نزول کے لحاظ سے الٰہی پیغام سے سرکشی کرنیوالے ولید ابن مغیرہ کیلئے ہے (کبیر رازی)۔ لیکن مفہوم کے لحاظ سے قیامت تک الٰہی پیغامات سے ہر سرکشی کرنیوالے کیلئے ہے۔ آسمانی صداقتوں کی تکذیب کرنیوالے اور اپنے رب کریم سے سرکشی کرنیوالے انسان کو اسکی تخلیق کی حکمت و حسن کیطرف متوجہ کیا گیا ہے۔ خلاق عالم کے انسان پر بیشمار احسانات ہیں اور اسکا ہر احسان اور فضل و کرم اسکی حمد و ثنا بجالانے اور کفر و سرکشی سے بچنے کا سبب ہے۔ اس نے انسان کے جوہر انسانیت کو بیدار کرنے کیلئے اسے مخاطب کیا ہے کہ اے انسان تجھے اپنے مہربان پروردگار سے کس چیز نے مغرور و باغی بنا دیا ہے جبکہ اپنی داستان حیات کے حساب و کتاب کیلئے اسکی بارگاہ میں لازماً تجھے لوٹ کر جانا ہے اور اسی نے تجھے تمام کائنات پر کرامت و فضیلت عطا کی ہے۔ اور کائنات کی اشیاء کو تیری خدمت پر مامور کیا ہے۔ اور پھر اخلاقی و روحانی تربیت کیلئے وحی و شریعت کا انتظام کیا ہے۔ اسی کے فیض ربوبیت سے کائنات کا وجود و بقاء اور انسانی حیات کی روانی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے بیشمار احسانات و نعمات سے فیضیاب ہوتے ہوئے انسان بخوشی اور ارادہ و اختیار سے اسکا مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔ وہ اسطرح بالجبر مطیع نہیں بنانا چاہتا کہ جسطرح جانور کو بالجبر مطیع بنایا جاتا ہے۔ وہ اپنے فضل اور بیشمار احسانات کیطرف متوجہ کر کے انسان کو بالاختیار اپنا فرمانبردار بنا کر اپنے ابدی انعام و احسان کا مستحق بنا کر ابدی عذاب سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ اس کا پہلا کرم و احسان یہ ہے کہ اس نے عدم سے وجود عطا کیا انسانی صورت عطا کی یعنی احسن تقویم بنایا۔ اور دوسرا احسان یہ کیا کہ ضروریات حیات کا مکمل و مناسب انتظام کیا اور تیسرا یہ احسان کیا کہ وحی و الہام کے ذریعے آسمانی ہدایات کا انتظام کر کے روحانی و اخلاقی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا تاکہ وحی و الہام اور عقل کی روشنی و ہدایت سے سفر حیات کو کامیابی سے طے کر سکے۔ لیکن یہی انسان الٰہی نعمات و احسانات سے فیضیاب ہوتے ہوئے کسقدر غافل اور سرکش بن جاتا ہے کہ نہ ہی اسے اپنے رب کریم کے بیشمار احسانات کا لحاظ رہتا ہے اور نہ ہی اپنے انجام بد کی فکر رہتی ہے۔ چنانچہ سورہ جاثیہ میں فرمان ربانی ہے کہ " ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۝۳۵ " تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے یہ اس لئے کہ تم لوگوں نے آیات الٰہی کو ہنسی مذاق بنا رکھا تھا اور دنیاوی زندگی نے تم کو مغرور بنا دیا تھا۔ اور کبھی دنیاوی مادی خواہشات کی تکمیل کی بنا پر اپنے پروردگار سے مغرور بن جاتا ہے جیسا کہ سورۂ حدید میں ہے کہ " غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۱۴ (اس روز مومنین کفار سے کہیں گے) "اور تمہیں تمہاری تمناؤں نے دھوکے میں ڈال دیا تھا یہانتک کہ خدا کا حکم آگیا اور بڑے دھوکے باز (شیطان) نے تم کو فریب میں ڈال دیا تھا۔"

اور پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ انسان کو اسکی جہالت مغرور بنا دیتی ہے ۔" اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "جو حقیقتاً خدا کو یاد کرتا رہا وہ خدا کا مطیع ہے اور جو خدا سے غافل رہا وہ گنہگار و نافرمان ہے اور اطاعت الہٰی ھدایت کی علامت ہے اور معصیت و نافرمانی گمراہی کی علامت ہے انکی اصل خدا کی یاد اور غفلت ہے ۔" مصباح الشریعۃ ۔

خلاق عالم کا کسقدر فضل و کرم ہے کہ انسان کی سرکشی و نافرمانی پر فوراً سزا نہیں دیتا اور زندگی بھر مہلت دیتا ہے ۔ اور دوسرا کرم و احسان یہ ہے کہ انسانی عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اپنے بندوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کریں ۔ اور تیسرا یہ احسان ہے کہ انسان کی مسلسل سرکشی و نافرمانی کے باوجود اپنی نعمات و فیوضات کو سلب نہیں کرتا۔ لیکن یہ سرکش انسان کسقدر بدبخت ہے کہ پروردگار کے مسلسل احسانات سے سرکش و باغی بنتا ہے ۔ امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ " خدا کا انسان کی پردہ پوشی کرنے اور اسکی مسلسل نافرمانی کے باوجود احسان و مہلت کے جاری رہنے سے انسان مغرور و نافرمان بنجاتا ہے ۔"

امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو تین بار پکارا اور اس نے جواب نہیں دیا تو اسے دروازے کے پاس دیکھکر کہا " تم نے جواب کیوں نہیں دیا ۔ اس نے عرض کیا آپ کے حلم پر اعتماد اور سزا سے محفوظ رہنے کی وجہ سے ۔ آپ کو اسکا جواب پسند آیا اور اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا ۔" کبیر رازی ۔۔۔۔۔

الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۙ

"کہ جس نے تجھے پیدا کیا ۔ پھر تجھے مکمل سنوارا ۔ تو تجھے ہر طرح سے متوازن بنایا جس صورت میں چاہا تیری ترکیب کی ۔ ہرگز نہیں ۔ بلکہ تم تو روز جزا کو جھٹلاتے ہو ۔"

ان آیات میں انسانی تخلیق کی حکمت و حسن کیطرف متوجہ کیا گیا ہے ۔ خالق رحیم و کریم نے کسطرح اپنے فضل و احسان سے انسان کی بہترین تصویر بنائی ۔ اور کسطرح ایک خوردبینی جرثومے سے خلق کر کے اور ہر طرح سے سنوار کر صورت بشری میں ظاہر کرتا ہے ۔ اور جسم کا ایسا تسویہ یعنی ایسی موزوں صفات سے آراستہ کرتا ہے کہ جو نفس ناطقہ کو قبول کر سکے ۔ اور پھر تعدیل کرتا ہے یعنی جسمانی و روحانی اور ظاہری و باطنی قوتوں کے درمیان ایسا توازن و اعتدال قائم کیا ہے جس سے حیات قائم رہ سکے ۔ جبتک ظاہری و باطنی اور جسمانی و روحانی قوتوں کے درمیان تناسب و توازن نہ ہو انسانی وجود کی تکمیل نہیں ہو سکتی ۔ اسی طرح بطن مادر کی فضاء اگر بچے کے مزاج کے مطابق نہ ہوتی تو نہ بچے کی تخلیق ہو سکتی اور نہ ہی اسکے وجود کی تکمیل ہو سکتی ۔ اسی طرح اگر دنیاوی حیات کے مطابق بچے کا مزاج و صلاحیت

نہ ہوتی تو دنیا وی حیات برقرار نہ رہتی ۔ یہ سب پہلو تعدیل میں شامل ہیں یعنی وجود بشری کی تکمیل کیلئے تخلیق و تسویہ کے بعد تعدیل کی منزل ہے ۔ تسویہ تعدیل کے بعد بہترین و کامل انسانی صورت سے آراستہ کرنا اسکے بعد کیا ۔ تمام اعضاء و حواس کو معتدل و متوازن اور اپنے اپنے کام کے مناسب بنایا ۔ اور وہ قادر مطلق دونوں ہاتھوں و دونوں پاؤں کو لمبائی و بناوٹ میں مختلف خلق کر سکتا تھا ۔ اور اسی طرح دوسرے دو اعضاء کو مختلف صورت عطا کر سکتا تھا ۔ لیکن اس نے ہر طرح سے انسانی تخلیق میں اعتدال و توازن قائم کر کے انسانی فضل و شرف کو برقرار رکھا اور اس کثرت سے تصاویر بنانے کے باوجود ایک تصویر دوسری تصویر سے نہیں ملتی ۔ ان کے خد و خال جدا یہاں تک کہ کروڑوں انسانوں کی انگلیوں کی لکیریں جدا جدا ہیں ۔

امام علی رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ خلاق عالم نے اپنی مخلوق کو مختلف اقسام پر کیوں پیدا کیا ۔ ایک قسم و صورت پر کیوں پیدا نہیں کیا ۔ امام نے فرمایا اس لئے کہ اذہان میں یہ خیال نہ آئے کہ خدا عاجز ہے پس ذہن انسانی میں کوئی ایسی صورت نہیں آتی کہ جس پر خدا نے کوئی مخلوق پیدا نہ کی ہو اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ خدا ایسی صورت پر قادر نہیں ہے مگر ویسی مخلوق و صورت موجود ہے پس خدا کی مخلوق کی مختلف اقسام سے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ہر شے پر قادر ہے "۔

ایک انصاری کی زوجہ نے سیاہ بچے کو جنم دیا تو وہ انصاری اپنی زوجہ کو لئے پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اس ذات کی قسم کہ جس نے آپ کو برحق مبعوث برسالت کیا ہے اس کے ساتھ میرے علاوہ کسی کا تعلق نہیں ہے اس نے پاکیزہ حالت میں میرے ساتھ شادی کی لیکن یہ بچہ کیسا ہے ۔ تو پیغمبر اکرم نے فرمایا تم سچ کہتے ہو تمہاری اور اسکی بھی ننانوے رگیں ایسی ہیں کہ بچے کی بنیاد پڑتے وقت یہ تمام رگیں مضطرب ہو جاتی ہیں اور ہر ایک خدا سے سوال کرتی ہے کہ بچہ اس کے مشابہ ہو "

ریاح صحابی کے ہاں بچے کی ولادت ہونے والی تھی اس نے جب بچے کی مشابہت کے متعلق پیغمبر اکرم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ بچہ ماں کے یا باپ کے مشابہ ہوگا تو پیغمبر اکرم نے فرمایا ایسا مت کہو کیونکہ نطفہ جب رحم میں قرار پاتا ہے تو خدا اس کے نسب سے آدم تک صورتوں کو سامنے کرتا ہے جو اور جیسی صورت چاہتا ہے عطا کرتا ہے کیا تم نے کتاب خدا کی اس آیت کو نہیں پڑھا کہ " فی ای صورۃ ۔ الخ "

امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ " خداوند عالم نے جناب ابو طالب کی پشت میں علی کی جسمانی تصویر کشی کی علی ابن ابیطالب رسول خدا سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور حسین بن علی حضرت فاطمہؑ سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں اور میں خدیجۃ الکبریٰ سے سب زیادہ مشابہ ہوں " نور الثقلین ۔

وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿۱۱﴾ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾

" یقیناً تم پر نگراں مقرر ہیں ۔ معزز لکھنے والے ۔ کہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتے ہیں "

ان آیات میں فکرِ انسان کو بیدار کیا گیا ہے کہ اسکا ہر ہر قول و عمل اور ہر حرکت محفوظ کرنے کیلئے پاکیزہ ذات و صفات مقرب فرشتے مقرر ہیں ۔ وہ انسانی نیت و ارادے تک کو جانتے ہیں ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی بندۂ مومن گناہ کرتا ہے تو خدا اسے سات ساعتوں تک روکتا ہے اگر اس نے توبہ کر لی تو اس پر کچھ نہیں لکھا جاتا اور اگر سات ساعتیں گزر گئیں اور اس نے توبہ نہیں کی تو اس کے لئے ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور یقیناً بعض دفعہ مومن اپنے گناہ کو بیس سال کے بعد یاد کر کے خدا سے توبہ کرتا ہے تو خدا اس کے گناہ کو اسی وقت مٹا دیتا ہے " نور الثقلین ۔

اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ " مومن بیمار ہوتا ہے تو خدا بائیں جانب کے فرشتے کیطرف وحی کرتا ہے کہ میرا یہ عبد جبتک میری قید میں اور مجھ پر اعتماد کی حالت میں ہے اس کا کوئی گناہ مت لکھو ۔ اور دائیں جانب کے فرشتے کیطرف وحی کرتا ہے کہ اسکی نیکیاں اسی قدر لکھو جبقدر اسکی صحت کی حالت میں لکھتے تھے " نور الثقلین

عمار یاسر راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ یقیناً علی ابن ابیطالب کے عمل کو محفوظ کرنیوالے فرشتے تمام محافظانِ اعمال فرشتوں پر فخر کرتے ہیں کہ جب سے آپ کے ساتھ ہیں خدا کیطرف کوئی لغزش لیکر نہیں گئے "

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ جب انسان نیکی یا برائی کا ارادہ کرتا ہے تو کیا فرشتے جان لیتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا ہاں بدبو اور خوشبو سے جان لیتے ہیں ۔ کیونکہ جب انسان نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے پاکیزہ خوشبو خارج ہوتی ہے تو دائیں طرف کا فرشتہ بائیں جانب کے فرشتے سے کہتا ہے کہ رک جاؤ اس نے نیکی کا ارادہ کیا ہے اور جب وہ نیکی کر لیتا ہے تو اسکی زبان قلم اور تھوک سیاہی کا کام دیتے ہیں تو نیک عمل ثبت ہو جاتا ہے ۔ اور جب انسان برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بدبو خارج ہوتی ہے تو بائیں طرف کا فرشتہ دائیں جانب کے فرشتے سے کہتا ہے کہ رک جاؤ اس نے برائی کا ارادہ کیا ہے اور جب وہ برائی کر لیتا ہے تو اسکی زبان قلم اور تھوک سیاہی بنجاتی ہے تو اس کا عمل ثبت ہو جاتا ہے " نور الثقلین ۔

آج انسان نے یہ بات معلوم کر لی ہے کہ موجودات کی ہر شے سے غیر مرئی لہریں خارج ہوتی ہیں کہ جو خارج میں انسانی جسد کی صورت اختیار کر لیتی ہیں ۔ اسی طرح انسانی جسم سے جو غیر مرئی لہریں خارج ہوتی ہیں وہ بھی خارج میں انسانی جسد کی صورت اختیار کر لیتی ہیں ۔ اور ان بیرونی غیر مرئی صورت میں انسانی جسم کے اندرونی تمام اعضاء کا عکس ہوتا ہے یعنی ہر انسان کے ساتھ خارج میں اسکا دوسرا غیر مرئی جسد ہوتا ہے چنانچہ جب کوئی دبا اور مرض

خارج سے انسان پر حملہ آور ہوتا ہے تو پہلے وہ خارجی غیر مرئی جسد متاثر ہوتا ہے اسکے بعد اصلی جسم کا کوئی عضو متاثر ہوتا ہے یعنی وہ بیرونی غیر مرئی جسد انسانی جسم کیلئے غلاف کی مانند ہیں۔ چنانچہ آج یہ کوشش کی جارہی ہے کہ جب کوئی وباء یا مرض انسان کیطرف بڑھے اور انسان کا بیرونی غیر مرئی جسم متاثر ہو تو اسی وقت غیر مرئی لہروں کے ذریعے اس مرض و وباء کو اصلی جسم میں داخل ہونے سے قبل ہی ختم کر دیا جائے جسطرح انسانی جسم کے اندرونی تمام اعضاء کا عکس خارج میں تشکیل پانے والے غیر مرئی جسم میں مکمل موجود ہوتا ہے اسی طرح انسانی عقائد و نظریات اور باطنی کیفیات و خیالات کا بھی عکس غیر مرئی لہروں کی صورت میں خارج میں موجود ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام کے ارشاد کے مطابق انسان جب کوئی نیک ارادہ و خیال کرتا ہے تو اس سے خوشبو یعنی خوشگوار لہروں کے خارج ہونے سے محافظِ اعمال فرشتے اس نیک ارادے کو معلوم کر لیتے ہیں۔ اور اسیطرح برے ارادے کو بھی معلوم کر لیتے ہیں۔
لیکن ذوات مقدسہ یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کہ جنکو خلاق عالم نے انسانی اعمال و نیات پر گواہ بنایا ہے جو درس توحید کی تعلیمات مظہر صفات الٰہی ہیں انکی نگاہوں کی رسائی کہاں تک ہوگی۔ وہ ذوات مقدسہ انسانوں کی باطنی کیفیات کو جانتی ہیں اور ہر ایک کے ایمان و معرفت کے درجات کو بھی جانتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرؐ اکرم نے صحابہ کی ایمان و معرفت کی حالت کو دیکھکر کسی کیلئے فرمایا کہ یہ (سلمان) ایمان کے دسویں درجے پر فائز ہے۔ اور کبھی نماز جماعت سے فراغت کے بعد بعض صحابہ کو بلا کر کسی سے کہا تم رکوع میں مجھ سے پہلے کیوں گئے تھے۔ اور تم سجدے میں مجھ سے پہلے کیوں گئے تھے۔ اور پھر فرمایا لا یخفیٰ علیّ رکوعکم ولا سجودکم ولا خشوعکم۔ کہ تم میں سے کسی کا کوئی رکوع اور کوئی سجدہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے اور نہ ہی تمہارا باطنی خلوص و خشوع مجھ سے پوشیدہ ہے "۔

ابو بصیر ایک روز واجب غسل کیلئے حمام کیطرف جانے کیلئے گھر سے نکلے تو راستے میں کچھ اجنبی افراد ملے کہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس جانا چاہتے تھے تو ابو بصیر ان کو امام کی خدمت میں لیگئے جب وہاں بیٹھے تو امام نے ابو بصیر کو دیکھکر کہا کہ اے ابو بصیر نجاست کی حالت میں حجۃ خدا کی بزم میں نہیں بیٹھا کرتے۔ یہ سنکر ابو بصیر غسل کیلئے روانہ ہوگئے

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾

"یقیناً نیک لوگ (جنۃ کی ہمیشہ کی) نعمات میں ہوں گے۔ اور یقیناً بدکار لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ بروز قیامت وہ دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ اور وہ لوگ دوزخ سے غائب نہیں ہوسکیں گے۔"

ان آیات میں آسمانی پیغامات کو قبول کر کے اطاعت کرنیوالوں اور انکار و نافرمانی کرنیوالوں کے انجام کو بیان کیا گیا ہے کہ آسمانی تعلیمات کو قبول کر کے انکی اطاعت کرنیوالے ابدی نعمات میں ہوں گے اور نافرمان و سرکش دوزخ کی آگ میں

ہوں گے کہ جس سے وہ کبھی طرح بچ نہیں سکیں گے ۔ ابوذر غفاری سے کسی نے کہا ہمارا کیا حال ہے ابوذر نے کہا اپنے اعمال کو کتاب الہٰی کے سامنے پیش کرو کیونکہ خدا کا ارشاد ہے کہ " ان الابرار ۔ الخ ۔ تو سائل نے کہا خدا کی رحمت کہاں ہے ۔ تو ابوذر نے کہا کہ خدا کا ارشاد ہے ۔ انّ رحمۃ اللّٰہ ۔ الخ یقیناً خدا کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے "

ابرار ۔ ان نیک لوگوں کے ایمان ویقین اور سیرت وکردار میں درجات ہیں اسی بنا پر نعمات جنۃ میں بھی درجات ہیں اور تمام ابرار جنتی ہیں ۔ لیکن ان ابرار میں سے وہ پاکیزہ حضرات کہ جو ایمان ویقین اور سیرت وکردار کے لحاظ سے امکان کی دنیا میں نقطہ آخر پر ہوں گے وہ تو جنت کے مالک قرار پائیں گے اور حقیقتاً ابرار وہی حضرات ہیں اور فجار انہی کے دشمن ہیں ۔ اسی بنا پر امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "یقیناً" ابرار ہم ہیں اور فجار ہمارے دشمن ہیں " برھان ۔
اور امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ کتاب الہٰی میں جہاں جہاں ۔ انّ الابرار ۔ الخ ۔ ہے بخدا اس سے خدا کی مراد علی ابن ابیطالب اور فاطمہ ؑ اور میں و حسین ؑ ہیں کیونکہ یقیناً ہم ہی حقیقتاً ابرار ہیں ہمارے آباء و امہات ابرار ہیں ہمارے قلوب طاعات و نیکی کو مکمل جانتے ہیں اور ہم دنیا سے رخ موڑ کر مکمل خدا کی طرف متوجہ ہیں اور ہم ہی نے خدا کے تمام فرائض میں اسکی مکمل اطاعت کی ہے اور ہم اسکی وحدانیت پر مکمل ایمان و ایقان رکھتے ہیں اور ہم نے اس کے رسول کی مکمل تصدیق کی ہے " نور الثقلین ۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

" اور تجھے کیا خبر کہ روز جزا کیا ہے پھر تم کیا جانو کہ جزا کا دن کیسا ہے ۔ اس روز کوئی شخص کسی کیلئے کسی چیز کا مالک و خود مختار نہیں ہوگا اور اس روز خدا ہی کا حکم ہوگا "

دنیا دار العمل ہے اور آخرت نتیجے و جزا کا دن ہے ۔ دنیا میں اختیار ہے اور آخرت میں اختیار نہیں ہوگا ۔ آخرت نتائج دیکھنے کا دن ہے اسوقت انسان کو میدان حشر اور حساب وکتاب اور سزا و جزا کا اندازہ ہوگا ۔ اس روز وہ کسی شے کا مالک و مختار نہیں ہوگا ۔ یہاں تک کہ اپنے جسم کے اعضا بھی اقتدار و اختیار سے خارج ہوکر انسان کی داستان حیات کی گواہی دیں گے اس روز صرف الہٰی اقتدار کا ظہور ہوگا ۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اس روز ملک و قدرت اور بادشاہت و عزت اور جبروت اور جلال و ہیبت سب خدا کی ذات کیلئے مخصوص ہوگی ۔ ان اوصاف میں کوئی شریک نہیں ہوگا " اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ " اے جابر روز قیامت خدا کی طرف سے منادی ندا دے گا کہ آج خدا کے علاوہ کوئی صاحب اقتدار و حاکم نہیں ہے "

سورہ المطففین

بعض آیات مکی بعض مدنی

سورۃ المطففین مکیۃ ۸۳ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — آیاتہا ۳۶ رکوعہا ۱

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿۲﴾
وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿۳﴾ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم
مَّبْعُوثُونَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۵﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾
كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿۷﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ﴿۸﴾ كِتَابٌ
مَّرْقُومٌ ﴿۹﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ
بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۱۱﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾ إِذَا تُتْلَىٰ

عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٤﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ
لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٦﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٧﴾ كَلَّآ
اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ
مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ
يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ
مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ
الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ
يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا
رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿٣٢﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ

حٰفِظِيْنَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾
عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ :- تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کیلئے۔ جو لوگوں سے ناپ تول میں پورا پورا لیتے ہیں۔
اور جب دوسروں کیلئے ناپ تول کرتے ہیں تو کم کرتے ہیں۔
کیا وہ یقین نہیں رکھتے کہ یقیناً وہ ایک بڑے دن (بروز قیامت) کیلئے اٹھائے جائیں گے۔ کہ جس روز تمام لوگ عالمین کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ آگاہ رہو کہ یقیناً بدکاروں کی کتاب عمل سجین میں ہے اور تجھے کیا معلوم کہ سجین کیا ہے۔ لکھی ہوئی کتاب ہے۔ تو اس روز تکذیب کرنیوالوں کیلئے تباہی ہے کہ جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔

اور اس (روز جزا) کو نہیں جھٹلاتا مگر ہر سرکش و گنہگار۔ کہ جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی گئیں تو اس نے کہا کہ یہ تو گذشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔ خبردار بلکہ ان کے دلوں پر (کفر و برائی کا) زنگ چڑھ گیا ہے۔ آگاہ رہو یقیناً وہ لوگ اپنے رب (کے رحم و کرم) سے روک دیئے جائیں گے۔ پھر یقیناً وہ دوزخ میں جلیں گے پھر (ان سے) کہا جائیگا کہ یہ وہی چیز ہے کہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ آگاہ رہو کہ نیک لوگوں کی کتاب علیین میں ہے۔ اور تجھے کیا معلوم کہ علییّن کیا ہے۔ وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔ جسکی نگرانی مقرب فرشتے کرتے ہیں۔ یقیناً نیک لوگ نعمات میں ہوں گے مسندوں پر بیٹھے نظارہ کریں گے۔ تم ان کے چہروں ہی سے نعمات کی تازگی معلوم کرو گے ان کو سربمہر خالص شراب سے سیراب کیا جائے گا جسکی مہر مشک کی ہوگی اور اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ اور اسکے شائقین کو اسکی طرف رغبت کرنی چاہیئے کہ جو ایک چشمہ ہے کہ جس سے مقرب لوگ پئیں گے یقیناً جو لوگ مجرم (کفار) ہیں وہ ایمان لانیوالوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔
اور جب وہ (مومنین) ان کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کیا کرتے تھے۔
اور جب اپنے گروہ کے پاس جاتے تو اتراتے اور پھر جب ان (مومنین) کو دیکھتے تو کہتے کہ یقیناً یہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان (کفار) کو ان (مومنین) پر نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ تو آج مومنین ان کفار پر ہنسیں گے۔

اور تختوں پر بیٹھے ان کا نظارہ کریں گے۔ کیا کفار کو انکی حرکتوں کا پورا پورا بدلہ مل گیا۔

تلاوت :- اس سورہ کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "جس نے اس سورہ کی تلاوت کی خدا اُسے جنت کی شراب سے سیراب کرے گا۔" اور امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "جس نے واجب نمازوں میں مسلسل اس سورہ کی تلاوت کی تو خدا اسے آتش دوزخ سے امان عطا کرے گا وہ نہ ہی پل صراط کو عبور کرے گا اور نہ ہی اس کا حساب ہوگا۔" —— اور احادیث نبوی میں ہے کہ اگر کسی خزانے میں اس سورہ کو پڑھا جائے تو وہ ہر آفت اور حشرات الارض سے محفوظ رہے گا۔

نزول :- پیغمبر اکرم جب مدینے آئے تو وہاں خرید و فروخت میں ناپ تول میں کمی کرنے کا مرض عام تھا۔ ایک شخص ابو جہینہ نے ناپنے کے دو پیمانے بنا رکھے تھے ایک چھوٹا اور ایک بڑا۔ جب کوئی چیز لیتا تو بڑے پیمانے سے لیتا اور جب دوسروں کو دیتا تو چھوٹے پیمانے سے دیتا۔ تو ان کے لئے اور قیامت تک ناپ تول میں کمی کرنے و دھوکہ دینے والوں کیلئے ان آیات کا نزول ہوا۔ اس سورہ کی بعض آیات مکی ہیں اور بعض آیات مدنی ہیں۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کیلئے۔ جو لوگوں سے ناپ تول میں پورا پورا لیتے ہیں اور جب دوسروں کیلئے ناپ تول کرتے ہیں تو کم کرتے ہیں۔ کیا وہ یقین نہیں رکھتے کہ یقیناً وہ ایک بڑے دن (روز قیامت) کیلئے اٹھائے جائیں گے کہ جس روز تمام لوگ عالمین کے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ویل۔ ہر طرح کے عذاب و عقاب کو محیط ہے۔ صفات مذمومہ و افعال مذمومہ اور افکار مذمومہ عقائد مذمومہ کے لحاظ سے ویل یعنی بربادی ہے۔

تطفیف ۔ کم ہونا ۔ کم تولنا ۔ کم ناپنا۔ ہر طرح سے کم کرنا شامل ہے۔

اکتیال ۔ ناپنا ۔ (پیمانہ سے)۔

خلاق عالم نے انسانی فطرت کو خیر کی بنیاد پر استوار کیا ہے اسی بنا پر وہ فطرتاً نیکی و بھلائی اور عدل و احسان اور حق و صداقت اور ایثار و قربانی اور اخلاص و محبت یعنی اخلاق کریمانہ سے محبت اور پسند کرتا ہے اور خود غرضی و بدلائی اور ظلم و بد دیانتی اور جھوٹ و فریب یعنی تمام بری صفات سے نفرت و ناپسند کرتا ہے یہی وجہ ہے

کہ ہر ظالم و بدکار اور حیلہ رو قزاق اور بددیانت و فریب کار اپنے لئے کبھی پسند نہیں کرتا کہ اسکے ساتھ ظلم و بد دیانتی کی جائے یا اس کے مال پر ڈاکہ ڈالا جائے یا اسکے ساتھ فریب کیا جائے ۔ یہ اسی بنا پر ہے کہ فطرت اچھائی کو پسند کرتی ہے ۔ اسلام اسی مقام پر تعلیم دیتا ہے کہ مومن و مسلم وہی ہے کہ جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسرے کیلئے پسند کرے " اس سورہ میں نفس پرست دنیا کے پجاری افراد کو ان کے لئے تباہی کی وعید سنا کر ان کے انجام بد سے ان کو خبردار کیا گیا ہے ۔ دنیا کی محبت و ہوس اور آخرت کے انجام سے غفلت کی بنا پر انسان ہر جرم کا ارتکاب کرتا ہے ۔ ظلم و بربریت کا بازار گرم کرتا ہے ۔ انسانی حقوق کو پامال کرتا ہے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور اشیاء کی خرید و فروخت میں بد دیانتی کرتا ہے ۔ چنانچہ ایسے ہی افراد کے لئے اس سورہ میں واضح ارشاد ربانی ہے کہ " تباہی ہے ایسے لوگوں کیلئے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں ۔ الخ ـــــ

حضرت عیسیٰ ایک بستی کے پاس سے گزرے کہ جس کے تمام افراد موت کا شکار ہو چکے تھے آپنے ان کو آواز دی تو ایک شخص کی آواز سنائی دی ۔ آپنے اس سے انکی ھلاکت کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ ہم دنیا سے سخت محبت رکھتے تھے دنیا سے ہماری محبت اسقدر تھی کہ جس طرح بچہ شیر مادر سے محبت کرتا ہے کہ ذرا سی جدائی برداشت نہیں کرتے تو جب عذاب آیا تو اس نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ اور ابن عباس راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے ارشاد فرمایا ۔ پانچ باتوں سے پانچ آفتیں وارد ہوتی ہیں (۱) جو قوم عہد کو توڑ دے تو خدا اس پر اسکے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے (۲) اور جو قوم خدائی احکام کے خلاف فیصلے دے تو اس قوم میں فقر و احتیاج عام ہو جاتی ہے (۳) اور جس قوم میں بے حیائی اور برائی عام ہو جائے تو اس میں اموات عام ہو جاتی ہیں (۴) اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو نباتات کی برکات کو ان سے روک لیا جاتا ہے اور انکو قحط سالی لاحق ہوتی ہے ۔
(۵) اور جو قوم زکوٰۃ و خیرات کو روک لیتی ہے تو اس سے باران رحمت کو روک لیا جاتا ہے ۔ مجمع کبیر ۔

پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ " جس نے ناپ تول میں خیانت کی کل (بروز قیامت) اسے آگ کے پہاڑوں کے درمیان جگہ دی جائیگی اور کہا جائیگا کہ ان پہاڑوں کا وزن کرو تو وہ ہمیشہ اسی عمل میں مصروف رہے گا " ـــــ

حضرت علیؑ جب کار حکومت سے فارغ ہوتے تو بازار کوفہ میں جا کر کہتے کہ اے لوگو اللہ سے ڈرو اور ناپ تول پورا پورا کرو لوگوں کے ساتھ ناپ تول میں کمی نہ کرو اور زمین پر فساد پھیلانے والے نہ بنو " اور شرف الدین نجفی نے ان آیات کے ذیل میں روایت کی ہے کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ بربادی ہے ان لوگوں کیلئے کہ جو آل محمد کے خمس کو کم کرتے ہیں جب ان کو غنائم حاصل ہوتے ہیں تو پورا پورا حاصل کرتے ہیں اور یہ آیات پیغمبر اکرم کے وصی و خلیفہ امیر المومنین علیہ السلام کی تکذیب کرنیوالوں کیلئے ہیں " ـــــ

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِىْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ
بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيْمٍ ۝

آگاہ رہو کہ یقیناً بدکاروں کی کتاب عمل سجین ہیں ہے۔ اور تجھے کیا معلوم کہ سجین کیا ہے۔ یہ لکھا ہوا دفتر ہے۔ تو اس روز تکذیب کرنیوالوں کیلئے تباہی ہے کہ جو روز جزا کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اسے (روز جزا کو) نہیں جھٹلاتا مگر ہر سرکش و گنہگار ۝

سجین ۔ مبالغہ ہے یعنی بہت سخت تکلیف دہ تنگ زندان۔

معتد ۔ حد سے تجاوز کرنیوالا۔ **اثیم** ۔ گنہگار۔

جبتک انسان اس دنیاوی مادی زندان میں مقید ہے وہ ما بعد الموت یعنی عالم آخرت کی دنیا و حقائق کا بخوبی ادراک و تصور نہیں کر سکتا۔ مادی حجابات بواطن کے مشاہدے سے مانع ہیں۔ انسان کا ہر عمل و حرکت اور ہر آواز و گفتگو کئی صحائف میں محفوظ ہو رہی ہے۔ آج کا انسان اس پر قادر ہے کہ وہ انوار و شعاعوں کے ذریعے انسانی اعمال اور حرکات و سکنات اور آواز، گفتگو اور سانس کی آمد و رفت کو بھی محفوظ کر لیتا ہے اور پھر جب چاہتا ہے ان تمام اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھ سکتا ہے اور آواز و گفتگو کو سن سکتا ہے۔ جب انسان کو یہ قدرت حاصل ہے تو پھر خدا کے مقرر کردہ نورانی کارندے یعنی فرشتے انسانی اعمال اور حرکات و سکنات کو کیوں محفوظ نہیں کر سکتے۔ جبکہ وہ اسی کام کیلئے مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ سورۃ ق میں ارشاد ربانی ہے کہ ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید ۝
نقاش فطرت و تقدیر نے تو انسانی ہاتھوں کو اسکی کتاب حیات قرار دیکر انمیں داستان حیات رقم کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دست شناس افراد ہاتھوں کو دیکھ کر انسان کے ماضی و مستقبل کے بعض احوال بتا دیتے ہیں اسی طرح طبقات الارض کے ماہرین پتھر و آثار قدیمہ کو دیکھکر ہزاروں سالہ ماضی کی تاریخ معلوم کر لیتے ہیں یعنی پتھر و آثار قدیمہ ہزاروں سالہ تاریخ کو اپنے دامن میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ اسی طرح انسانی وجود بھی اپنے تمام اعمال اور حرکات و سکنات اور اقوال کو اپنے باطن میں محفوظ کر لیتا ہے۔ جیسا کہ باب مدینۃ العلم کا ارشاد ہے۔
انت الکتاب المبین الذی۔ باحرفہ یظھر المضمر
یعنی اے انسان تیرا وجود واضح و روشن کتاب (حیات) ہے کہ جس کے نقوش سے اسکے باطن کے راز افشاں ہوتے ہیں
ان آیات میں کتاب سے مراد انسان کا صحیفہ اعمال ہے کہ جو ہر انسان کے باطن و نفوس میں پوشیدہ ہے اور کتاب کائنات میں بھی محفوظ ہے۔ مومنین کی کتاب زندگی یعنی صحیفہ اعمال علیین میں یعنی بلند و معزز و مکرم مقام میں محفوظ ہے اور کفار و مشرکین اور منافقین کی کتاب حیات یعنی صحیفہ عمل سجین میں یعنی پست و تنگ قید خانہ میں محفوظ ہے۔

در منثور میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ فرشتہ جب کسی عبد کے عمل کو خوشی خوشی بلکہ خدا کے مقرر کردہ مقام تک لیجا کر پیش کرتا ہے تو خدا کی طرف سے ندا دی جاتی ہے کہ جو تیرے ساتھ ہے اسے سجین میں پھینک دو اور سجین ساتویں زمین ہے۔

فجار کے متعلق امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "فجار وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے ہم ائمہ کے حق میں ظلم کیا تو ان کے اعمال آسمان کیطرف بلند ہی نہیں ہوتے وہ زمین کے ساتویں طبقے میں مقید ہیں" (الکافی ــــــ)

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

"جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی گئیں تو اس نے کہا کہ یہ تو گذشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔ خبردار انکے دلوں پر (کفر، معصیت) کا زنگ چڑھ گیا ہے۔ تو یقیناً وہ لوگ اپنے رب (کی رحمت وفضل) سے روک دیئے جائیں گے۔ پھر یقیناً وہ دوزخ میں جلیں گے۔ پھر ان سے کہا جائیگا کہ یہ وہی چیز ہے کہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔"

اساطیر۔ اسکا اصل سطر ہے لکھنے کےمعنی ہیں یہاں معنی لکھے ہوئے افسانے کے۔ کلاّ۔ مفہوم کی تاکید کے لئے ہے۔
رانَ۔ رین۔ زنگ آلود ہونا۔

انسان کا ہر عمل باطن میں اثرات وکیفیات مرتب کرتا ہے۔ اعمالِ خیر سے باطن میں جلا پیدا ہوتی ہے اور برے اعمال سے باطن تاریک ہوتا ہے۔ یعنی کفر وشرک اور ظلم وگناہ انسان کے باطن کو تاریک کرکے معارف وحقائق کو اس سے پوشیدہ کر دیتے ہیں جسکی بنا پر وہ روحانی و باطنی دنیا کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ چار باتیں انسانی دل ودماغ کو فاسد وبرباد کردیتی ہیں (۱) احمق کو دوست بنانا اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ اگر تم نے اسکی قربت اختیار کی تو تم اسی کی مانند ہوگے اور اس سے علیحدہ محفوظ رہو گے (۲) گناہوں کی کثرت قلوب کو فاسد کردیتی

ہے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے کہ " کلا بل ران علی قلوبھم .... " (۳) اور عورتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ان کی باتیں سننا اور انکی رائے کے مطابق عمل کرنا (۴) مُردے کے ساتھ بیٹھنا۔ عرض کیا گیا مردے کون ہیں. تو پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ مردہ وہ ہے کہ جسے اسکی تونگری نے سرکش و مغرور بنا دیا ہو"

کفر و برائی کے مسلسل ارتکاب سے باطن تاریک و زنگ آلود ہو جاتا ہے پھر وہ نہ ہی حق و صداقت کو دیکھتا ہے اور نہ ہی حق کو سنتا اور سمجھتا ہے بروز قیامت جب اسے دوزخ میں ڈالا جائیگا تو کہا جائیگا کہ یہی وہ مقام ہے کہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

پیغمبرؐ اکرم کا ارشاد ہے کہ " اذکارِ خیر کیا کرو اور ایک دوسرے سے ملاقات کیا کرو اور اچھی باتیں کیا کرو کیونکہ یہ اذکارِ خیر دلوں کو جلا بخشتے ہیں اور یقیناً قلوب بھی اسی طرح زنگ آلود بھی اور صاف شفاف بھی ہوتے ہیں کہ جسطرح لوہا زنگ آلود بھی ہوتا ہے اور صاف بھی ہوتا ہے " نور الثقلین۔ کافی۔

اور امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ " ہر مومن کے دل میں سفید نقطہ ہوتا ہے جب وہ گناہ کرتا ہے تو سفیدی سیاہی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی زائل ہو جاتی ہے اور اگر گناہ جاری رکھتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو سیاہی بڑھتے بڑھتے سفیدی پر مکمل غالب آ جاتی ہے تو اس وقت وہ شخص نیکی کیطرف رغبت نہیں کرتا یہی وہ زنگ ہے کہ جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے کہ کلاّ بل۔ الخ۔ کہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے "۔۔۔۔

ایسے لوگ عالم آخرت میں بھی فیوضات الٰہی اور نور الٰہی کے نظارے سے محروم ہوں گے۔ ابن بابویہ نے ان آیات کی تاویل میں حسن ابن فضال سے نقل کیا ہے کہ اس نے امام علی رضاؑ سے اس آیت (۱۵) کے معنی دریافت کئے تو آپ نے فرمایا خدا کسی معین مکان میں نہیں ہے اور نہ ہی کسی مکان میں حلول کئے ہے کہ بندے اس سے پردے میں ہوں لوگوں کا پس پردہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا بندوں کو ثواب اور ان کے اعمال کی جزا سے ممنوع و محجوب کر دے گا " اور حضرت علیؑ سے جب اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ثواب و کرامت سے محروم ہوں گے "۔۔۔ یعنی جسطرح کفار و مشرکین دنیا میں نورِ ہدایت سے محروم رہے اسی طرح آخرت میں جزا و ثواب اور رحمت اور عرفان و رضوان الٰہی سے محروم رہیں گے۔ اور مومنین اپنے ثواب و جزا اور فضل و رحمت اور عرفان و رضوان سے فیضیاب ہوں گے۔

امیر المومنینؑ نے اپنی ایک مناجات میں فرمایا کہ " ہمارے قلوب کی نگاہوں کو اپنی طرف دیکھنے کے نور سے منور کر دے یہاں تک کہ تیرے مرکز عظمت کی طرف کے تمام حجابات ہٹ جائیں "۔۔۔ یہ تمام حجابات شب معراج جلوہ کر لئے گئے ۔۔۔ اور جس قدر انسان کے باطن میں نور معرفت ہوگا اسی قدر الٰہی عظمت و جلال کا نظارہ ہوگا علم و عرفان کی کس کمال کی منزل پر وہ عبد الٰہی تھا کہ جو یہ اعلان کر رہا تھا کہ " اگر میری نگاہوں کے سامنے سے تمام حجابات ہٹا دئے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔

اور شرف الدین نے حارث ہمدانی سے روایت کی ہے کہ حارث کہتے ہیں کہ میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں گریہ کر رہے تھے کہ ہر دیکھنے والا متاثر ہوتا پھر مجھے فرمایا کہ میں نے پیغمبر اکرمؐ کو دیکھا کہ آپ مجھے فرما رہے ہیں کہ یا علیؑ مجھ سے تمہاری غیبت طویل ہو گئی ہے تیرے دیدار کا اشتیاق ہے خدا نے تیرے بارے میں اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسا وعدہ ہے آپؐ نے فرمایا تیرے درجات و تیری زوجہ فاطمہ اور تیرے فرزند حسن وحسینؑ کیلئے جنۃ کے بلند ترین مقامات تیار کئے ہیں۔ تو میں نے عرض کیا ہمارے شیعہ کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا جنت میں ہمارے قصور کے ساتھ ان کے قصور ہوں گے۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دنیا میں ہمارے شیعہ کا کیا حال ہے آپؐ نے فرمایا امن و عافیت۔ میں نے عرض کیا اور موت کے وقت ان کا کیا حال ہوگا۔ تو پیغمبرؐ نے فرمایا تم اہل بیت کی محبت کی بنا پر دوستی ومحبت کا سلوک ہوگا اور تم سے انتہائی محبت کی بنا پر انکی موت اس پیاسے کی مانند ہوگی کہ جو خوشگوار ٹھنڈا شربت پئے اور وہ انکی مانند ہوں گے کہ جو سوتے وقت اپنے بستر خواب پر جاتے ہیں۔ جامع۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ۝ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۝

یقیناً نیک لوگ نعمات میں ہوں گے مسندوں پر بیٹھے نظارہ کرینگے تم انکے چہروں ہی سے نعمات کی تازگی معلوم کر لوگے۔

"نعیم" کی تنکیر سے نعمات کی عظمت کا اظہار ہے کہ ابرار کہ جنکی نیکی وعمل خیر میں کثرت و وسعت ہے تو ان کے لئے نعمات بھی وسیع ہونی چاہئیں جسطرح جحیم کے معنی شدید بھڑکنے والی آگ جو اشرار کیلئے اسی طرح نعیم "رحمات کثیرہ" ابرار کے لئے ہے۔

ینظرون: اہل جنت شاہی تختوں پر بیٹھے حور العین و غلمان اور مناظر جنۃ اور انواع و اقسام کے کھانے و مشروبات اور قسم قسم کے لباس و سواریوں کا نظارہ کریں گے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "جب مومن خدا کی عطا کردہ نعمات کی وسعت کا نظارہ کرے گا تو انکی وسعت تک اسکی نگاہ پہونچ جائے گی اور انکی وسعت کم از کم دنیا کی وسعت کے برابر ہوگی"۔

"ارائک" یہ جمع ہے "اریکہ" کی جس کے معنی "تخت شاہی" اور "حجرہ عروسی" کے ہیں یعنی باغات جنۃ میں قبے ہوں گے کہ جن میں نیک لوگوں کیلئے تخت شاہی آراستہ ہوں گے جن پر مومنین آرام کریں گے اور مناظر جنت سے لطف اندوز ہوں گے۔ دنیا میں غرباء و پریشاں حال مومنین آخرت میں انہی شاہی تختوں پر ہوں گے اور اپنے رب کے وعدوں اور رحمت کا نظارہ کرینگے اور حاجب و خداموں کو دیکھیں گے اور دوسری طرف کفار و منافقین کی ذلت کی طرف دیکھیں گے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾

"خبردار یقیناً نیک لوگوں کی کتاب عمل علیین میں ہے۔ اور تجھے کیا معلوم کہ علیین کیا ہے۔ وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے جسکی نگرانی مقرب فرشتے کرتے ہیں"۔

کلا ہرگز نہیں۔ اس لفظ کے ذریعے کفار و مشرکین و ملحدین کے خیالی نظریات اور اخروی نعمات کی تکذیب کی تردید کی گئی ہے۔ کیونکہ کفار و ملحدین جب صاحبان ایمان کو پریشان حال اور عبادات میں مصروف دیکھتے تو کہا کرتے کہ جسطرح یہ دنیا میں نعمات سے محروم اور پریشاں حال ہیں اسی طرح موت کے بعد بھی انکی یہی حالت ہوگی کیونکہ دوزخ و جنت نہیں ہے۔ حالانکہ خداوند عالم نے دنیاوی آسودگی اور پریشان حالی دونوں کو امتحان قرار دیا ہے۔

علیون۔ بلندی۔ وہ جگہ جو بہت بلند و محترم ہو۔ اور سجین آگ کی بدترین جگہ۔ علیین بلندی اور سجین پستی کو ظاہر کرتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا عرش الٰہی کے نیچے ساتویں آسمان کے اوپر علیین ہے وہاں زبرجد کی سبز لوح ہے کہ جسمیں نیک لوگوں کے اعمال درج ہوں گے۔ "ابرار" اپنے بلند افکار و اعمال کے ساتھ جنات علیین میں داخل ہوں گے۔

"ابرار"، بر۔ کی جمع ہے جو نیکی میں وسعت کے معنی کیلئے استعارۃً لیا گیا ہے۔ اخیار سب ابرار ہیں اور ابرار سے مقربین مراد ہیں کیونکہ مقربین کو خدا نے زیادہ قربت عطا کی ہے جیسا کہ سورہ الواقعہ میں ہے کہ "اور جو سابقین ہیں وہ سبقت کرنے والے ہی ہیں"۔

اور انبیاء بھی مقربین ہیں اور فرشتوں میں بھی مقربین ہیں۔

ابو حمزہ ثمالی نے ان آیات سے متعلق حضرت باقرؑ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا رسول خداؐ و امیرالمومنینؑ اور حسن و حسین اور ائمہ مراد ہیں اے ابو حمزہ جان لو کہ خدا نے ہم کو اعلیٰ علیین سے خلق کیا اور ہمارے شیعہ کے قلوب کو ہماری بچی ہوئی طینت سے پیدا کیا اور ان کے ابدان کو دوسری شے سے خلق کیا اسی وجہ سے ان کے قلوب ہماری طرف مائل ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہماری جنس سے ہیں اور ہم آل محمدؐ مقربین ہیں ہم ہی سابقون اور مقربون ہیں اور مقربون مشروب تسنیم خالص سے پئیں گے ہاں ہمارے شیعہ و مومنین کیلئے تسنیم و غیر تسنیم کو ملا دیا جائے گا وہ ملا ہوا تسنیم پئیں گے نہ کہ خالص۔ جامع۔ کافی۔

نضرۃ النعیم۔ "نعمات کی تازگی"۔ انسان کا ظاہر اسکے باطن کا آئینہ و مظہر ہوتا ہے اہل جنۃ پر نعمات کی کثرت کا ان کے چہروں کی بشاشت و تازگی اور نورانیت سے اظہار ہوگا۔ ان کے چہروں کی نورانیت و سفیدی کے اضافے سے نعمات الٰہی کے مسلسل فیض کا اظہار ہوگا۔

یُسْقَوْنَ مِن رَّحِیقٍ مَّخْتُومٍ ۝ خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ۝ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ۝

"ان کو سر بمہر خالص شراب سے سیراب کیا جائے گا کہ جسکی مہر مشک کی ہوگی۔ اور اس کے شائقین کو اسکی طرف رغبت کرنی چاہیئے اور اس شراب میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ کہ جو ایک چشمہ ہے کہ جس سے مقرب لوگ پئیں گے۔"

"رحیق"، سفید اور ہر برائی سے پاک و خالص۔ رحیق وہ مشروب ہے کہ جو ہر قسم کے نشے اور ضرر و لغزش سے پاک اور سفید ہے۔ دنیاوی شراب سے عقل مغلوب ہو جاتی ہے اور جسم مغلوب و متاثر ہوتا ہے کہ جس سے فرد و اجتماع پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں لیکن آخرت کی شراب پاکیزہ اور ہر برے اثر سے پاک ہوگی۔ دنیاوی اور اخروی شراب میں اسقدر فرق ہے کہ جسطرح دو بشری صورتوں میں فرق ہے کہ ایک طرف عام بشری صورت اور دوسری صورت نبوی کی ہے دونوں کی حقیقتِ ذات میں کسقدر بُعد ہے۔ اسی طرح دنیاوی خمر انسانیت و شرافت اور جذبات خیر کو ڈھانپ لیتا ہے اور توحید کی طرف سے رُخ موڑ لیتا ہے۔ اور خمر آخرت غیر خدا کو ڈھانپ کر معرفت الٰہی و جمال توحید کی طرف متوجہ کرتا ہے جس میں عقل و روح اور جسم و نگاہ اور ذائقہ کیلئے لذت ہی لذت ہے جیساکہ سورہ میں فرمانِ الٰہی ہے وانھار من خمر لذۃ للشاربین۔ اور دنیاوی خمر ذائقے میں کڑوا و بدذائقہ اور عقل و فکر کو ناقص و معطل کرتا اور صحت کو ضرر پہنچاتا ہے اسمیں صرف لذۃ حیوانی ہے اور لغو و معصیت اور ضرر و فساد ہے۔ اور خمر آخرۃ ان تمام مفاسد سے پاک ہے جیساکہ سورہ طور میں فرمانِ ربانی ہے یتنازعون فیھا کاساً لا لغو فیھا ولا تاثیما۔ ترجمہ خمر دنیا علم و عرفان اور نیکی سے روکتا ہے اور خمر آخرت خیرات و نیکی کیطرف سبقت دلاتا ہے ابواب خیر کھولتا ہے شعور و عرفان میں اضافہ کرتا ہے۔ خمر دنیا میں عقل و شعور کے زوال کی بنا پر خیالی لذت ہے اور خمر آخرت میں عقل و شعور میں اضافے کے ساتھ حقیقی لذت ہے۔ لا فیھا غول

پیغمبر اکرم نے امیر المومنین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یا علیؑ کہ جس نے اللہ کیلئے شراب کو ترک کیا تو خدا اسے رحیق مختوم سے سیراب کریگا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا غیر اللہ کیلئے پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں اپنے نفس و ذات کی حفاظت کیلئے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ــــ نور الثقلین ۔ قمی۔

مختوم ۔ " مہر شدہ "۔ جب قیمتی شے کو محفوظ کیا جاتا ہے تو مہر بند کیا جاتا ہے یعنی یہ جنت کی شراب انتہائی اعلیٰ گراں بہا و مرغوب ہے۔

ختامہ مسک " اسکی مہر مشک کی ہے " ختام و خاتم کے معنی ہر اس چیز کے ہیں کہ جس کے ذریعے کسی چیز کے آخر میں مہر لگائی جائے ۔ یعنی ختم کرنا۔ انگوٹھی میں نام لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اسی سے آخر میں مہر لگائی جاتی تھی جنتی مشروبات شیشوں میں بند ہوں گے اور مشک سے مہر شدہ ہوں گے یعنی اعلیٰ ترین ہوں گے۔ مشروب کے سر مشک سے بند و مہر شدہ ہونیکی وجہ سے خوشبو دار و معطر ہوں گے۔ اور اسی شراب کو چشمہ تسنیم کے پانی سے ملایا جائے گا اور تسنیم مقربان الٰہی کا مشروب ہے۔

المتنا فسون " "شوق سے سبقت کرنیوالے " یعنی صاحبان عقل و دانش دنیاوی فانی خواہشات کی تکمیل کیطرف محبت و شوق سے نہیں دوڑتے بلکہ وہ رحیق مختوم کیطرف سبقت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو مشک سے مہر شدہ جنتی مشروب ہے

تنافس۔ غیر کی نفیس و قیمتی شے کو دیکھ کر ویسی کی تمنا کرنا اور دنیا میں وہی نفیس و نادر اور قیمتی چیز ہے جو آخرت کی طرف منتقل ہو۔ یہاں تنافس کے معنی اخروی نعمات کے حصول کیطرف سبقت کرنا۔ نعمات اخروی کا شوق و تمنا ارواح کو بلند کرتی ہے اور نعمات دنیا شوق و تمنا النفوس کو پست کرتی ہے ۔ متقین کی دنیا آخرت ہے کیونکہ دنیا تو زحمت و عمل کی جگہ یعنی مزرعۃ الآخرت ہے اور آخرت نتائج کے حصول کا دن ہے کہ جو نتائج ابدی ہوں گے تو مومن دنیاداری و پست خواہشات کو ترک کرتا ہے جس طرح انسان دنیاوی فانی نعمات کے حصول کیلئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تمام توانائیاں امتیاز و افتخار کیلئے صرف کر دیتے ہیں اسی طرح ابدی انجام خیر کیلئے برائی و فساد سے اجتناب کرتے ہوئے مقام ابرار و نعمات ابدی اور شراباً طہوراً و سعادت ابدی کے حصول کیلئے کوشش کرنی چاہیئے۔ امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ " اگر عصبیت ناگزیر ہے تو مکارم اخلاق و افعال خیر کے حصول میں عصبیت کرو و بلند ہمتی اور ایک دوسرے پر عظمت و بزرگی کے حصول میں سبقت کرو اور فضیلت حاصل کرو"۔

ومزاجہ من تسنیم ۔ " اور اسمیں تسنیم کی آمیزش ہو گی " مزاج ۔ مزج سے ہے یعنی ایک چیز کو دوسری سے ملانا۔ تسنیم ۔ جنت کا چشمہ ۔ سنام اونٹ کے کوہان کو کہتے ہیں کہ جو جسم کا بلند ترین حصہ ہے۔ اور مجازاً ہر مادی و معنوی بلند کو کہتے ہیں۔ تسنیم اصلاً مصدر ہے بمعنی بلندی کے اور یہاں اس جنتی چشمے کو فضیلت کی بنا پر یا بلند جگہ سے جاری ہونے کی وجہ سے تسنیم کہا گیا ہے۔ یہ تسنیم، مقربان الٰہی کا مشروب ہے جو عقول سے ہر طرح

کے پردے کو دور کرکے قرب الٰہی میں اضافہ و بلند کرتا ہے اور معرفت و محبت الٰہی کے نشے میں اضافہ کرتا ہے

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ۝

یقیناً جو لوگ مجرم (کفار و منافقین) ہیں وہ ایمانداروں کا مذاق اڑایا کرتے تھے ٥ اور جب وہ (مومنین) ان (کفار) کے پاس سے گزرتے تو وہ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے۔ اور جب وہ اپنے لوگوں کے پاس جاتے تو اتراتے ہوئے۔ اور پھر جب مومنین کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ گمراہ ہیں حالانکہ ان کفار کو ان مومنین پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔

امیرالمومنینؑ ایک روز چند صحابہ کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضری دینے کیلئے آرہے تھے کہ راستے میں منافقین کی جماعت نے دیکھکر مذاق اڑاتے ہوئے ہنسنے لگی اور آپ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

جرم۔ اصلاً اپنے فائدہ و نتیجہ کو قطع کرنا یا غیر سے قطع کرنا۔ مجرمین وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی ذات و فطرت کے مطالبات خیر و عقول کی حاجات کو اور مقصد حیات کو قطع کیا۔ یہاں راہ خیر و راہ ہدایت کو قطع کرنیوالے مراد ہیں کہ جو خدا سے جدا و دور ہو گئے ہیں۔

غمز۔ پلک و آبرو سے اشارہ کرنا۔ عیب نکالنا یعنی کفار و مشرکین مذاق اڑاتے ہوئے آنکھوں سے مومنین کی طرف اشارے کرتے اور کہتے کہ دیکھو یہ کسطرح خود کو عبادات کی زحمات میں مبتلا کئے ہوئے ہیں اور خود کو دنیاوی عیش و عشرت اور لذات دنیا سے محروم رکھتے ہیں اور آخرت کے ادھار کے وعدہ و انعام پر بھروسہ کئے ہیں۔ وہ لوگ کہ جو وجود انسانی کی تخلیق کا مقصد حیوانی خواہشات کی تکمیل سمجھنے پر حیات اخروی و نعمات ابدی سے انکاری ہیں تو انکی نگاہ میں نیکی و برائی کا تصور بھی جدا ہے ان کے نزدیک جھوٹ و فریب اور ظلم و تعدی کے ذریعے دوسروں کے اموال و ملکیت پر قابض ہونا اور افراد و قوموں کو غلام بنانا سب جائز ہے یقیناً وہ صاحبان ایمان کی محتاط حیات و اعمال صالحہ کی حیات کو دیکھ کر ہنستے و مذاق اڑاتے ہیں۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں کہ جو تخلیق انسانی کو با مقصد سمجھتے ہوئے اخروی ابدی حیات پر اعتقاد و یقین رکھتے ہیں وہ حیات مادی محتاط انداز سے بسر کرتے ہیں انکی نگاہیں آخرت کے ابدی انعام پر لگی ہوئی ہیں۔ ان آیات میں آخرت سے غافل و سرکش انسانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جنہوں نے ہر الٰہی نعمت کو جھٹلایا کبھی نعمت نبوت کو جھٹلایا اور کبھی نعمت ولایت کو جھٹلایا۔ شواہد التنزیل میں ہے کہ

ان آیات میں مجرمین سے مراد قریش کے منافقین ہیں اور آمنوا سے مراد امیر المومنین ہیں۔ مجمع میزان۔ فکھین۔ دنیاوی نعمات وکفر میں مشغول اور غرق وست۔ یعنی کفار ومشرکین کبھو مومنین کا مذاق اڑانے اور پھر واپس جا کر دنیاوی لذات میں مشغول و غرق ہو جاتے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾

تو آج مومنین ان کفار پر ہنسیں گے۔ مسندوں پر بیٹھے ان کا نظارہ کریں گے۔ کیا کفار کو انکی حرکتوں کا پورا پورا بدلہ مل گیا ؟"

صاحبان ایمان نعمات جنت حاصل کرنے کے بعد جب کفار ومنافقین کو ان کے کفر ونفاق کی بنا پر اور اسلام ومومنین کا مذاق اڑانے کیوجہ سے عذاب میں مبتلا دیکھیں گے تو اس وقت مومنین تختوں پر بیٹھے کفار پر ہنسیں گے۔ یعنی ہم نے محدود و وقتی زحمات برداشت کرنے کے بعد کس طرح ابدی نعمات حاصل کرلی ہیں اور تم وقتی اور فانی نعمات میں غرق ہونے کی وجہ سے ابدی نعمات سے بھی محروم ہوئے اور ابدی عذاب کا بھی شکار ہوئے۔ آج بتاؤ فائدے میں کون رہا اور خسارے میں کون رہا

سُورۂ انشقاق (مکیہ)

سُورَةُ الانْشِقَاقِ مَكِّيَّة ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۔ آيَاتُهَا ٢٥ رُكُوعُهَا ١

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ﴿١﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْأَرْضُ
مُدَّتْ ﴿٣﴾ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿٤﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿٥﴾
يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴿٦﴾
فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا
يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ
كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾
إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾ إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ﴿١٤﴾
بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ
وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾
بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُم
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾

ترجمہ :- جب آسمان (پھیل کر) پھٹ جائے گا۔ اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گا جو کہ اسکے لئے سزاوار ہے اور جب زمین ہموار کھینچ دی جائے گی۔ اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے نکال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گی۔ کہ جو اسکے لئے سزاوار ہے۔ اے انسان مشقت کشیدہ اپنے رب کی طرف جا رہا ہے کہ تو اس سے ملاقات کرے گا۔ پس جسے اسکا نامۂ اعمال اسکے دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا تو اسکا حساب نہایت آسان لیا جائیگا۔

تو وہ اپنے اہل کی طرف نہایت خوش لوٹے گا اور جسے اسکا صحیفۂ اعمال اسکی پشت کی جانب سے دیا جائیگا تو وہ ہلاکت کی فریاد کرے گا۔ اور وہ بھڑکتی آگ میں جلے گا۔ یقیناً وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں خوش تھا جبکہ وہ سمجھتا تھا کہ وہ (خدا کی طرف) کبھی نہیں پلٹے گا۔ ہاں یقیناً اس کا پروردگار اسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے تو مجھے مغربی سُرخی کی قسم اور رات کی اور ان چیزوں کی قسم کہ جن کو وہ ڈھانپ لیتی ہے۔

اور چاند کی قسم کہ جب وہ کامل ہو جاتا ہے کہ تم ضرور درجہ بدرجہ سوار ہو گے۔

پس انکو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

بلکہ جو کافر ہیں وہ تو جھٹلاتے ہیں۔ حالانکہ جو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں خدا اسے خوب جانتا ہے۔

پس ان کو دردناک عذاب کی خبر سُنا دو۔ مگر جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال بجالاتے رہے تو ان کے لئے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

تلاوت :- اس سورہ کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے ارشاد نبوی ہے کہ اسکی تلاوت کرنیوالے کو نامہ اعمال بروز محشر پس پشت سے نہیں دیا جائے گا۔ اور اس سورہ کو لکھکر حاملہ عورت باندھے تو بچہ کی ولادت بغیر تکلیف کے فوراً ہو گی

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ولادت کی تکلیف دور کرنے کے لئے تکلیف میں مبتلا عورت اس سورہ کو باندھے تو وضع حمل آسان ہو گی اور پھر فوراً اس سورہ کو کھول کر علٰحدہ کر لینا چاہیئے۔

اس سورہ کو گھر کی چار دیواری پر لکھا جائے تو حشرات الارض سے حفاظت ہوگی۔ واجب یا فرض نمازوں میں اس سورہ کی تلاوت کرنیوالے کیلئے امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جس نے اس سورہ کی واجب یا مستحب نمازوں میں تلاوت کی تو خدا کیطرف سے اسکے لئے کوئی حجاب نہیں ہوگا اور حساب سے فراغت تک مسلسل اس پر نگاہِ رحمتِ الٰہی رہے گی۔

نزول :۔ اس سورہ کا بھی مکے میں نزول ہوا اور اس میں نظام کائنات کے تبدیل ہوجانے اور حیات دنیا کے بعد حیات اخروی کیلئے قیامت برپا ہونے کو بیان کیا گیا ہے اور انسان کو اس حیات دنیا کے انجام سے باخبر کیا گیا ہے کہ اگر ایمان و عمل صالح کے ساتھ دنیا سے گئے تو حیات اخروی کامیاب ہوگی اور اگر خلاق عالم سے باغی رہے تو دوزخ کی آگ کا شکار ہونا پڑے گا۔

إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾

جب آسمان (پھیل کر) پھٹ جائے گا۔ اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گا جو کہ اسکے لئے سزاوار ہے۔
اور جب زمین کھینچ کر ہموار کر دیجائیگی۔ اور جو کچھ اسکے اندر ہے اسے نکالدے گی اور خالی ہوجائے گی۔
اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گی کہ جو اس کے لئے سزاوار ہے۔

انشقت ۔ شق ہونا۔ جدا ہونا۔ جسم متصل کا شق ہونا۔ **مدت** ۔ وسعت دینا۔ پھیلانا۔ طولانی کرنا۔ اور صاف و ہموار کرنا۔
آسمان کا شق ہوجانا یعنی فضاؤں کے اندر کشش کی زنجیروں کا ٹوٹ جانا اور آسمانی سیاروں و ستاروں کا ٹوٹ ٹوٹ کر پاش پاش ہوجانا۔ سورہ میں ہے **وانشقت السماء فھی یومئذ واھیۃ** اور آسمان پھٹ جائیگا ... **واذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان۔**
یعنی جب اس نظام شمسی کی حیات تکوینی اختتام پذیر ہوگی اور اس زمین پر حیات کا خاتمہ ہوجائے گا تو حشر برپا ہونے کیلئے اس نظام شمسی کو درہم برہم کر دیا جائے گا نجوم و کواکب ٹوٹ ٹوٹ کر ذرات میں تبدیل ہوجائیں گے اور پھر تمام ایٹم ٹوٹ ٹوٹ کر اور تمام نجوم و کواکب اپنی ابتدائی گیس و شعاعی صورت میں تبدیل ہوجائیں گے۔ انسانی حشر و نشر اور حساب و کتاب کیلئے دوبارہ انسان کو اس زمین سے زندہ نکالا جائے گا اور انسانوں کی کثرت کی وجہ سے زمین کی پستیوں و بلندیوں کو ہموار کر کے برابر کر دیا جائیگا اور زمین اپنے دفینوں کو باہر نکالدے گی۔
پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے زمین تمام دفینوں و خزائن کو نکالدے گی مجرم اسوقت پشیمان ہوں گے اور قاتل کہے گا کہ

کس حقیر شے کیلئے میں نے نفس کو قتل کیا اور خود قتل کیا گیا اور مجبور کہے گا کہ حقیر شے کیلئے میرا ہاتھ کاٹا گیا۔"
اس وقت ہر خطاکار افسوس و پشیمانی کا اظہار کرے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدۡحًا فَمُلٰقِيۡهِ ۞
"اے انسان یقیناً تو زحمت کشیدہ اپنے رب کی طرف رواں دواں ہے تو اس سے ملاقات کرے گا۔"

کدحاً - کوشش و زحمت"۔ ایسا کام کہ جو کوشش اور زحمت و تعب کے ساتھ انجام دیا جائے"۔
محنت و مشقت حیاتِ انسانی کا لازمہ ہے۔ دنیا میں قدم رکھتے ہی زندگی کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ اور تمام زندگی زحمت و کوشش جاری رہتی ہے جبکہ ہر سانس سفر حیات کو کم کرتا جاتا ہے۔ میدان حیات کے سفر میں جد و جہد کرنے والوں کے اختلاف کے لحاظ سے انکی جد و جہد کے مراتب جدا جدا ہیں۔ اور پھر جد و جہد و سفر حیات کے مقصود و مطلوب کے اختلاف کے لحاظ سے جدا جدا اقسام ہیں ۔ ایک صرف جسمانی و حیوانی کوشش ہے جس کا نتیجہ حیوانی ہے۔ اور ایک الہی انسانی کاوش ہے جس کا نتیجہ رضوان رب کا حصول ہے اور ابدی کامرانی ہے۔ اور حیات دنیا میں اپنے اعمال میں رضاء رب کی آبیاری سے دارین کی سعادت و کامرانی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ سورہ میں ہے **ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون** ۔ اور یقیناً حقیقی و ابدی حیات کی جگہ آخرت ہی کا گھر ہے
حیات انسانی ایمان و عمل صالح سے ہے اور حیاۃ حیوانی عمل حیوانی سے واتباع شیطانی سے ہے۔
دنیاوی حیات میں ہر طرح کے افراد کوشش کرتے ہیں اخیار و اشرار دونوں جد و جہد کرتے ہیں۔ ریاکار و مخلص بھی کوشش کرتے ہیں بعض دنیا کے حصول کے لئے جد و جہد کرتے ہیں اور بعض نجات اخروی کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ امیر المومنین کا ارشاد ہے
فرب دائب مضیّع ورب کادح خاسر" نہج۔
"بہت سے دنیا میں عمل و حرکت کرنیوالے اپنی محنت و عمل کو ضائع کرنے والے ہیں اور بہت سے کاوش و زحمت کرنے والے ضرر حاصل کرتے ہیں۔
یہاں مفرد لفظ سے ہر انسان سے خطاب ہے کہ ہر انسان کا زحمات و مشقات کے ساتھ سفر حیات جاری ہے اور سفر حیات میں ہر حرکت و عمل اور قول و کلام محفوظ ہو رہا ہے اور اس سفر حیات کے لئے ہر ایک اپنی دنیاوی کارگزاری کو بھی دیکھے گا اور اپنے خالق و پروردگار سے بھی ملاقات کرے گا۔

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ ۞ فَسَوۡفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيۡرًا ۞ وَّيَنۡقَلِبُ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ۞
"پس جسے اسکا نامہ عمل اسکے دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا تو اسکا حساب نہایت آسان ہو جائیگا۔ تو وہ اپنے اہل کیطرف نہایت خوش لوٹے گا۔"

بروزِ حشر جب یہ زمین و آسمان بدل جائیں گے اور زمین کو ہموار کر کے تمام انسانوں کو بطنِ ارض سے زندہ نکال کر حساب و کتاب کیلئے کھڑا کر دیا جائیگا اس وقت حیاتِ دنیوی کی کارگزاری کے نتائج سامنے آئیں گے کہ کون سعادت مند ہوا اور کون بدبخت رہا۔ کون کامیاب رہا اور کون ناکام رہا جنہوں نے خالقِ کائنات پر ایمان لاتے ہوئے آسمانی صداقتوں و حقیقتوں کو تسلیم کیا تھا اور حیاتِ دنیا کو رضائے رب کے مطابق بسر کیا تھا وہ اس روز کامیاب مسرور رہوں گے اور انکی کامرانی کے اظہار کیلئے انکی کتابِ حیات دائیں جانب سے انکے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔ اور ان کا حساب و کتاب بھی انتہائی آسان برائے نام ہوگا۔ ان کے ساتھ رحم و کرم اور فضل و احسان کا سلوک کیا جائیگا۔ جیسا کہ سورہ نساء میں ارشادِ الٰہی ہے کہ ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم وندخلكم مدخلا كريما

ان سعادت مندوں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات ہوں گی یہ کامیابی کا پروانہ حاصل کرتے ہی اپنے جنتی اہل و متعلقین کے پاس خوش خوش لوٹ کر جائیں گے۔

پیغمبر اکرم نے فرمایا "جس کا حساب لیا گیا وہ مارا گیا۔ تو حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ خدا کا تو یہ ارشاد ہے کہ۔ فاما من اوتی کتابه۔ الخ۔ تو پیغمبر اکرم نے فرمایا یہ تو صرف اعمال کی پیشی ہے لیکن جس سے بازپرس کی گئی وہ مارا گیا"۔ حساباً یسیراً۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا جس میں تین صفات ہونگی اسکا حساب آسان ہوگا اور خدا اپنی رحمت سے اسے جنت میں داخل کرے گا عرض کیا گیا وہ تین صفات کونسی ہیں تو پیغمبر نے فرمایا کہ جو تم کو محروم کرے اسے عطا کرو اور جو تم سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور جو تم پر ظلم و زیادتی کرے اسے معاف کر دو"۔ منہج۔

ایک روز جبرائیل خدمتِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ کا ہاتھ تھام کر قبرستان لیگئے اور ایک قبر کے پاس جا کر آواز دی تو ایک خوش رو شخص سر و چہرے سے مٹی جھاڑتا ہوا الحمد للہ واللہ اکبر کہتا ہوا باہر نکلا جبرائیل نے اسے کہا کہ لوٹ جاؤ تو وہ لوٹ گیا۔ پھر دوسری قبر کے پاس کھڑے ہو کر آواز دی تو ایک بدصورت و بدمنظر شخص وا حسرتاہ وا ثبورا کہتا ہوا باہر نکلا تو اسے بھی کہا کہ واپس لوٹ جاؤ تو وہ واپس لوٹ گیا۔ پھر جبرائیل امین نے پیغمبر اکرم سے کہا کہ بروز قیامت اسطرح لوگ اٹھیں گے کہ پہلے کی طرح مومنین اور دوسرے کیطرح کفار و منافقین۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت سے متعلق فرمایا کہ اس آیت کے مصداق و مراد حضرت علی اور آپکے شیعہ ہیں کہ جن کا نامہ اعمال انکے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا"۔ جامع۔

امام جعفر صادقؑ نے اس آیت کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ "خدا جب مومن کا حساب لینا چاہے گا تو اس کا نامہ اعمال اسکے داہنے ہاتھ میں دے گا اور اسے کہے گا کہ اے میرے بندے تم نے یہ اعمال انجام دیئے ہیں مومن کہے گا ہاں پروردگار۔ تو خدا کہے گا میں نے انکو بخش دیا اور ان خطاؤں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے تو لوگ کہیں گے سبحان اللہ اس شخص نے کوئی برائی نہیں کی ہے

یہ معنی ہیں اس آیت " اما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب ۔ الخ ۔ کے تو ایک شخص نے عرض کیا فرزند رسول کن لوگوں کو خدا نے اس آیت میں مراد لیا ہے۔ آپ نے فرمایا آخرت میں اس کے اہل وہی ہیں جو دنیا میں ہیں ۔ (جامع)

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ۝ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ۝ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝

اور جسے اس کا صحیفہ اعمال اسکی پشت کی جانب سے دیا جائے گا۔ تو وہ ہلاکت کی فریاد کرے گا۔ اور وہ بھڑکتی آگ میں جلے گا۔ اور بیشک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں خوش تھا جبکہ سمجھتا تھا کہ وہ (خدا کی طرف) کبھی نہیں پلٹے گا۔"

حیات دنیاوی میں صرف حیاۃ حیوانی کیلئے جدوجہد کرنے والے اور کتاب شریعت کو پس پشت ڈالنے والے آخرت میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔ دنیا میں آیات الہی و پیغام ربانی سے نگاہیں بند کر لینے والے بروز حشر اندھے محشور ہوں گے جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل میں فرمان ربانی ہے کہ ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی و اضل سبیلا

اور سورہ طٰہٰ میں ہے کہ من اعرض ———— — — — -- ...... -- اعمی ۔ الخ

آسمانی ہدایات سے انحراف کرنیوالے اور الہی تعلیمات سے رخ موڑ کر دنیاوی لذات میں غرق ہونے والے اور دنیاوی آسائشوں کو زندگی کی کامیابی و مقصد قرار دینے والے آخرت میں انتہائی ناکام و پریشان ہوں گے انکا صحیفہ حیات ان کے بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا۔ دنیا میں تو وہ اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہتے ہوئے یہ سمجھتے تھے کہ انہیں اپنے خالق و پروردگار کیطرف نہیں لوٹنا ہے ۔ لیکن آخرت میں اپنی ناکامی پر فریاد کریں گے۔ لیکن اسوقت افسوس و پریشانی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۝

تو مجھے مغربی سرخی کی قسم۔ اور رات کی اور ان چیزوں کی قسم کہ جن کو وہ ڈھانپ لے ۔ اور چاند کی قسم کہ جب وہ کامل ہو جاتا ہے ۔ کہ تم ضرور درجہ بدرجہ سوار ہو گے ۔ پس انکو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے

الشفق ۔ " رقت و نرمی " ، اسی سے رقۃ القلب ۔ اور یہاں غروب کے بعد افق میں موجود سورج کی روشنی کہ جس میں رات کی تاریکی ملجاتی ہے جو خوف و رجا کے ملنے کی مانند ہے ۔

وَسَقَ ۔ جمع ۔ یعنی جمع کرنا ۔ سمیٹنا ۔ اپنے دامن میں لے لینا ۔ رات اپنی تاریکی میں تمام اشیاء کو لے لیتی ہے ۔

اتسق ۔ جمع ہونا ۔ کامل ہونا ۔ یعنی چاند کا نور جب کامل ہو جاتا ہے

اس ارض و سماء کے بدلنے اور روز حساب برپا ہونے کے تذکرے کے بعد اس حقیقت و صداقت سے انکار کرنے والوں کیلئے آیات تکوینی اور اس کے تغیر کی قسم کھا کر اس حقیقت و صداقت کو ثابت کرتے ہوئے کفار و منکرین کو ان حقائق کیطرف متوجہ کیا گیا ہے دن رات کا بدلنا اور سورج کا طلوع و غروب ہونا اور چاند کا نقص سے کمال تک ہر ماہ پہونچنا جس کا روزانہ تم مشاہدہ کرتے ہو اور کسطرح رات کی سیاہ چادر کائنات کی ہر شے کو ڈھانپ لیتی ہے اور پھر کسطرح سورج کے چراغ کی روشنی پردہ شب کو چاک کرکے زندگی کو رواں دواں کر دیتی ہے یہ تمام تبدیلیاں تم روزانہ دیکھتے ہو اور پھر اپنے وجود میں مسلسل تبدیلیوں کا مشاہدہ کرتے ہو بچپنے سے جوانی و بڑھاپے تک کسقدر تبدیلیوں کا شکار ہوتے ہو تو جس خالق کائنات و قادر مطلق کے اشارے سے یہ نظام کائنات چل رہا ہے اور اسمیں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں وہ اس زمین و آسمان کو بدل کر روز حشر برپا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے یعنی رات کی قسم کہ جو ہر شے کو اپنے دامن میں لے لیتی ہے اور چاند کی قسم کہ جب وہ بدر کامل بنتا ہے اور شفق کی قسم کہ جس وقت ظلمت و نور لغلگیر ہو جاتے ہیں اسی طرح حیات تکلیفی انسانی اعمال و اقوال کو اعضاء جوارح کے صفحات پر جمع کرتی ہے اور صفحہ ارض بھی بلکہ کائنات میں بھی اعمال و اقوال اور صورتیں نقش ہوتی ہیں ۔

ان تکوینی آیات کی قسم کھا کر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ یقیناً ہر انسان جسطرح اپنے جسمانی تخلیق کے مدارج طے کرتا ہے نطفہ و علقہ کے بعد خلق آخر تک پہونچتا ہے اور پھر دنیا میں وارد ہونے کے بعد بچپنے سے بڑھاپے تک درجہ بدرجہ منازل طے کرتا ہے ۔ اسی طرح عملی حیات میں بھی درجات طے کرتا ہے ۔ اور اسی طرح علمی ترقی کے حصول کے بعد سیاروں کے طبقات کو بھی عبور کرے گا آج چاند تک پہونچا ہے تو کل کسی اور سیارے تک پہنچ جائیگا اور اگر یہ پیغمبر اکرمؐ سے خطاب ہے تو :

اس میں آپ کے سفر معراج کیطرف اشارہ ہے کہ آپؐ سفر معراج میں کائنات کے طبقات کو ضرور عبور کر جائیں گے ۔ چنانچہ تفسیر البرہان میں ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ جب میں شب معراج قاب قوسین کی منزل تک پہنچا تو میرے پروردگار نے مجھے خطاب کیا کہ اے محمدؐ علی تک میرے سلام کے ساتھ کہنا کہ میں علی کو محبوب رکھتا ہوں اور جو علی سے محبت رکھتا ہے اسے بھی دوست رکھتا ہوں اور چونکہ علی سے مجھے محبت ہے اس لئے میں نے اسکا نام اپنے نام سے رکھا ہے میں علی عظیم ہوں اور وہ علی ہے اور میں محمود ہوں اور تم محمد ہو اور اگر کوئی شخص نو سو پچاس سال میری عبادت و تبلیغ کرے اور بروز قیامت جب میرے پاس حاضر ہوگا تو اسکی عبادت علی کی ایک نیکی کے برابر ہوگی ۔ اور خدا کا ارشاد ہے کہ " فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ " یعنی علی ابن ابیطالب کی اس فضیلت کی منافق تصدیق کیوں نہیں کرتے ۔" مناقب آشوب ۔

اور امیرالمومنین نے فرمایا ضرور تم اپنے سے پہلے کی امتوں کے راستے پر چلو گے کہ جنھوں نے انبیاء کے بعد انکے اوصیاء سے غداری کی تھی ۔"

اور پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ یقیناً تم اپنے سے پہلے لوگوں کی سیرت پر بعینہ اسی طرح چلو گے جسطرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے اور تیر کا پھل دوسرے پھل سے مشابہ ہوتا ہے تم ان کے طریقے سے نہیں ہٹو گے جسطرح بالشت بالشت کے مشابہ ہے اور بازو بازو کے مشابہ اور قدم قدم کے مشابہ ہے یہاں تک کہ اگر کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تھا تو تم بھی داخل ہو گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہے۔ فرمایا تو اور کیا مراد ہے۔ تم لباس اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دو گے اور سب سے پہلے اپنے دین سے جس چیز کو تم توڑ دو گے وہ امامت ہے اور آخری نماز ہے۔ نور الثقلین - قمی۔

وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ۩ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ۝ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

" اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔ بلکہ جو کافر ہیں وہ تو جھٹلاتے ہیں۔ حالانکہ جو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں خدا اسے خوب جانتا ہے پس انکو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ مگر جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال بجالاتے رہے تو ان کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔"

قرآن حکیم کہ جو کتاب شریعت اور کفر و شرک اور نفاق و معصیت کی تاریکیوں سے نکالنے والا نور ھدایت ہے جب اسکی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو کفار و منافقین توجہ و انکساری کا اظہار نہیں کرتے حالانکہ یہ خلاق عالم کا کلام معجز بیان ہے جسکی آیات سنکر صاحبان ایمان خشوع و خضوع سے جھک جاتے ہیں۔ اور جو اسکی تعلیمات و احکام پر ایمان لا کر عمل کرے گا تو یقیناً اس کیلئے موت کے بعد حیات جاودانی ہے اور ختم نہ ہونیوالی نعمات جنت و اجر عظیم ہے۔"

سورہ البروج (مکیہ)

سُوْرَۃُ الْبُرُوْجِ مَکِّیَّۃٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اٰیَاتُھَا ٢٢ رُکُوْعُھَا ١

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝١ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝٢ وَشَاهِدٍ
وَّمَشْهُوْدٍ ۝٣ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝٤ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝٥
اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝٦ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ
شُهُوْدٌ ۝٧ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝٨
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدٌ ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ
يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝١٠ اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝١١ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝١٢ اِنَّهٗ
هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝١٣ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝١٤ ذُو الْعَرْشِ

الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾
فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِن
وَرَائِهِم مُّحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

ترجمہ :- قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی قسم۔
اور گواہ کی اور جسکی گواہی دیگئی اسکی قسم کہ ہلاک کر دیئے گئے خندقوں والے۔ جنہوں نے بھڑکتی ہوئی آگ روشن کی تھی جبکہ وہ اس آگ کے کنارے پر بیٹھے تھے۔ اور جو کچھ (ظلم وستم) وہ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے وہ خود اسکے گواہ تھے۔
انہوں نے صرف اس بات کا ان سے انتقام لیا کہ وہ لوگ غالب و لائق حمد اللہ پر ایمان لے آئے تھے۔ کہ جو آسمانوں وزمین کا بادشاہ حقیقی ہے۔ اور اللہ تو ہر شے پر گواہ ہے۔
یقیناً جن لوگوں نے مومنین و مومنات کو تکالیف دیں اور پھر انھوں نے توبہ بھی نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کی سزا (یعنی) جلنے کا عذاب ہے۔
یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بھی کرتے رہے تو ان کے لئے ایسے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔
یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ بیشک تیرے رب کی گرفت بڑی ہی سخت ہے۔ یقیناً وہی (تخلیق کا) آغاز کرتا ہے اور وہی (موت کے بعد) لوٹائے گا۔ اور وہی بہت درگزر کرنیوالا محبت کرنیوالا ہے (وہ تو) عرش عظیم کا مالک ہے۔
وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ہاں) کیا تیرے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ فرعون وثمود کی۔ بلکہ جو لوگ کافر ہیں وہ تو جھٹلانے ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ ان کا چاروں طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔
(یہ کتاب تکذیب کے قابل نہیں ہے) بلکہ یہ تو قرآن مجید ہے۔ جو لوح محفوظ میں ہے۔

تلاوت :- پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ سورہ بروج کی تلاوت کرنیوالے کیلئے بروز جمعہ وعرفہ میں جمع ہونے والے لوگوں کی تعداد کے دس گنا نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (نور الثقلین)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص فرض نمازوں میں سورہ بروج کی تلاوت کرے گا بروز قیامت انبیاء اور مرسلین و صالحین کے ساتھ محشور ہوگا کیونکہ یہ انبیاء کا سورہ ہے۔"

اس سورہ کی تلاوت سے سخت و خطرناک مقامات میں حفاظت ہوتی ہے۔
امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جس بچے کا دودھ چھڑانا ہو یہ سورہ لکھ کر اسے باندھ دیا جائے تو بآسانی دودھ چھوڑ دے گا۔ اور
اگر سوتے وقت اس سورہ کو پڑھا جائے تو صبح تک خدا کی امان میں رات بسر ہوگی۔

نزول :- آغاز انسانیت سے ہی الٰہی ہدایات کا سلسلہ جاری ہے اور ہر دور میں انسان نے خلاق عالم سے بغاوت کی ہے اور قوۃ و اقتدار اور دولت و کثرت کے نشے میں توحید پر ایمان لانے والوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتا رہا۔ لیکن توحید کے متوالے محبت الٰہی میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے۔

اسی طرح مکے میں اسلامی دعوت کے آغاز کے بعد سرکش کفار نے جہاں دعوت حق سے انکار کیا وہاں اس دعوت کو قبول کرنے والوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ان کو تپتی ریت پر لٹا کر انکے سینوں پر گرم پتھر رکھے اور بے دردی سے مارا اور شہید کیا گیا لیکن انکی ایمانی قوۃ اور صبر و عزم میں فرق نہیں آیا۔ انہی ایام میں کفار مکہ کو انکے انجام بد سے آگاہ کرنے اور صاحبان ایمان کی تقویت قلب اور صبر و عزم میں اضافے اور ابدی بشارت کیلئے آیات و سورتوں کا نزول ہوتا رہا۔ سورہ بروج کا نزول بھی اسی سے متعلق ہے جس میں الٰہی اقتدار کو ذہن نشین کرانے کیلئے کائنات کے تذکرے کے ساتھ ان گزشتہ اقوام و افراد کے انجام بد کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جنہوں نے اپنے خالق و مالک کائنات سے بغاوت کی بنا پر اسکے نیک و ایماندار بندوں پر کسطرح مظالم کئے اور صاحبان ایمان محبت الٰہی میں مظالم و شہادت کو مسکراتے ہوئے قبول کرتے رہے اور بالآخر ان سرکش ظالموں کا جو انجام ہوا اسے بھی بیان کر کے متوجہ کیا گیا ہے کہ کوئی ظالم و متکبر دست قدرت سے بچ نہیں سکتا اور پھر اس کے ظلم و کفر کی بنا پر جہنم کی آگ کا عذاب بھی دائمی ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ "قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدہ کئے ہوئے دن کی قسم"
سماوی آیات کی قسم کے ذریعے عقل انسانی کو کائنات کی تخلیق و نظام اور افادیت و وسعت کیطرف متوجہ کرتے ہوئے خلاق عالم کی عظمت و اقتدار اور علم و حکمت سے متعارف کرایا گیا ہے۔ اسکے بعد اس عظیم یوم موعود کی قسم کھا کر اسکے یقینی ہونے کے ساتھ فکر انسانی کو باور کرایا گیا ہے کہ جو ذات اس عظیم و وسیع کائنات کے خلق کرنے پر قادر ہے وہ اسے بدل کر روز قیامت بھی برپا کرنے پر قادر ہے۔ لہٰذا اس یوم موعود روز حساب کے اعتقاد و احساس کے ساتھ سفر حیات کا تعین ہونا چاہیئے کیونکہ بروز حشر ہر قول و عمل کا حساب ہوگا اور تقاضاء عدل و رحمت کے مطابق سزا و جزا ہوگی۔
بروج ۔ واحد ۔ برج ۔ "ظہور و بلندی" اسی بنا پر بلند و بالا عمارات و محلات اور شہر کی فصیل کے بھی معنی ہیں اور اسی سے "تبرج" ہے کہ جس کے معنی زینت کے اظہار کے ہیں ۔ اور سماوی بروج و سماوی ستارے بھی مراد ہیں ۔ پیغمبر اکرم سے سوال کیا گیا کہ "بروج" سے کیا مراد ہے ۔ آپؐ نے فرمایا "الکواکب ۔ ستارے"
عرض کیا گیا اس آیت "الذی جعل فی السماء بروجاً" میں بروج سے کیا مراد ہے آپؐ نے فرمایا "الکواکب ۔ ستارے" عرض کیا گیا "بروج مشیدہ" سے کیا مراد ہے ۔ آپؐ نے فرمایا "محلات"۔ (درمنثور

اور حضرت علی کا ارشاد ہے کہ "یہ آسمانی سیارے زمین کے شہروں کی مانند شہر ہیں اور ہر شہر دوسرے شہر سے نورانی ستونوں (کشش) سے منسلک ہے اور آسمان میں ان ستونوں کا طول دو سو پچاس برس کی مسافت کا ہے۔" قی۔
بروج سے سیاروں کے بارہ گرد بھی مراد ہیں جو سورج کی بارہ منازل ہیں اور سورج کی ہر روز کی منزل و مقام بھی مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت علی کا ارشاد ہے کہ "سورج کیلئے تین سو ساٹھ برج (منازل) ہیں اور ہر برج عرب کے کسی بڑے جزیرے کی مانند ہے اور ہر روز سورج انہیں سے کسی ایک پر وارد ہوتا ہے" الخ۔ نور الثقلین —
ایک یمنی سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا تمہارے ہاں علم کسقدر ہے۔ اس نے عرض کیا ہمارے ہاں یمن میں ایک ایسا گروہ ہے کہ جس کے برابر کسی کا علم نہیں۔ آپ نے فرمایا ان کا علم کسقدر ہے۔ عرض کیا کہ ان کا عالم کسی جانب سے پرندے کو اڑتا ہوا آتا دیکھکر اس طرف تیز رفتار گھوڑے کی ایک ماہ کی مسافت تک کے حالات ایک ساعت میں معلوم کر لیتا ہے۔ امام نے فرمایا کہ مدینے کے عالم کا علم اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ عرض کیا کسقدر ہے۔ امام نے فرمایا ان تمام آثار و پرندوں کے بغیر ایک لحظہ میں وہ سب جانتا ہے اور سورج جو بارہ بروج و بارہ بر اعظم اور بارہ عالم طے کرتا ہے مدینے کا عالم ان سب کو جانتا ہے۔" نور الثقلین —
اس وسیع آسمان میں ستاروں کے بارہ بڑے قافلے ہیں اور ہر قافلے کی اجتماعی صورت کو کسی شے کی مشابہت کی بنا پر ایک خاص نام سے مخصوص کر دیا گیا چنانچہ یہ بارہ بروج بارہ ناموں سے موسوم کر دیئے گئے۔ اور سورج کا ہر ماہ ایک برج سے تعلق رہتا ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ مادی ستاروں کے وسیلے سے حیات ارضی پر اثر انداز ہیں اسی بنا پر جب سورج برج حمل پر وارد ہوتا ہے تو وارد ہوتے وقت کے چند سیکنڈ کا وقت وہ ہوتا ہے کہ جس کے خوشگوار اثرات اس دنیا کی ہر شے پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وہ ساعت تھی کہ جب جناب آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ یہی وہ ساعت تھی کہ جب خدا کے خلیل پر آتش نمرود گلزار ہوئی تھی۔ یہی وہ لحظہ تھا کہ جب جناب یونس کو مچھلی کے پیٹ سے نجات حاصل ہوئی تھی۔ یہی وہ ساعت ہے کہ جب کلیاں کھل جاتی ہیں اور غمگین دلوں میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور یہی وہ ساعت تھی کہ جب پہلی وحی کا نزول ہوا اور یہی وہ ساعت تھی کہ جب دعوۃ ذو العشیرہ میں پیغمبر اکرم نے حضرت علی کی ولایت و وصایت کا اعلان کیا اور یہی وہ ساعت تھی کہ جب غدیر خم پر عالمین کے نبی و رسول نے تمازت آفتاب و ریگستان کی تپتی ریت کی پرواہ کئے بغیر عالمین کے امام کی ولایت و امامت کے اعلان کیلئے ایسا وقت منتخب کیا کہ جب سورج کے برج حمل پر وارد ہونے کی بنا پر کائنات کی ہر شے و ہر ذرے پر خوشگوار اثرات مرتب ہو رہے تھے۔
قرآن حکیم کی یہ شان اعجازی ہے کہ وہ ظاہری معانی کے ساتھ باطنی معانی و معارف کو بھی اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ اسی بنا پر یہاں بروج سے مراد آسمان فضیلت کے بارہ بروج امامت ہیں کہ جنکی عظمت و رفعت اور اہمیت

وافادیت کی بنا قسم کھائی گئی ہے۔ جیساکہ ابن عباس راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا "اللہ کا ذکر عبادت ہے پھر میرا ذکر عبادت ہے پھر علی کا ذکر عبادت ہے اور علی کی اولاد سے ائمہ کا ذکر عبادت ہے اور اس ذات کی قسم کہ جس نے مجھے برحق نبی مبعوث کیا اور تمام مخلوق سے افضل قرار دیا یقیناً میرا وصی تمام اوصیا سے افضل ہے اور وہ تمام بندوں پر خدا کی حجت اور اسکی مخلوق پر اسکا خلیفہ ہے اور میرے بعد اسکی اولاد سے ائمہ ہوں گے جنکی وجہ سے خدا عذاب کو رفع کرے گا اور انہی کیوجہ سے آسمان زمین پر نہیں ٹوٹ پڑتا اور انہی کیوجہ سے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور انہی کی بدولت مخلوق باران رحمت سے فیضیاب ہوتی ہے اور انہی کی بدولت نباتات روئیدہ ہوتے ہیں اور یہی اللہ کے حقیقی اولیاء برحق خلیفہ ہیں اور انکی تعداد مہینوں کی تعداد کے برابر ہے اور وہ بارہ ہیں جسطرح کہ موسیٰ کے نقبا بارہ تھے پھر پیغمبر اکرم نے یہ آیت "والسماء ذات البروج" پڑھی۔" تفسیر برھان۔ اختصاص۔

اور پیغمبر اکرم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "میں آسمان (فضیلت) ہوں اور بروج میرے بعد ائمہ ہیں ان کے اول علیؑ ہیں اور آخری مہدی ہیں" نور الثقلین۔

وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ۔ "اور گواہ کی اور جسکی گواہی دیگئی اسکی قسم"۔

کائنات کا ذرہ ذرہ خلاق عالم کے وجود وعظمت اور اقتدار و حکمت کا گواہ ہے اسی طرح اس نے حیات انسانی کے بھی کئی گواہ قرار دیئے ہیں۔ انسان کی کتاب حیات کا پہلا گواہ خود خلاق عالم ہے جو تمام گواہوں کا خالق اور سب پر گواہ ہے۔ پھر اسکی طرف سے اسکے انبیا ورسل گواہ ہیں۔ پھر فرشتے گواہ ہیں۔ یہ زمین بھی گواہ ہے اور اعضاء انسانی بھی گواہ ہیں اور ہر شب و روز بھی انسان کی داستان حیات کے گواہ ہیں۔ اسی بنا پر بعض روایات میں شاہد و مشہود سے بعض مخصوص ایام بھی مراد ہیں۔ جیساکہ ابوداؤد راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "بروز جمعہ مجھ پر زیادہ درود بھیجا کرو کہ روز مشہود ہے فرشتے موجود رہتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اسکے فارغ ہونے تک وہ درود میرے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ وفات کے بعد بھی آپؐ اسی طرح سنیں گے۔ آپؐ نے فرمایا خدا نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام قرار دیا ہے خدا کے انبیاء زندہ رہتے ہیں اور رزق کھاتے ہیں۔" درمنثور۔

ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا ایک جانب ایک شخص کو حدیث رسول بیان کرتے دیکھ کر اس سے "شاہد و مشہود" کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود روز عرفہ ہے۔ پھر دوسری طرف دوسرے شخص کو حدیث رسول بیان کرتے دیکھا تو اس کے پاس جاکر شاہد و مشہود کے معنی دریافت کئے اس نے کہا شاہد روز جمعہ اور مشہود روز عید ہے پھر تیسرے نوجوان سے دریافت کیا تو اس نے کہا

شاہد رسول خدا ہیں کیونکہ خدا کا ارشاد ہے "انا ارسلناك شاهداً" الخ یقیناً ہم نے آپ کو شاہد (گواہ) بناکر بھیجا ہے" اور مشہود روز قیامت ہے کیونکہ خدا کا ارشاد ہے "وذالك يوم مشهود"۔ اور یہ روز قیامت روز مشہود ہے"۔ اس شخص نے دریافت کیا کہ یہ تین حضرات کون ہیں تو بتایا گیا کہ پہلے عبداللہ ابن عباس اور دوسرے عبداللہ ابن عمر اور

تیسرے حسین ابن علی ہیں "۔ تفسیر ابوالفتوح رازی ــــ
(۱) شاھد روز ترویہ اور مشہود روز عرفہ ہے (۲) شاھد حجر اسود اور مشہود حجاج ہیں (۳) شاہد خدا اور مشہود انسان ہے
(۴) شاہد انسانی اعضاء اور مشہود خود انسان ہے (۵) شاہد شب و روز اور مشہود انسان ہے جیسا کہ حدیث نبوی ہے کہ "
ہر دن ندا دیتا ہے کہ میں نیا دن ہوں اور جو کچھ تم میرے اندر کروگے میں اسکا تم پر گواہ ہوں۔ پھر آفتاب کے غروب کے بعد قیامت
تک مجھے نہیں پاؤگے
(۶) شاھد مخلوقات اور مشہود حق ہے (۷) شاھد انبیاء ماسبق اور مشہود ہمارے رسول ہیں (۸) شاہد خدا اور فرشتے
واولوالعلم ہیں اور مشہود کلمۂ توحید ہے۔
یہ شاہد و مشہود کے مراد میں جسقدر اختلاف ہے لیکن الفاظ کا معنی و مفہوم تمام میں مشترک پایا جاتا ہے یعنی حضور و مشاھدہ کے
ساتھ گواہی دینا۔"
لیکن شاہد اول خلاق عالم کی ذات ہے جو ہر جگہ موجود ہے اور کوئی ذرہ اور کوئی تصور و خیال نگاہِ قدرت سے پوشیدہ
نہیں ہے پھر اسکی جانب سے اسکے حبیب و رسول کہ جن کو تمام کائنات پر اور تمام انبیاء پر اس نے شاہد قرار دیا ہے پھر
تمام انبیاء اپنی اپنی امت کے گواہ ہیں۔ اور امت مسلمہ کیلئے قیامت تک پیغمبرؐ اکرم کے بعد آل محمدؐ گواہ ہیں۔ اور یہاں امام
جعفرِ صادق علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق شاھد رسول خدا اور مشہود امیرالمومنین ہیں۔" تفسیر نور الثقلین۔

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ ۙ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ
شُهُوۡدٌ ؕ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ؕ

"ہلاک کر دیئے گئے خندق والے بھڑکتی ہوئی آگ (کے ذریعے)۔ جبکہ وہ (ظالم) آگ کے کنارے پر بیٹھے تھے۔
اور جو کچھ وہ (ظلم و ستم) اہل ایمان پر کر رہے تھے وہ خود اس پر گواہ تھے۔ اور انھوں نے صرف اس بات کا ان سے انتقام
لیا کہ وہ لوگ غالب لائق حمد اللہ پر ایمان لے آئے تھے کہ جو آسمانوں و زمین کا بادشاہ ہے اور اللہ تو ہر شے پر گواہ ہے۔"
اخدود۔ "لمبا گہرا گڑھا"۔ ــــ رخسار پر آنسو بہنے کی وجہ سے اسے خد کہتے ہیں۔
خدا کی قدرت و عظمت کی آیات تکوینی کے تذکرے کے بعد ان آیات میں ان سابق سرکش و متکبرین کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ
ــ

جو اپنے خالق و مالک حقیقی سے اسقدر سرکش و باغی ہو گئے تھے کہ توحید پر ایمان لانیوالوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتے رہے لیکن بالآخران منکرین و ظالم افراد و اقوام کو خدائی عذاب سے دنیا کی کوئی طاقت نہ بچا سکی۔
یہ صاحبان ایمان صرف توحید پر ایمان لانے کیوجہ سے آگ میں جلا دیئے گئے۔ کفار مکہ کے مظالم برداشت کرنیوالے مسلمانوں کیلئے سابق مظلوم مومنین کا تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ انکے ایمان و صبر کی قوت میں اضافہ ہو۔ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ "تم سے پہلے ایسی قومیں تھیں کہ جو قتل کی گئیں اور جلائی گئیں اور انکو آرے سے چیرا گیا اور زمین کو ان پر تنگ کر دیا گیا یہ صرف اس بنا پر کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے "وما نقموا منهم الا ان یومنوا بالله۔ الخ۔ تو تم اپنے رب سے درجات کا سوال کرو اور زمانے کے مصائب و آلام پر صبر کرو۔ تاکہ تم انکی سعی کو پالو"۔ نور الثقلین۔
مفضل نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے آگ کے متعلق دریافت کیا تو آپنے فرمایا کہ ایک وہ آگ ہے کہ جو کھاتی پیتی ہے یہ اولاد آدم و حیوان کے اجسام کی آگ ہے۔ اور دوسری وہ آگ ہے کہ جو کھاتی ہے پیتی نہیں یہ دوزخ کی آگ ہے اور تیسری وہ آگ ہے کہ جو پیتی ہے کھاتی نہیں وہ درختوں کی آگ ہے۔ اور چوتھی وہ آگ ہے کہ جو نہ کھاتی ہے اور نہ ہی پیتی ہے وہ پتھر و چقماق کی آگ ہے"۔
اصحاب اخدود۔ گذشتہ اقوام کے کئی ایسے واقعات ہیں کہ جن کے ہاں خلاق عالم پر ایمان لانے کے جرم میں مومنین کو آگ میں جلا دیا گیا۔ گڑھے کھود کر انہیں آگ روشن کیگئی اور صاحبان ایمان محبت الٰہی میں آگ میں کود گئے۔
(ا) پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ سابقہ زمانے کا ایک بادشاہ کہ جس نے رعایہ پر اقتدار قائم رکھنے کیلئے ایک جادوگر کی خدمات حاصل کر رکھی تھیں۔ جب جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا مجھے کوئی ایسا لڑکا دیا جائے کہ جسے میں اپنا فن سکھا دوں تاکہ میرے بعد شاہی خدمات انجام دیتا رہے تو ایک لڑکا اس کے لئے مخصوص کر دیا گیا اسے وہاں تک جانے کے لئے راستے میں ایک راہب کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا۔ وہ لڑکا روزانہ جب جادوگر کے پاس جاتا تو راستے میں راہب سے نصیحتیں سنتا تو جادوگر کے ہاں تاخیر سے پہنچتا تو وہاں سزا پاتا اور گھر تاخیر سے پہنچتا تو وہاں سرزنش ہوتی۔ ایک روز راہب سے اسکا ذکر کیا تو راہب نے کہا کہ جب ساحر کے پاس پہنچو تو گھر والوں کی رکاوٹ کا بہانہ کر دیا کرو اور جب گھر تاخیر سے پہنچو تو ساحر کے روکنے کا بہانہ کر دیا کرو اور میرا نام کہیں نہ لینا۔ چنانچہ اسطرح کرتے کرتے اس نے راہب سے دین سیکھ لیا اور نہایت مستجاب الدعوات ہو گیا۔ یہاں تک کہ کوڑھی و مبروص اور دیگر بیمار اس سے شفا پانے لگے ایک دفعہ بادشاہ کے مصاحبین میں سے ایک نابینا ہو گیا وہ اس لڑکے کے پاس آیا اور بہت انعام و دولت دینے کو کہا کہ اسے بینا کر دے۔ لڑکے نے کہا میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا یہ اللہ کا کام ہے اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ تو میں خدا سے تمہارے لئے دعا کروں گا اور وہ تجھے بینائی عطا کر دے گا۔ تو وہ خدا پر ایمان لے آیا تو لڑکے کی دعا سے وہ بینا ہو گیا

جب وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور بادشاہ نے بینا ہونے کا سبب پوچھا تو اس نے صاف کہدیا کہ مجھے اللہ نے شفا عطا کی ہے۔ بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ کوئی اور خدا ہے۔ اس نے کہا ہاں وہ جو تیرا بھی خالق ہے اور میرا بھی خالق ہے بادشاہ نے کہا یہ سبق کس نے سکھایا ہے اس نے لڑکے کا نام بتادیا تو اس لڑکے کو حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے کہا کیا تم لوگوں کو شفا عطا کرتے ہو۔ اس نے کہا نہیں بلکہ اللہ شفا عطا کرتا ہے بادشاہ نے کہا میرے علاوہ کوئی اور خدا ہے لڑکے نے کہا ہاں وہ جو میرا اور تیرا خدا ہے۔ جب لڑکے پر تشدد کیا گیا تو اس نے راہب کا نام بتادیا تو راہب کو پکڑ کر آرے سے چیر دیا گیا۔ اور لڑکے کیلئے حکم دیا گیا کہ اسے پہاڑ کی بلندی سے گرا دیا جائے۔ جب جلاد اسے لیکر چلے تو اس نے خدا سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے ان کے شر سے نجات دے تو پہاڑ متزلزل ہوا اور وہ سب دب کر مر گئے۔ لڑکا صحیح بادشاہ کے دربار لوٹ آیا اور بادشاہ کو کہا مجھے اللہ نے ان سے بچالیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے سمندر میں لیجا کر غرق کر دیا جائے۔ جب لوگ کشتی میں لیکر گہرے پانی میں پہونچے تو لڑکے کی دعا سے کشتی الٹ گئی لڑکا بچ گیا باقی سب غرق ہو گئے۔ لڑکا واپس پھر بادشاہ کے پاس آگیا اور بتایا کہ اللہ نے میری حفاظت کی ہے۔ پھر بادشاہ سے کہا اے بادشاہ اگر مجھے ختم کرنا چاہتا ہے تو جسطرح میں تجھے بتاؤں اسطرح مجھے قتل کر سکتے ہو۔ تمام رعایہ کو جمع کر کے اور مجھے کھجور کے تنے سے لٹکا کر میرے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں رکھکر کہو کہ اس لڑکے کے رب کے نام سے تیر مار رہا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا لڑکا شہید ہو گیا لیکن تمام حاضرین اسی وقت خدا پر ایمان لے آئے اور کہا ہم اس لڑکے کے خدا پر ایمان لاتے ہیں بعض مقربین نے بادشاہ سے کہا لڑکا مر کر لوگوں کو توحید کا سبق دینے میں کامیاب ہو گیا اور ہزاروں کو مسلمان کر گیا۔ بادشاہ نے غیض و غضب سے خندقیں کھودنے کا حکم دیا اور ہر گلی کے آخر میں ایک ایک خندق کھودی گئی جنمیں لکڑیاں ڈال کر آگ لگا دی گئی اور مومنین کو اسمیں جلانیکا حکم دیا گیا اور مومنین ایمان کی حفاظت کیلئے آگ میں خود چھلانگ لگانے گئے آخر میں ایک عورت آئی جو شیر خوار بچے کو اٹھائے تھی۔ اس بچے نے کہا اماں صبر کا دامن نہ چھوٹنے پائے کیونکہ حق پر ہو تو وہ خاتون بھی بچے کے ساتھ آگ میں کود گئی — مجمع۔

(۲) اور حضرت علیؑ نے فرمایا کہ حبشی قوم کی طرف انہیں سے خدا نے ایک نبی انکی طرف مبعوث کیا اسکی قوم نے اسکی تکذیب کی اور اس نبی کو قتل کر دیا پھر گڑھا کھود کر اسمیں آگ روشن کر دیگئی اور لوگوں سے کہا گیا کہ جو ہمارے دین پر ہے وہ علیحدہ ہو جائے اور جو اس نبی کے دین پر ہے وہ آگ میں کود جائے تو اس نبی پر ایمان لانے والے آگ میں کود گئے ایک عورت شیر خوار بچے کو اٹھائے تھی بچے کو دیکھکر رکی کہ بچے نے کہا ماں مت ڈرو مجھے اپنے ساتھ لیکر آگ میں چھلانگ لگا دو تو وہ بچے کے ساتھ آگ میں کود گئی۔

(۳) یمن میں قوم عاد کے بعد یعرب ابن قحطان بادشاہ تھا جسکی نسل سے حمیر و تبعؑ بادشاہوں کی مدت حکومت ستر سو برس رہی انکا پہلا بادشاہ حارث رائس اور آخری ذونواس تھا انہیں سے ایک بادشاہ ابکرب تبان اسعد نے یمن سے نکل کر علاقے

فتح کرتے ہوئے یثرب پہنچا جہاں یہود سے ملاقات سے دین یہود اختیار کیا یمن واپس لوٹنے کے بعد اسکی کوشش سے کافی لوگ یہودی ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد اسکے بھائی عمرو نے اسے قتل کر کے خود بادشاہ بن گیا اور دین یہود کو رائج کیا پھر عمرو کے چھوٹے بھائی ذونواس اسے قتل کر کے بادشاہ بن گیا اور دین یہود ہی کو عام کیا۔ اور ادھر نجران کے لوگ تازہ دین مسیح کے پیرو ہو گئے تھے ذونواس کو جب اسکی اطلاع ملی تو وہ غضبناک ہوا اور لشکر لیکر ان پر چڑھائی کردی ان کو عیسائی مذہب چھوڑنے کیلئے کہا تو وہ نہ مانے اور نہ ہی اسکی قوت سے مرعوب ہوئے۔ ذونواس نے جب دیکھا کہ وہ کسی طرح دین مسیحیت کو ترک کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں تو اس نے خندق کھدوا کر اسمیں آگ روشن کرا دی اور ان کو اختیار دیا گیا کہ جو چاہے دین یہود میں آجائے اور جو نہیں آتا وہ آگ میں کود جائے تو پختہ ایمان و اعتقاد رکھنے والے مومنین آگ میں کود گئے لیکن اپنے دین کو نہ چھوڑا۔ مصری مورخ طٰہٰ حسین نے لکھا ہے کہ آگ میں کودنے والوں کی تعداد بیس ہزار تھی اور قیصر روم نے نجران کے نصاریٰ کی مدد کیلئے بادشاہ حبشہ کو لکھا کہ ذونواس سے انکا بدلہ لے تو بادشاہ حبشہ نے ایک بڑا لشکر یمن کیطرف بھیجا دونوں لشکر کا مقابلہ ہوا اور ذونواس کے لشکر کو شکست ہوئی تو وہ اپنے ملک و عیال کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝۱۱

یقیناً جن لوگوں نے مومنین و مومنات کو اذیتیں دیں پھر توبہ بھی نہیں کی تو انکے لئے جہنم کی سزا (یعنی) جلنے کا عذاب ہے بیشک جو لوگ ایمان لے آئے اور اعمال صالح بھی کرتے رہے تو ان کے لئے ایسے باغات ہیں کہ جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں یہی تو بڑی کامیابی ہے۔"

فتن کے اصلی معنی سونے کا آگ میں ڈالا جانا تاکہ کھوٹ سے اسکی عمدگی نکھر جائے۔ اسی بنا پر امتحان و ابتلاء کے معنی بھی ہیں کہ مصائب و آلام سے مومنین کا ایمان نکھر جاتا ہے اور باطنی میل صاف ہو جاتا ہے جن مومنین کے ابتلاء کا گزشتہ آیات میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ جنکو کفار و متکبرین نے نفرت و سرکشی کی بنا پر آگ میں جلا دیا تھا تو خدا نے انکے صبر و استقلال کی بنا پر خالص سونے کیطرح انکو خالص و پاکیزہ کر دیا۔ اسی بنا پر فتنہ و ابتلاء مومنین کیلئے نجات ہے اور کفار کے لئے عذاب میں داخلہ ہے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ الا فی الفتنۃ سقطوا۔ الخ۔

اور یہاں ان سرکشوں کو آگ ہی کی وعید سنائی گئی ہے کہ جو حقائق و صداقتوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے خلاق عالم سے انکے باغی ہونیکی بنا پر صاحبان ایمان کو ظلم و بربریت کا نشانہ بناتے رہے کہ عنقریب وہ دوزخ کی دھکتی گرم ترین آگ میں جلیں گے۔ ہاں جو کفر و سرکشی سے تائب و نادم ہو کر خالق کائنات پر ایمان و ایقان لا کر اسکی رحمت اور عفو کے سزاوار

میں آجائے تو وہ عذاب جہنم سے بچ جائے گا۔
کفار و متکبرین کیلئے جہنم کی وعید کے بعد صاحبان ایمان کو ایمان و عمل صالح کی بنا پر دائمی جنت کی بشارت دیگئی ہے تاکہ دنیاوی ابتلاء و امتحان کو برداشت کرنے میں انکے عزم و صبر میں اضافہ ہو۔
مومنین کے اجسام دنیا میں مصائب و آلام میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن انکی ارواح و قلوب مطمئن و متلذذ ہوتے ہیں اور موت و شہادت کے بعد ابدی لمعات جنت سے متلذذ ہوں گے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔
اور امام جعفر صادقؑ نے اس آیت میں "الفوز الکبیر" کے متعلق فرمایا کہ اس کے مصداق و مراد حضرت علی اور ان کے شیعہ ہیں۔" نور الثقلین۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾
فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ﴿١٩﴾ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿٢٢﴾

"بیشک تیرے رب کی گرفت بڑی ہی سخت ہے۔ یقیناً وہی (تخلیق کا) آغاز کرتا ہے اور وہی (موت کے بعد) لوٹائے گا اور وہی بہت درگزر کرنیوالا محبت کرنیوالا ہے۔ (وہ تو) عرش عظیم کا مالک ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ہاں) کیا تیرے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ فرعون و ثمود کی۔ بلکہ جو لوگ کافر ہیں وہ جھٹلانے میں ہی لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ چاروں طرف سے انکا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (یہ کتاب تکذیب کے قابل نہیں) بلکہ یہ تو بزرگی و عظمت والا قرآن ہے۔ جو لوح محفوظ میں ہے۔"

البطش۔ "سختی سے پکڑنا۔ ظلم کے ساتھ یا عدل کے ساتھ۔ بطش کے ساتھ "شدید" کے اضافے سے گرفت کی سختی میں اضافے کا اظہار ہے۔ اور ظالموں کی سخت پکڑ عدل کے ساتھ ہوگی جسطرح دنیا میں ظالم اپنے ظلم و تشدد سے مومنین کو سخت اذیتیں دیتے تھے۔ اسی طرح انکے ظلم و سرکشی کی سزا بھی سخت ہوگی۔ دنیا میں مجرمین و ظالموں کیلئے مہلت غفلت و کمزوری کی بنا پر نہیں ہے ہر سرکش و ظالم ہر وقت خلاق عالم کے دست قدرت میں ہے۔ لیکن دنیا دار العمل ہے اس لئے مہلت ہے اور ہر نادم و تائب کیلئے خداوند عالم کی مغفرت اور محبت و رافت ہے اور اسکی رحمت و مغفرت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔
اور ان آیات میں فرعون کی لشکر کے ساتھ تباہی اور حضرت صالح کی قوم ثمود کی ہلاکت کا تذکرہ کرکے واضح کیا گیا ہے کہ ظالم و جابر افراد و اقوام کو کسطرح عذاب الٰہی نے دبوچ کر ذلیل و رسوا کیا۔ اسوقت نہ ہی قوۃ و اقتدار کام آیا اور نہ ہی

جمعیت وکثرت کام آئی۔ اور جس کتاب میں یہ عبرت کے تذکرے بیان کئے جا رہے یہ کتاب الٰہی و کلام ربانی ہے سحر یہ کہانت نہیں ہے یہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ " لوح محفوظ سفید موتی کیطرح ہے کہ جس کی لمبائی آسمان وزمین کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور چوڑائی مشرق ومغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے "۔

اور تفسیر البرھان میں ہے کہ " لوحِ محفوظ کی دو جانبین ہیں ایک جانب عرش کیطرف ہے اور دوسری جانب اسرافیل کیطرف ہے جب خداوند عالم کوئی کلام وحی کرتا ہے تو لوح اسرافیل کی پیشانی سے ٹکراتی ہے تو وہ لوح میں خدا کی وحی کو دیکھتا ہے جسے وہ جبرائیل کیطرف منتقل کرتا ہے "۔

سورہ الطارق (مکیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَۃُ الطَّارِقِ مَکِّیَّۃٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اٰیَاتُهَا ١٧ رُکُوْعُهَا ١

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿٢﴾ النَّجْمُ
الثَّاقِبُ ﴿٣﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾ فَلْيَنْظُرِ
الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ يَّخْرُجُ مِنْ
بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿٧﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ
تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ
الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾
فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ:- ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے ستارۂ طارق کی۔ اور تم کیا جانو کہ طارق کیا ہے۔
وہ بلند چمکتا ستارہ ہے۔ کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس پر نگہبان مقرر نہ ہو۔
پس انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ کس جوہر سے پیدا کیا گیا ہے۔
کہ جو پشت کے مہروں اور سینے کی ھڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔
تو یقیناً خدا اسے دوبارہ پلٹانے پر بھی قادر ہے۔
کہ جس روز تمام راز آشکارا ہو جائیں گے۔
تو اسوقت انسان کیلئے کوئی قوۃ و مددگار نہیں ہوگا۔
تو بارش برسانے والے آسمان کی قسم
اور (نباتات کیلئے) شگافتہ ہونے والی زمین کی قسم۔
یقیناً یہ قرآن قول فصل ہے اور وہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے۔
یقیناً کفار فریب کاری کرتے ہیں اور میں بھی تدبیر کرتا ہوں۔
تو تم ان (کفار) کو مہلت دو لیکن تھوڑی مہلت دو۔

تلاوت:- سورہ الطارق کی مسلسل تلاوت کرنے والے کیلئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے سورہ الطارق کی تلاوت کی تو بروز قیامت خدا کے نزدیک اسے قربت حاصل ہو گی اور وہ اہل جنت سے ہوگا۔"

اور پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ جس نے سورہ الطارق کی تلاوت کی تو ستاروں کی تعداد کے دس گنا حسنات اسکے لئے لکھے جائیں گے اور اگر اسے لکھکر دھویا جائے اور اس پانی سے زخم دھویا جائے تو پیپ اور ورم نہیں ہوگا اور اگر کسی چیز پر پڑھا جائے تو وہ شے محفوظ رہے گی اور اس شے کا مالک بھی محفوظ رہے گا۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا نماز فریضہ میں اسکی تلاوت کرنیوالے کو خدا کی قربت حاصل ہوگی اور انبیاء کا ساتھ نصیب ہوگا۔ اور اگر کسی دوا پر پڑھکر وہ مریض کو کھلائی جائے تو شفا ہوگی۔"

نزول: پیغمبر اکرم ایک شب اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اچانک آسمان پر ایک تیز روشن ستارا نمودار ہوا تو جناب ابو طالب ڈرے اور کہا بیٹا یہ کیسا ستارہ ہے۔ تو پیغمبر اکرم نے فرمایا یہ خدائی آیات میں سے ایک آیت و نشانی ہے۔ اسکے بعد حضرت جبرائیل سورہ الطارق کے ساتھ نازل ہوئے۔"

اور خود ساختہ بتوں کی پجاری قوم جسکے اذہان حجر و شجر میں الجھے ہوئے تھے اس کے اذہان سے ان پست تصورات کو نکال کر خالق کائنات کی عظمت و اقتدار سے متعارف کرانے کیلئے کائنات کی وسعتوں کی طرف اذہان کو متوجہ کیا گیا ہے۔ جس قدر آیات الٰہی میں غور و فکر بڑھتا جائے گا توحید پر ایمان و ایقان میں استحکام و اضافہ ہوتا جائے گا۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝

"قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے ستارۂ طارق کی۔ اور تم کیا جانو کہ طارق کیا ہے۔ وہ بلند چمکتا ستارہ ہے۔

قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر مختلف انداز سے مظاہر قدرت یعنی ارضی و سماوی آیات کے تذکرے اور نظام ربوبیت کی فرمانبرداری کی بنا پر انکی قسم کے ذریعے عقل انسانی کو ان آیاتِ تکوینی میں غور و فکر کرنے کیطرف متوجہ کیا گیا ہے تاکہ خالق کائنات کے وجود و عظمت اور قدرت و اقتدار اور علم و حکمت کی معرفت حاصل ہونے کے ساتھ اسکے بیان کردہ حقائق و معارف اور صداقتوں پر ایمان و ایقان حاصل ہو۔ انسان جسقدر آیات تکوینی پر غور و فکر کریگا اور عجائباتِ ارضی و سماوی کے نظم و ضبط کا مشاہدہ کرے گا تو اس پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ یہ جہان عبث پیدا نہیں ہوا اور پھر اسے اپنے وجود کے متعلق احساس و خیال ہوگا کہ اسکا وجود و تخلیق بھی عبث نہیں ہے بلکہ کسی اہم مقصد کیلئے اسے وجود و حیات سے آراستہ کیا گیا ہے۔

سورۂ الطارق کے آغاز میں سیاروں و ستاروں بھرے آسمان اور اس نظام شمسی کے بلند ترین و روشن ترین ستارے

کی قسم کے ذریعے سماوی بلندیوں و وسعتوں کیطرف متوجہ کرتے ہوئے بعد کے بیان کردہ حقائق کی صداقت کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

"الطارق"۔ طرق = کھٹکھٹانا۔ اسی سے "مطرقہ (ہتھوڑا) ہے۔ اور راستے کو بھی "طریق" اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مسلسل اس پر قدم پڑتے ہیں ــــ اور اسی بنا پر "طارق" اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو رات میں آکر دروازہ کھٹکھٹائے جیسا کہ شاعر کا قول ہے کہ "یا راقد اللیل مسروراً باوّلہ ۔ انّ الحوادث قد یطرقن اسحاراً" اے رات کے آغاز میں خوشی خوشی سونے والے یقیناً سحر کے وقت حوادثات بھی دق الباب کرتے ہیں یعنی وارد ہوتے ہیں" اور نہج البلاغہ میں ہے کہ ایک روز جناب عقیل تنگدستی کی بنا پر بیت المال سے اپنے حصے سے کچھ زیادہ مانگنے کے لئے امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس آئے جب ضرورت کا اظہار کیا تو امیرالمومنینؑ نے سلاخ گرم کرکے انکے ہاتھ پر رکھدی وہ تڑپ گئے تو آپ نے ایک خائن افسر اشعث ابن قیس کا ذکر کیا کہ جو ایک شب ایک ظرف میں حلوہ لایا تھا جسے آپ نے لوٹا دیا تھا۔ آپ نے فرمایا واعجبا من ذلک طارق طرقنا بملفوفة فی وعائھا۔ یعنی عقیل کے سوال سے اس خائن کی بات عجیب تر ہے کہ جو ایک شب کو برتن میں حلوہ میرے پاس لایا تھا"

امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں رات میں آنیوالے کیلئے لفظ "طارق" استعمال کیا ہے۔

النجم الثاقب۔ "بلند چمکتا ستارہ"۔ ثقب۔ نفوذ کرنا۔ سوراخ کرنا۔ اور "الثاقب" یعنی رات کی تاریکی میں اپنے نور کی تیز شعاعوں کے تیروں سے سوراخ کرنیوالا۔ اور پرندہ جب پرواز میں بہت بلندی تک پہنچ جاتا ہے تو اسے عرب کہتے ہیں "ثقب الطائر" یعنی پرندہ بلندیوں میں سوراخ کرکے بلند ہوگیا" ــــ

اور "طارق" کی وضاحت "نجم ثاقب" سے کی گئی ہے یعنی بلندترین و روشن ترین ستارہ کہ انتہائی دوری کے باوجود جسکی شعاعوں کے تیر تاریکیوں کے پردوں سے نفوذ کرکے زمین تک پہنچتے ہیں۔ اس فضاء سماوی کی آغوش میں لاکھوں شہاب اپنی شعلہ فشانی کے تیروں سے تاریک شب کو روشن کرتے ہوئے عالم ملکوت کی گفتگو کو سننے کیلئے بڑھنے والے شیاطین کو نشانہ بناتے ہیں۔ یہ شہاب اندھیری رات میں اپنی شعلہ فشانی سے ایک طرف راستوں کو واضح کرتے ہیں اور دوسری طرف شیاطین کیلئے عالم ملکوت کے راستوں کو بند کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیات الٰہی و وحی ربانی کے انوار گمراہی کی تاریکیوں میں شگاف کر دیتے ہیں اور دوسری طرف شیاطین کیلئے گمراہی کی راہوں کو بند کرتے ہیں اور اس کون و مکان کے۔ تمام موجودات کو نور و ہدایت سے فیضیاب و منور کرتے ہیں ان سب سے عالمین کے رسول و حبیب الٰہی کا نور و ہدایت افضل و زیادہ فیض رساں ہے۔

امیرالمومنین علیہ السلام سے جب "طارق" کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "آسمانی ستاروں میں سے یہ بہترین ستارہ ہے

کہ جسے عام لوگ نہیں جانتے اور اس کا نام "طارق" ہے اس لئے کہ اسکا نور ساتویں آسمان کو شگافتہ کرکے زمین تک پہنچتا ہے اور پھر واپس اپنے مقام کیطرف پلٹ جاتا ہے "

ایک یمنی شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا مرحبا اے سعد۔ اس نے عرض کیا میرا یہ نام بہت کم لوگ جانتے ہیں یہ نام میری ماں نے رکھا ہے۔ امام نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو اے سعد المولیٰ۔ اس نے عرض کیا یہی میرا لقب ہے۔ تو امام نے عام القاب رکھنے سے ممانعت کرتے ہوئے فرمایا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے "لا تنابزوا۔ الخ۔

پھر فرمایا اے سعد تیرا شغل کیا ہے۔ اس نے عرض کیا ہمارا گھرانہ نجوم میں غور و فکر کرتا ہے اور یمن میں ہمارے گھرانے سے بڑھ کر کوئی علم نجوم کا ماہر نہیں ہے۔ امام نے فرمایا تمہارے نزدیک زحل کیا ستارہ ہے۔ اس نے عرض کیا نحس ستارہ ہے۔ امام نے فرمایا ایسا مت کہو کیونکہ وہ امیرالمومنین کا ستارہ ہے اور اوصیاء کا ستارہ ہے اور یہی نجم ثاقب ہے کہ جس کا خداوند عالم نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ "ثاقب" کے کیا معنی ہیں امام نے فرمایا اس کا مقام ساتواں آسمان ہے اور وہاں سے وہ اپنی روشنی سے نقب لگاتا ہے یہاں تک کہ ساتویں آسمان سے دنیا کو روشن کرتا ہے اسی بنا پر خدا نے اسے نجم ثاقب سے موسوم کیا ہے " برھان۔ نورالثقلین۔

قرآن حکیم کی یہ شان اعجازی ہے کہ اسکی ہر آیت ظاہری معانی کے ساتھ باطنی معانی وحقائق کو اپنے دامن میں پنہاں رکھتی ہے جس طرح ظاہری معانی و مطالب اور مراد کی وضاحت درسگاہ توحید کے تعلیمیافتہ خاصان خدا سے حاصل کرنا لازمی ہے اسی طرح باطنی حقائق و معارف اور تفسیر و مراد بھی انہی ذوات مقدسہ سے حاصل کرنا ضروری ہے چنانچہ ان آیات کے باطنی معانی کو واضح کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "یہاں" "سماء" سے امیرالمومنین مراد ہیں اور "الطارق" سے مراد اس آسمان فضیلت سے متعلق ائمہ ھدیٰ مراد ہیں کہ ان کے رب کے ہاں شب و روز میں جو حوادثات رونما ہوتے ہیں وہ ان ائمہ پر آشکار ہوتے ہیں اور ایک روح خاص ہر امام کے ساتھ رہتی ہے کہ جو ان کو ہر بات سے مطلع کرتی رہتی ہے۔ عرض کیا گیا "نجم ثاقب" سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے رسولؐ خدا مراد ہیں "یعنی نور رسالت کفر و شرک کی تمام تاریکیوں کو شگافتہ کرتا ہے۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ۝ یقیناً کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس پر نگہبان مقرر نہ ہو "

ہر انسان پر خلاق عالم کیطرف سے دو طرح کے فرشتے محافظ و نگراں ہیں۔ بعض فرشتے آفات و بلیات اور شیطانی حملوں کو رفع کرتے ہیں اور بعض انسانی حرکات و سکنات اور اقوال و افعال کو محفوظ کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "ایک سو ساٹھ فرشتے ہر مومن پر متعین ہیں کہ جو آفات و بلیات اور شیاطین کو اس سے دفع کرتے ہیں جیسے

کہ مکھیاں اپنے چھتے سے دفاع کرتی ہیں اور اگر ایک لحظہ بھر عبد کو تنہا چھوڑ دیا جائے تو شیاطین اسے اچک لیں۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ﴿٧﴾

پس انسان کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ کس جوہر سے پیدا ہوا ہے۔ کہ جو پشت کے مہروں اور سینے کی ھڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔"

ترائب - تریبہ - عورت کے سینے میں ہار کی جگہ یعنی اسکے سینے کی پسلیاں۔

ان آیات میں انسان کو اسکی ابتدائی تخلیق کیطرف متوجہ کرکے اسے اسکی حقیقت و اصلیت سے باخبر کیا گیا ہے کہ اسکی جسمانی تخلیق انتہائی حقیر و نجس اور بے شعور جوہر سے ہوئی ہے کہ جس پر اسے کوئی اختیار نہیں تھا یعنی مرد کی صلب اور عورت کے سینے کی پسلیوں کے درمیان سے خارج ہونے والے [illegible] اسے محفوظ مقام میں ٹھہرا کر بے شعور اور حقیر جوہر سے دیکھنے و سننے والا اور عقل و شعور کا حامل انسان وجود میں آتا ہے۔ یعنی جو خدا اسقدر حقیر اور بے شعور جوہر سے سمیع و لطیف عقل و شعور کا حامل انسان پیدا کر سکتا ہے وہ موت کے بعد بروز حشر انسانی اجزاء کو دوبارہ جمع کرکے اسے اصلی انسانی صورت میں زندہ کھڑا کر سکتا ہے۔

اسکے علاوہ انسانی فکر و ذہنیت کی اصلاح کیلئے اسے اسکی تخلیق کیطرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جو ایسے حقیر و نجس جوہر سے پیدا ہوا ہو اسکے لئے کسی طرح بھی فخر و غرور مناسب نہیں ہے۔ جیسا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "تعجب ہے فخر کرنیوالے انسان پر کہ جسکی ابتدا نجس جوہر سے ہے اور انتہا بھی نجس ہے۔"

ابن صوریا نے پیغمبرؐ اکرم سے سوال کیا کہ بچہ باپ کی طرف سے یا ماں کیطرف سے ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہڈیاں و پٹھے اور رگیں باپ کیطرف سے اور گوشت و خون اور بال ماں کیطرف سے ہوتے ہیں۔ اس نے عرض کیا بتایئے کہ بچہ کبھی چچا کے مشابہ اور کبھی ماموں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا جس کا پانی غالب آئیگا بچہ اسی کے مشابہ ہوگا

ایک یہودی نے پیغمبرؐ اکرم سے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ "مرد کا پانی سفید و گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی پیلا و پتلا ہوتا ہے اگر مرد کا پانی غالب آجائے تو باذن اللہ بچہ باپ کے مشابہ ہوگا اور اگر عورت کا پانی غالب آجائے تو باذن اللہ بچہ ماں کے مشابہ ہوگا۔"

ایک اور موقع پر پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا کہ "اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لیجائے تو بچہ مرد کے مشابہ ہوگا اور اگر عورت کا پانی سبقت لیجائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہوگا"

اسی مفہوم کو ایک موقع پر امیر المومنین علیہ السلام نے اسطرح بیان کیا کہ "دونوں نطفے رحم میں مضطرب ہوتے ہیں جو زیادہ قوی ہوتا ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے اگر عورت کا نطفہ زیادہ قوی ہوا تو بچہ ماموں کے مشابہ

ہوگا اور اگر مرد کا نطفہ قوی و غالب رہا تو بچہ چچاؤں کے مشابہ ہوگا۔ اور نطفہ چالیس روز تک رحم میں مضطرب رہتا ہے جسے جو چاہیے وہ تخلیق سے قبل ان چالیس ایام میں خدا سے دعا کرے کیونکہ پھر خداوند عالم ارحام کے فرشتے کو بھیجتا ہے کہ بچے کو خدا کی بارگاہ میں حاضر کرے تو فرشتہ بچے کو بارگاہ الہٰی میں پیش کر کے عرض کرتا ہے کہ لڑکا یا لڑکی۔ تو خداوند عالم جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے تو ملک وہی لکھدیتا ہے۔" نور الثقلین۔

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾

یقیناً خدا اسے دوبارہ پلٹانے پر بھی قادر ہے کہ جس روز تمام راز آشکار ہو جائیں گے۔ تو اسوقت انسان کیلئے کوئی قوۃ و مددگار نہیں ہوگا۔ تو بارش برسانے والے آسمان کی قسم۔ اور نباتات کے لئے شگافتہ ہونیوالی زمین کی قسم۔"

رجع۔ لوٹنا۔ یعنی جو خلاق عالم کائنات کو عدم سے وجود عطا کر سکتا ہے اور صاحب عقل و شعور انسان کو ایک حقیر بے شعور جوہر سے پیدا کر سکتا ہے وہ موت کے بعد بروز حشر دوبارہ بھی انسان کو وجود و حیات عطا کرنے پر قدرت رکھتا ہے چنانچہ بروز حشر کئی طرح کی رجعت ہوگی۔" تمام انسانی اجسام پھر اپنی اصلی دنیاوی صورت میں لوٹ آئیں گے (۲) اور تمام انسانی ارواح اپنے دنیاوی اجسام کیطرف لوٹ آئیں گی (۳) اور انسان کے تمام اعمال و اقوال یعنی دنیاوی داستانِ حیات انسان کے سامنے آجائے گی جسطرح انسانی بدن کے اجزا محفوظ تھے اسیطرح اسکی داستان حیات بھی محفوظ رہی۔

(۴) اور پوری کائنات بھی اسوقت اپنی ابتدائی صورت کی طرف لوٹ جائے گی۔ سیارے و ستارے اور شمس و قمر اپنی ابتدائی حالت کیطرف پلٹ جائیں گے۔ یہ آسمان بدل جائیگا چنانچہ سورہ دخان میں خداوند عالم کا ارشاد ہے فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین۔ "تو تم اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے ظاہر بظاہر دھواں نکلے گا۔"

یوم تبلی السرائر۔ یہ کہ جس روز تمام راز آشکارا ہو جائیں گے۔"

سر جن کا اظہار اعمال و ابتلاء سے ہوتا ہے اور بروز حشر باطنی کیفیات و نیات کا بھی محاسبہ ہوگا کیونکہ یہی انسان کی باطنی کیفیات و نیات خیر و شر کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں خداوند عالم کا ارشاد ہے "ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به الله" الخ (۲۸۴) "اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے ظاہر کر دیا چھپا ؤ خدا تم سے اسکا حساب لیگا۔" چونکہ اعمال کا اجر باطنی کیفیات اور اعمال کے اثرات کی بنا پر پورا پورا حاصل ہوگا کہ جو دنیا میں نگاہوں سے پوشیدہ ہے لیکن بروز حشر تمام باطنی کیفیات و نیات اور اعمال کے محرکات و اغراض اور اثرات سب ظاہر ہو جائیں گے۔ اور اسوقت دنیاوی مادی قوت و جتھے کہ جن پر فخر کرتا اور سرکشی کرتا تھا کوئی کام نہیں آئیں گے۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "خدا نے اپنی مخلوق سے چار باتوں کی ضمانت لی ہے نماز۔ زکوٰۃ و خیرات۔ رمضان کے روزے اور

جنابت سے غسل کرنا اور یہ وہ اسرار ہیں کہ جن کے لئے خدا کا ارشاد ہے کہ اس روز راز ظاہر ہو جائیں گے "۔

والسماء ذات الرجع " اور بارش برسانے والے آسمان کی قسم"، آسمان بھی اپنی امانات کو واپس کرتا ہے جو پانی بخارات کی صورت میں آسمان کے دامن میں پہونچتا ہے وہ اسے بارش و برف کی صورت میں شفا بخش بنا کر لوٹا دیتا ہے۔ اور پھر یہی آسمان اپنے دامن کے سیاروں و ستاروں کے ساتھ بروز حشر اپنی ابتدائی صورت کیطرف لوٹ جائے گا۔

والارض ذات الصدع "شگافتہ ہونیوالی زمین کی قسم "۔ صدع ۔ شگافتہ ہونا۔ اور زمین بھی اپنی امانات کو لوٹاتی رہتی ہے اس کا نرم و شگافتہ ہونا خدا کی رحمت ہے کہ کسطرح اپنے دامن میں نباتات کے بیج لیکر ان کو نباتات کی صورت میں ظاہر کرکے لوٹا دیتی ہے اور کسطرح معمولی و کمزور گھاس پھوس بھی زمین کو شگافتہ کرکے نمودار ہوتے ہیں۔ اسی طرح جسقدر انسانی اجسام اسکے دامن میں ہیں بروز حشر ان کو انکی اصلی صورت میں واپس لوٹا دیگی۔

یعنی آسمان کا اپنی اصلی حالت کیطرف لوٹ جانا اور زمین کا شگافتہ ہونا اور طارق ستارے کا تاریکی کے نور کو شگافتہ کرنا سب خالق کائنات کی قدرت و اقتدار کی نشانیاں ہیں کہ جو ان تمام اشیاء کا خالق اور ان پر قادر ہے وہ انسانی جسم کو بھی زمین سے دوبارہ ظاہر کرنے اور اسمیں روح حیات داخل کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

"یقیناً یہ قرآن قول فصل ہے۔ اور وہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے۔ یقیناً کفار فریب کاری کرتے ہیں اور میں بھی تدبیر کرتا ہوں۔ تو تم ان (کفار) کو مہلت دو کہ تھوڑی مہلت "۔

فصل ۔ حق کو باطل سے جدا کرنیوالا = هزل ۔ مسخرہ پن ۔ افسانہ ۔ باطل = کید ۔ تدبیر و حیلہ ۔ مکر و دھوکہ بدخواہی ۔ جنگ =

یہ آیات جواب قسم ہیں۔ کہ سابق میں قسم کے ذریعے جن حقائق و صداقتوں کو بیان کیا گیا ہے وہ اٹل ہیں اور بدلنے والی نہیں ہیں اور وہ کوئی مذاق یا افسانہ نہیں ہیں۔ وہ قول فصل ہے کہ جو حق کو باطل سے جدا کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی کفار و مشرکین ان صداقتوں سے انکار کرتے ہیں اور روز حساب کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ کائنات کے مظاہر قدرت اور خود انسانی وجدان حقائق کی صداقت کے گواہ ہیں۔ اور کفار و مشرکین ان آفاقی صداقتوں سے صرف انکار ہی نہیں کرتے بلکہ ان صداقتوں کو پہونچانے و سمجھانے والے الہٰی نمائندے کا مذاق بھی اڑاتے ہیں اور اس کے خلاف مکر و فریب کی تدبیر کرتے ہیں اور اسے ہر طرح سے ان صداقتوں کے پہنچانے سے روکتے ہیں۔ کبھی اسے ساحر و کاھن اور

دیوانہ کہتے ہیں اور کبھی اسکے پیغام کو شعر و کہانت کہتے ہیں۔ اور کبھی اسے زر و زن اور اقتدار کی لالچ دیتے ہیں اور کبھی اسے قتل کی دھمکی دیتے ہیں لیکن وہ عزم استقلال سے پیغام حق پہنچاتا ہے اور خالق رحمان و رحیم انکی ھدایت کیلئے اہتمام و انتظام کرتا رہتا ہے لیکن جب انکی ھدایت کا امکان ختم ہو جاتا ہے تو انکے مکر و فریب اور سرکشی و قساوت کی بنا پر انکے قلوب پر مہر ثبت ہو جاتی ہے یعنی ان کو توفیقات خیر سے محروم کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ خود ہی خیر و شر کے درمیان فاصلے کو مٹا دیتے ہیں اور امر الٰہی کو باطل کرنے اور نور حق کو بجھانے اور مومنین کو ضرر پہنچانے کیلئے تمام مکر و فریب اور ظلم و تشدد کی تدابیر اختیار کرتے ہیں تو خلاق عالم ان کو مہلت دیدیتا ہے تاکہ انکی تمام باطنی خباثتیں ظاہر ہو جائیں اور وہ جی بھر کر کفر و ظلم اور معصیت کا ارتکاب کرلیں۔ اور اپنے رسول سے بھی فرماتا ہے کہ تم بھی ان کو مہلت دیدو۔ چنانچہ سورہ العمران میں خداوند عالم کا ارشاد ہے ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین (۱۷۸) اور جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے وہ ہرگز خیال نہ کریں کہ ہم نے جو انکو مہلت دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے (بلکہ) ہم نے مہلت اس لئے دی ہے تاکہ وہ خوب زیادہ گناہ کرلیں اور پھر ان کے لئے رسوا کرنیوالا عذاب ہے "

پھر جب مہلت کا وقت ختم ہو جائے گا تو پھر کوئی طاقت ان کو ان کے کفر و ظلم اور مکر و فریب کے انجام بد سے نہ بچا سکے گی۔

ان آیات میں خداوند عالم کی طرف سے پیغمبر اکرم کیلئے حمایت و تقویت کا اظہار ہے کہ آپ صبر کریں کیونکہ کفار کو صرف دنیاوی چند روزہ مہلت ہے اور پھر دائمی عذاب ہے۔ اور یہ دنیاوی مہلت بھی قیامت صغریٰ یعنی ظہور قائم آل محمدؐ تک ہے۔

ابو بصیر راوی ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "منافقین و مشرکین نے رسول خدا اور امیر المومنین اور حضرت فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ مکر و فریب کاری کی تو خدا نے اپنے رسول سے کہا کہ اے محمدؐ یہ مکر کرتے ہیں تو میں خود ان کے مکر کو توڑوں گا اور مکر کی سزا دوں گا تم ان کو مہلت دیدو اور میں ان کو قائمؑ کے ظہور تک مہلت دیتا ہوں اور پھر میں قائمؑ کے ذریعے ان بنی امیہ و تیم و عدی اور اہل بیتؑ پر ظلم و ستم کرنے والے تمام باغیوں سے انتقام لوں گا۔" برھان۔ جامع۔

سورہ اعلیٰ (مکیہ)

سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی مَکِّیَّۃٌ ۳ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیاتہا ۱۹ رکوعہا ۱

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣
وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَاۗءً اَحْوٰى ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝٦
اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَــهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝٨ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ
الذِّكْرٰى ۝٩ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝١٠ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝١١ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝١٢
ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝١٣ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝١٤ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝١٥
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝١٦ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝١٧ اِنَّ هٰذَا لَفِي
الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝١٨ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝١٩

ترجمہ:۔ (اے رسول) اپنے انتہائی برتر پروردگار کے نام کی تسبیح کرو۔ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا اور سنوارا اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر (کمال و بقا کیلئے) رہبری کردی۔ اور جس نے گھاس کو (زمین سے) نکالا پھر اسے خشک سیاہی مائل بنا دیا۔ ہم تمہیں (ایسا) پڑھا دیں گے کہ تم کبھی نہیں بھولو گے مگر جو خدا چاہے (منسوخ کردے) یقیناً وہ ظاہر و پوشیدہ کو جانتا ہے ۔ اور ہم تیرے لئے شریعت سہلہ کی آسانی پیدا کردیں گے۔ پس تم نصیحت کرتے رہو جہاں تک کہ نصیحت مفید ہو۔ تو جسے خدا کا خوف ہو گا وہ جلد نصیحت حاصل کرے گا۔ اور بدبخت ترین اس سے گریز کرے گا۔ تو وہ بڑی (تیز) آگ میں جلے گا۔ پھر وہ اسمیں نہ ہی مرے گا اور نہ ہی جئے گا ـــــ یقیناً وہ کامیاب ہوا کہ جس نے (کفر و معصیت سے) پاکیزگی

اختیار کی اور پروردگار کے نام کو یاد کرتا رہا اور درود بھیجتا رہا۔ مگر تم لوگ تو دنیاوی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یقیناً یہی بات پہلے صحائف میں بھی ہے ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔

تلاوت :- ہر عمل و عبادت کا اجر و ثواب ایمان و ایقان اور اخلاص کے درجات کے لحاظ سے حاصل ہوتا ہے۔ ایمان و ایقان اور اخلاص میں جسقدر کمال ہوگا اسی قدر یقیناً عمل و عبادات سے وہ اثرات و نتائج حاصل ہوں گے کہ جنکی خدا و رسول اور ائمۂ طاہرین نے وضاحت کی ہے۔ لہذا سورتوں و آیات کی تلاوت کے اثرات و افادیت کے متعلق احادیث میں جو نشاندہی کی گئی ہے ان کے حصول کیلئے پڑھنے والے کی اپنی باطنی کیفیات کو بھی اہم دخل ہے ــــ سورہ اعلیٰ کے لئے پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ جس نے سورۂ اعلیٰ کی تلاوت کی تو حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور محمدؐ پر خدا کیطرف سے نازل ہونیوالی کتب کے تمام حروف کے دس گنا نیکیاں اسکے نامہ اعمال میں درج ہوں گی۔“

ابو حمیصہ کہتے ہیں کہ بیس شب و روز میں نے تمام نمازیں حضرت علیؑ کی اقتداء میں پڑھیں تو ہر نماز میں آپؑ نے سورۂ اعلیٰ کی تلاوت کی اور پھر فرمایا ”کہ اگر لوگوں کو اسکی تلاوت کے ثواب کی معرفت و علم ہو حاصل ہو جائے تو اسے کبھی ترک نہ کریں اور جس نے روزانہ بیس مرتبہ اسکی تلاوت کی تو وہ اس شخص کے مانند ہے کہ جس نے صحف ابراہیم و تورات موسیٰ کی تلاوت کی۔“ (تفسیر جامع)۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ”جس نے سورہ اعلیٰ کی نماز فریضہ یا نافلہ میں تلاوت کی تو بروز قیامت اسے کہا جائیگا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔“ منہج۔

خواص القرآن میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ”درد کرنیوالے کان پر اس سورہ کے پڑھنے سے درد رفع ہو جائیگا اور بواسیر پر پڑھنے سے بواسیر سے آرام ہوگا۔ اور بواسیر کیلئے لکھکر پاس رکھنا بھی مفید ہے۔ اور گردن کے درد کیلئے گردن پر پڑھکر دم کرنے سے آرام ہوگا۔ اور اسی طرح متورم حصہ پر اسکا پڑھنا مفید ہے۔ البرہان

نزول :- سورہ اعلیٰ کا مکی دور کے ابتدائی زمانہ میں نزول ہوا جبکہ یہود و نصاریٰ اور کفار مکہ کو مختلف دلائل و براہین سے توحید کیطرف دعوت دی جا رہی تھی۔ تو جسقدر پیغام توحید پھیل رہا تھا اسی قدر کفار کی عداوت اور سرکشی میں اضافہ ہو رہا تھا تو ایسے موقع پر سورۂ اعلیٰ کو نازل کر کے بتایا گیا کہ جس خدا سے تم سرکشی کر رہے ہو اسی نے تو تم کو پیدا کیا اور بہترین مخلوق یعنی انسان بنایا اور اسی نے تمہاری خوراک کیلئے نباتات اگائے اور اسی نے اپنے فضل و کرم سے تم کو زندگی کا مقصد بتانے اور آغاز و انجام سے باخبر کرنے کیلئے تمہاری طرف اپنے انبیاء کو ہدایت و تعلیمات کے ساتھ بھیجا۔ اور اسی نے پیغمبر اسلام کو گزشتہ انبیاء کیطرح اپنی تعلیمات کے ساتھ تمہارے

درمیان سے ظاہر کیا۔ اب اسقدر احسانات کے باوجود جو اپنے خالق کریم سے بغاوت کرتا ہے تو اس سے بڑھکر بدبخت کون ہو سکتا ہے؟"

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ "(اے رسول) اپنے انتہائی برتر پروردگار کے نام کی تسبیح کرو کہ جس نے (ہر شے کو) پیدا کیا اور سنوارا"

سباحة: کے معنی دوری اور دور ہونے کے ہیں اسی بنا پر تیرنے اور گھوڑے کی تیز رفتاری۔ اور ستاروں کی تیز حرکت کے معانی بھی سباحة کے ذیل میں آتے ہیں۔ کیونکہ تیراک تیرنے سے ساحل سے اور گھوڑا دوڑنے سے اپنے مقام سے اور ستارے حرکت کرنے سے نگاہوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے سباحة کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں اور اسی معنی و مفہوم کی بنا پر خدا کی تعریف و توصیف کیلئے لفظ تسبیح استعمال کیا گیا ہے یعنی خدا کی ذات کو اسکی عظمت کے منافی ہر فعل و صفت سے اسے پاک اور دور سمجھنا۔ یعنی وہ پرواز تخیل اور عقل و فہم کی رسائی سے بہت دور و بلند تر ہے اس لئے کہ وہ ہر لحاظ سے بلند و برتر اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

تسبیح۔ میں تنزیہ یعنی ہر نقص سے مبّرا ہونے کا پہلو غالب ہے۔ یعنی خدا کی ذات کو ذات و صفات اور افعال واحکام ہیں یعنی ہر حیثیت سے ہر نقص سے پاک اور ہر کمال سے آراستہ مانتے ہوئے اس کے اقتدار و عظمت کا اسکی طاعت و بندگی میں شوق و انہماک سے اظہار کرنا ـــــ کیونکہ تمام کائنات کا خالق و مالک اور مقتدر اعلیٰ اور تمام فیوضات کا مرکز اسی کی ذات ہے لہذا حقیقتاً و اصلاً طاعت و بندگی اور تعریف و توصیف اور شکر اسی کے لائق ہے اسی بنا پر کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے بنائے ہوئے قوانین فطرت کی پابندی کر رہا ہے۔ چونکہ تمام کائنات کو اسی نے عدم سے وجود عطا کیا اور وجود عطا کرنے کے ساتھ وجود و حیات کی بقا کے اسباب کا بھی اسی نے اہتمام کیا لہذا اس آیہ کریمہ میں انسان کو مخاطب کر کے متوجہ کیا گیا ہے کہ اسی ذات کو یاد کرو اسی کی بندگی کرو کہ جس نے تمہیں نعمتِ حیات عطا کی اور بقاءِ حیات کے تمام اسباب فراہم کئے وہ وہی ذات ہے جو انتہائی ارفع و اعلیٰ ہے وہ عقول بشری کی رسائی و ادراک سے انتہائی بلند ہے۔

حضرت علی نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام سورہ اعلیٰ کو بہت پسند کرتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ اولاً (فرشتوں میں) جس نے "سبحان ربی الاعلی" کہا وہ میکائیل تھے کہ جب اس نے خدا کے عرش کے طول و عرض اور عظمت کا مشاہدہ کیا تو سجدے میں چلے گئے اور یہ تسبیح پڑھی۔

پیغمبر اکرم نے جبرائیل سے کہا اس تسبیح کے نماز میں اور نماز کے علاوہ پڑھنے کا ثواب بیان کرو۔

تو جبرائیل نے کہا کہ اس کا ثواب وزن میں عرش و کرسی اور دنیا کے پہاڑوں سے بھی بھاری ہے اور جب بندہ کہتا ہے کہ سبحان ربی الاعلیٰ۔ تو خدا فرماتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا میں ہر شے سے اعلیٰ ہوں اور اے فرشتو گواہ رہو کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔ تو جب وہ شخص مرتا ہے تو میکائیل اسکے پاس ہوتے ہیں

اور پھر روز قیامت اسے اپنے ساتھ بارگاہ الٰہی میں لیجائیں گے اور سفارش کریں گے۔" منہج ۔

عقبہ ابن عامر جہنی راوی ہے کہ جب یہ آیت "فسبح باسم ربک العظیم" نازل ہوئی تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اسے رکوع میں قرار دو اور جب یہ آیت "سبح اسم ربک الاعلیٰ" نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا اسے اپنے سجدوں میں قرار دو" منہج ۔ نور الثقلین —— ان آیات کے نزول سے قبل رکوع میں "اللھم لک رکعت" —— اور سجدے میں "اللھم لک سجدت" کہا جاتا تھا —— منہج ——

اصبغ نے حضرت علیؑ سے "سبح اسم ربک الاعلیٰ" کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تمام آسمانوں و زمینوں کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل عرش کے قائمہ پر لکھا تھا "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمد عبدہ و رسولہ فاشھدوا بھما وانّ علیاً وصی محمدؐ۔
البرھان ——

الّذی خلق فسوّیٰ —— اور جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا اور سنوارا"،
لتسویہ کے معنی ہر طرح سے سنوارنا اور آراستہ کرنا۔ یعنی خلاق عالم نے انسان کو ظاہراً و باطناً ہر طرح سے آراستہ کیا و سنوارا —— کس طرح اس بشری وجود کو ایک خوردبینی جرثومے سے تدریجاً انسانی شکل و صورت میں منتقل کیا اور کیسی لاجواب تصویر بنائی —— اسے مناسب جسم اور موزوں اعضاء و حواس سے آراستہ کیا اور اس کے باطن کو مختلف احساسات و جذبات سے آراستہ کرنے کے ساتھ اس کے وجود خاکی میں عقل و روح کا چراغ روشن کر دیا۔ اسی طرح اسی خالق اور علیم و حکیم نے کائنات کی تمام اشیاء کو انتہائی موزوں انداز سے خلق کر کے ہر شے کو اس کے مناسب حال صورت و سیرت سے آراستہ کیا۔ جس کی بنا پر ہر ذرہ و ہر شے اپنے پُر حکمت وجود و موزونیت سے اپنے خالق کے علیم و حکیم اور قدیر ہونے کی گواہی دے رہی ہے
امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ "اگر اپنی فکر کی راہوں پر چلو تو اس حقیقت کی طرف تمہاری رہبری ہوگی اور اسی حقیقت تک پہونچو گے کہ جو چیونٹی کا خالق ہے وہی درخت خرما کا بھی خالق ہے اور موجودات کے درمیان اختلاف کے باوجود نبات و حیوان اور صغیر و کبیر اور ثقیل و خفیف اور قوی و ضعیف تمام مخلوق کا وہی اکیلا خالق ہے" ——

یعنی اسی قدیم و قادر ذات نے مچھر کے وجود میں ہاتھی کے اعضاء کے برابر اعضا خلق کر دیئے بلکہ دو پروں کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور ایک ایٹم میں نظام شمسی کے مساوی نظام پیدا کر دیا ہے ——

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ○ اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر (کمال و بقاء کیلئے) رہبری کردی"۔۔۔۔۔

ہر موجود و مخلوق کی شکل و صورت اور جسم و ساخت اور بقاء و فنا اور ارزاق سب باتوں کیلئے ایک اندازہ و تقدیر وجود میں آنے سے پہلے ہی مقرر و مقدر کردی گئی ہے۔ انفرادی و اجتماعی اور انسانی و کائناتی تقدیر کا اسی خالق نے تعین کیا ہے اور اسی نے تمام اشیاء کو ایک اندازے سے خلق کیا اور ان کے مناسب حال ان کے امور کا تقرر و تعین کردیا۔
اسی خالق حکیم نے ہر شئے کی فطرت میں اسکی بقاء کے اصول و دلیعت کردیئے ہیں یعنی ہر ذی حیات کو خوراک و افزائش نسل اور دفع ضرر و طلب منفعۃ اور اپنے مناسب حال اشیاء سے نفع حاصل کرنے کی فطری ہدایت کردی ہے۔۔۔۔
جسطرح تکوینی ہدایت کا اہتمام اسی نے کیا ہے اسی طرح انسان کیلئے تشریعی ھدایت کا انتظام بھی اسی نے کیا ہے۔ یہاں ہدایت تکوینی و فطری کی طرف بھی اشارہ ہے یعنی اس کارخانہ کائنات میں ہر شئے اپنی فطری ذمہ داریوں کو اسی فطری ہدایت کے تحت پوری کررہی ہے کہ جو علیم و حکیم نے اسکی فطرت کو تعلیم کردی ہے۔۔۔۔ ہر ذی حیات وجود کے میدان میں قدم رکھتے ہی اپنی خوراک و ذریعہ خوراک سے فطری ہدایت کی بنا پر مانوس ہوتا ہے اور موافق و مخالف کو پہچانتا ہے۔ اسیطرح خیر و شر اور بھلائی و برائی کی تمیز اور اچھائی سے محبت اور ظلم و برائی سے نفرت فطری ہدایت ہی کی بنا پر کی جاتی ہے۔۔۔۔ اور اسی طرح نبات فطری ہدایت ہی کی بنا پر خاک میں چلنے کے بعد اپنی تمام صفات و خصوصیات کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔
خلاق عالم اس آیت میں عقل انسانی کو متوجہ کررہا ہے کہ جسطرح اس مادی و فانی حیات کیلئے ہم نے تیرے لئے ہدایت کا اہتمام کیا ہے اسی طرح حیات اخروی کی کامیابی کیلئے ہدایت کا اہتمام ہم ہی نے کیا ہے مادی ہدایت سے تو فیضیاب ہوتے ہو اور اخروی ھدایت یعنی وحی و شریعت کی ھدایت سے رخ موڑتے ہو۔

وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ○ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ○ "اور جس نے گھاس کو زمین سے نکالا۔ اور پھر اسے خشک سیاہی مائل بنادیا"

مرعٰی ۔ ہر نبات ۔ اور حیوان کا چارہ ۔ یہاں ہر نبات مراد ہے جو انسان و حیوان کی خوراک ہے۔
غثاءً ۔ خشک نبات خس و خاشاک ۔
احوی ۔ وہ زرخیزی و تازگی جو نبات میں عمل نمو کیوجہ سے نمایاں و سیاہی مائل ہو۔
یعنی وہی خالق و مالک تسبیح و تحمید کے لائق ہے کہ جو نباتات کو نازک سوئیوں کی صورت میں زمین سے نکالتا ہے اور ان کو گھنا اور سیاہی مائل سرسبز و شاداب بناتا ہے اور انکو انسان و حیوان کی خوراک کیلئے تیار کرتا ہے وہ نبات تازہ و خشک دونوں صورت میں ذیحیات کی خوراک بنتے ہیں۔ ان نبات میں رنگ برنگے بعض خشک ہیں اور بعض تر و تازہ ۔ یعنی اے انسان تجھے پیدا کرنے کے بعد جہاں نبات کے ذریعے تیرے لئے اور تیرے جانوروں کیلئے خوراک کا انتظام کیا ہے وہاں اس فرش خاکی کو نباتات کے ذریعے تیرے لئے حسین مناظر کی صورت میں سبزہ زار بنادیا ہے ۔ اسی خالق کائنات کی حسن تدبیر سے کھیت لہلہاتے ہیں ۔ اور پھر اسی کے نظام تدبیر سے نبات کمال کے بعد فناء سے بھی ہمکنار ہوتے ہیں ۔ یعنی بہار کے ساتھ خزاں بھی ساتھ ساتھ ہے ۔ خوشی کے ساتھ غمی اور ہر راحت کے ساتھ پریشانی اور حیات کے ساتھ موت بھی اس حیات مادی کا لازمہ ہے ۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ ۝ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ۝

ہم تمہیں (ایسا) پڑھا دیں گے کہ تم کبھی نہیں بھولو گے ۔ مگر جو خدا چاہے منسوخ کر دے یقیناً وہ ظاہر و پوشیدہ کو جانتا ہے۔

انبیاء کرام الٰہی شریعتوں اور کتب و صحائف سماوی کے امانتدار ہوتے ہیں ۔ لہذا عقلاً و نقلاً لازم ہے کہ وہ تمام نقائص بشری سے پاک ہوں ۔ سہو و نسیان اور خواہشات مادی کے غلبے سے مبرا ہوں تاکہ ان پر مکمل اعتماد ہونے کی بناء پر انکی پہونچائی ہوئی شریعت پر مکمل یقین ہو اسی لئے نبوۃ و ہدایت کے ساتھ عصمت کو لازم قرار دیا گیا ہے ۔ اسی بناء پر نبی و رسول یعنی حجۃ خدا سے نہ ہی کسی لغزش و خطا کا امکان ہو سکتا ہے اور نہ ہی سہو و نسیان کا تصور ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ منصب نبوۃ و رسالت کمال ہی کمال کا نام ہے اسمیں خطا و نسیان کی ملاوٹ نہیں ہے ۔ اور پھر جبکہ خلاق عالم نے اپنے حبیب پیغمبر خاتم کے قول و عمل اور ارادے کو اپنی طرف منسوب کر کے عصمت پر مہر ثبت کر دی ہے ۔ سہو و نسیان چونکہ عام بشری صفات میں سے ہے اور انبیاء و مرسلین کو کفار و مشرکین اپنی طرح بشری نقائص سے متصف سمجھ کر نبوۃ کی صفات و خصائل سے انکار کرتے تھے لہذا خلاق عالم نے عقول بشری کے ایمان و ایقان اور نبوۃ کی عظمت کے اظہار کیلئے اس آیہ کریمہ میں

واضح اعلان کیا ہے کہ جس طرح رسول کا ہر قول و فعل اور ارادہ ہمارا ہے اسی طرح رسول کیلئے کتاب و حکمت اور کائنات کے علوم و معارف کی تعلیم بھی ہماری طرف سے ہے ہم بلا فصل اپنے رسول کے معلم ہیں کسی فرشتے کا واسطہ نہیں ہے اور فرشتے کی کیا حیثیت کہ وہ میرے کسی نبی و رسول کو تعلیم دے۔ فرشتے تو آدم سے تعلیم اسماء سیکھ رہے تھے اور میرا حبیب سردار الانبیاء ہے۔ جب یہ بات واضح ہے کہ نبی و رسول کی تعلیم خدا کیطرف سے ہے لہٰذا خدا کا رسول نقائص و کمزوریوں سے منزہ و مبرا ہوتا ہے تو اس سے سہو و نسیان کا بھی تعلق نہیں ہو سکتا۔

اس آیہ کریمہ میں خلاق عالم کا اپنے حبیبؐ کے لئے واضح اعلان ہے کہ جسطرح دیگر تمام نقائص بشری سے ہم نے تجھے منزہ کیا ہے اسی طرح سہو و نسیان سے بھی ہم نے تجھے مبرا کیا ہے۔ لہٰذا جب ہم تجھے پڑھانے والے ہیں تو تمہیں کبھی سہو و نسیان لاحق نہیں ہوگا۔

ہاں اگر کسی وقت کسی وقتی حکم کو ختم کر دیا گیا تو وہ بھی ہماری طرف سے ہوگا۔ ہم جسے چاہتے ہیں ثابت رکھتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں مٹاتے ہیں اور ہم سے کوئی ظاہر و پوشیدہ امر و حقیقت مخفی نہیں ہے۔

لیکن حیرت کا مقام ہے کہ امت مسلمہ نے پیغمبر اکرمؐ کی طرف منسوب سہو و نسیان کی روایات کو کتب کی زینت قرار دیا ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم جلد (۱) میں عبداللہ ابن مسعود راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے (ایک روز) ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھیں۔ سلام پھیرنے کے بعد صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کیسے۔ عرض کیا گیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ تو پیغمبر اکرمؐ نے بھولنے کے دو سجدے ادا کئے۔

صحیح مسلم جلد (۱) میں ابوہریرہ راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا تو ذوالیدین نے عرض کیا۔ کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے سن کر دائیں بائیں دیکھکر فرمایا ذوالیدین کیا کہتا ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ سچ کہتا ہے۔ تو پیغمبرؐ نے تکبیر کہی اور سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور سر اٹھایا پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا پھر تکبیر کہی اور سر اٹھایا۔ ـــ

صحیح مسلم جلد (۱) میں ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ نماز کیلئے تکبیر کہی گئی ہم کھڑے ہو گئے اور رسول خداؐ آئے یہاں تک کہ آپ اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ تو تکبیر تحریمہ سے پہلے آپ کو (غسل کرنا) یاد آگیا تو آپ گھر گئے اور ہم سے کہا کہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہیں۔ ہم سب آپ کے انتظار میں کھڑے رہے یہاں تک کہ آپؐ تشریف لائے اور آپ غسل کئے ہوئے تھے اور سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور تکبیر کہکر نماز پڑھائی۔

وَنُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی ۝ اور ہم تیرے لئے شریعت سہلہ کی آسانی پیدا کردیں گے۔"

یُسر۔ معنی خیر اور آسانی اور عُسر کے معنی تنگی اور شر کے ہیں۔

یعنی مشکلات و زحمات ہمیشہ نہیں رہتیں۔ اے رسول خدا کے دین کے پہونچانے میں جو زحمات و مشقات برداشت کررہے ہو وہ خدا سے پوشیدہ نہیں ہیں اور یہ تمام زحمات جلد ختم ہوجائینگی اور تم کامیابی سے ان کو عبور کرجاؤ گے اور یہی شہر مکہ کہ جہاں سے ظلم و ستم سہتے سہتے رات کی تاریکی میں ہجرت کردگے تو پھر اسی شہر میں اسی قوم کے پاس فاتح بنکر بھی واپس لوٹو گے اور یہی دشمن تمہارے سامنے عاجز اور غلام کی صورت کھڑے ہوں گے۔ لہذا تم اپنے رب کا پیغام پہونچاتے رہو اس میں انھیں کا فائدہ ہے ـــ اس آیہ کریمہ میں حضور اکرم کی کامیابی اور اسلام کی فتح کی پیشگی خبر غیب دیگئی ہے۔

فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرٰی ۝ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشٰی ۝ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰی ۝ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰی ۝

پس تم نصیحت کرتے رہو جہاں تک کہ نصیحت مفید ہو۔ تو جسے خدا کا خوف ہوگا وہ جلد نصیحت حاصل کرلیگا۔
اور بدبخت ترین اس سے گریز کرے گا۔ تو وہ بڑی (تیز) آگ میں جلے گا۔
پھر وہ اسمیں نہ ہی مرے گا اور نہ ہی جیے گا ـــ

یعنی اے رسول تم ان کفار و مشرکین کی سرکشی اور ظلم و ستم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تمام انسانوں کی بھلائی و نجات کیلئے انکی ھدایت و رہنمائی کرتے رہو اور انکو توحید و آخرت اور مکارم اخلاق کا سبق یاد دلاتے رہو وہ قبول کریں یا نہ کریں تم اپنا کام انجام دیتے رہو اس تعلیم و تذکیر سے ناقصین کی تکمیل ہوگی اور جہلاء کی ھدایت ہوگی ـــ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں خدا اور روز جزا کا کچھ بھی خوف و احساس ہوگا وہ خدا کے رسول کی باتیں غور سے سنیں گے اور ان پر غور و فکر کرکے عمل بھی کریں گے ـــ اور جن کے قلوب خوف خدا سے خالی اور روز حساب سے غافل ہوں گے تو وہ رسول کی باتوں پر کان نہیں دھریں گے۔ کیونکہ انھوں نے مادی و فانی لذاتِ دنیا ہی کو مقصد حیات قرار دے رکھا ہے۔ اور اپنی اسی سرکشی و غفلت کی بنا پر وہ دوزخ کی آگ کا ایندھن بنیں گے جو انہی جیسے سرکشوں اور بدبختوں کیلئے تیار کی گئی ہے کہ جہاں وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ـــ وہاں وہ موت کی تمنا کریں گے لیکن موت نہیں آئے گی۔ اور عذاب کی شدت کی بنا پر نہ ہی زندوں میں شمار ہونگے اور نہ ہی مردہ و بے جان ہوں گے۔

یہاں "اشقیٰ"، (بدبخت) سے مراد نزول کے لحاظ سے ولید ابن عتبہ و ابی ہے اور مفہوم کے لحاظ سے ہر

صفات رکھنے والا ہر بدبخت مراد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝

یقیناً وہ کامیاب ہوا کہ جس نے (کفر و معصیت سے) پاکیزگی اختیار کی۔
اور اپنے پروردگار کے نام کو یاد کرتا رہا اور درود بھیجتا رہا۔"
یعنی وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے وہ خدا کے رسول کے پیغام حق کو غور سے سن کر قبول کرتے ہوئے توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور خدا ورسول کی تعلیمات و احکام پر عمل کر کے ایمان و عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں انہی کیلئے اخروی نجات و ابدی جنت ہے کیونکہ انھوں نے ہی اپنے نفس کا تزکیہ کیا یعنی عقائد صحیحہ و صفات حمیدہ سے اپنے باطن کو آراستہ کیا اور خدا کا ذکر اور بندگی کرنے کے ساتھ پیغام حق پہنچانے اور خدا کا تعارف کرانے والے اور آخرت کے عذاب سے نجات دلانے والے رسول برحق پر درود بھیجکر محسن شناسی کا ثبوت بھی فراہم کیا یعنی کفر و شرک و صفات ذمیمہ و اخلاق سیئہ سے اپنے باطن کا تزکیہ کیا اور صدقات و خیرات وغیرہ کے ذریعے اعضاء و جوارح کو معاصی سے پاک رکھا۔ اور فطرت میں جو نور ہدایت کا چراغ روشن کیا گیا تھا اس سے روشنی حاصل کرتے ہوئے نبوۃ و ہدایت سے فیضیاب ہو کر اپنے باطن کا تزکیہ حاصل کیا۔ اور پھر اپنے مالک و رب کو باطن کی گہرائی سے دل و زبان سے یاد کرتے ہوئے نماز و بندگی کے ذریعے اسکی نعمات و وجود و حیات کا شکریہ ادا کیا۔
قد افلح ۔ سے دل و دماغ سے عقائد باطلہ و صفات فاسدہ کا ازالہ مراد ہے اور
" ذکر اسم ربہ" سے خدا کی ذات و صفات اور اسماء کی معرفت کے حصول کیطرف اشارہ ہے۔
اور "فصلّیٰ" سے نماز و بندگی یعنی تواضع اور خشوع کیساتھ محبوب الٰہی کے لئے درود پڑھنے کیطرف اشارہ ہے، اصول کافی میں ہے کہ امام علی رضاؑ نے ایک شخص سے کہا کہ اس آیت (وذکر اسم ربہ فصلّیٰ) کے کیا معنی ہیں ۔ اس نے عرض کیا کہ جب بھی اللہ کے نام کا ذکر کرے تو نماز پڑھے" امام نے فرمایا تو کیا خدا نے بار بار یہ زحمت و تکلیف دی ہے ۔ عرض کیا پھر کیسے ۔ امام نے فرمایا جب بھی رب کے نام کا ذکر کرے تو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجے" تفسیر صافی ۔ اور عبداللہ دہقان نے امام جعفر صادقؑ سے اسی آیت کے معنی دریافت کئے تو آپ نے فرمایا ۔ جس وقت بھی خدا کے نام کا ذکر کرے تو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجا کر کافی ۔ اور تہذیب میں ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا " نماز کی تکمیل زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے جیسا کہ پیغمبر اکرم پر درود بھیجنے سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے اور جس نے روزہ رکھا اور زکوٰۃ فطرہ ادا نہیں کیا تو اسکا روزہ نہیں

اور اگر اسی طرح جان کر ورد کو ترک کر دیا تو نماز نہیں ہے اور خدا نے نماز کے ذکر سے قبل زکوٰۃ کے ذکر سے ابتدا کی ہے فرمایا ہے " قد افلح من تزکیٰ " (برھان)

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

"مگر تم لوگ تو دنیاوی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔"

پیغام توحید و رسالت کو وہی لوگ جھٹلاتے ہیں کہ جو دنیاوی فانی حیات کیلئے اخروی حیات کی ابدی نعمات کو قربان کر دیتے ہیں۔ وہ دنیاوی نعمات کو نقد سمجھ کر حاصل کرنے کو مقصد حیات قرار دیدیتے ہیں اور اخروی ابدی نعمات کو ادھار جان کر ترک کر دیتے ہیں۔ جبکہ حقیر و ذلیل نقد کیلئے کثیر و خالص اور ابدی نعمات کا ترک کرنا کسی طرح عقلمندی نہیں ہے۔ جبکہ ابدی خالص نعمات کے عطا کرنے کا وعدہ خالق کائنات و رب کریم نے کیا ہے ——
دنیاوی حقیر و وقتی لذات و نعمات کو اخروی ابدی نعمات پر ترجیح دینے کی بنا پر الٰہی تعلیمات و پیغامات سے بغاوت کی گئی —— کفار قریش اور ان جیسے افراد کو ان آیات میں مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ آفاقی تعلیمات سے سرکشی تمہاری دنیا پرستی ہے جبکہ دنیاوی حیات و نعمات میں تفکرات و پریشانیوں کی ملاوٹ ہے اور اخروی نعمات ہر قسم کے فکر و پریشانی سے پاک و خالص ہوں گی۔ حیات دنیا کی نعمات مادی ہیں جبکہ حیات اخروی کی نعمات مادی و روحانی دونوں طرح کی ہوں گی یعنی اخروی حیات و نعمات نیر ہی خیر ہیں۔ (۱-۲-۳-۴)

مفضل نے جب امام جعفر صادقؑ سے ان آیات کی تاویل دریافت کی تو آپ نے آخرت پر تین طرح کی ترجیح دی جانے والی حکومت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اور کہا کہ "آخرت سے مراد علیؑ کی ولایت ہے کہ جو تمام صحائف انبیاء میں درج ہے کہ خدا نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا مگر اس سے محمدؐ کی نبوۃ اور علی اور انکی اولاد سے پیغمبرؐ کے اوصیاء کی ولایت کا عہد لیا ہے۔" اصول کافی ۔ البرھان۔

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝

یقیناً یہی بات پہلے صحائف میں بھی ہے —— ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں میں۔

یعنی پیغمبر اسلام جن عقائد و حقائق اور احکام کی تبلیغ و تعلیم دے رہے ہیں یہ کوئی نئی باتیں نہیں ہیں۔ گذشتہ انبیاء و رسل نے بھی انہی عقائد و حقائق کی تعلیم دی ہے۔ انھوں نے بھی اس حقیقت کی تعلیم دی کہ دنیاوی

مادی زندگی فانی و بے ثبات ہے کہ جس کیلئے آخرت یوم الحساب ہے ۔۔ ان آیات میں مشرکین مکہ اور یہودان عرب سے خطاب ہے کیونکہ مشرکین عرب جناب ابراہیم کو اپنا دینی رہبر مانتے تھے اور یہودی حضرت موسیٰ کی پیروی کا دم بھرتے تھے لہٰذا ان کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ جن عقائد و حقائق اور مکارم اخلاق کی ان گزشتہ انبیاء نے تعلیم دی تھی۔ پیغمبر اسلام کا پیغام بھی وہی عقائد و تعلیمات ہیں۔

ہاں سردار الانبیاء نے انہی حقائق و عقائد کی تکمیل بھی کی اور قیامت تک ان تعلیمات کو فطرت انسانی کے مطابق بھی کردیا ۔۔ یعنی زمانہ اور افراد و اقوام کے اختلاف سے حقائق و معارف اور اصول نہیں بدلا کرتے۔ توحید و آخرت کی تعلیمات گزشتہ انبیاء کی کتب و صحائف میں بھی درج ہیں اور پیغمبر اسلام بھی انہی حقائق کی تعلیم دے رہے ہیں۔

ابوذر غفاری نے پیغمبر اکرم سے سوال کیا کہ انبیاء کی تعداد کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ عرض کیا انمیں پیغمبر مرسل کتنے ہیں ۔۔۔ فرمایا تین سو ساٹھ اور باقی غیر مرسل تھے ۔۔۔ عرض کیا جناب آدم پیغمبر تھے فرمایا ہاں خدا نے ان کو خلق کرکے ان سے کلام کیا اور اے ابوذر چار پیغمبر عرب ہیں۔ ھودؑ۔ صالحؑ۔ شعیبؑ اور میں کہ جو تمہارا رسول ہوں ۔۔ عرض کیا خدا نے کتنی کتب بھیجی ہیں ۔۔۔ فرمایا ایک سو چار کتب ۔۔ دس آدم کے ساتھ اور پچاس شیث کے ساتھ اور تیس اخنوخ یعنی ادریس کے ساتھ بھیجی گئیں ادریس وہ پہلے پیغمبر ہیں کہ جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا۔ اور دس کتب ابراہیم کو عطا کی گئیں اور تورات موسیٰ کو اور انجیل عیسیٰ کو اور زبور داؤد کو اور فرقان مجھے عطا کیا گیا۔ اور تمام کتب رمضان میں نازل ہوئیں ۔۔۔ ابوذر نے عرض کیا صحف ابراہیم میں کیا تھا ۔۔ فرمایا اسمیں تمام امثال تھیں جیسے کہ " اے مبتلا و مغرور بادشاہ میں نے تجھے دنیا جمع کرنیکے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ مجھ تک پہونچنے سے پہلے مظلوم کی فریاد رسی کرو کیونکہ میں کسی مظلوم کی فریاد یہاں تک کہ کافر کی فریاد کو بھی رد نہیں کرتا اور عاقل مغلوب نہیں ہوتا جبکہ اس کے اوقات تین حصوں میں تقسیم ہوں ایک میں اپنے رب سے مناجات کرے اور ایک میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور ایک میں اس بات میں غور و فکر کرے کہ جو خدا نے اس پر احسان کیا اور اچھا سلوک کیا ہے اور اس کے علاوہ ایک حصے کو اپنے لئے رزق حلال کے حصول کیلئے مخصوص کرے کیونکہ یہ حصہ باقی اوقات کیلئے معاون و مددگار ہے ۔ الخ ۔۔ اور صحف موسیٰ میں عبرتیں ہیں جیسے :

(تعجب ہے اس شخص پر کہ جو موت کے یقین کے باوجود خوش ہوتا ہے اور تعجب ہے اس پر کہ جو حساب اور نار پر یقین کے باوجود ہنستا ہے۔ اور تعجب ہے اس پر کہ جو دنیا کے انقلاب و بے وفائی کو دیکھنے کے باوجود دنیا پر بھروسہ و اطمینان کرتا ہے ۔۔۔ ابوذر نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے ۔۔۔ تو آپ نے فرمایا (تقویٰ اختیار کرو کہ یہ سب سے بہتر و افضل صفت ہے۔ عرض کیا کچھ مزید نصیحت کیجئے ۔۔۔ فرمایا

خاموشی کو لازم قرار دو کیونکہ خاموشی شیطان کو بھگانے کیلئے کافی ہے اور دین میں بہترین معاون ہے۔ عرض کیا مزید نصیحت فرمائیے ۔۔۔ فرمایا مساکین سے محبت کرو اور ان کے پاس بیٹھا کرو ۔۔۔ عرض کیا مزید نصیحت کیجئے ۔۔۔ فرمایا حق بات کہو اور اللہ کے معاملے میں کسی بات کی پرواہ نہ کرو ۔۔۔ پھر ابوذر نے متعدد سوالات کئے اور آپؐ نے جوابات دیئے ۔۔۔

سوالات	جوابات
مسجد کا تحیہ و آداب کیا ہے	دو رکعت نماز پڑھنا
نماز کیا ہے	نماز بہترین موضوع ہے کم ہو یا زیادہ
کونسا عمل افضل ہے	اللہ پر ایمان رکھنا اور جہاد کرنا
رات کا کونسا حصہ افضل ہے	رات کا آخری حصہ
کونسا صدقہ افضل ہے	جسقدر دیا جائے اسکے مستحق کو دیا جائے اور چھپا کر دیا جائے
روزہ کیا	ایسا فرض کہ جس کا اجر اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہے
کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے	جسکی قیمت زیادہ ہو اور اہل خانہ کو عزیز ہو
کونسا جہاد افضل ہے	جسمیں سوار کے ساتھ اسکی سواری بھی کام میں آجائے
آپ پر سب سے عظیم کونسی آیت اتری	آیۃ الکرسی

پھر فرمایا ۔ اے ابوذر تمام آسمان کرسی میں اس طرح ہیں جس طرح وسیع صحرا میں چھلا پڑا ہو ۔ اور عرش کی کرسی سے یہی نسبت ہے کہ جو اس صحرا کو اس چھلے سے ہے) ۔۔۔ برھان ۔۔۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا یقیناً خدا نے گزشتہ انبیاء کو جو کچھ عطا کیا وہ سب حضرت محمدؐ کو عطا کر دیا اور جو کچھ آپؐ کو عطا کیا وہ کسی نبی کو عطا نہیں کیا اور ہمارے پاس صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ یعنی الواح موجود ہیں " ۔۔۔۔۔

سورہ الغاشیہ (مکیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝١ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝٢
عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝٣ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝٤ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ
اٰنِيَةٍ ۝٥ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝٦ لَّا يُسْمِنُ
وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝٧ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۝٨ لِّسَعْيِهَا
رَاضِيَةٌ ۝٩ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝١٠ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝١١
فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝١٣ وَّاَكْوَابٌ
مَّوْضُوْعَةٌ ۝١٤ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝١٥ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝١٦

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ
رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ
سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم
بِمُصَيْطِرٍ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٢﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ
الْأَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٤﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم ﴿٢٥﴾

ترجمہ :- کیا ڈھانپ لینے والی آفت (قیامۃ) کی خبر تم تک پہنچی ہے۔ کہ جس روز بہت سے چہرے
ذلیل ورسوا ہوں گے۔
(دنیا میں) سخت کوشش کرنے والے تھکے ہارے ہوں گے۔ وہ دھکتی ہوئی آگ میں جلیں گے۔
ان کو کھولتے ہوئے چشمے سے پلایا جائیگا۔ خاردار سوکھی جھاڑی کے سوا انکے لئے کوئی کھانا نہیں ہوگا۔
جو نہ ہی موٹا کرے گا اور نہ ہی بھوک کو دور کریگا۔ اس روز بہت سے چہرے تر وتازہ ہوں گے۔
کہ جو اپنی کوشش (کے کامیاب نتیجے پر) شاد ومطمئن ہوں گے۔ بلند رفیع مرتبہ جنت میں ہوں گے۔
جس میں وہ کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے۔ اسمیں چشمے جاری ہوں گے۔
اس میں بلند مسندیں ہوں گی۔ اور سلیقے سے رکھے ہوئے آبخورے۔
اور نفیس قالین بچھے ہوں گے۔ اور گاؤ تکیے قطار در قطار ہوں گے۔
کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسا پیدا کیا گیا ہے۔
اور آسمان کیطرف نہیں دیکھتے کہ کسطرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کسطرح مضبوطی

سے کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور زمین کیطرف کہ کسطرح بچھائی گئی ہے۔
تم تو نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنیوالے ہو۔ تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔
مگر وہ شخص کہ جس نے رخ پھیرا اور انکار کیا تو خدا اسے بہت بڑا عذاب دے گا۔
یقیناً ان لوگوں کی بازگشت ہماری طرف ہے پھر ان کا حساب بھی ہمارے ذمے ہے ۔"

تلاوت :۔ خواص القرآن میں اس سورہ کی مسلسل تلاوت کرنے والے کیلئے پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ جس نے واجب یا مستحب نمازوں میں سورۃ الغاشیہ کی تلاوت کی تو خدا اس کے حساب کو آسان کر دے گا۔ اور جس بچے کو آرام نہ ہو اس پر اسے پڑھا جائے تو آرام و سکون حاصل ہو جائیگا۔ اور رونے یا ڈرنے والے بچے پر اسے پڑھا جائے تو اسے سکون حاصل ہو جائیگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "جو واجب یا مستحب نمازوں میں سورہ غاشیہ کی تلاوت کرتا رہے تو دنیا و آخرت میں اسے خدا کی رحمت ڈھانپ لیگی اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے خدا اسے امان دیگا (نور الثقلین)۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اگر درد کرنے والی داڑھ پر اس سورہ کو پڑھا جائے تو باذن اللہ درد ساکن ہو جائیگا اور اگر کھانے کی چیز پر پڑھا جائے تو اسکے برے اثرات سے حفاظت و سلامتی ہوگی۔"

نزول :۔ یہ سورہ مکے میں نازل ہوا دعوت اسلامی کے آغاز و دلائل توحید و نبوۃ کے آشکار ہونے کے بعد جب پیغام الٰہی نبوۃ کی قوۃ و عزم اور ولایت کی حمایت و ایثار سے آگے بڑھنے لگا اور کفر کی سرکشی شدت اختیار کرنے لگی تو کفر کے انجام بد اور ایمان کے انجام خیر سے آگاہ کرنے کے لئے سورہ کا نزول ہوا تاکہ صاحبان ایمان کی قوۃ ایمانی اور عزم و استقلال میں مزید اضافہ ہو اور کفر و شرک کی رسوائی و حوصلہ شکنی ہو اور چونکہ الٰہی پیغام کو عام کرنے میں نبوۃ کی قوت و عزم کے ساتھ ولایت و امامت کی حمایت و ایثار کا آغاز سے انجام تک ساتھ رہا اس لئے توحید و رسالت پر ایمان کے ساتھ امامت و ولایت آل محمدؐ پر بھی ایمان کو لازم قرار دیدیا گیا۔ کیوں کہ رسول ختمی مرتبت کے بعد خدا و رسول کی طرف سے دین الٰہی کی حفاظت کی ذمہ داری امامت و ولایت کے سپرد تھی۔ اسی لئے امامت و ولایت آل محمدؐ سے بغض و عداوت کے انجام کو بھی پہلے ہی بیان کر دیا گیا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ

اٰنِيَةٍ ۝ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝

"کیا ڈھانپ لینے والی (قیامۃ) کی خبر تم تک پہونچی ہے۔ کہ جس روز بہت سے چہرے ذلیل ورسوا ہونگے (دنیا میں) سخت کوشش کرنے والے تھکے ہارے ہونگے۔ وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔ انکو کھولتے ہوئے چشمے سے پلایا جائے گا۔ خاردار سوکھی جھاڑی کے سوا انکے لئے کوئی کھانا نہیں ہوگا۔ جو نہ ہی موٹا کرے گا اور نہ ہی بھوک کو دور کرے گا۔"

ھل (کیا)۔ یہ استفہام تقریری یقین کے لئے ہے۔ سوالیہ انداز سے چیز کی عظمت وہیبت کا اظہار اور سننے والے کیلئے تنبیہ مقصود ہے۔

غاشیۃ۔ "ڈھانپ لینے والی۔ چھا جانیوالی" یعنی آفت کی گھڑی کہ جو اپنی سخت تباہی وھولناکی سے تمام اشیاء کو ڈھانپ لیگی جیساکہ سورہ دخان میں ہے کہ جب ظاہر بظاہر دھواں نکلے گا کہ جو تمام لوگوں کو ڈھانپ لیگا کہ یہ دردناک عذاب ہے۔"

وجوہٌ۔ "چہرے" تنکیر کثرت کیلئے ہے۔ خاشعۃ۔ "جھکے ہوئے" غم وخوف کیوجہ سے ذلیل وخوار واداس

اٰنیۃ۔ "بہت بھڑکنے والی۔ شدت حرارت سے کھولنے والی جسکی حرارت آخری منزل پر ہو۔

ناصبۃ" تھکے ہارے "۔ ضریع "۔ بغیر پتوں کے کانٹے دار زہریلی جھاڑی کہ جسے کوئی جانور نہیں کھاتا۔ خشک ہونے کے بعد البتہ اونٹ کھا لیتا ہے۔

سورۃ الغاشیۃ کی ان ابتدائی آیات میں قیامت کبریٰ برپا ہونے کے بعد مومنین اور کفار ومنافقین کے انجام کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس مفہوم کو ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ اخروی نجات ایمان وعقیدہ کی صحت وسلامتی پر ہے اور اعمال صالحہ کی قبولیت بھی ایمان کی صحت پر موقوف ہے۔

یعنی دنیا میں کثرت سے اعمال خیر بجالانے والے عبادات اور تہجد ودعاؤں میں خود کو تھکا دینے والے جب بروز قیامت اپنے لئے جہنم کا فیصلہ سنیں گے تو انکے چہرے فق ہو جائیں گے اور ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔ تھکے ہارے ہوں گے۔ تب معلوم ہوگا کہ ایمان وائمہ اہل بیت رسالت کی ولایت کی عظمت واہمیت کس قدر ہے۔ اور علیؑ واولاد علیؑ کی عداوت وتنقیص کا انجام کیا ہے جیساکہ خود امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ "ہر ناصبی اگرچہ انتہائی عبادت گزار ہو اور انتہائی تھکا دینے والے اعمال بجالانے والا ہو تو وہ اسی آیت (عاملۃ ناصبۃ تصلی ناراً

حامیہ) کا مصداق ہے۔ تفسیر صافی۔ تفسیر نور الثقلین ــ انہی آیات سے متعلق امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہم اہلبیت رسالت سے عداوت و بغض رکھنے والا جسقدر بھی عبادت کرے وہ اس آیت (تصلیٰ ناراً حامیۃ۔ وہ دہکتی ہوئی آگ میں جلے گا) کا مصداق ہے اور اس آیت کے اصلی مصداق علی و آل علی (ائمہؑ) کے دشمن ناصبی، زبدیہ و واقفیہ ہیں اور وہ ہیں کہ جو دین حق کے مخالف ہیں ہر چند کہ وہ نماز و روزے میں شدت سے کوشاں رہیں۔ کافی

اور ابو اسحٰق لیثی نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ فرزند رسول میں آپکے دشمنوں ناصبیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ کثرت سے نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور حج و عمرہ پے در پے کرتے ہیں اور جہاد پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں اور نیکی و صلہ رحمی کی لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں اور ایثار کرتے ہیں اپنے بھائیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں اور اپنے مال سے انکی مدد کرتے ہیں اور شرب و خمر و بدکاری اور خلاف فطرت برائی و فاحشات سے پرہیز کرتے ہیں۔ اسکے ساتھ وہ آپ اہل بیت رسالت سے عداوت رکھتے ہیں ناصبیت و عداوت کے اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر شرق و غرب کے درمیان کا سونا چاندی ان کو دیدیا جائے کہ وہ طواغیت کی محبت ترک کر کے آپکی محبت و ولایت کی طرف لوٹ آئیں تو وہ تیار نہ ہوں گے اور انکے چہروں پر تلواریں بھی ماری جائیں تب بھی وہ طواغیت کی محبت ترک نہ کریں اور جب آپ حضرات کی کوئی فضیلت و منقبت سنیں تو عداوت و نفرت سے انکا چہرہ متغیر ہو جائے۔ امام نے یہ سنکر فرمایا اے ابراہیم وہ لوگ یہاں بھی ھلاک ہوئے اور یہی لوگ "عاملة ناصبة تصلیٰ ناراً حامیه" کے مصداق ہیں اور انہی کیلئے خدا کا یہ قول ہے کہ "جو کچھ انھوں نے نیک کام کئے ہیں ہم انکی طرف توجہ کریں گے تو ہم اس کو بکھری ہوئی خاک بنا دیں گے" ــ (۲۳) الفرقان۔

ان ہی آیات سے متعلق امام حسن عسکریؑ کا ارشاد ہے کہ (عاملة ناصبة) یہ وہ جماعت ہے کہ جس نے خدا کے دین میں مخالفت کی ہے جبکہ وہ نمازیں پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے امیر المومنین سے عداوت رکھی تھی پس خدا ان کے افعال و اعمال میں سے کوئی شے قبول نہیں کرے گا" تفسیر امام حسن عسکری تفسیر منہج۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ "ان ناصبیوں یعنی ان دشمنان علی و آل علی کو قائم آل محمد کی تلوار ہلائے گی کہ جس سے بچنے کی انمیں قوت نہیں ہوگی کیونکہ خدا نے جو نازل کیا ہے یہ اسکے خلاف کرتے ہیں اور حقیقی ولی الامر کو چھوڑ کر غیر کو ولایت و حمایت سے مخصوص کرتے ہیں اور دنیا میں قائم آل محمدؑ کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکاتے ہیں اور یہ آخرت میں انکے لئے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی" کافی ــ

امام جعفر صادقؑ ایک روز منبر رسول و محراب کے درمیان اپنے اصحاب سے فرما رہے تھے کہ تمہارے ارواح و اچھی شہرت کو میں محبوب رکھتا ہوں لہذا تقویٰ و پرہیزگاری میں سعی سے ہمارا ساتھ دو اور ہماری ولایت کو تقویٰ اور نیکی و اطاعت کے ذریعے حاصل کرو اور تم میں سے جو بھی جس امام معصوم کو مان رہا ہو (یعنی جس امام کے زمانہ میں ہو) اسکی اطاعت

کرے تم اللہ کا گروہ وانصار ہو تم السابقون الاولون ہو کہ دنیا میں تم نے ہماری محبت و ولایت کی طرف سبقت کی اور آخرت میں جنت کی طرف سبقت کرو گے اور اللہ و رسول کیطرف سے تمہارے لئے میں جنت کا ضامن ہوں تم پاکیزہ ہو تمہاری عورتیں پاکیزہ ہیں ہر مومنہ عورت حور ہے اور ہر مومن مرد صدیق ہے اور امیر المومنین کا فرمان ہے کہ تمہیں بشارت ہو کہ رسول خدا تمام لوگوں میں سے صرف شیعہ پر راضی ہو کر دنیا سے گئے یاد رکھو کہ ہر شے کیلئے عروہ ہے اور دین کا عروہ شیعہ ہیں اور ہر شے کا شرف ہے اور دین کا شرف شیعہ ہیں اور ہر شے کیلئے سردار ہے اور مجالس کے سردار شیعہ ہیں اور ہر شے کی طلب وخواہش ہے اور دنیا کی طلب وخواہش شیعہ کی آبادی ہے پوری ہوتی ہے۔ آخر میں امام نے فرمایا کہ جنت میں تمہارے مخالفین کا کوئی حصہ نہیں خواہ اس قدر کسی قدر اعمال کیوں نہ کئے ہوں وہ "عاملة ناصبة" "سخت کوشش کر نیوالے تھکے ہارے" کے مصداق ہیں ——

ان مندرجہ ارشادات ائمہ کی پیغمبر اکرم کے اس ارشاد گرامی سے تائید ہوتی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک روز حضرت علی سے فرمایا "یا علی اگر کوئی شخص نوح کی عمر کے برابر خدا کی عبادت کرے اور احد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خیرات کرے اور ہزار حج پاپیادہ کرے پھر صفا و مروہ کے درمیان مظلوم قتل کر دیا جائے تو اگر یا علیؑ تم سے محبتؑ ولا نہیں رکھتا تو نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھے گا اور نہ ہی جنت میں داخل ہو گا" مناقب خوارزمی۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾ لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَأَكْوَابٌ مَوْضُوعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿۱۶﴾

اس روز بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے — کہ جو اپنی کوشش (کے نتیجے پر) شاد و مطمئن ہوں گے۔ بلند رفیع مرتبہ جنت میں ہوں گے۔ جس میں وہ کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے۔ اسمیں چشمے جاری ہوں گے — اسمیں بلند مسندیں ہونگی اور سلیقے سے رکھے ہوئے آبخورے۔ اور نفیس قالین بچھے ہوں گے اور گاؤ تکئے قطار در قطار ہوں گے۔"

اہل جہنم کے تذکرے یعنی کفار اور منافقین و ناصبیوں کے تذکرے کے بعد اہل جنت کا حال بیان کیا گیا ہے اور دونوں تذکروں سے یہ بات واضح ہے کہ دوزخ میں اسی دنیاوی جسم کے ساتھ عذاب ہو گا اور جنت میں بھی اسی دنیاوی جسم کے ساتھ رہنا ہو گا۔ یعنی دوزخ و جنة صرف ذہنی و روحانی نہیں ہیں بلکہ جسم و روح دونوں سے ان کا تعلق ہو گا۔

ناعمة (تر و تازہ خوش و خرم) ظاہری خوشی کے اظہار سے کنایہ ہے۔ چہرے کی تازگی و خوشی اور نورانیت کے

یعنی انہیں شامل ہیں انہی مسرور نورانی چہروں کیلئے سورہ المطففین میں ارشاد ربانی ہے کہ "تم انکے چہروں ہی سے کثرت نعمات کی تازگی معلوم کرلو گے"

لسعیہا "اپنی کوشش کے سبب" ۔ لام تقویت کیلئے یعنی ولایت محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ اعمال خیر بجالانے والے اپنے ایمان وعمل خیر کے اچھے نتائج کو دیکھکر اپنی زحمات ومشقات پر خوش ومطمئن ہوں گے کہ ولایت آل محمدؐ کے ساتھ اعمال خیر پر خدا نے جو ابدی انعام کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کردیا گیا۔

فی جنۃ عالیۃ "اونچے باغات میں ہوں گے"۔ ایسے باغات ہوں گے کہ جو عالی درجات و عالی شرف کہ جہاں کی حیات باعظمت و رفعت ہوگی اور نعمات و حیات ابدی ہوگی۔ ان باغات کے کناروں پر کھجوروں کے اونچے اونچے درخت ہوں گے وہاں نہ ہی الم و ضرر ہوگا اور نہ ہی فکر و پریشانی ہوگی بلکہ نہ ختم ہونے والا سرور و راحت و لذت و آرام ہوگا۔

لاغیۃ "بیہودہ گفتگو"۔ جنت میں کوئی فضول اور لغویات وعمل نہیں ہوگا وہاں کلمات حکمت و افعال حکمت ہوں گے کیونکہ معرفۃ و حکمۃ کی بنیاد پر جنت میں داخلہ ہوگا وہاں دل و دماغ سے تمام غلاظات نکالدی جائیں گی جیسا کہ سورہ محمدؐ میں فرمان الٰہی ہے کہ "خدا تمہارے باطنی کینے (و باطنی نجاستیں) نکالدے گا"۔ جبکہ اہل جہنم وہاں ایک دوسرے پر لعنت کریں گے کہ فلاں نے ہمیں گمراہ کیا اگر وہ گمراہ نہ کرتا تو ہم ہدایت پر ہوتے تو ان کے پیشوا انکو جواب دیں گے کہ ہم نے تم کو وہ بتایا تھا کہ جس پر ہم خود تھے تم نے جان بوجھ کر ہماری پیروی کی تھی —— لیکن اہل جنت وہاں ایک دوسرے کو سلام و تحیہ کے ساتھ استقبال کریں گے۔ مبارک و سلام کا تبادلہ ہوگا اور ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر علم و عرفان کی باتیں کریں گے جیسا کہ سورہ الواقعہ میں ہے کہ "وہ وہاں بیہودہ و گناہ کی باتیں نہیں سنیں گے ان کا کلام سلام ہی سلام ہوگا۔"

عین جاریۃ "چشمے جاری ہوں گے"۔ عینٌ اسم جنس ہے لہذا کثرت کے معنی میں ہے یعنی جنت میں پانی و شراب طہور اور دودھ اور شہد کے چشمے اہل جنت کے مزاج و طبع اور خواہش کے مطابق ہمیشہ جاری رہیں گے۔ ان سے باغات بھی سیراب ہوں گے اور اہل جنت بھی سیراب ہوں گے جیسا کہ سورہ دہر میں ہے کہ "یہ ایسا چشمہ ہے کہ جس سے خدا کے خاص بندے پئیں گے"

سرر مرفوعۃ "بلند مسندیں ہونگی"۔ یعنی اہل جنت کیلئے بیٹھنے کیلئے اونچے اونچے تخت و مسندیں ہوں گی جو جواہرات و زبرجد سے مرصع ہوں گی وہ جب چاہیں گے ان پر بیٹھیں گے۔

اکواب موضوعۃ "سلیقے سے رکھے ہوئے آبخورے"۔ یعنی آبخورے و جام سلیقے سے رکھے ہوں گے۔

نمارق مصفوفۃ "بچھے ہوئے قالین ہوں گے) جو ترتیب سے ملے ہوئے بچھے ہونگے کوئی جگہ خالی نہیں ہوگی۔

ذرابیّ مبثوثۃ "ہر طرف رکھے ہوئے تکیئے" قالینوں پر ہر طرف تکیے رکھے ہوں گے۔
امیر المومنین نے اہل جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "جنّتی جنت میں جن محلات میں داخل ہوں گے ان محلات کی بنیادیں سنگ لؤلؤ کی ہونگی وہاں بلند مسندیں دسلیقے سے رکھے ہوئے آبخورے اور بچھی ہوئی فاخرہ چادریں قالین ہوں گے اگر وہ صلاحیت نہ ہوتی کہ جو خدا نے ان نعمات سے متمتع و تلذذ کیلئے انکو عطا کی ہے تو ان چیزوں کی چمک دمک کثرت و مدارے سے انکی نگاہیں بے نور ہو جاتیں اور وہ اپنی ازواج کی گردن میں ہاتھ ڈالے تختوں پر بیٹھے ہوں گے اور کہیں گے الحمد للہ الذی ھدانا لھذا۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ۝ والی السماء کیف رفعت ۝ والی الجبال کیف نصبت ۝ والی الارض کیف سطحت ۝

"کیا وہ اونٹ کیطرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسا پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کیطرف نہیں دیکھتے کہ کسطرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کیطرف نہیں دیکھتے کہ کسطرح مضبوطی سے گڑے گئے ہیں۔ اور زمین کیطرف کہ کسطرح بچھائی گئی ہے۔

ان آیات میں خدا کی ربوبیت و خالقیت اور علم و حکمت کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے تاکہ خلاق عالم کی عظمت و حکمت کے اعتراف کے ساتھ اس پر ایمان لاکر اسکے ابدی انعام جنت کو حاصل کیا جائے۔ ان آیات میں کئی نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا۔ سب سے پہلے ریگستانی سفینے اونٹ کی تخلیق و حکمت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جو عرب قوم کی خصوصاً انتہائی محبوب دولت و سواری تھی جو انتہائی فرمانبردار اور صحرائی سفینہ ہے کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکی سواری کی جاتی ہے ریگستان کی دشوار گزار مسافتیں طے کی جاتی ہیں اس کا دودھ پیا جاتا ہے اور لباس کیلئے اس کے بالوں کو استعمال کیا جاتا ہے اور اس پر سامان منتقل کیا جاتا ہے چنانچہ سورہ نحل میں اس وفا شعار جانور و دیگر جانوروں کی افادیت کے پہلوؤں کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔
پھر آسمانی شامیانے کیطرف غور و فکر کیلئے متوجہ کیا گیا ہے کہ شمس و قمر اور سیارے کسطرح وجود میں آئے اور پھر کس طرح پُر حکمت نظام کے تحت رواں دواں ہیں اور کسطرح کشش کی زنجیروں سے ایک دوسرے سے منسلک ہیں جنت و نعمات جنت کے تذکرے کے بعد اس جہان فانی کی نعمات و نشانیوں کا تذکرہ کرکے فکر و ذہن کو متوجہ کیا گیا ہے کہ جو اس قدر وسیع کائنات کو خلق کر سکتا ہے وہ اس کائنات سے وسیع و عظیم تر جنت اور نعمات بھی خلق کر سکتا ہے۔
امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ "نیکی و اچھائی تین خصال میں ہے غور و فکر کرنا خاموش رہنا اور گفتگو کرنا اور ہر وہ غور و فکر جس میں عبرت و سبق نہ ہو وہ سہو ہے اور ہر وہ خاموشی کہ جس میں تفکر نہ ہو وہ غفلت ہے اور ہر وہ کلام جس میں ذکر و تذکر

نہ ہو وہ لغو ہے تو کامیابی ہے اس کے لئے کہ جس کا تفکر عبرت ہو اور جسکی خاموشی میں غور و فکر ہو اور جس کا کلام ذکر و تذکر ہو اور وہ اپنی خطاؤں پر روئے اور لوگ اسکے شر سے محفوظ رہیں۔"

پھر پہاڑوں کیطرف متوجہ کیا گیا ہے کہ کسطرح خلاق عالم نے زمین کی حرکت کو معتدل رکھنے کیلئے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈالدیئے ہیں اور تم ان رنگ برنگے پہاڑوں کی تخلیق پر غور و فکر نہیں کرتے کہ کسطرح وجود میں آئے اور کسطرح یہ بارش برسانے کا سبب بنتے ہیں اور ان کے دامن سے شیریں پانی کے چشمے جاری ہوتے ہیں اور کسطرح اپنے اندر خزانے پوشیدہ کئے ہوئے ہیں۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ "پہاڑوں کا ظاہری وجود حفاظت کیلئے ہے اور ان کے باطن میں خزانے ہیں۔"
اور آج یہ بات واضح ہو چکی کہ پہاڑ سمندروں کے درمیان سے وجود میں آئے جیساکہ پہاڑوں کے دامن سے صدف و مچھلیوں کے ڈھانچے پائے جانے سے بھی اسکی تصدیق ہو گئی ہے۔

جب پہاڑوں کی ابتدائی تخلیق کے بارے میں حضرت علیؑ سے دریافت کیا گیا کہ پہاڑ کس چیز سے وجود میں آئے تو آپ نے فرمایا "دریا کی موجوں سے وجود میں آئے ہیں۔"

پھر زمین کی تخلیق کیطرف متوجہ کیا گیا ہے کہ کس طرح زمین سے نباتات نمودار [illegible] جو انسان و حیوان کی خوراک ہیں اور کسطرح زمین کو رہنے کیلئے موزوں و مناسب بنایا [illegible] سورہ ملک میں خدا کا ارشاد ہے کہ "وہ وہی ذات ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم قرار دیا کہ تم اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو اور اسکے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور پھر اسی کیطرف حشر و نشر ہے۔"

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾

"تم تو نصیحت کرتے رہو بس تم نصیحت کرنیوالے ہو۔ تم ان پر داروغہ نہیں ہو مگر وہ شخص کہ جس نے رخ پھیر لیا اور انکار کیا تو خدا اسے بہت بڑا عذاب دے گا۔"

ارضی و سماوی آیات کیطرف انسانی فکر و ذھن کو متوجہ کرنے کے بعد پیغمبر اکرم سے خلاق عالم کا خطاب ہے کہ آپ انکو نصیحت کرتے رہیں اور کائنات کے مالک و خالق کیطرف متوجہ کرتے رہیں اور یہ دنیا چونکہ دارالامتحان ہے لہذا ایمان و اسلام کیلئے جبر نہیں ہے۔ نہ ہی خود خلاق عالم نے اپنی توحید کے اقرار کیلئے جبر کیا ہے اور نہ ہی اس کے رسولوں نے جبر کیا ہے۔ لہذا اے رسول نصیحتیں کرتے رہو آیات الٰہی یاد دلاتے رہو اور ارضی و سماوی آیات اور عقلی دلائل و براھین کے ہوتے ہوئے جس نے حق سے رخ موڑا اور کفر کی روش اختیار کی تو پھر اسکے لئے عذاب بھی

بہت بڑا ہے۔ ان آیات میں "عذاب اکبر" سے واضح کیا گیا ہے کہ اس بڑے عذاب کے علاوہ چھوٹا عذاب بھی ہے یہ عذاب اکبر آخرت کا عذاب ہے اور ایک "عذاب ادنیٰ ہے" جو دنیا میں واقع ہوگا جیسا کہ سورۂ سجدہ میں ارشاد ربانی ہے کہ "یقیناً ہم ان کو عنقریب (قیامت کے) بڑے عذاب سے پہلے دنیا کے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے"۔

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝

"یقیناً ان لوگوں کی بازگشت ہماری ہی طرف ہے پھر انکا حساب بھی ہمارے ہی ذمہ ہے"۔

ان آیات میں تمام انسانوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ تمام کی بازگشت خدا کی بارگاہ میں ہوگی اور خصوصاً کفار و منافقین و ناصبیوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اس امتحان کی دنیا میں جو چاہو کرتے رہو لیکن یہ خیال رہے کہ خالق کائنات کی بارگاہ میں ضرور حاضر ہونا ہے جہاں ہر عمل کے متعلق باز پرس ہوگی اور ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔ خلاق عالم جسم و جسمانیات سے پاک ہے اس نے اپنے انبیاء و رسل کے ذریعے اپنے احکام پہونچائے اس کے انبیاء نے اس کا تعارف کرایا۔ اسی طرح بروز حشر حساب و کتاب کی منزل پر اسکی بارگاہ میں اسکے انبیاء اور رسل اپنی اپنی امت کے ایمان و عمل کی گواہی دیں گے اور انبیاء اور رسل کو اپنی اپنی امت کے مستحقین کی شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ اسی طرح امت مسلمہ کے اعمال کی گواہی و شفاعت کا حق محمدؐ و آل محمدؐ کو حاصل ہوگا جیسا کہ جابر انصاری سے امام محمد باقرؑ نے فرمایا "اے جابر جب روز قیامت برپا ہوگا تو خدا اولین و آخرین کو حساب و فیصلہ کیلئے جمع کرے گا تو رسول خدا و امیر المومنینؑ بلائے جائیں گے دونوں حضرات کو سبز حلہ پہنایا جائے گا جس سے شرق و غرب روشن ہو جائیگا پھر دونوں کیلئے منبر نصب کیا جائے گا جس پر یہ حضرات جائیں گے پھر ہم ائمہ کو بلایا جائیگا تو لوگوں کا حساب ہمارے (محمدؐ و آل محمدؐ کے) سپرد کر دیا جائیگا پس خدا کی قسم ہم ہی اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کریں گے اور باقی انبیاء کو دو صفوں میں عرش کے پاس ٹھہرایا جائے گا یہاں تک کہ جب حساب و کتاب ختم ہو جائیگا اور لوگ اپنی اپنی منازل تک پہونچ جائیں گے تو خدا کے حکم سے حضرت علی جنت میں جنتیوں کی شادی کریں گے اور یہ اللہ کیطرف سے علیؑ کیلئے فضیلت ہے جسمیں ان کے ساتھ کوئی شریک نہیں علی علیہ السلام جہنمیوں کو جہنم میں داخل کریں گے اور جنتیوں کو جنت کے دروازوں سے جنت میں داخل کریں گے اور جنت و دوزخ کی چابیاں علی کے پاس ہیں"۔ تفسیر نور الثقلین ۔ کافی۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "بروز قیامت ہمارے شیعہ کا حساب ہمارے ذمے ہوگا اور ائمہ اپنے اولیاء و اعداء کو انکی پیشانیوں سے پہچان لیں گے جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے کہ علی الاعراف رجال یعرفون ۔ الخ۔ "اور مقام اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر شخص کو (جہنمی یا جنتی) اسکی پیشانی سے پہچان لیں گے تو ائمہ اپنے اولیاء کو انکی کتاب عمل انکو دائیں

طرف سے دایئں ہاتھ میں دیں گے تو وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور اپنے اعداء کو انکی کتاب عمل بائیں طرف سے ان کے بائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ بغیر حساب کے دوزخ میں جائیں گے "۔ نور الثقلین۔

کتاب تہذیب الاحکام میں ہے کہ موسیٰ ابن عبداللہ نخعی نے امام علی نقیؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ فرزند رسول ایسے کلمات تعلیم کریں کہ جب آپ ائمہ کی زیارت کرنا چاہوں تو کرسکوں تو امام نے اسے زیارت جامعہ تعلیم فرمائی ــــ اور زیارت جامعہ میں یہ کلمات ہیں کہ " فایاب الخلق الیکم وحسابھم علیکم وفصل الخطاب عندکم۔ مخلوق کی بازگشت آپ حضرات کیطرف ہے اور مخلوق کا حساب اور فیصلے کی قوت آپؑ کے پاس ہے "

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ " صراط و میزان اور ہمارے شیعہ کا حساب ہماری طرف ہے " نور الثقلین۔

صواعق محرقہ ابن حجر مکی میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " بروز قیامت پل صراط کو صرف وہ عبور کرے گا کہ جس کے پاس علی کا لکھا ہوا پروانۂ راہداری ہوگا "

امیر المومنین سے سوال کیا گیا کہ خدا اسقدر کثیر مخلوق سے کیسے حساب لیگا تو آپنے فرمایا کہ جسطرح انکی کثرۃ کو رزق عطا کرتا ہے پھر کہا گیا کہ وہ مخلوق کا حساب کسطرح لیگا جبکہ مخلوق اسے نہیں دیکھے گی۔ آپ نے فرمایا جسطرح وہ ان کو رزق دیتا ہے اور وہ اسے نہیں دیکھتے " نور الثقلین ــــ

سُورۃ الفجر (مکیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ إِذَا
يَسْرِ ﴿٤﴾ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿٥﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ
فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ
مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾
وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾
فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ

عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا
مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾
وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي
أَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ
عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾
وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾
وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ
بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿۲۳﴾
يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ
عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يَا أَيَّتُهَا
النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً

مَّرۡضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادۡخُلِيۡ فِيۡ عِبٰدِيۡ ﴿۲۹﴾ وَادۡخُلِيۡ جَنَّتِيۡ ﴿۳۰﴾

ترجمہ = صبح کی قسم — اور دس راتوں کی قسم۔ اور جفت وطاق کی قسم۔ اور رات کی قسم کہ جب وہ گزرتی ہے۔ کیا ان (چیزوں) میں صاحب عقل کیلئے کوئی بڑی قسم ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے کیا سلوک کیا عاد کے ساتھ۔ ارم کہ جو ستونوں والے تھے کہ جنکی مانند تمام شہروں میں کوئی (طاقتور) پیدا نہیں کیا گیا۔ اور قوم ثمود کے ساتھ (کیا گیا) کہ جنہوں نے وادی (قریٰ) میں پتھر تراشے تھے۔ اور (کیا کیا) میخوں والے فرعون کے ساتھ۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی تھی۔ تو شہروں میں فساد پھیلایا تھا۔ پس تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ یقیناً تمہارا پروردگار گھات میں ہے۔ مگر انسان کہ جب اس کے پروردگار نے اسے آزمائش میں ڈالا اور اسے عزت ونعمت عطا کی تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری عزت بڑھادی — اور جب اسے (دوسری) آزمائش میں ڈالا تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کرڈالا — ہرگز ایسا نہیں۔ بلکہ تم تو یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور تم تو مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔ اور تم تو میراث کا تمام مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔

تو ایسا ہرگز نہیں (یاد کرو) جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ہموار کردیا جائیگا۔ اور تمہارے رب (کا حکم) آئے گا۔ اور فرشتے صف بصف کھڑے ہوں گے۔ اس روز دوزخ سامنے کردی جائیگی تو اس روز انسان نصیحت حاصل کریگا لیکن اس نصیحت کا کیا فائدہ۔ وہ کہے گا کہ کاش میں نے اپنی زندگی کیلئے پہلے کچھ سامان بھیجا ہوتا۔ تو اس روز اسے ایسا عذاب دیا جائیگا کہ ویسا عذاب دینے والا کوئی نہیں۔ اور نہ ہی اسکی گرفت کیطرح کوئی گرفت کرسکتا ہے۔ پس تم میرے خاص بندوں میں شامل ہو جاؤ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ —

تلاوت :- پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ اس سورہ کی مسلسل باقاعدہ تلاوت کرنیوالے کے اس سورہ کی تلاوت کرنیوالوں کی تعداد کے دس گنا گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور بروز قیامت اسے نور عطا ہوگا اور جو اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھکر اپنی زوجہ سے قربت کرے گا خدا اسے فرزند عطا کرے گا کہ جس سے اسکی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی اور

وہ فرزند باعثِ برکت ہوگا" برھان۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اس سورہ کی صبح کے وقت تلاوت کی تو دوسری صبح تک وہ ہر شے سے امن و امان میں رہے گا" برھان۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ" اپنے فرائض و نوافل میں سورۃ الفجر کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ سورہ حسینؑ کے ساتھ مخصوص ہے اور جس نے اس سورہ کی تلاوت جاری رکھی وہ بروز قیامت حسینؑ کے درجے میں ان کے ساتھ ہوگا اور اللہ عزیز و حکیم ہے" برھان۔

نزول:۔ "سورۃ الفجر" کا نزول مکے میں ہوا۔ اعلانِ رسالت و دعوۃ حق کے بعد جب کفار مکہ کی سرکشی و بغاوت نے اجتماعی صورت اختیار کر لی تو اس وقت کفار مکہ کی سرزنش کیلئے اس سورہ کا نزول ہوا اور کفار مکہ کو خبردار کیا گیا کہ الہٰی پیغام سے بغاوت کی بنا پر کسقدر گزشتہ اقوام اجتماعی و انفرادی طور پر الہٰی عذاب کا شکار ہوئیں اور ساتھ ہی توحید کی ذات و صفات اور افعال پر ایمان و اعتقاد رکھنے سے طمانیت نفس حاصل کرنیوالے کی کامیابی کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝

صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔ اور جفت و طاق کی قسم۔ اور رات کی قسم کہ جب وہ گزرتی ہے"۔

"الفجر" شگافتہ ہونا۔ جیسے پتھر کا شق ہونا اور چشمے سے پانی کا خارج ہونا۔ اور نباتات کا زمین کو شگافتہ کر کے نمودار ہونا۔ اور اسی طرح پردۂ شب کو شق کر کے صبح کا نمودار ہونا۔ یہاں "الفجر" یعنی کسی خاص صبح کی قسم کھا کر اسکی اہمیت و افادیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر "الفجر" کے مقصود و مراد میں مفسرین نے کئی مختلف روایات تحریر کی ہیں۔ یہ قرآن حکیم کی شانِ اعجازی ہے کہ اسکی ہر آیت و ہر لفظ کئی معانی و مطالب پر محیط ہے۔

"الفجر" ہر روز کی صبح۔ یہ اس بنا پر کہ طلوعِ فجر سے ظلمتِ شب کا خاتمہ ہوتا ہے اور افق پر صبح صادق نمودار ہوتے ہی نور کے پرچم کو پھیلا دیتی ہے اور دن کی حکومت کا آغاز ہوتے ہی ذیحیات معاش کیلئے حرکت میں آجاتے ہیں یعنی طلوعِ فجر سے زندگی متحرک ہو جاتی ہے۔ اور طلوعِ فجر سے ضبط نفس یعنی روزے کی عبادت کا بھی آغاز ہوتا ہے اور نمازی نماز کیلئے تیاری کرتے ہیں۔ اسی بنا پر صبح کی نماز اگر اول وقت میں پڑھی جائے تو رات و دن کی داستانِ حیات لکھنے والے فرشتے گواہ بن جاتے ہیں جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں خلاق عالم کا

ارشاد ہے "(اے رسول) سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز (ظہر عصر مغرب عشاء) پڑھا کرو اور نماز صبح بھی کیونکہ صبح کی نماز پر دن رات کے فرشتوں کی گواہی ہوتی ہے۔"

یعنی طلوع فجر دو عبادات کا وقت ہے۔ طلوعِ فجر سے تاریکی کی بساط الٹ دی جاتی ہے اور دنیا نیا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ یہی قیامت برپا ہونے کی صورت ہے۔ کہ دنیا تاریکی کی مانند ہے کہ جس کے اختتام پر صبح محشر نمودار ہوگی کہ جسطرح رات میں ذیحیات نیند کی آغوش میں جا کر مردوں کی مانند ہو جاتے ہیں اور صبح نمودار ہوتے ہی نیند کے گہوارے سے بیدار ہو کر کاروبارِ حیات کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح موت کی گہری نیند سونے والے صبح محشر نمودار ہوتے ہی اپنی قبور کے گہواروں سے زندہ ہو کر باہر نکل کر میدان حشر کی طرف رواں دواں ہونگے۔ اور محسوس کریں گے کہ ابھی ابھی سوئے تھے کہ ابھی بیدار بھی ہو گئے۔

طلوعِ فجر سے چونکہ ذیحیات کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اسی بنا پر فجر کی قسم کھا کر اسکی افادیت کو واضح کیا گیا ہے

(۲) "الفجر" ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کی صبح۔ یہ اس بنا پر کہ ماہِ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ میں الٰہی محبت و عشق سے سرشار خدا کے خلیل نے اپنے بیٹے جناب اسمٰعیلؑ کی ایسی مثالی قربانی پیش کی جکی مقبولیت کا خود خلاق عالم نے اعلان کرتے ہوئے ہر سال لاکھوں کروڑوں جانوروں کی قربانی کے ذریعے قیامت تک اسکی یاد کو باقی رکھنے کا اہتمام کر دیا۔ جبکہ جناب اسمٰعیل زندہ بچ گئے تھے۔ لیکن ان کروڑوں جانوروں کی قربانی کو کوئی مسلمان اصراف نہیں کہہ سکتا ورنہ یہی قربانی کو ترک کر کے اسکی قیمت رقم کی صورت میں دے سکتا ہے اسی طرح سردار الانبیاءؐ کے فرزند سردار جنت امام حسین علیہ السلام کی بےمثال قربانی کی یاد کو باقی رکھنے کیلئے اگر دنیا کے تمام خزانے بھی لٹا دیئے جائیں تو اصراف نہیں ہوگا بلکہ عین عبادت و سعادت ہے۔ لہذا کربلا کے ذبحِ عظیم یعنی عظیم قربانی کی تشہیر و بقا پر صرف ہونے والے مال و دولت کا رخ کسی دوسری طرف نہیں موڑا جا سکتا۔ ماہ ذی الحجہ میں چونکہ محبت الٰہی میں ایک مثالی قربانی دیگئی اس لیے اس مہینے کے آغاز کی قسم کھا کر اس قربانی کی اہمیت و فضیلت کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس ماہ کی پہلی تاریخ کو حضرت ابراہیمؑ دنیا میں وارد ہوئے اور اسی تاریخ میں خدا نے ان کو اپنا خلیل بنایا۔ اور اسی تاریخ میں حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ اور جس نے اس دن روزہ رکھا اس کے لئے (۸۰) ماہ کے روزوں کا ثواب لکھا جائیگا۔ اسکے علاوہ ذی الحجہ کی ابتدائی تاریخوں میں خدا کے خلیل نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ اور اسی ماہ ذی الحجہ کی ابتدائی دس شبوں کا کوہ طور پر جناب موسیٰ کے رکنے کیلئے اضافہ ہوا۔ اور انہی ایام میں خدا کے خلیل نے لوگوں کو حج کیلئے بلایا۔

(۳) "الفجر" سے قائمِ آلِ محمد کے ظہور کی صبح مراد ہے کہ جس وقت ظلم و جور کی تاریکیاں پوری دنیا کو مکمل گھیر

لیں گی تو اسوقت پیغمبر اسلام کے آخری نائب و وارث امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی صبح نمودار ہوگی آپ کے ظہور سے ظلم و جور کی تاریکیاں ختم ہو جائیں گی اور عدل کا سورج طلوع ہو کر تمام دنیا کو روشن و منور کردیگا۔ جیساکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "الفجر" سے مراد قائم آل محمدؑ ہیں۔ چونکہ قائم آل محمدؑ کے ظہور سے زمین کفر و شرک اور ظلم و جور کی تاریکیوں سے پاک ہو جائے گی اور کرۂ ارض پر اس آخری حجۃ خدا کے ذریعے الٰہی حکومت کا عملاً نفاذ ہوگا۔ اس بنا پر قائم آل محمدؑ کے ظہور کی قسم کھا کر عظمت امامت و ولایت کا اظہار کیا گیا ہے۔

(۴) "الفجر" یکم محرم کی صبح۔" اس لئے کہ ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو انسانی تاریخ کی وہ عظیم ترین اور بے مثالی قربانی راہ خدا میں پیش کیگئی کہ جس قربانی نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی محنت کو بچا کر قیامت تک الٰہی دین کو بقاء عطا کردی کہ جسکی عظمت کی بنا پر خلاق عالم نے اسے ذبح عظیم قرار دیا۔ اسطرح ماہ محرم کے آغاز کی قسم کھا کر اس عظیم و بے مثال قربانی کی فضیلت و عظمت کا اظہار کیا گیا ہے یعنی جو مہینہ اس قربانی کا ظرف بنا جب اسکی یہ فضیلت ہے تو اس ماہ میں ہونیوالی [illegible] قربانی کسقدر عظیم ہوگی۔ اسی بنا پر یہ سورہ امام حسین علیہ السلام سے منسوب ہے جیساکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اپنی فرض و نوافل نمازوں میں سورۂ الفجر کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ حسین کا سورہ ہے اور جو اس سورہ کی تلاوت کرتا رہا وہ بروز قیامت جنت میں حسین علیہ السلام کے درجے میں ان کے پاس ہوگا اور اللہ کی ذات تو عزیز و حکیم ہے۔" برھان۔

ولیالٍ عشر ٥ اور دس راتوں کی قسم۔"

"لیالٍ" پر تنوین تعظیمی ہے یعنی یہ دس راتیں عزت و عظمت والی ہیں۔ عرب اپنے کلام میں شب و روز دونوں کیلئے "لیل" کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اگر "الفجر" سے یکم ذی الحجہ کی صبح مراد لی جائے تو "دس شبوں" سے ذی الحجہ کے پہلے دس شب و روز مراد ہیں۔ جیساکہ انس صحابی راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "ان دس دنوں سے افضل کوئی دن نہیں اور ان دنوں میں عبد صالح کو خدا بہت پسند کرتا ہے ـــ ایک شخص نے ذی الحجہ کے ابتدائی ایام میں روزہ رکھا تو پیغمبر اکرم نے اسے بلا کر کہا کہ ان ایام میں کس فضیلت کی بنا پر روزہ رکھا ہے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ نہیں سُنا لیکن حاجی حضرات چونکہ ان دنوں میں حج کے اعمال و عبادات میں مصروف ہیں تو میں نے چاہا کہ انکی طرح میں بھی عبادت میں مصروف رہوں۔ تو پیغمبر اکرم نے فرمایا تجھے بشارت ہو کہ جس نے ان دنوں میں ایک روزہ رکھا گویا اس نے سو روزے رکھے اور جس نے ایک قربانی دی گویا اس نے سو قربانیاں دیں اور سو گھوڑے غازیان اسلام کیلئے وقف کئے اور اگر بروز ترویہ (۸ ذی الحجہ) روزہ رکھا تو گویا دو ہزار غلام آزاد کئے اور ہزار اونٹ قربان کئے

اور دو ہزار گھوڑے راہ خدا میں مجاہدین کیلئے وقف کئے۔ اور اگر بروز عرفہ روزہ ... (نو ذی الحجہ) ... رکھا تو گویا دو ہزار غلام آزاد کرائے اور دو ہزار اونٹ قربان کئے اور دو ہزار گھوڑے راہ خدا میں مجاہدین اسلام کیلئے وقف کئے اور دو سال کے (جنتی) روزے بھی اسکے لئے لکھے جائیں گے ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے"۔

اور ماہ ذی الحجہ ہی کی ابتدائی تاریخوں میں پیغمبر اسلام نے حضرت ابوبکر کو سورہ برائت کی ابتدائی دس آیات دیکر حج کے موقع پر کفار کو سنانے کیلئے روانہ ہی کیا تھا کہ جبرائیل خدا کا حکم لیکر آئے اور کہا یا رسول اللہ خدا کا فرمان ہے کہ ان آیات کو آپ خود جاکر سنائیں یا وہ مرد جاکر سنائے کہ جو آپ سے ہے (یعنی آپ کا جز ہے)۔ تو پیغمبر اکرم نے حضرت علی کو روانہ کیا کہ اُن سے آیات لیکر مکے کیطرف روانہ ہو جائیں۔ جب حضرت ابوبکر کو پیغام پہونچا کر ان سے آیات لے لی گئیں تو انہوں نے کہا میرے لئے کیا حکم ہے۔ حضرت علی نے فرمایا آپ چاہیں تو ساتھ رہیں اور چاہیں تو واپس لوٹ جائیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں واپس جاتا ہوں۔ تو انہوں نے پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ میں ابھی پیغام لیکر چلا ہی تھا کہ آپ نے مجھے معزول کر دیا اور لوگوں کی گردنیں میری طرف بلند ہونے لگیں۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا یہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ خدا نے کہا ہے کہ علی جاکر بروز عرفہ یہ آیات سنائیں"۔

(۲) ان دس شبوں سے ماہ محرم کے ابتدائی دس شب و روز مراد ہیں کہ جن میں عظیم فدیہ اور لاجواب قربانی خدا کی راہ میں پیش کیگئی کہ جسکی بنا پر اس سورہ کو سورۃ الحسین قرار دیا گیا۔ اسکے علاوہ بعض نے رمضان کی آخری دس شبیں مراد لی ہیں کہ جن میں شب قدر ہے۔

والشفع والوتر ○ والّیل اذا یسر ○ "اور جفت و طاق کی قسم۔ اور رات کی قسم کہ جب وہ گزرتی ہے"۔

الشفع۔ وہ شے جو اپنے مثل سے مل گئی ہو۔ اسی بنا پر "جفت" کے معنی میں ہے۔
"وتر" مفرد کے معنی میں ہے۔ اور "شفع و وتر" کے مفسرین نے کئی معنی و مراد لکھے ہیں۔
(۱) "شفع" سے مراد تمام مخلوق اور "وتر" سے خداوند عالم کی ذات مراد ہے (۲) نماز شب کی شفع و وتر مراد ہے۔
(۳) شفع سے صفا و مروہ اور "وتر" سے خانہ کعبہ مراد ہے (۴) شفع سے حضرت علی و حضرت فاطمہ اور "وتر" سے رسولخدا مراد ہیں۔
(۵) شفع سے امام حسن و امام حسین اور "وتر" سے اوصیاء کے درمیان حضرت علی مراد ہیں۔ (برھان و قمی)۔
(۶) روحانی و تکوینی مخلوق کے درمیان "وتر" رسولخدا ہیں اور تمام روحانی مخلوق و فرشتے اور انبیاء و رسل شفع ہیں۔
امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ "والفجر" سے وجود قائم آل محمد اور "لیال عشر" سے امام حسین اور ان کے نو فرزند (آئمہ) مراد ہیں اور شفع سے حضرت علی و حضرت فاطمہ مراد ہیں اور "وتر" سے خدا کی ذات مراد ہے۔ اور لیل سے دو حکومتیں مراد ہیں کہ جو قائم کی حکومت تک جاری رہیں گی"۔

اور علی ابن ابراہیم کے حوالے سے ہے کہ "شفع" سے مراد امام حسنؑ و امام حسینؑ اور "وتر" سے امیرالمومنین علیہ السلام مراد ہیں۔" جامع۔

اور لیل سے بعض روایات میں مزدلفہ کی شب مراد ہے کہ جس شب میں حجاج عرفات سے رات بسر کرنے کیلئے مزدلفہ جاتے ہیں اور پھر وہاں صبح کی نماز پڑھنے کے بعد منیٰ کیطرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ۝ کیا ان (چیزوں) میں صاحب عقل کیلئے کوئی بڑی قسم ہے؟"

"قسمٌ" تنکیر تعظیمی ہے۔ یہاں استفہام تقریری ہے کہ جس سے قسم کھائی جانے والی اشیاء کی عزت و کرامۃ کا اظہار مقصود ہے۔ کہ یہ اشیاء خدا کی قدرت کے عجائبات میں سے ہیں ــــ اور "ذلک" اشارہ بعید کیلئے ہے یعنی مشارٌ الیہ کہ جسکی طرف اشارہ ہے وہ فضل و شرف میں کامل اور ارفع و اعلیٰ مقام کا حامل ہے۔

"حجر" منع کرنا۔ اور "محجورہ" وہ ہے کہ جسے قاضی مال میں تصرف سے روک دے۔

عقل انسانی چونکہ ناروا و ناشائستہ اور بری باتوں سے روکتی ہے لہذا "حجر" سے موسوم ہے۔ جیسے عقل سے عقال ہے کہ جس کے معنی اونٹ کے زانو بند کے ہیں۔ اور عقل بھی انسانی قدموں کو برائی و خطرات سے روکتی ہے یعنی صاحبان عقل کو چاہئیے کہ خدا نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے ان کو اہم و عظیم جانیں۔ یعنی ان قسموں کے بعد بیان کئے گئے حقائق کو تسلیم کرانے کیلئے کسی اور قسم کی حاجت نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ۝

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے کیا سلوک کیا عاد کے ساتھ۔ ارم جو ستونوں والے تھے۔ کہ جنکی مثل تمام شہروں میں کوئی (طاقتور) پیدا نہیں کیا گیا۔"

یہاں استفہام نفی کے انکار کیلئے یعنی اثبات تقریر اور تعجب کیلئے ہے۔ اور "رؤیۃ" یقین کے معنی میں ہے۔

سورہ کے آغاز کی پانچ آیات میں بڑی بڑی قسموں کے بعد چھٹی آیت سے سولہویں آیت تک تین متمدن و طاقتور گذشتہ اقوام کے کفر و ظلم کے نتیجے میں انکی تباہی و بربادی کا تذکرہ کر کے کفار قریش کو الٰہی پیغام سے سرکشی کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے کہ جب گذشتہ انبیاء سے سرکشی کرنے والی متمدن و طاقتور اقوام اپنے کفر و شرک اور ظلم و ستم کے برے انجام یعنی عذاب الٰہی سے نہ بچ سکیں تو اے کفار قریش اگر تم نے سردار الانبیاءؐ سے بغاوت جاری رکھی تو تم بھی عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتے ـــــ ان تین آیات میں قوم عاد اولیٰ کے تمدن اور دولت و قوت کے تذکرے کے ساتھ انکی تباہی کیطرف متوجہ کیا گیا ہے۔ کہ تم جانتے ہو کہ اس قوم کے ساتھ انکے کفر اور ظلم و ستم

کی بنا پر تمہارے پروردگار نے کیا سلوک کیا اور ان پر کیسا عذاب مسلط کیا کہ جس سے ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ پھر بتایا گیا کہ عاد کون تھے یہ مضبوط قد آور و طاقتور قوم تھی لیکن صرف ھَوا نے انکا صفایا کر دیا۔ اور ان سے جو کسی بنا پر بچ گئے تھے انکی نسل آگے بڑھکر عادِ ثانی کہلائی ــــــ

عادِ ارم۔ کون تھے وہ "ذات العماد"، ستونوں والے تھے ــــــ عاد دو گروہ تھے۔ عادِ اولیٰ اور عادِ ثانی۔ عادِ اولیٰ کے لئے قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے کہ "یقیناً خدا ہی نے عادِ اولیٰ کو ھلاک کیا ــــ نجم"۔ اس عادِ اولیٰ کیلئے کہا گیا ہے کہ یہ عاد ابن عوص بن ارم ابن سام ابن نوح ہے۔ اسطرح انکے جد عاد سے انکو پہچنوایا گیا ــــ

قوم عاد عمان و حضر موت کے درمیان ریگستانوں اور ویرانوں میں آباد تھی ــــ خدا نے انکی طرف حضرت ھودؑ کو بھیجا تھا

"احقاف" وہ زمین کہ جسکی ریت و ویرانی پر پیچ مسافت کو چھپا دے۔ قوم عاد بکثرت بھیڑ بکریاں رکھتے تھے اور چراگاہوں کی تلاش میں ہر طرف پھرتے تھے۔ اور اگر "عماد" سے عمارتوں کے ستون مراد ہوں تو انکے عالیشان محلات و مکانات کا تذکرہ ہے کہ جو انہوں نے پہاڑوں و چٹانوں کو کاٹ کر بنائے تھے۔ جیسا کہ سورہ شعراء میں حضرت ھودؑ کا قول ہے کہ "کیا تم اونچی جگہوں پر یادگاریں بنانے ہو تو بیکار بناتے ہو۔ اور بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے ہو گویا تم ہمیشہ (یہیں) رہو گے"

اور سورہ حٰم سجدہ میں ہے کہ "تو ہم نے (قوم عاد کے) نحوست کے دنوں میں ان پر بڑی تیز آندھی چلائی تاکہ دنیاوی زندگی میں بھی انکو ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔ الخ"

یا "عماد" سے ستون کی مانند طاقتور و قد آور جسم مراد ہیں ــــ ان آیات میں انسانی اعمال بد کے انجام کا تذکرہ کرکے متوجہ کیا گیا ہے کہ اس کائنات کے نظام کیطرح انسان کیلئے مکافاتِ عمل کا نظام بھی ہے کہ خلاق عالم سے سرکشی کی بنا پر برے انجام سے کوئی فرد و قوم نہیں بچ سکتی۔ دنیا میں بھی مکافات عمل کو تم دیکھتے ہو اسی طرح آخرت میں بھی مکمل مکافات عمل کو دیکھو گے ــــ

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝
فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا

"اور قوم ثمود کے ساتھ (کیا کیا) کہ جنہوں نے وادی (قریٰ) میں پتھر تراشے تھے۔ اور (کیا کیا) میخوں والے فرعون کے ساتھ۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی تھی۔ یقیناً تمہارا پروردگار گھات میں ہے۔"

"صبّ" پانی و سنگریزوں کا اس تسلسل سے انڈیلنا کہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے = سوط العذاب ــــ

یعنی مختلف جدا جدا عذاب وسزا۔ یعنی خدا نے ان پر سخت عذاب اور رنج و الم کو فوری طور پر مسلسل برسایا کہ وہ سنبھلنے بھی نہ پائے کہ سیدھے واصل جہنم ہو گئے۔ قوم عاد کو زہریلی مہلک ہوا کے ذریعے اور قوم ثمود کو دل و دماغ کے پردے پھاڑ دینے والی آواز کے ذریعے اور فرعون کو لشکر کے ساتھ دریائے نیل کے ذریعے تباہ کر دیا۔

قوم ثمود حضرت صالحؑ کی قوم تھی کہ جس نے حضرت صالح کی دعوت کو ٹھکرا کر الٰہی پیغام سے سرکشی و بغاوت کی تھی۔ اس قوم نے بھی چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر مضبوط محلات و مکانات بنائے تھے۔ یہ دوسری عرب قوم تھی کہ جو کاثر ابن ارم ابن سام ابن نوح کی اولاد سے تھی۔ اور شام و حجاز کے درمیان کوہستانوں کے درمیان وادی قریٰ میں آباد تھی۔ اور فن حجاری و معماری میں مہارت رکھتی تھی۔ بعض مورخین کے مطابق سب سے پہلے جن لوگوں نے چٹانوں و پتھروں کو کاٹ کر عمارات تعمیر کی تھیں وہ قوم ثمود ہے۔ سترہ سو بستیاں پتھروں کو تراش کر تعمیر کی تھیں۔ حضرت صالحؑ اسی قوم سے تھے اور انہی کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت صالح سے معجزات طلب کئے تھے اور پھر ناقہ کا اسکے بچے کے ساتھ پہاڑ سے نمودار ہونے کے معجزے کو دیکھنے کے بعد جب سرکش ہو گئے اور ناقہ کو قتل کر ڈالا تو خدا کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ اور دل و دماغ کے پردے پھاڑ دینے والی سخت ترین آواز کے ذریعے ان کو تباہ کر دیا گیا۔

فرعون کیلوں کے ذریعے مومنین کو اذیت دیکر ھلاک کرتا تھا۔ جناب آسیہ کو بھی اسی طرح شہید کیا۔ بغوی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ فرعون کے خازن مومن حزقیل کہ جس نے سو سال تک ایمان کو چھپائے رکھا اسکی زوجہ فرعون کی بیٹی کے بالوں کو ایک روز سنوار رہی تھی کہ اسکے ہاتھ سے کنگھی گر گئی تو اس نے کہا اللہ سے کفر کرنیوالو کا برا ہو۔ فرعون کی بیٹی نے کہا کیا میرے باپ کے علاوہ تمہارا کوئی خدا ہے۔ اس نے کہا میرا اور تیرے باپ کا وہ خدا ہے کہ جو تمام آسمانوں و زمینوں کا اور سب کا خدا ہے کہ جو لا شریک ہے اس نے یہ سنکر اپنے باپ کو روتے ہوئے جا کر بتایا کہ تمہارے خازن کی زوجہ کہتی ہے کہ تمہارا اور اس کا اور تمام آسمانوں و زمین کا خدا ایک ہے کہ جو لا شریک ہے۔ فرعون نے اسے بلا کر پوچھا۔ تو اس نے خالق حقیقی کا اقرار کرتے ہوئے کہا اگر تم ستر شہر دینے کا وعدہ بھی کرو تب بھی میں اپنے اللہ سے انکار و کفر نہیں کروں گی۔ حزقیل کی دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کو بلوا کر ماں کے سامنے ذبح کرا دیا اور کہا اپنے اللہ کو چھوڑ دو ورنہ تمہاری دوسری چھوٹی بیٹی کو بھی ذبح کر دیا جائیگا۔ اس مومنہ نے کہا اگر تمام اہل ارض کو بھی ذبح کر دو میں اپنے رب سے کفر نہیں کروں گی۔ تو فرعون نے اس مومنہ کو لٹا کر اس کے سینے پر اسکی شیر خوار بچی کو ذبح کرنا چاہا تو وہ خوفزدہ ہوئی لیکن اسی وقت اسکی بچی نے بقدرت الٰہی کلام کیا اور کہا اماں خوفزدہ نہ ہو خدا نے یقیناً تیرے لئے جنت میں گھر بنایا ہے۔ تم اللہ کی رحمت و کرامت میں جا رہی ہو۔ اس سے اسے اطمینان و سکون ہوا اور پھر بیٹی کے ساتھ ذبح ہو گئی۔ پھر فرعون نے اس کے شوہر کو طلب کیا لیکن وہ گھر سے غائب ہو گیا تو اسے تلاش کرتے ہوئے ایک پہاڑ کے پاس دو افراد پہنچے اور دیکھا کہ وہ خدا کی عبادت میں مصروف ہے اور وحشی

جانوروں کی تین قطاریں اسکے پیچھے کھڑی ہیں۔ یہ دیکھکر وہ واپس لوٹ گئے۔ تو حزقیل نے ان کو دیکھکر خدا سے دعا کی یا اللہ میں نے سو سال تک ایمان کو پوشیدہ رکھا اور کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیا ان دو میں سے واپس جاکر جس نے میرے ایمان کا اظہار کیا اسے دنیا میں بھی عذاب دے اور بروز آخرت دوزخ میں جگہ دے۔ وہ دونوں جب فرعون کے پاس پہونچے تو ایک نے جو دیکھا تھا اسے تمام لوگوں کے سامنے بیان کردیا۔ فرعون نے جب اسکے ساتھی سے دریافت کیا تو اس نے کہا میں اسے نہیں جانتا تو فرعون نے خبر دینے والے کو قتل کرادیا اور دوسرے کو انعام واکرام دیا اور یہ دوسرا شخص باطنی طور پر خدا کی ذات پر ایمان لے آیا اور ایمان کو پوشیدہ رکھا۔ ادھر فرعون کی زوجہ جناب آسیہ نے جب دیکھا کہ فرعون نے حزقیل کی بیوی اور بیٹیوں کو بیدردی سے ھلاک کردیا ہے لیکن انکے ایمان باللہ میں لغزش نہیں آئی تو وہ بھی رب حقیقی پر ایمان لے آئی اور کہا کہ اب فرعون جیسے باغی وسرکش کے ساتھ رہنا کیسا۔ جب فرعون اسکے پاس آیا اور اسکے پاس بیٹھا تو آسیہ نے کہا اے فرعون تو بدترین وخبیث ترین خلائق ہے تو نے اپنے گھر کی خدمت کرنیوالی خاتون کو اسکی بیٹیوں کے ساتھ ذبح کرادیا ہے۔ فرعون نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تجھے بھی وہی جنون لاحق ہوگیا ہے کہ جو اسے لاحق تھا۔ آسیہ نے کہا مجھے جنون نہیں ہے میرا معبود اور اس کا معبود اور آسمانوں وزمین کا رب ایک ہے جو لاشریک ہے۔ فرعون نے غیظ وغضب سے آسیہ کے کپڑے پھاڑ دیئے اور اسے بہت مارا اور پھر اسکے والدین کو بلاکر ان سے کہا کہ جو جنون خادمہ کو لاحق ہوا تھا وہی جنون اسے بھی لاحق ہوگیا ہے۔ آسیہ نے کہا کہ میں اس سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ میرا رب اور تمہارا رب اور آسمانوں وزمین کا رب ایک ہے اور لاشریک ہے —

باپ نے آسیہ سے کہا تم عمالقہ کی بہترین عورتوں میں سے ہو اور کیا تیرا شوہر قوم عمالقہ کا معبود نہیں ہے۔ آسیہ نے کہا جو آپ کہتے ہیں میں اس سے خدا کی پناہ چاہتی ہوں اور فرعون سے آپ کہیں کہ اگر یہ وہی ہے کہ جو آپ نے کہا ہے تو مجھے تاج پہنائے اور سورج اسکے آگے اور چاند اسکے پیچھے اور ستارے اس کے گرد ہوں۔ فرعون نے اس کے والدین سے کہا آپ چلے جائیں۔ پھر اس نے چار بڑی کیلیں طلب کیں جو آسیہ کو لٹا کر اس کے جسم پر ٹھونک دی گئیں اور ادھر آسیہ کیلئے خدا نے جنت کا دروازہ کھولدیا۔ تاکہ اذیت آسان ہو جائے۔

آسیہ نے رب حقیقی سے درخواست کی کہ اپنی قربت میں جنت میں میرا گھر وجگہ قرار دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے۔ تو دست قدرت سے اسکی روح قبض ہوئی اور جنت میں پہونچ گئی۔

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ "بیقیناً تمہارا پروردگار گھات میں ہے"۔ یہ قسم کا جواب ہے۔ مرصاد۔ گھات کی جگہ۔ یعنی الٰہی پیغام سے سرکشی وبغاوت کرنیوالا کوئی کافر ومشرک خدا کی سزا وعذاب سے نہیں بچ سکتا۔ ابن عباس نے کہا ہے کہ پل صراط پر سات مقامات پر ایک ایک سوال کیا جائیگا جس سوال کا جواب نہ دیا گیا دوزخ میں گرا دیا جائے گا۔ پہلے

مقام پر لا الٰہ الا اللہ کی گواہی کا سوال ہوگا۔ دوسرے مقام پر نماز کا سوال ہوگا۔ تیسرے مقام پر زکوٰۃ کا اور چوتھے مقام پر روزے کا اور پانچویں مقام پر حج کا اور چھٹے مقام پر یہ سوال ہوگا کہ زندگی کہاں صرف کردی تھی اور ساتویں مقام پر لوگوں کے حقوق کے متعلق سوال ہوگا کہ جن کے حقوق ہوں گے ادا کرکے جنت کیطرف جانے دیا جائیگا ان آیات میں جس عذاب کا تذکرہ ہے یا خروی عذاب کا مقدمہ ہے اور اخروی عذاب سے بہت ہی کم ہے۔ اور گزشتہ اقوام کے عذاب کے اس تذکرے سے نیکی کی ترغیب اور کفر و شرک اور برائی سے نفرت دلانا مقصود ہے۔

فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾

"مگر انسان کہ جب اس کے پروردگار نے اسے آزمائش میں ڈالا اور اسے عزت و نعمت عطا کی تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری عزت بڑھادی۔"

آغاز کی آیات میں خلاق عالم نے کائنات میں اپنی حکمت و عظمت اور تدبیر و تنظیم کے آثار اور انسان کیلئے شریعتوں کے ذریعہ اپنے خاص لطف و کرم اور رحمۃ و رأفۃ کے نشانات کا تذکرہ کیا ہے اور قسم کے ذریعے ان مادی و معنوی نعمات کی اہمیت و افادیت کو واضح کیا ہے۔ اور پھر ایسے تین طاقتور نافرمان گروہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جنہوں نے نہ ہی الٰہی آیات سے معرفت حاصل کی اور نہ ہی نعمات الٰہی کا شکر ادا کیا۔ بلکہ الٰہی نعمات کا غلط استعمال کرنے کے ساتھ نعمات عطا کرنیوالے رب کریم سے سرکشی و بغاوت کرکے زمین پر ظلم و فساد اور خدا کی نافرمانی کو عام کیا۔ پھر اس سرکشی کا جو انجام عذاب الٰہی کی صورت میں انکو حاصل ہوا اسے بیان کرکے باغی اذہان کو خبردار کیا گیا ہے اور اس کے بعد ان آیات میں انسان کی دوسری حالت یعنی مال دنیا سے لگاؤ کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ انسان مادی نعمات کی فراوانی کو زندگی کی کامیابی قرار دیتے ہوئے ان نعمات مادی کو اپنے لئے خدا کی قربت و محبت کی دلیل قرار دیتا ہے۔ حالانکہ ان مادی نعمات کے عطا کرنے میں مومن و کافر اور دوست و دشمن کا امتیاز نہیں ہے۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ غنیٰ و فقر اور عطا و عدم عطا ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ صاحبان نعمت کو کسی فضیلت و کرامت کی بنا پر مادی نعمات عطا نہیں کی گئیں اور محروم طبقہ کو کسی ذلت کی بنا پر محروم نہیں رکھا گیا۔ بلکہ دونوں کا ابتلاء و آزمائش جدا طریقے سے ہے کیونکہ یہ دنیا دار الامتحان ہے اور آخرت دار الجزا ہے۔ لیکن جہلاء نعمات حیات کی فراوانی کو خدا کی طرف سے عزت و اکرام اور تنگدستی کو ذلت و خسران قرار دیتے ہیں۔ اگر نعمات حیات کی فراوانی اکرام و استحقاق کی بنا پر ہوتی تو یہ دولت و ثروت خدا کی اطاعت سے دور نہ کرتی۔

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾

"اور جب اسے (دوسری) آزمائش میں ڈالا اور اس پر اسکے رزق کو تنگ کیا تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کر ڈالا۔"

اس آیۂ کریمہ میں بھی انسانی خاصیت کو بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ قلت رزق و معاشی تنگی میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے اپنے لئے بدقسمتی اور خدا کی ناراضگی تصور کرتا ہے۔ اور جب رزق کی فراوانی و معاشی آسودگی حاصل ہوتی ہے تو اپنے لئے خدا کی کرامت و شرف تصور کرتا ہے۔ حالانکہ دونوں حالتیں ابتلاء و امتحان کیلئے تھیں۔ چنانچہ سورہ روم میں کفار کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ "یہ لوگ بس دنیاوی زندگی کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بالکل غافل ہیں"۔ اور دنیاوی نعمات و سعادات آخرت کی نعمات و سعادت کے مقابلے میں سمندر کے سامنے ایک قطرے کی مانند ہیں اور دنیاوی زحمات و تکالیف کی اخروی آلام و عذاب کے مقابلے میں یہی صورت ہے۔ دنیا میں محتاج و تنگدست اگر آخرت میں سعید ہو تو یہ دنیاوی احتیاج و تکالیف اسکے لئے سعادت بن جائیں گی۔ اور اگر دنیا میں رزق و معاش کی آسودگی آخرت کے عذاب و آلام کا سبب بن جائے تو یہ رزق و نعمات بدبختی بن جائیں گی۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

ہرگز ایسا نہیں۔ بلکہ تم تو یتیم کا اکرام نہیں کرتے۔ اور تم تو مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔ اور تم میراث کا تمام مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور تم مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو"

کلّا۔ ہرگز نہیں۔ یہ تنبیہ کیلئے ہے۔ یعنی تونگری اعزاز و بزرگی کی بنا پر نہیں ہے اور نہ ہی غربت و افلاس توہین و ذلت کی بنا پر ہے بلکہ مصالح کی بنا پر ہے۔ کبھی تونگری و نعمات کی فراوانی ڈھیل دینے کی بنا پر ہوتی ہے جبکہ نعمات کے ساتھ شکر نہ ہو۔ خدا کے ہاں نیکی و اخلاص اکرام کا سبب ہے اور معصیت و نافرمانی ذلت و اہانت کا سبب ہے۔ سعد صحابی نے تونگری کو اپنے لئے دوسروں پر فضیلت کا سبب خیال کیا تو پیغمبر اکرم نے فرمایا "تمہارے کمزوروں اور ضرورتمندوں کیوجہ سے تمہاری مدد کیجاتی ہے اور تم کو رزق کی فراوانی عطا کی جاتی ہے"۔ بخاری ــ اور غربا صابرین کیلئے پیغمبر اکرم نے فرمایا "غربا اغنیاء سے پانچ سو سال اور نصف یوم پہلے جنت میں داخل ہونگے"، ترمذی
ان آیات میں ان افراد کا تذکرہ ہے کہ جو مال و دولت کی محبت کی بنا پر غرباء و مساکین اور یتامیٰ کو حقیر و ذلیل سمجھنے کے ساتھ انکی نہ خود مدد کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو آمادہ کرتے ہیں بلکہ وہ موقع ملنے پر یتیموں و ضعیفوں و کمزوروں کے اموال خود ہڑپ کر جاتے ہیں۔
امیہ ابن خلف کی تربیت میں ایک یتیم قدامہ ابن مظعون تھا جس کا میراث کا مال امیہ نے غصب کر لیا تھا اور اس پر صرف نہیں کیا۔ تو ان آیات میں خصوصاً اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر قیامت تک اسی طرح کے افراد سے خطاب ہے کہ

یتامیٰ کا مال غصب کرنا انسانیت و شرافت نہیں ہے بلکہ کفار کی صفت و عمل ہے کہ وہ نہ ہی خود یتامیٰ کا اکرام کرتے تھے اور نہ ہی ان کا مال انکو لوٹاتے تھے بلکہ کمزوروں و یتیموں اور عورتوں کو میراث سے محروم کر دیتے اور انکے اموال اپنے مال میں شامل کر لیتے تھے اور کہا کرتے کہ مردوں کی میراث تلوار ہے۔ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ مرنے والے نے کس زحمت سے مال حاصل کیا ہے۔ اور پھر اس بغیر زحمت حاصل کئے گئے مال میں انتہائی بخل سے کام لیتے ہوئے سب خود کھا جاتے۔

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِآيْءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾
يَقُولُ يَٰلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُۥٓ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُۥٓ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾

تو ایسا ہرگز نہیں (یاد کرو کہ) جب زمین کو کوٹ کوٹ کر (زلزلے کے بعد زلزلہ) ہموار کر دیا جائیگا۔ اور تمہارے پروردگار کا (حکم) آئیگا اور فرشتے صف بصف کھڑے ہوں گے اور اس روز دوزخ سامنے کر دی جائے گی تو اس روز انسان نصیحت حاصل کرے گا لیکن اس نصیحت کا کیا فائدہ۔ وہ کہیگا کاش میں نے اپنی زندگی کیلئے پہلے کچھ سامان بھیجا ہوتا تو اس روز اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ ایسا عذاب دینے والا کوئی نہیں اور نہ ہی اسکی گرفت کیطرح کوئی گرفت کر سکتا ہے۔"

کلّا۔ زجر و توبیخ کیلئے ہے۔ دکًّا دکًّا۔ زلزلے کے بعد زلزلہ جس سے تعمیرات و جبال سب ٹوٹ پھوٹ کر ریت بن جائیں گے۔

دکّ اک۔ نرم ریت۔ دکّ ویران کرنا۔ ناہموار کو ہموار کرنا۔ کنوئیں کو پُر کر کے ہموار کرنا۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا یہ زلزلے کا تذکرہ ہے۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "خدا جسم نہیں رکھتا کہ اسکے لئے حرکت ہو کہ وہ ایک مکان سے دوسرے مکان کیطرف منتقل ہو بلکہ وہ مکان سے پاک ہے یہاں خدا کے آنے سے اس کا حکم وامر مراد ہے کہ جو فرشتے لائیں گے۔"

اور امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ "یہاں خدا کے آنے سے اسکی قدرت اور اسکے قہر کے آثار کا ظہور مراد ہے۔"

یعنی اس روز تیرے پروردگار کا اقتدار و قدرت اور عظمت و جلالت اور رحمت و غضب کے آثار اسطرح ظاہر ہوں گے کہ ہر انسان انکا مشاہدہ کرے گا اور اس روز فرشتے صف بستہ مراتب کے لحاظ سے کھڑے ہوں گے اور تمام اہل محشر کو دوزخ کا نظارہ دکھایا جائیگا۔ ایک روز پیغمبر اکرم کو پریشان دیکھکر صحابہ پریشان ہو گئے اور کسی کو پریشانی کی وجہ دریافت کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو حضرت علیؑ سے کہا کہ کوئی عظیم حادثہ رونما ہوا ہے آپ پیغمبر اکرم سے دریافت کریں۔ تو امیرالمومنین حاضر ہوئے اور پشت کی طرف سے آکر شانے کا بوسہ لیکر عرض کیا آپ پر میرے والدین قربان ہوں آپ کو کونسا عظیم امر لاحق ہے اکہ

جس نے آپ کی حالت کو متغیر کر دیا ہے پیغمبر اکرم نے فرمایا جبرائیل میرے پاس ابھی یہ آیات لیکر آئے ہیں " کلّا اذا دکت الارض ۔ الخ " عرض کیا گیا یا رسول اللہ دوزخ کو کسطرح لایا جائیگا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ دوزخ کو ستر ہزار فرشتے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچ کر میدان حشر کے پاس لائیں گے اگر فرشتے اسے قابو میں نہ رکھیں تو اسکا ایک شعلہ ہی تمام اہل محشر کو جلادے اور اسوقت میں دوزخ کیطرف متوجہ ہوں گا تو وہ مجھے کہے گی یا محمدؐ آپ سے کیا کام آپ کا ہر بال مجھ پر حرام ہے ۔ لوگ نفسی نفسی کہیں گے اور میں کہوں گا میرے پروردگار میری امت میری امت ۔ اس وقت کفار اپنی کارگزاریوں کو یاد کر کے نصیحت حاصل کریں گے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوگا وہ حسرت و ندامت میں ہوں گے " ــــ قیامت روز حساب و جزا ہے اور عمل کرنے و نصیحت حاصل کرنے کی جگہ دنیا ہے ۔ کفار و منافقین اور ناصبی اس روز اپنے برے انجام کو دیکھ کر حسرت و یاس میں ہوں گے اور اس روز کوئی سرکش اسکے عذاب سے نہیں بچ سکے گا ۔

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾

" اے کامل اطمینان والے نفس اپنے رب کی طرف اس حالت میں پلٹ آ کہ وہ تم سے راضی اور تم اس سے خوش ۔ پس تم میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنۃ میں داخل ہو جا "

اطمینان ۔ یعنی استقرار و ثبات ۔ نفس کو جب حق پر مکمل یقین حاصل ہو کہ اسمیں شک و وہم اور شبہ کی ملاوٹ نہ ہو تو اسے اطمینان قلب حاصل ہوگا ۔

اس آیت سے قبل دنیا و مال دنیا سے محبت کی بنا پر اطمینان حاصل کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اسکے بعد پروردگار عالم سے محبت و تعلق کے ذریعہ طمانینۃ حاصل کرنیوالوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ یعنی ایک وہ انسان ہے کہ جو عارضی حیات میں عارضی دنیا پر اعتماد کر کے عارضی اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اور دوسرا وہ انسان ہے کہ جو دنیا کی بے ثباتی اور اپنے آغاز و انجام کو جانتے ہوئے فکر کی بیداری کے ساتھ کائنات کے خالق و مالک پروردگار پر ایمان و اعتقاد سے طمانیت قلب حاصل کرتا ہے ۔ طمانیت کا تعلق چونکہ قلب و روح سے ہے اسی بنا پر آغاز اسلام میں جب کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھتا تو صحابہ اس سے پوچھتے کہ کیا تمہارا قلب مطمئن ہے جب اطمینان قلب کا اظہار کرتا تب صحابہ خوشی کا اظہار کرتے ۔ اس سے واضح ہے کہ آغاز اسلام ہی سے مسلمانوں کے نزدیک ایمان حقیقی کی دلیل طمانیت قلب تھی ۔ اور یہ بات واضح ہے کہ خلاق عالم نے انسان کو دینداری کی فطرت پر پیدا کیا ہے اسکی تخلیق کا مقصد خدا شناسی و خدا پرستی ہے جبتک وہ اس مقصد تک نہیں پہونچتا اسے حقیقی سکون و اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اسی بنا پر سورہ رعد میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ " آگاہ رہو کہ خدا کی یاد ہی سے دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے " اسی بنا پر حقیقی طمانینۃ قلب کی اساس محبت الٰہی و یاد خدا ہے ۔ محبت الٰہی کی بنا پر ذکر خدا میں انہماک سے باطن رذائل صفات سے پاک ہو جاتا ہے جسکی بنا پر نفس و باطن

میں صفات الٰہی کا جلوہ نمودار ہوتا ہے۔ اور جسقدر خدا کی محبت و ذکر میں اضافہ ہوگا اسی قدر سکون و طمانیت قلبی میں اضافہ ہوگا یعنی جسطرح ایمان کے مدارج ہیں اسی طرح یقین و طمانیت قلبی میں بھی مدارج ہیں۔ حضرت ابراہیم نے اپنی نگاہوں کے سامنے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھنے کی خواہش کا خدا سے اظہار کیا تھا تو خدا نے کہا تھا کہ "کیا تم ہماری قدرت پر ایمان و اعتقاد نہیں رکھتے ہو" تو عرض کیا تھا کہ ایمان و یقین تو ہے لیکن اس عمل کو نگاہوں کے سامنے دیکھکر نفس مطمئنہ کی منزل حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

یہ مقام تھا خدا کے خلیل کا اور دوسری جانب سردار الانبیاء کے وزیر سید الاوصیاء حضرت علی کا یہ مقام تھا کہ آپ نے فرمایا "اگر میری نگاہوں کے سامنے سے مادی پردے اٹھا دیئے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا"۔ یعنی جہاں محبت الٰہی کامل ہوگی یاد خدا بھی کمال پر ہوگی اور پھر اطمینان قلب بھی ایسا کامل ہوگا کہ مصائب و آلام کا ہجوم بھی اسکی طمانیت قلب میں لغزش پیدا نہیں کر سکے گا۔ کسقدر کامل تھا وہ نفس مطمئنہ کہ صحرائے کربلا میں جسقدر آلام و مصائب کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا اسی قدر اسکا اطمینان نکھرتا جا رہا تھا اور چہرے کی نورانیت نکھرتی جا رہی تھی مصائب و آلام کی حدود تو نظر آ رہی تھیں لیکن اسکے عزم و ہمت اور طمانیت و ایقان کی کہیں حد نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ ہر مصیبت و ابتلاء کی منزل پر معبود و محبوب کی رضا پر راضی ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ اور برستی تلواروں کے ہجوم سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا کہ:

"اگر میرے جد رسول خدا کا دین میری شہادت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا تو اے تلوارو آؤ بڑھ کر مجھے اپنی دھاروں پر لے لو"، وہ صرف امامت و ولایت ہی کا امتحان نہیں دے رہا تھا بلکہ اس امتحان میں پیغمبر اسلام کی نمائندگی بھی کر رہا تھا اسی بنا پر اس آیۂ کریمہ میں پہلا مخاطب یہی نفس مطمئنہ ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "اپنی نمازوں میں سورۃ الفجر کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ حسین علیہ السلام کا سورہ ہے"۔

عرض کیا گیا یہ سورہ ان سے کسطرح مخصوص ہے۔ فرمایا یہاں نفس مطمئنہ سے حسینؑ اور ان کے بعد ان کے شیعہ مراد ہیں"، (تفسیر جامع) ــــ

اور سدیر صیرفی راوی ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا مومن قبض روح سے کراہت کرتا ہے امام نے فرمایا جب قابض ارواح فرشتہ اس کے پاس آتا ہے تو وہ خوفزدہ ہوتا ہے تو وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ اے خدا کے دوست پریشان نہ ہو اس ذات کی قسم کہ جس نے محمدؐ کو برحق نبی مبعوث کیا ہے میں تیرے ساتھ نیکی کروں گا اور تیرے مہربان والدین سے تم پر زیادہ مہربان ہوں اپنی آنکھیں کھولو اور محمدؐ و علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ اور ائمہ کے نور جمال کا مشاہدہ کرو یہ تیرے رفقاء ہیں۔ اور اے وہ کہ جس نے اپنے نفس کو محمدؐ و علیؑ اور ان کے اہل بیت

سے ایمان و محبت کے ساتھ مطمئن کر رکھا ہے اپنے پروردگار کی طرف انکی ولایت اورالہٰی ثواب کے ساتھ لوٹ آ اور جنت میں خاص بندوں میں شامل ہوجا " (صافی ۔ جامع ۔)۔

اور عبداللہ ابن عمر راوی ہیں کہ مومن کی وفات کے وقت دو فرشتوں کو خداوندعالم جنت کے تحائف کے ساتھ مومن کے پاس بھیجتا ہے وہ کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ روح و ریحان کے ساتھ باہر آجا کہ خدا تم سے راضی ہے اور فرشتے اس سے بہترین خوشبو پا کر کہتے ہیں کہ اسے آسمان کیطرف لیجاؤ ۔ جب آسمان تک پہونچتے ہیں تو آسمان کے دروازے مومن کیلئے کھل جاتے ہیں اور راستے میں ہر فرشتہ اس پر رحمت بھیجتا ہے تو عرش کے پاس پہونچکر فرشتے سجدے میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں خدایا تیرا بندہ دنیا میں تیری بندگی کیا کرتا تھا تو خدا میکائیل سے کہتا ہے کہ اس نفس کو مومنین کے ساتھ ملحق کردو اور اسکی قبر ستر گز طول و عرض میں وسیع کردی جائے تو اسکی قبر جنت کے پھولوں سے معطر ہو جاتی ہے "

سورہ البلد (مکیہ)

سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ اٰيَاتُهَا ٢٠ رُكُوْعُهَا ١

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ
وَّمَا وَلَدَ ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿٤﴾ اَيَحْسَبُ
اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾
اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٧﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾
وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ
الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ اَوْ
اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾
اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ
أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

ترجمہ :- "مجھے اس شہر (مکہ) کی قسم۔ درحالانکہ تم اس شہر میں رہتے ہو۔ اور باپ کی قسم اور اولاد کی قسم۔ یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (رہنے والا) پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں۔ اور ایک زبان۔ اور دو ہونٹ نہیں عطا کئے۔ اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دونوں واضح راستے دکھا دیئے۔ پس وہ دشوار گزار گھاٹی سے نہیں گزرا۔ اور تجھے کیا معلوم کہ وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے۔ کسی گردن کو (غلام کا قرض سے) آزاد کرانا۔ یا فاقے کے دن کسی قرابتدار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو کھانا کھلانا۔ تو پھر وہ ان لوگوں میں ہو گیا کہ جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کرنے اور رحم کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ یہی لوگ خوش بخت ہیں۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کیا وہی لوگ بدبخت ہیں۔ کہ ان پر بھڑکتی ہوئی آگ مسلط ہو گی۔

تلاوت :- سورہ البلد کی باقاعدہ تلاوت کرنے والے کیلئے پیغمبر اکرم نے فرمایا "اس سورہ کی تلاوت کرنے والا بروز قیامت خدا کے غضب سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے عقبات سے نجات پائے گا"

اور امام جعفر صادق نے فرمایا "اس سورہ کی (روزانہ) فرض نماز میں تلاوت کرنیوالا دنیا میں بھی نیک لوگوں میں شمار ہوگا اور بروز قیامت بھی اس کا شمار ان لوگوں میں سے ہوگا کہ جن کا خدا کے یہاں بلند مقام ہوگا اور وہ انبیاء و شہداء اور صالحین کا رفیق ہوگا"

حدیث نبوی میں ہے کہ "اس سورہ کو لکھکر کسی بچے کے گلے میں یا کسی حیوان کے نومولود بچے کے گلے میں ڈالدیا جائے تو وہ بچوں کو عارض ہونے والی بیماریوں سے محفوظ رہے گا اور ہر آفت سے محفوظ رہے گا اور رونے کے مرض اور ام الصبیان سے بھی محفوظ رہے گا۔

اور حدیث اہل بیت میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ " سورہ البلد لکھکر جس بچے کے باندھا جائے وہ نقص سے محفوظ رہے گا اور اس کو دھو کر اس پانی کے (چند) قطرات بچے کی ناک میں ٹپکائے جائیں تو وہ ناک کی بیماریوں سے محفوظ رہے گا اور اسکی تربیت اچھی ہوگی۔ (برھان)

نزول :- اس سورہ کا نزول پیغمبرؐ کی مکی زندگی سے متعلق ہے کہ جب کفار مکہ نے اسلام کی قوت و صداقت کے اثرات کو مشاہدہ کیا اور اپنے وقار و اقتدار کو ختم ہوتے دیکھا تو دیوانہ وار پیغمبر اسلام کو اذیتیں پہونچانے میں غرق ہو گئے تو انہی ایام و حالات میں اس سورہ کا نزول ہوا۔

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ "مجھے اس شہر (مکہ) کی قسم۔ درحالانکہ تم اسی شہر میں رہتے ہو"

حرف " لا " یہاں قسم کے معنی میں ہے اور قرآن حکیم میں چند مقامات پر یہ قسم کے معنی میں آیا ہے جیساکہ سورہ تکویر میں ہے کہ " فلا اقسم ۔ الخ۔ قسم ان ستاروں کی جو چلتے چلتے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

- اور سورہ القیامۃ میں ہے کہ " لا اقسم۔ الخ۔ مجھے قسم ہے ملامت کرنیوالے نفس کی"

" لا اقسم۔ الخ مجھے روز قیامت کی قسم" ——

اور عرب بھی اکثر اپنے کلام و اشعار میں حرف " لا " کو قسم کے معنی میں استعمال کیا کرتے جیساکہ نابغہ شاعر کا شعر ہے کہ

فلالعمر والذی قد زرتہ حججا۔ وما ھریق علی الانصاب من جسد۔ اس گھر کی قسم کہ سالہا سال جسکی میں نے زیارت کی ہے کہ جہاں قربانی کے جانوروں کے جسم کا خون نصب شدہ بتوں پر گرایا گیا —— اس شعر میں نابغہ نے حرف " لا " کو قسم کے معنی میں استعمال کیا ——

اس سورہ کے آغاز ہی سے خلاق عالم اپنے حبیب کے فضل و شرف اور عظمت کے اظہار کیلئے شہر مکہ کی قسم کھائی ہے کہ جو حضور اکرم کا مسکن تھا۔ آغاز انسانیت ہی سے مکہ کی سرزمین خانہ کعبہ کیوجہ سے محترم اور جاء امن رہی ہے۔ یہ سنگلاخ سرزمین انبیاء و رسل کے نزول و قیام کا مرکز رہی ہے یہاں انبیاء کے آثار محفوظ ہیں یہیں

مقام ابراہیمؑ و حجر اسود ہے اور اسی سرزمین پر محبۃ الٰہی کیلئے خدا کے خلیل نے بیٹے کی قربانی کا نذرانہ پیش کیا ان تمام امتیازات و خصوصیات اور فضائل کے باوجود اور مرکز رحمۃ خانہ کعبہ کے موجود ہوتے ہوئے خلاق عالم نے شہر مکہ کی قسم نہیں کھائی۔ لیکن جب محبوب الٰہی پیغمبر اسلام کا اس شہر میں ظہور ہوا تو خلاق عالم نے اپنے حبیب کے وجود کیوجہ سے شہر مکہ کی قسم کھا کر اسے عظیم شرف سے مشرف کر دیا۔ اس سے دو باتیں خصوصاً واضح ہوتی ہیں کہ اے رسول تیرے لئے اس شہر مکہ میں رہنا باعث شرف و فضیلت نہیں بلکہ تیرا وجود اس شہر اور خود میرے گھر کیلئے باعث فضل و شرف ہے۔ اور دوسرے اس بات کی وضاحت ہے کہ خاصان خدا یعنی خدا کے محبوب بندوں سے نسبت کی بنا پر اشیاء باعظمت بن جاتی ہیں کہ جنکی تعظیم خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والوں پر فرض ہو جاتی ہے کیونکہ خاصان خدا سے منسوب اشیاء کی تعظیم و تکریم سے خاصان خدا سے محبت و عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی شہر مکہ کے گلی کوچوں میں خدا کا رسول چلا پھرا کرتا تھا۔ پیغام حق پہونچاتا تھا یعنی یہ شہر خدا کے حبیب کے وجود کیلئے ظرف بننے کی بناء پر باعظمت بنا تو پھر جس سرزمین کی خاک میں خدا کے حبیب کا جسم اطہر آرام کر رہا ہو وہ جگہ کس قدر باعزت و باعظمت ہوگی۔ اور پھر اسی ذات مقدسہ کے جوہر نور کا جناب عبداللہ تک جو ذوات ظرف بنی ہوں گی وہ کس قدر طیب و طاہر و باعظمت ہوں گی۔

خانہ کعبہ کا کفار مکہ انتہائی احترام کرتے تھے اسے خدا کا محترم گھر جان کر اسکا طواف کرتے اسکی تعظیم اور اکرام کرتے۔ تو خلاق عالم اہل مکہ کو متوجہ کر رہا ہے کہ میرے گھر کی تو عزت کرتے ہو اور جس حبیب و رسول کے ذریعے میں نے مکے کو عظمت عطا کی اس پر ایمان لانے اور اسکی تعظیم کرنے کے بجائے اسے اذیت پہونچاتے ہو مکان کی تو عزت کرتے ہو اور مکین کی تکریم نہیں کرتے۔

پیغمبر اکرم نے شہر مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا مکہ سے بڑھ کر کوئی پاکیزہ شہر نہیں اور خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہے اے مکہ اگر میری قوم نے تجھ سے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں تیرے علاوہ کہیں نہ ٹھہرتا۔ تفسیر مظہری۔ ترمذی۔

و انت حلّ بھذا البلد۔ درآنحالیکہ تم اس شہر میں رہتے ہو۔ حِلّ حلول سے ہو تو اسکے معنی وارد ہونے کے ہیں تو پھر یہ معنی ہوں گے کہ مجھے اس شہر کی قسم کہ جس میں فی الحال تم قیام پذیر ہو۔ تو اسطرح پیغمبر اکرم کے وجود کی عظمت کا اظہار ہے کہ آپکے وجود مبارک کیوجہ سے یہ شہر خدا کی قسم کا مستحق قرار پایا۔ اور آئندہ مکے میں وارد ہونا مراد ہو تو یہ خوشخبری ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ شہر مکہ کو فتح کر کے آپ اس میں وارد ہوں گے۔

اور حِلّ بمعنی حلال کے ہو تو کفار کے لئے سرزنش ہے کہ اس شہر مکہ کو تم حرم و محترم جانتے ہو اس شہر کی حرمت

عزت کی بنا پر ہر برے و ممنوع کام سے یہاں اجتناب کرتے ہو۔ جنگ و جدل یہاں نہیں کرتے ہو وحشی جانوروں کو یہاں نہیں مارتے ہو اور نہ ہی یہاں کے درختوں کو کاٹتے ہو۔ اپنے باپ تک کے قاتل کو یہاں کچھ نہیں کہتے ہو۔ اگر کوئی قاتل حرم کے درخت کی شاخ کو گردن میں لپیٹ لیتا تو قصاص سے بچ جاتا۔ لیکن وہ پیغمبرؐ کہ جن سے اس شہر کو عزت و شرف میں معراج حاصل ہوئی تم اسی پیغمبرؐ کو اس مقام امن میں اذیت پہونچاتے ہو پیغمبرؐ کی چالیس سالہ پاکیزہ زندگی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اسکی تکذیب کرتے ہو۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "قریش شہر مکہ کی تو تعظیم کرتے لیکن اسی شہر میں حضور اکرمؐ کی ہتک حرمت کو جائز جانتے جبکہ خدا کا ارشاد ہے مجھے قسم ہے اس شہر کی۔ الخ۔

اور "حل"، کے معنی میں دوسرا مفہوم یہ ہے کہ فتح مکہ کے وقت تھوڑے سے وقت کیلئے بعض کفار کو قتل کرنے کیلئے پیغمبر اکرمؐ کے لئے یہ پابندی اٹھالی گئی تھی اور اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ "آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت سے خدا نے سرزمین مکہ کو حرم قرار دیا ہے اور قیامت تک یہ حرم ہے اسکی عزت و حرمت لازم ہے مجھ سے پہلے بھی اور میرے بعد بھی کسی کیلئے یہاں اسکی عزت و حرمت کے خلاف کوئی امر جائز نہیں میرے لئے بھی دن کی ایک ساعت کیلئے حلال قرار دیدیا گیا۔ یعنی پابندی اٹھالی گئی یہاں نہ ہی درخت کاٹا جائے نہ ہی شکار کیا جائے نہ ہی گھاس کاٹا جائے۔ الخ۔ منہج و کبیر۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ "اور باپ کی قسم اور اولاد کی قسم"۔ "والد و ما ولد" سے متعلق مفسرین نے کئی اقوال تحریر کئے ہیں ۱۔ حضرت آدم اور انکی ذریت سے انبیاء و رسل۔ ۲۔ حضرت ابراہیمؑ کہ جن دین حنیف کہ جو تمام ادیان کی اساس ہے اس کے بانی اور خانہ کعبہ کے معمار حضرت ابراہیمؑ اور انکی ذریت سے انبیائے اولوالعزم صاحبان کتاب خصوصاً جناب موسیٰؑ و جناب عیسیٰؑ اور پیغمبر اسلام (اور) محمدؐ و آل محمدؐ۔

بعض مفسرین نے مطلقاً عام افراد مراد لئے ہیں۔ لیکن "والد" پر تنکیر تعظیم کی ہے۔ لہذا ہر باپ و اولاد مراد نہیں ہے۔ سورہ کا آغاز و انداز ہی "والد و ما ولد"، کے مفہوم و مراد کو واضح کر رہا ہے کہ یہاں "والد و ما ولد" سے باعظمت ذوات مراد ہیں چنانچہ اختصاص شیخ مفیدؒ میں "ووالد و ما ولد"، کے ذیل میں سلیمان بن قیس راوی ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں اور میرے بعد ہدایت کرنیوالے اوصیاء ہم سب محدث ہیں۔ سلیمان نے عرض کیا آپ کا کونسا فرزند آپ کا وصی ہے۔ آپ نے فرمایا حسنؑ و حسینؑ اور ان کے بعد میرا بیٹا علی ابن الحسینؑ اور پھر علی ابن الحسینؑ کی صلب سے یکے بعد دیگرے ان کے آٹھ بیٹے اوصیاء ہیں آپ نے آخر تک تمام آئمہؑ کے نام بتائے اور فرمایا کہ خدا نے قرآن میں انکو قسم سے یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ "ووالد و ما ولد"، کہ "والد"، سے مراد پیغمبر اکرمؐ اور "ما ولد"، سے مراد ائمہ ہیں سلیمان نے عرض کیا یا امیرالمومنین کیا ایک وقت میں دو امام جمع ہو سکتے

ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن ان میں سے ایک ناطق اور دوسرا اسکی وفات تک صامت ہوگا ـــــ تفسیر البرہان میں اس آیت کے ذیل میں ہے کہ " والدٍ " سے مراد امیرالمومنین ہیں اور " ما ولد " سے آپ کی ذریت سے آئمہ معصومین مراد ہیں " ـــــ پیغمبر اکرم بھی ابوالائمہ ہیں اور امیرالمومنین بھی ابوالائمہ ہیں لہذا مذکورہ دونوں روایات میں کوئی تفاوت نہیں۔ نور رسالت کا جزو ہونے کی بنا پر حضرت علی نے فرمایا " ولدنی رسول اللہ " مجھے رسول خدا نے (اپنی حقیقۃ) سے جنم دیا ہے "

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ " یقیناً ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (رہنے والا) پیدا کیا ہے "

کبد کے معنی مشقۃ وتعب کے ہیں (مفردات) کہ انسان دنیا وآخرت میں شدائد و مصائب میں گھرا ہے گا تو اس طرح آیت کے یہ معنی ہوئے " ہم نے انسان کو رنج و سختی میں پیدا کیا " یعنی انسان سخت و مشکل امور کی انجام دہی کیلئے پیدا کیا گیا ہے آغاز حیات ہی سے بطن مادر کی جگہ سے مشقت سے وقت گزارنے کے بعد زحمت ولادت سے گزر کر مشقت وآفات کی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ پھر زندگی بھر زحمات و مشقات سے دوچار رہتا ہے ـــ اور " کبد " کے دوسرے معنی مستوی القامت کے ہیں یعنی سیدھا ـ جیسا کہ جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو اسکی روشنی زمین پر سیدھی پڑتی ہے تو عرب کہا کرتے " تکبدت الشمس " یعنی سورج وسط آسمان پر پہونچ گیا " تو اسطرح آیت کے معنی ہوں گے کہ " ہم نے انسان کو طاقتور مستوی القامت اور رنج و مشقت میں پیدا کیا ـــ اسطرح انسان کو اسکی پیدائش سے دنیا میں آنے تک کے حالات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ کس طرح والدین کے رگ وریشہ میں اولاد کی محبت بھر دی تاکہ تربیت محبت و رحم سے ہو۔ لیکن تمام احسانات کے بعد عقل وشعور آنے کے بعد اپنے اسی محسن حقیقی رب کریم سے انسان باغی ہو جاتا ہے ـــــ

أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ " کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتا "

" یحسب " میں ضمیر انسان کیطرف راجع ہے۔ اور " أ " استفہام انکاری وتوبیخی ہے۔ یہ انسان ولید ابن مغیرہ اور اس کا دوسرا طاقتور ساتھی نوجوان ابوالاشد ہے کہ جس کو اپنی دولت وقوۃ پر فخر تھا۔ ابوالاشد اسقدر طاقتور تھا کہ کسی چمڑے پر بیٹھ جاتا تو دس آدمی ملکر بھی اگر اس چمڑے کو کھینچتے تو وہ پھٹ جاتا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔ اسے اس آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنی دولت وقوۃ کے غرور میں یہ خیال نہ کرنا کہ تجھے سزا دینے و عذاب میں گرفتار کرنے پر کوئی قادر نہیں۔ اور اس کے علاوہ وہ کفار بھی مراد ہیں کہ جو اپنی دولت و قوۃ پر مغرور ہونے کی بنا پر اسلام و پیغمبر اسلام کے سخت مخالف ہونے کی بنا پر کمزور مسلمانوں

کو سخت اذیتیں پہونچاتے تھے۔

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ۝ "وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔"

"لبد" مال کثیر۔ یہاں عمرو ابن عبدود مراد ہے کہ جس نے لوگوں کو راہ اسلام سے ہٹانے کیلئے اپنا کثیر مال صرف کیا تھا۔ اور جب روز خندق میدان میں آیا تو امیر المومنین نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا تو اس نے کہا میرا وہ کثیر مال کہاں گیا کہ جو میں نے تمہاری مخالفت میں صرف کیا تھا۔ پھر اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اسلام قبول کروں جبکہ مال کثیر مخالفت میں صرف کیا ہے۔ تو حضرت علی نے اسکے انکار پر اسے قتل کر دیا۔ برھان۔ نور الثقلین۔

اسکے علاوہ مال و اقتدار پر فخر و غرور کرنیوالا ہر شخص مراد ہے کہ جو مال کو فخر و ریاکاری اور خواہشات نفسانی کیلئے صرف کرتا ہے کہ جنکا انجام سوائے ندامت و پشیمانی کے اور کچھ نہیں ہے اور جبکہ عرب میں رنگ و نسل اور دولت و اقتدار پر افتخار شدت سے غالب تھا۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ بروز قیامت جگہ جگہ پر انسان سے سوال کیا جائے گا کہ تمام زندگی کس کام میں صرف کر دی۔ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں صرف کیا۔ اور علم پر کیا عمل کیا اور محبۃ محمدؐ و آل محمدؐ کے متعلق سوال ہوگا۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ یہ آیت عمرو بن عبدود کیلئے نازل ہوئی کہ اس نے کہا تھا کہ میں نے محمدؐ و علیؑ کی عداوت اور اس نور کو بجھانے کیلئے بہت مال صرف کیا تاکہ لوگوں کیلئے خدا کی راہ بند ہو جائے۔ تو خدا نے اسکے جواب میں فرمایا کہ یہ مال اپنے عقبہ کے لئے نہیں چھوڑا کہ وہ اپنے نفس کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کرالیتا۔"

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝ "کیا ہم نے اسے دو آنکھیں۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ عطا نہیں کئے۔"

وجود جسمانی کی نعمات میں سے آنکھیں و زبان دو عظیم نعمات ہیں جنکے ذریعے آیات الٰہی کا مشاہدہ کر کے حق و صداقت کی زبان سے گواہی دیجاتی ہے۔ زبان سے انسان مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے اور نگاہوں سے کائنات و آفاق میں آیات الٰہی کا مشاہدہ کر کے بصیرت حاصل کرتا ہے۔ حدیث قدسی میں خدا کا ارشاد ہے کہ اے اولاد آدم تم نے اپنی زبان کو بیہودہ کلمات کیلئے استعمال کرتا ہے تو میں نے دو ہونٹ اسکی قید

کیلئے بنائے ہیں لہذا انکو بند کر لو اور اگر تمہاری نگاہیں آوارگی اختیار کرنے لگیں تو دو پلکیں اسکی قید کیلئے بنائی ہیں انکو بند کر لو۔ اسی طرح اپنے جسم کے اعضاء کو آوارگی سے قابو میں رکھو"۔ یعنی مال و دولت آنے کے بعد تم کسی طرف نہیں دیکھتے ہماری دی ہوئی نگاہوں سے ہماری آیات و نشانیوں کو دیکھکر میرے وجود کا یقین کر کے میری نعمات پر میرا شکر ادا کرو اور اپنے اردگرد غرباو مساکین کو دیکھکر میرے دیئے ہوئے مال سے ان پر صرف کرو۔ اور پھر اپنی زبان سے کار خیر کیلئے دوسروں کو آمادہ کرو۔ میں نے نگاہیں و زبان اور مال و دولت معصیت و نافرمانی میں استعمال کرنے کے لئے نہیں دیئے ہیں۔ ایسی نگاہیں اور ایسی زبان کہ جو صرف رضاء الٰہی میں استعمال ہوئی ہوں وہ نگاہیں و زبان انہی ہستیوں کی ہو سکتی ہیں کہ جو لباس عصمت سے آراستہ ہوں جنکی نگاہیں اطاعت الٰہی میں استعمال ہونے کی بنا پر عین اللہ کہلائیں اور زبان رضاء رب میں استعمال ہونے کی بنا پر لسان اللہ کہلائے۔ اسی بنا پر امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ یہاں "عینین" سے مراد رسول خدا ہیں اور "لساناً" سے مراد علی ہیں اور "شفتین" سے مراد حسنؑ و حسینؑ ہیں اور "نجدین" سے مراد ان حضرات کی ولایت ہے"۔
اس کے علاوہ "نجد" بلند زمین یا بلند راستے کو کہتے ہیں یہاں خیر و شر اور کفر و ایمان کے راستے کو "نجدین" سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی جس طرح بلند جگہ و بلند راستہ واضح ہوتا ہے اسی طرح نیکی اور برائی کے راستے کو عقول انسانی کیلئے اس نے انبیا و رسل کے ذریعے واضح کر دیا ہے اب ہر شخص کو اختیار ہے کہ جس راستے کو چاہے اختیار کرے۔

"نجد" کے معنی چونکہ بلند زمین کے ہیں اسی بنا پر عرب کے ایک علاقے کو نجد سے موسوم کیا گیا ہے چنانچہ اسی نجد کی سرزمین سے متعلق صحیح بخاری میں ایک اہم ارشاد نبوی ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "یا اللہ ہمارے شام اور یمن پر برکت نازل فرما تو وہاں موجود بعض صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ہمارے نجد میں۔ پیغمبرؐ نے پھر یہی کلمات کہے تو ان صحابہ نے پھر کہا یا رسول اللہ ہمارے نجد میں پیغمبر اکرمؐ نے تیسری بار پھر یہی کلمات کہے تو ان صحابہ نے پھر کہا ہمارے نجد میں تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوگا" (مشکوۃ باب ذکر یمن و شام) ـــــ یعنی جسطرح جانور سینگ سے زمین سے مٹی اکھاڑتا ہے اور گرد اڑا دیتا ہے اسی طرح نجد سے خود شیطان کا سینگ یعنی نظریہ ظاہر ہوگا وہ مزار مقدسہ کو اکھاڑ پھینکے گا ـــــ

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝

بس وہ دشوار گزار گھاٹی سے نہیں گزرا ۔ اور تجھے کیا معلوم کہ وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے ۔ کسی گردن کو (غلامی یا قرض ہے) سے آزاد کرانا ۔ یا فاقے کے دن کسی قرابتدار یتیم کو یا کسی خاک سار محتاج کو کھانا کھلانا ۔

"اقتحام" خود کو شدت ومشقت میں ڈالنا ۔ عقبہ یعنی پہاڑ میں سخت دشوار گزار راستہ یعنی نیکی کے راستہ پر چلنے کی مشکلات اور غلاموں کو آزاد کرانے میں مدد کرنا اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلانا ——

مسغبۃ ۔ مقربہ ۔ متربہ ۔ مصدر میمی ہیں = مسغبۃ بمعنی بھوک کے اور ذی مسغبۃ یعنی بھوکا جو دن ہیں بھوکا ہو ——

مقربۃ یعنی قرب وقرابت = اور ذا مقربہ قرابتدار —— متربہ بمعنی خاک نشین اور ذا متربہ بینوا ۔ خاکسار ، مسکین ۔ بے حرکت ہونا جو بھوک اور برہنگی کی بنا پر حرکت پر قادر نہ ہو —— یعنی قحط کے ایام میں مسکین ویتیم کو کھانا کھلانا ایسا ہے کہ جیسا غلام کو آزاد کرنا یا آزادی میں مدد کرنا یا آتش جہنم سے آزاد کرانے کی مانند ہے ۔

ان آیات میں نیکی کے راستے کو پہاڑ کے دشوار گزار راستے سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ نیکی میں خواہشات نفسانی کے خلاف چلنا اور ہوا و ہوس کی سرکوبی کرنا ہے کہ جو جہاد اکبر ہے ۔ یعنی جب مادی بلندی تک پہونچنے کیلئے زحمات ومشقات ہیں تو روحانی ومعنوی بلندی تک رسائی کیلئے بھی کچھ مشقات و زحمات کو برداشت کرنا پڑتا ہے ۔ یعنی اخروی ابدی کامیابی کے حصول کیلئے دشوار گزار راستوں سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کیلئے خواہشات نفسانی ووساوس شیطانی سے آزادی حاصل کرنے کی طرح غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد کرانا خود کو آتش جہنم سے آزاد کرانے کے مترادف ہے —— غلامی شخصی ہو یا قومی اور سیاسی غلامی ہو یا معاشرتی دین الٰہی کا مقصد ان تمام غلامی کی اقسام سے آزادی دلانا ہے ——

خواہشات نفسانی یعنی برائی کے راستے پر تو انسان دل کھول کر مال صرف کرتا ہے ۔ ریاکاری ۔ فخر وغرور اور حق وصداقت کے خلاف وقتی تسکین نفس کیلئے تو بے دریغ دولت صرف کر دی جائے لیکن اخروی ابدی پاکیزہ حیات کیلئے راہ خیر پہ مال صرف کرنے سے دل ودماغ آمادہ نہ ہو ۔ ان آیات میں خواہشات نفسانی وصفات ذمیمہ سے نجات دلانے کا ایک طریقہ بیان کیا گیا ہے —— پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اسکے ہر ہر عضو کے بدلے میں اس نے اپنے اعضاء کو (دوزخ سے) آزاد کرایا ہے ۔ الخ —— براء ابن عازب راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے حاضر ہو کر

پیغمبر اکرمؐ سے سوال کیا کہ مجھے جنت میں جانے کا کوئی عمل بتایئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تمہارا اکیلا کسی غلام کو آزاد کرنا یا اسکی آزادی میں رقم سے مدد کرنا اور اسکے علاوہ قرابتداروں کے ساتھ ان کے ظلم و زیادتی کے باوجود صلہ رحمی کرنا یہ صورت حاصل نہ ہو تو بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور پیاسے کو سیراب کرو اور نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو اور اگر یہ صورت بھی حاصل نہ ہو تو کم از کم اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو بات کرو تو نیکی و اچھائی کی بات کرو ورنہ خاموش رہو" شعب الایمان بیہقی۔

ایک شخص نے امام رضاؑ سے اپنے بیٹے کی بیماری کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ اسے کہو کہ اپنے ہاتھ سے روٹی کا صدقہ دے"۔

"عقبہ" تفسیر اہل بیت میں ہے کہ عقبہ سے امیر المومنین اور آپ کے بعد ائمہ اہل بیت کی ولایت مراد ہے۔ ان ذوات مقدسہ کی عقیدۃ و ولایت ہی آخرت کی سختیوں سے نجات دلائے گی۔ انہی کی ولایت کا بروز حشر قدم قدم پر سوال کیا جائیگا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ "اے لوگو آگاہ رہو تمہارے آگے سخت عقبہ ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ تم اسکی سختی کیوجہ سے اسے عبور نہیں کرسکو گے اور میں چاہتا ہوں کہ اطاعت و عبادت کے حکم سے اس عقبہ کو تمہارے لئے آسان کردوں"۔

اور تفسیر نور الثقلین میں ہے کہ ابان ابن تغلب نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے "فلا اقتحم العقبۃ" کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "جسے خداوند عالم نے ہماری ولایت سے عزت و شرف عطا کیا وہ عقبہ کو عبور کرلیگا اور وہ عقبہ حقیقی ہم ہیں جو اس عقبہ یعنی ولایت و محبت آل محمدؐ کی سخت منزل سے گزر گیا وہ نجات پاگیا۔ پھر رک کر امام نے فرمایا "کیا تجھے ایسا حرف نہ بتاؤں کہ جو تیرے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہو۔ عرض کیا جی ہاں۔ امام نے فرمایا خدا کا قول ہے "فک رقبۃ" تمہارے اور تمہارے گروہ کے علاوہ سب کے سب لوگ آگ کے قیدی ہیں پس جو ہم اہل بیت کی محبت و ولایت میں داخل ہوگا وہی آتش دوزخ سے آزاد ہوگا اور عقبہ ہماری ولایت کا نام ہے"۔ اور اصول کافی میں ہے کہ یونس نے امام جعفر صادقؑ سے اس آیت "فک رقبۃ" کے متعلق دریافت کیا تو امام نے فرمایا "یہ ولایت امیر المومنین ہے کہ جو گردنوں کو آتش دوزخ سے آزاد کرائے گی۔ اور جس پر خدا نے ہم ائمہ اہل بیت کی ولایت کا احسان کیا وہ قیامت کے عقبہ کو عبور کرلیگا اور ہم عقبہ ہیں کہ جس نے ہماری ولایت کو قبول کیا اس نے اخروی عقبہ سے نجات پالی"۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہم آل محمدؐ کی ولایت اور ہماری معرفت کے ذریعے لوگ جہنم سے نجات پائیں گے اور ہم ہیں کہ جو بھوک و افلاس کے روز لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں"۔ قمی ـــــ اور آپ نے فرمایا جس نے ہمارے محتاج شیعہ پر احسان کیا خدا اسے اسقدر اجر دیگا کہ جسے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا"۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ "جس نے بھوکے مومن کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا تو سوائے اللہ کے یعنی ملائکہ اور نہ ہی نبی مرسل اور نہ کوئی اور مخلوقِ خدا بروز قیامت اس کے اجر کو شمار کر سکے گی" پھر آپ نے فرمایا مغفرت کے اسباب سے بھوک سے پریشان حال مسلمان کو کھانا کھلانا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت "او اطعام فی یوم ذی مسغبہ" پڑھی ——

اور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ "بیوہ و مسکین کیلئے دوڑ دھوپ کرنیوالا ایسا ہے کہ جیسے راہ خدا میں جہاد کیلئے دوڑ دھوپ کرنیوالا ہے۔ صحیح بخاری ——

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾

"تو پھر وہ ان لوگوں میں ہو گیا کہ جو ایمان لے آئے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت اور رحم کرنے کی تلقین کرتے رہے یہی لوگ خوش بخت ہیں"

ایمان کے بعد عمل کی منزل پر وہ لوگ کہ جو ایمان کی قوت سے خود بھی راہ حق و صداقت میں زحمات و مشکلات کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے ہیں اور دوسرے برادران ایمانی کو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ اور خود بھی دوسروں پر احسان کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی احسان کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اسی طرح اسلامی معاشرے کی تشکیل کیلئے باہمی ہمدردی اور اخوت و محبت اور ایثار و قربانی کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہی خوش نصیب لوگ آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کرنے والے اور نعمات جنت پانیوالے ہیں —— اور جو لوگ خدا و رسولؐ کے احکام سے بغاوت بھی کرتے ہیں اور نہ خود راہ ہدایت اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو نیکی پر آمادہ کرتے ہیں اور حقیقتوں اور صداقتوں سے انکار کرتے ہوئے دنیاوی زندگی کی آسائشوں ہی کو مقصد حیات بنالیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں عذاب جہنم کے علاوہ کچھ نہیں ہے ——

خدائی احکام کی بجا آوری اور محرمات الہٰی سے اجتناب بغیر صبر و ضبط کے ممکن نہیں ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے تین قسم کے افراد کو جنتی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ "وہ شخص جنتی ہے کہ جو ہر رشتہ دار و ہر مسلمان کیلئے رحیم و رقیق القلب ہو"

صبر کی وصیت سے امر الہٰی کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے اور رحم و کرم کی وصیت سے مخلوق پر شفقت کی طرف اشارہ ہے —— اور چونکہ ہر عبادت و عمل خیر بغیر محبت و ولایت محمدؐ و آل محمدؐ کے قبول نہیں ہوتا اسی لئے مذکورہ آیت کے متعلق معصوم کا ارشاد ہے کہ یہاں اصحاب امیر المومنین مراد ہے"، قمی ——

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

"اور جن لوگوں نے ہماری آیات سے انکار کیا وہی لوگ بدبخت ہیں۔ کہ ان پر بھڑکتی ہوئی آگ مسلط ہوگی۔"
آیات الٰہی و نعمات خداوندی کی تکذیب کرنیوالے اصحاب مشئمہ ہیں یہ وہ بدبخت لوگ ہیں کہ بروز قیامت جن کو ان کا نامۂ اعمال بائیں جانب سے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ اور چونکہ محمدؐ و آل محمدؐ کی ذوات مقدسہ سے بڑھکر کوئی نعمت عظمیٰ نہیں ہے کیونکہ یہی ذوات مقدسہ سبب تخلیق کائنات اور سبب بقاء کائنات ہیں لہذا اصلی اصحاب مشئمہ وہی لوگ ہیں کہ جنھوں نے ان ذوات مقدسہ سے انحراف کیا۔ اسی بنا پر امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ "اصحاب مشئمہ" سے ہم آل محمدؐ کے دشمن مراد ہیں۔" قمی۔ اور انہی کو دوزخ کی آگ اسطرح ڈھانپ لیگی کہ جس میں سے کسی طرح سے نکل نہیں سکیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سورۂ والشمس (مکیہ)

سورة الشمس مكية | بسم الله الرحمن الرحيم | آياتها ١٥ ركوعها ١

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا
جَلّٰهَا ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿٤﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿٥﴾ وَ
الْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿٦﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿٧﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا
وَتَقْوٰهَا ﴿٨﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿١٠﴾
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ﴿١١﴾ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿۱۵﴾

ترجمہ :۔ سورج کی قسم اور اسکی روشنی کی قسم اور چاند کی قسم کہ جب وہ اسکے پیچھے پیچھے آتا ہے۔
اور دن کی قسم کہ جب وہ دنیا کو روشن کردے۔ اور رات کی قسم کہ جب وہ دن پر چھا جائے۔
اور آسمان کی قسم اور اس ذات کی قسم کہ جس نے اسے بنایا۔
اور زمین کی قسم اور اسکی قسم جس نے اسے بچھایا۔
اور نفس (انسانی) کی قسم اور اسے سنوارنے والے کی قسم۔
پس اس نے اسکی برائی و پرہیزگاری کا اسے الہام کر دیا۔
یقیناً وہ کامیاب رہا کہ جس نے نفس کو پاکیزہ رکھا۔
اور یقیناً وہ نامراد رہا کہ جس نے اسے دبا دیا۔
قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث (صالحؑ نبی کو) جھٹلایا۔
کہ جب ان کا سب سے بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا۔
تو اللہ کے رسول (صالحؑ) نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا۔
تو اللہ نے انکے گناہ کیوجہ سے ان پر ایسا عذاب نازل کیا کہ جس نے انکو ایک ساتھ خاک میں ملا دیا۔
اور اسے انکی ھلاکت کے انجام سے کوئی اندیشہ نہیں۔

تلاوت :۔ اس سورہ کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا کہ "جس نے اس سورہ کی تلاوت کی اسے ان تمام چیزوں کے برابر ثواب ملے گا کہ جن پر سورج و چاند روشنی ڈالتے ہیں"۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا جو شخص نیک توفیقات سے محروم ہو وہ اس سورہ کو زیادہ پڑھے تو خدا اس کی توفیقات میں اضافہ کردے گا اور وہ جہاں جائیگا نفع حاصل ہوگا اور اس کا حافظہ تیز ہوگا اور لوگوں

میں اسکی مقبولیت بڑھے گی اور مرتبہ بلند ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "جسکی روزی میں کمی ہو یا توفیقات میں کمی ہو یا نقصان و خسارے کو دیکھے اور غم و پریشانی میں مبتلا ہو تو وہ سورہ والشمس کی باقاعدہ تلاوت کیا کرے تو خداوند عالم اسکی روزی و توفیق میں اضافہ کردے گا اور نقصان و خسارے کو دور کردے گا اور اسے لکھکر پانی سے دھو کر اسے وہ پانی پلایا جائے تو اس کا اضطراب و بےچینی زائل ہو جائے گی۔" برھان۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "جو سورہ والشمس و سورہ واللیل و سورہ والضحیٰ اور سورہ الم نشرح کی دن یا رات میں بکثرت تلاوت کرتا رہا تو اسکے سامنے کی تمام اشیا روز قیامت اس کے حق میں گواہی دیں گی بلکہ اس کے بال و کھال اور گوشت و خون بھی اسکی تلاوت کی گواہی دیں گے۔ اور خداوند عالم ان کو کہے گا کہ میں نے تمہاری گواہی قبول کرلی ہے اور اپنے بندے کو دوزخ سے نجات و امان دی ہے اسے میرے باغاتِ جنت کیطرف لیجاؤ جس درجۂ جنت میں چاہے اسے محض میرے فضل و احسان کی بنا پر پہونچا دو اور وہ جنت میرے بندے کیلئے خوشگوار ہے۔" منہج۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ "سورج کی اور اسکی روشنی کی قسم۔ اور چاند کی قسم کہ جب وہ اسکے پیچھے پیچھے آتا ہے۔

تکوینی و آفاقی آیات یعنی آیاتِ سماوی و ارضی اور نفس انسانی کے ساتھ آٹھ اقسام کی قسم کھا کر انسانی حیات کی کامیابی و ناکامی کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ انسان کتاب تکوینی کا کامل ترین نسخہ و صحیفہ ہے۔

آفاقی آیات میں سے دو بڑی آیات یعنی شمس و قمر کی قسم سے آغاز کیا گیا ہے کہ جن پر ارضی حیات کا دارومدار ہے۔ ان کے منافع کی کثرت اور قانون فطرت کی پابندی کرنے کی طرف فکر انسانی کو متوجہ کیا گیا ہے کہ کسطرح کائنات کے ذرّے سے لیکر آفتاب و ماہتاب تک سب کے سب حیات انسانی کی خدمت کے لئے خلاق عالم کے قوانین کی پابندی کرنے میں مصروف ہیں۔ لہذا خود حضرت انسان کو کس قدر اپنے خالقِ مہربان کا شکرگزار و فرمانبردار ہونا چاہیئے۔

رات کے سایئے میں تمام ذی حیات عالم اموات کیطرح ہو جاتے ہیں اور صبح ہوتے ہی اپنی اپنی آرامگاہ سے اٹھکر نکلنا شروع کردیتے ہیں۔ گویا سورج کا طلوع و آمد صور پھونکے جانے کی مانند ہے کہ جس نے تمام عالم میں قوتِ حیات پھونک دی کہ جس سے تمام اموات متحرک و زندہ ہوگئے۔ اور پھر سورج کے بلند ہوتے ہوتے ذیحیات کاروبار حیات میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ عالم حیات کا قیام و بقا سورج کے وجود

اور طلوع وغروب سے وابستہ ہے۔ کائنات کی ہر شئے و ہر ذرہ اپنے وجود و نظام سے اپنے خالق کے وجود وعظمت اور علم و حکمت اور قدرت و اختیار اور رحم و کرم اور ربوبیت کا اظہار کر رہا ہے۔ اس سورہ کی ابتدائی آیات میں شمس و قمر اور لیل و نہار کہ جن کا انسانی حیات و بقا سے اہم تعلق ہے ان کا ذکر کرکے انسانی عقل و فکر کو خالق کے عظیم احسانات کیطرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اس رب کریم نے نعمتِ حیات عطا کرنے کے بعد حیات کی بقاء کیلئے کس طرح تمام پُرحکمت انتظامات کردیئے ہیں۔ لہٰذا انسان کو اپنے اس مہربان خالق و مالک اور رب کا مطیع و فرمانبردار ہونا چاہیئے۔

ضحیٰ ۔ اس کے معنی اگرچہ چاشت کے وقت کے ہیں لیکن یہ لفظ روشنی و حرارت دونوں پر محیط ہے۔
لاکھوں سال سے آج تک مسلسل سورج بقاءِ حیات کیلئے ضوفشانی کر رہا ہے جسقدر بقاءِ وجود و حیات کے لئے روشنی و حرارت کی ضرورت تھی اسی قدر فیض پہونچ رہا ہے۔

اگر موجودہ روشنی و حرارت میں کمی یا زیادتی ہوجائے تو یہ زندگی کی روانی ختم ہوجائے۔ سورج کا وجود روشنی زمین پر بقاءِ حیات کا بڑا و اہم سبب ہے۔ سورج کی روشنی سے نباتات زمین کے سینے کو شگافتہ کرکے ذی حیات کیلئے خوراک فراہم کر رہے ہیں۔ سورج ہی کی شعاعیں سمندر سے پانی کو بخارات کی صورت میں فضا میں پہونچا کر ہوا کی دوش پر ایک سمندر مہیا کردیتی ہیں پھر ہواؤں کے ذریعے ان بادلوں کو ضرورت کے مقامات تک پہونچانے میں سورج ہی کی روشنی و حرارت کا عمل دخل ہے۔ سورج کا وجود یعنی روشنی و حرارت نہ ہو تو نہ ہی نباتات کی ہریالی باقی رہے اور نہ ہی بادل و بارش ہو۔ اور یہ زمین چٹیل میدان بن جائے۔ اور نہ ہی ان چمکتے سیاروں کا وجود باقی رہے۔

ہزاروں کیمیاوی اعمال سورج کی شعاعیں انجام دے رہی ہیں۔ اس کارخانہ کائنات میں جسقدر رنگارنگی ہے اور زندگی کی مختلف اشکال نظر آرہی ہیں یہ سب سورج ہی کے وجود و روشنی کی کرشمہ سازیاں ہیں سورج کی روشنی ہی کائنات میں قسم قسم کی رنگینی بکھیر رہی ہے یہ رنگ برنگے پھول و نبات یہ لہلہاتے کھیت و سبزہ زار سورج ہی کی روشنی کا کرشمہ ہیں۔

سورج سے ایک سیکنڈ میں 63000 کلوواٹ فی مربع میٹر توانائی خارج ہورہی ہے اور اسکی کل توانائی کا 41/- فیصد حصہ روشنی کی صورت میں اور 50/- فیصد حصہ حرارت کی شکل میں اور 9/- فیصد حصہ بنفشی شعاعوں کی صورت میں زمین کیطرف آتا ہے۔ اس توانائی کا 46/- فیصد حصہ زمین کی سطح تک پہونچ جاتا ہے۔ اور 35/- فیصد حصہ فضا میں منعکس ہوجاتا ہے اور 19/- فیصد حصہ فضا میں جذب ہوجاتا ہے۔ سورج کی وہ توانائی جو زمین تک پہونچ رہی ہے وہ انسان کے بنائے ہوئے توانائی کے تمام ذرائع سے لاکھوں گنا

زیادہ ہے۔ یہ توانائی زمین کو گرم کرتی ہے اور پانی کو بخارات میں تبدیل کرکے بارش کا انتظام کرتی ہے اور زمین سے تعفن کو دور کرتی ہے یہی آکسیجن فراہم کرتی ہے کہ جس پر زمین پر ذی حیات کی زندگی کا انحصار ہے۔

سورج ہی سے کچھ کاسمک شعاعیں بھی زمین کیطرف آتی ہیں کہ جو فضا میں اور زمین پر مختلف تعامل پیدا کرتی ہیں ـــــ اور سورج کیطرح چاند بھی وجود و حیات ارضی پر اثر انداز ہے۔ سورج کی غیبت میں شب کی تاریکی میں چاند ہی سورج سے کسب ضیا کرکے لیلیٰ شب کو منور کرکے حیات و وجود کو فیضیاب کرتا ہے۔ سورج کی روشنی چاند کے ذریعے جب زمین پر وارد ہوتی ہے تو اسکی صفات و تاثیرات بدل جاتی ہیں۔ سورج کی شعاعیں اگر نباتات کو پکاتی ہیں تو چاند کی روشنی انہیں خوشبو و دیگر تعامل مرتب کرتی ہے اور پھر چاند کو متحرک قرار دیا اسکی گردش سے کسقدر موجودات ارضی کے فوائد وابستہ ہیں اور چاند کی اسی قدر روشنی کا انتظام کیا گیا کہ جسقدر مفید حیات تھی۔

چونکہ ارضی حیات کی بقا ر کا سورج و چاند اہم سبب ہیں لہٰذا اگر سورج یا چاند گہن کی صورت میں ان کے فیض میں جب کچھ کمی واقع ہوتی ہے تو فوراً اس فیض کی تکمیل کیلئے خلاق عالم کی بارگاہ میں سجدہ میں جھک جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ اس کائنات کے اختتام پر شمس و قمر کے چراغ بجھ جائیں گے تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ گہن بڑھکر سورج و چاند کے چراغ بجھانے کا سبب بن جائے یا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس فیض حیات کی کمی کا سبب انسانی اعمال ہوں۔ لہٰذا سجدہ میں جھک جانے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ یہ فیض حیات مکمل بحال ہو جائے۔

غرض شمس و قمر کی قسم کے ذریعے جہاں ان آیات الٰہی کی حیات مادی کیلئے اہمیت و افادیت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے وہاں مخاطب کیلئے اس سورہ میں بیان کئے گئے حقائق پر یقین کو پختہ کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم چونکہ علوم و حقائق کا جامع صحیفہ ہے اس لئے اسکی ہر ہر آیت کے ظاہری معانی کے ساتھ ساتھ باطنی معانی بھی ہیں۔ کیونکہ یہی وہ صحیفہ سماوی ہے کہ جسکی ہر ہر آیت میں حقائق و معارف کی نشر نشر گہرائیاں ہیں۔ سورہ والشمس کے آغاز میں خلاق عالم نے انسان کی حیات مادی کیلئے دو اہم فیض رساں شمس و قمر اور انکی ضیا پاشی کی قسم کھا کر جہاں اپنے فیوضات کی اہمیت کو واضح کیا ہے وہاں فکر انسانی کو ایک اور اہم مفہوم کیطرف بھی متوجہ کیا ہے ـــ یعنی خالق کائنات رحمان و رحیم نے انسان کی حیات حیوانی و مادی کی بقا ر و روانی کیلئے اسقدر اہتمام کیا ہے تو اس خالق علیم و حکیم نے انسان کی حیات انسانی و روحانی کیلئے کسقدر اہتمام کیا ہو گا۔ یعنی جسطرح حیات ظاہری و مادی کیلئے شمس و قمر کے

وجود وفیض رسانی کی ضرورت ہے اسی طرح حیات انسانی یعنی حیات باطنی وروحانی کیلئے بھی آفتاب نبوۃ
وقمر امامت کی ضرورت ہے جسطرح سورج کی غیاب میں حیات مادی کو فیضیاب کرنے کیلئے چاند اسکی نیابت
بلا فصل کرتا ہے اسی طرح آفتاب نبوت کے غیاب میں قمر امامت بھی اسکی نیابت بلا فصل کرتا ہے۔ جس طرح
چاند کی روشنی وکمال سورج کے وجود وروشنی سے ہے اسی طرح قمر امامت کا کمال بھی آفتاب نبوت سے ماخوذ
ہے جسطرح چاند کے طلوع ہوتے ہی درندے ولٹیرے ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آفتاب نبوت کے
غائب ہوتے ہی اور ماہتاب امامت کے ہدایت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی - - - - - - - =

غرض اسی بنا پر یہاں شمس سے تفسیر باطنی کے لحاظ سے پیغمبرؐ اکرم کی ذات مراد ہے اور چاند سے امیرالمومنین
کی ذات مراد ہے چنانچہ اصول کافی میں سلیمان دیلمی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے جب اس آیت
کی تاویل دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا ،،شمس سے مراد رسول خدا ہیں کہ آپ کی ذات سے دین حق کو لوگوں
کیلئے روشن وواضح کیا گیا اور آپ کا ارشاد ہے کہ تمہارے درمیان میری مثال سورج نصف النہار کی مثال ہے اور
علیؑ چاند کی مانند ہیں کہ جب سورج غروب کرے تو چاند کے نور سے رہنمائی حاصل کرو اور ،،نہار،، سے
ذریت فاطمہؑ سے ائمہ مراد ہیں کہ لوگ ان سے خدا اور رسول کے دین کے بارے میں سوالات کرتے ہیں اور وہ
خدا کے دین کو لوگوں کیلئے واضح کرتے ہیں رات سے بنی امیہ اور ہر ظالم حاکم وباطل رہبر مراد ہیں کہ جنہوں
نے رسول خدا کے امر وحکم کو بدل ڈالا اور مسند آل محمدؐ پر قابض ہو کر بیٹھ گئے اور دین خدا کو ظلم وجور کا لبادہ پہنایا اور
انکی تاریکی نے آل محمدؐ کی روشنی کو گھیر لیا۔ اور آسمان سے بھی پیغمبر اکرم کی ذات مراد ہے اور ارض سے علیؑ کے شیعہ
مراد ہیں ؎ تفسیر جامع - برہان - نور الثقلین ــــ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۝

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جب میں تبلیغ رسالت کیلئے مامور ہوا تو میں نے بنی امیہ کو اپنی رسالت کا پیغام دیا تو
انہوں نے مجھے جھٹلایا اور میں نے بنی ہاشم کو دعوت دی تو علیؑ نے ظاہر وپوشیدہ ہر طرح سے میری حمایت
کی اور ابو طالب نے ظاہر بظاہر حمایت کی لیکن ایمان کو دل میں پوشیدہ رکھا تو جبرائیل نے اپنا جھنڈا بنی
ہاشم کے درمیان گاڑھ دیا اور ابلیس نے اپنا جھنڈا بنی امیہ میں گاڑھ دیا پس وہ اور انکی اولاد قیامت تک
ہماری اور ہماری اولاد کی دشمن رہے گی۔

جابر انصاری راوی ہیں کہ پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا کہ سورج سے ھدایت حاصل کرو اور جب سورج غائب ہو
تو چاند سے ھدایت حاصل کرو اور جب چاند غائب ہو تو زھرہ سے ہدایت حاصل کرو جب زھرہ
غائب ہو تو فرقدین سے ہدایت حاصل کرو۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ سورج وچاند اور زہرہ وفرقدین
سے کیا مراد ہے۔ تو پیغمبر اکرم نے فرمایا سورج میری ذات ہے اور چاند علیؑ کی ذات ہے اور زہرہ فاطمہؑ ہیں

اور فرزندین حسن و حسین ہیں۔ روضۃ الصفا جلد ۳"

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۞ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۞

"اور آسمان کی قسم اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بنایا۔ اور زمین کی قسم اور اسکی قسم کہ جس نے اسے بچھایا۔"

آسمان نزول رحمات الٰہی کا مرکز ہے۔ سیارے و ستارے اسی میں آویزاں ہیں اور حیاۃ ارضی کی بقا، اسی سے وابستہ ہے اور نفوس و قلوب کی زمین کی فیضیابی کیلئے وحی ربانی کا نزول انہی سماوی بلندیوں سے متعلق ہے اور اسی وسیع کائنات میں کھربوں سیارے و ستارے رواں دواں ہیں۔
امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ دعاؤں کیلئے آسمان کیطرف ہاتھ کیوں بلند کئے جاتے ہیں تو امام نے فرمایا چونکہ اسباب رزق اسی طرف ہیں اس لئے ہاتھوں کو اسی طرف بلند کیا جاتا ہے۔
اس آیہ کریمہ میں آسمانی عظمت و وسعتوں کیطرف قسم کھا کر متوجہ کیا گیا ہے اور آسمان کی قسم کے بعد زمین کی قسم کے ذریعے زمین کے وجود کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ یہاں "ما"، مَن کے معنی کو واضح کرتا ہے۔
خلاق عالم نے زمین کو وجود عطا کرتے ہی محوری و مرکزی حرکت پر گامزن کر دیا۔ اسکی محوری حرکت سے شب و روز پیدا ہوتے ہیں اور سورج کے گرد گردش سے سال وجود میں آتا ہے جس سے انسانی فطرت و حیات کی مناسبت سے موسم بدلتے ہیں اور نباتات و دیگر اسباب حیات پر مناسب اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر زمین کی یہ حرکتیں نہ ہوتیں تو نہ موسم بدلتے اور نہ ہی حیات کا وجود باقی رہتا۔ محوری حرکت نہ ہوتی تو ایک حصے پر مسلسل نہ ختم ہونے والا دن رہتا اور دوسرے حصہ پر مسلسل نہ ختم ہونے والی رات کی گہری تاریکی رہتی۔ جسکی بنا پر زمین پر زندگی کی یہ روانی نہ ہوتی اسی طرح اگر مرکزی حرکت نہ ہوتی تو بھی نہ موسم بدلتے نہ ہی نباتات کی یہ ہریالی ہوتی۔ اور زندگی کی بقا ناممکن ہو جاتی۔ یہ اس رحمان و رحیم اور علیم و حکیم رب کریم کا احسان ہے کہ اس نے زمین کو نباتات کو روئیدہ کرنے کی صلاحیتوں کیساتھ خلق کرتے ہی متحرک کر دیا اور اسکی حرکات کو متوازن رکھنے کیلئے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈالدیئے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۞ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۞

"اور نفس (انسانی) کی قسم اور اسے سنوارنیوالے کی قسم پس اسنے اسکی برائی و پرہیزگاری کا اسے الہام کر دیا ہے۔"

جسطرح انسان کو ظاہری حسن سے آراستہ کرتے ہوئے اسے قوت سامعہ و باصرہ اور لامسہ شامہ اور ذائقہ کی قوئ عطا کیں ۔ اور اسے اسطرح سنوارا گیا کہ وہ نفس ناطقہ کا ظرف بن سکے اور نفس انسانی اس کے ذریعے علمی و معنوی تکامل کی منازل طے کر سکے ۔ اسی طرح اس لباس بشری میں ملبوس نفس و روح کو بھی مختلف قوئ و صلاحیتوں سے آراستہ کیا گیا ہے ۔ یعنی عالم اکبر کیطرح عالم اصغر یعنی نفس انسانی میں بھی متضاد قوتیں جمع کر دی گئیں ۔ اس کے وجود میں خیر و شر کے متضاد دواعی و محرکات بھی ہیں اور خیر سے محبت اور شر سے نفرت بھی اسکی فطرت سلیمہ کا خاصہ ہے ۔ انہی فطری محرکات کے درمیان توازن قائم کرنا ہی کمال و شرف انسانی ہے ۔ انہی قوئ اور صلاحیتوں کے رضاء رب میں استعمال کرنے سے نفس کا تزکیہ حاصل ہوتا ہے اور راہ باطل میں استعمال سے گمراہی و ھلاکت حاصل ہوتی ہے ۔ یعنی گمراہی و ھلاکت سے بچنے کیلئے خلاق عالم نے انسانی فطرت میں صلاحیت پیدا کر دی ہے ۔ اور اسی طرح اپنے وجود کے لقاء و تکمیل کیلئے کائنات کے حقیر ذرّے اور حجر توے سے لیکر شمس و قمر تک ہر شے کے وجود میں فطری صلاحیت پیدا کر دیگئی ہے یعنی الہام کر دیا گیا ہے ۔ چنانچہ سورہ طہٰ میں ہے کہ "وہی ذات کہ جس نے ہر شے کو پیدا کرتے ہی ھدایت کر دی" یعنی ہر شے کو پیدا کرتے ہی وجود و لقاء کے اسباب کی فطری ھدایت کر دی ہے ۔ اور اسیطرح انسانی فطرت میں بھی نیکی و برائی کی تمیز کا الہام و شعور ودلعیت کر دیا گیا ہے ۔

آفاقی شہادتوں کے بعد نفس کی شہادت کیطرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اگر انسان اپنے نفس میں غور و فکر کرے کہ کس طرح فطری ہدایت اور خیر و شر کا شعور اسے عطا کیا گیا ہے تاکہ وہ نیکی کو اختیار کر کے نفس کا تزکیہ کر کے ابدی کامرانی حاصل کرے اور شر سے دامن بچا کر خود کو ابدی شقاوت و عذاب سے نجات دلائے ۔ نفس انسانی کے تکامل و ابدی کامرانی کیلئے جن صفات و خصوصیات کی ضرورت تھی اسے ان سے مکمل آراستہ کر دیا گیا ہے ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کے سلسلے میں فرمایا کہ "انسان کو جو کام کرنا چاہیئے اور جس کام سے بچنا چاہیئے خدا نے نفس کیلئے اسکی وضاحت کر دی ہے اور خود اس کا ارشاد ہے کہ "جس نے اطاعت کی وہ کامیاب رہا اور جس نے نافرمانی کی وہ نقصان میں رہا ۔"

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۝

"یقیناً وہ کامیاب رہا کہ جس نے نفس کو پاکیزہ رکھا"

اور یقیناً وہ نامراد رہا کہ جس نے اسے دبا دیا ۔"

یہ آیات قسم کا جواب ہیں آفاقی وارضی اشیاء کی قسم کھا کر انسانی کامیابی و ناکامی کی صورت کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی وہ انسان کامیاب و کامران رہا کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا یعنی کفر و شرک اور معاصی و رذائل صفات سے اپنے نفس کو پاک رکھا اور علم و معرفت اور طاعت و بندگی کے ساتھ نفس کی تربیت اور تزکیہ کیا۔

ابن عباس راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا کہ "تزکیہ نفس تزکیہ قلب کا سبب ہے جس نے نفس کا ہوا و ہوس سے تزکیہ کیا تو اسوقت اس کا قلب ماسوی اللہ سے پاک ہوگیا قرآن حکیم نفس و باطن کی طہارت کو کامیابی کی دلیل قرار دیتا ہے کہ اسی سے اخروی نجات و کامیابی حاصل ہوگی اور نفس و باطن کی کفر و شرک اور ظلم و معصیت سے آلودگی کی وجہ سے اخروی تباہی و ہلاکت حاصل ہوگی۔ قرآن حکیم مختلف مقامات پر انسان کی ابدی کامرانی کیلئے صفات حسنہ کو بیان کرتا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں کامیاب انسان یعنی متقی و جنتی کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "جن کے وجود میں خیر و شر میں تمیز کرنے کی جو قوت ودیعت کی گئی ہے اسے کام میں لا کر وہ برائی سے اجتناب کرکے نیکی و بھلائی کو اپنا شعار بناتے ہیں، اور وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی انسانی حواس سے پوشیدہ حقائق و غیوبات پر یقین رکھتے ہیں اور ایمان باللہ یعنی محبت الٰہی کا عملی ثبوت عبادت و طاعت کے ذریعے ظاہر کرتے ہوئے نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ خدا نے انکو عطا کیا ہے اسے خدا کی محبت و راہ میں خندہ پیشانی سے خرچ کرتے ہیں اور خدا و بندوں کے حقوق نکالتے ہیں اور گزشتہ انبیاء و کتب سماوی پر ایمان رکھتے ہیں اور روز جزا و حساب پر اعتقاد رکھتے ہیں"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "امیر المومنینؑ نے اپنے نفس کا مکمل تزکیہ کیا اور فلاں فلاں نے اپنے نفس کا دسیسہ کیا اور علیؑ کی بیعت میں فریب کرکے اپنے نفس کو تباہ کیا اور آخرت کے عذاب کا شکار ہوئے ان آیات میں نفس کا تزکیہ کرنے یا نفس کو کفر و معصیت اور اخلاق ذمیمہ میں دبا دینے کے عمل کی نسبت خود انسان کی طرف دیکر واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل و کردار میں خود مختار ہے مجبور نہیں ہے ___

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۠

"قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث اسے (صالح نبی کو) جھٹلایا جبکہ انکا سب سے بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا۔ تو اللہ کے رسولؑ نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اسکے پانی پینے سے خبردار رہنا تو انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا

اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں)

آفاقی گواہیوں کے بعد تاریخی گواہی پیش کی گئی ہے کہ جن افراد و اقوام نے الٰہی تعلیمات و ھدایات سے ہدایت و تزکیہ حاصل کرنیکے بجائے انکی تکذیب کی کہ جس کے نتیجے میں انکو الٰہی عذاب نے پالیا۔ تو اے قریش تم بھی قوم ثمود کی اپنے نبی سے سرکشی کے انجام سے واقف ہو۔ لہٰذا خدا کے آخری رسولؐ کی تکذیب سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا بھی وہی انجام ہوگا ـــــ قوم ثمود نے حضرت صالحؑ کی تکذیب کی اور خدائی آیت یعنی ناقہ کو ھلاک کیا جسکی بنا پر وہ عذاب کا شکار ہوگئے۔

قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے نبوت کی تصدیق کیلئے معجزہ طلب کیا تھا کہ اس پہاڑ سے ایک اونٹنی کو بچے کے ساتھ ظاہر کردیں تو خدا نے جب اونٹنی کو بچے کے ساتھ ظاہر کر دیا تو حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا اس چشمے کا پانی ایک روز تم سب پیوگے اور ایک روز یہ ناقہ پیئے گا جس روز ناقہ پانی پیئے گا اس روز تم سب لوگ اسکے دودھ سے سیراب ہوگے۔ اور اگر تم نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا تو یاد رکھو تم پر عذاب نازل ہوگا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں قوم سرکش ہوگئی اور ان کے بدبخت ترین شخص قدار نے ناقہ کی ٹانگیں کاٹ کر اسے ھلاک کردیا جس پر پوری قوم کو عذاب الٰہی نے پالیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "مسلمانوں کے ایک گروہ نے قوم ثمود کی طرح پیغمبر اکرمؐ کی تکذیب کی تو خدا نے ان کے لئے یہ نازل کیا کہ انکی خواری کا خاتمہ قائمؑ کی تلوار سے ہوگا۔"

"انبعاث" کے معنی کمربستہ ہوکر اٹھنے کے ہیں۔ یعنی قوم ثمود جرم و معصیت اور سرکشی پر کمربستہ ہوگئی تو خدا نے ان پر عذاب کے دروازے کھول دیئے۔

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا

(تو اللہ نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر ایسا عذاب نازل کیا کہ جس نے ان کو ایک ساتھ خاک میں ملا دیا۔ اور اسے (انکی ہلاکت کے) انجام سے کوئی اندیشہ نہیں)۔

قریش نے جب دارالندوہ میں اپنی نجی محفلوں میں پیغمبر اکرمؐ کو قتل کرنے کیلئے مشورے کئے تو خدا نے اس سورہ میں جناب صالحؑ کی قوم کی تکذیب و سرکشی پر ان کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے کفار قریش کو متوجہ کیا اور جب خدائی نشانی ناقہ کو قتل کرنیکی بنا پر پوری قوم ثمود سخت عذاب کا شکار ہوگئی تو اے قریش اگر تم نے خدا کے حبیب کو نقصان پہونچایا تو تم بھی اس سے سخت ترین عذاب الٰہی کا شکار ہو جاؤ گے۔

ناقہ صالحؑ کو ہلاک کرنے میں دس افراد شریک تھے اور پوری قوم ان کے اس جرم پر راضی ہونے اور انکو اس جرم پر آمادہ کرنے کی بنا پر عذاب الہٰی میں مبتلا ہو گئی ـــــ جناب صالحؑ نبی کی نبوت کی نشانی و معجزہ یعنی ناقہ کو قتل کرنے والی قوم تو خدا کے ابدی عذاب کی مستحق قرار پائے اور وہ قوم کہ جو محبوب خدا سردار انبیاء کی پاکیزہ ذریت کو قتل کرے اور سردار جنت و دوش نبوت کے سردار نواسہ رسول کو شہید کر کے انکی لاشوں کو پامال کرے تو وہ کیونکر خدا کے ابدی عذاب سے بچ سکتی ہے ــــ اور جسطرح ناقہ کو قتل کرنیوالوں کے ظلم و جرم پر راضی ہونے کی بنا پر پوری قوم پر عذاب آیا اسی طرح نواسۂ رسول کے قتل پر راضی ہونے والے بھی قاتلان امام کے ساتھ خدا کے ابدی عذاب میں شریک ہوں گے ـ

مستدرک حاکم جلد ۳ میں ہے کہ حیان اسدی راوی ہے کہ حضرت علیؑ نے کہا کہ پیغمبر اکرم نے مجھ سے فرمایا یا علیؑ عنقریب میرے بعد امت تم سے غداری کرے گی اور تم میری سیرت و ملت پر زندگی بسر کرو گے اور میری سنت پر تم قتل کئے جاؤ گے جس نے تمہیں محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے تم سے بغض کیا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور یقیناً تیری یہ (ڈاڑھی) اس (سر کے خون) سے خضاب ہو گی"ـــــ

تفسیر ثعلبی و تفسیر واحدی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ یا علی اولین کے بدبخت ترین وہ تھے کہ جنہوں نے ناقہ صالحؑ کو بچے کے ساتھ قتل کیا تھا اور اس امت کا بدبخت ترین وہ ہے کہ جو تجھ سے جنگ کرے گا اور تیری ڈاڑھی کو تیرے خون سے سرخ کرے گا"ـــــ

ابن عباس نے کہا کہ ابن ملجم قدار کی اولاد سے تھا ـــ اور امیر المومنین نے ابن ملجم سے فرمایا کہ میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ تیری ماں بحالت نجاست تجھ سے حاملہ ہوئی تھی ـــ

جناب صالحؑ نے قوم کو تین دن میں عذاب آنے کی وعید کی ـ تو ناقہ کو قتل کرنے والے افراد جناب صالحؑ کو قتل کرنے کیلئے چلے تاکہ اگر صالحؑ سچے ہیں تو جو عذاب آنا ہے وہ جلد آجائے اور اگر سچے نہیں ہیں تو ناقہ سے ان کو ملحق کر دیا جائے ـــ جب وہ جناب صالحؑ کے گھر کے قریب پہنچے تو فرشتوں نے ان کے سروں کو کچل دیا انکی قوم نے دیکھا تو انھوں نے جناب صالحؑ کو قتل کرنا چاہا تو جناب صالحؑ کے قبیلے والے آگے آگئے اور کہا تم صالحؑ کو قتل مت کرو تین روز میں تم پر عذاب آنیوالا ہے اگر وہ سچے ہیں تو ان کے قتل کیوجہ سے تم پر عذاب مزید سخت ہو جائیگا ـ اور اگر سچے نہیں ہیں تو پھر جو چاہو کرنا تو وہ لوٹ گئے ـ پہلے روز صبح کو ان کے چہرے زرد ہو گئے اور عذاب کا یقین ہو گیا تو دوبارہ جناب صالحؑ کو قتل کرنے چلے لیکن جناب صالحؑ ان کو نہ مل سکے اور تیسرے روز عذاب نے ان کا صفایا کر دیا"ـــــ

سورہ کی آخری آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ کسی قوم کی سرکشی و نافرمانی کی بنا پر اسے ھلاک کر دینے پر خداوند عالم

کو نہ ہی کسی جہنم کا خوف ہے نہ ہی پشیمانی کیونکہ اس کا ہر کام حکمت و مصلحت اور عدل پر مبنی ہوتا ہے وہ قادر مطلق و مالک کائنات اور علیم و حکیم ہے۔ اس کا کسی سرکش کو فوری عذاب میں مبتلا کر دینا اور کسی سرکش کو چند روز کی مہلت دینا حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ جناب نوحؑ کی قوم کو طویل مہلت دیکر نوحؑ کے ساتھ اسّی افراد کو بچا کر پوری دنیائے انسانیت کو طوفان میں غرق کر دیتا ہے۔

وہ صرف جناب لوطؑ کو بستی سے نکال لیتا ہے اور فوراً پوری بستی کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح اس نے جناب صالحؑ کو انکی قوم سے نکال لیا اور انکی پوری قوم کا نام و نشان مٹا دیا۔ وہ اپنے علم و حکمت کی بنا پر جو چاہتا ہے کرتا ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔

سورۂ واللیل (مکیۃ یا مدنیۃ)

سورة اللیل مکیة — بسم الله الرحمن الرحيم — آیاتها ٢١ رکوعها ١

وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى (١) وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى (٢) وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ
وَالْأُنْثٰى (٣) إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (٤) فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى (٥)
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (٦) فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى (٧) وَأَمَّا مَنْ
بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى (٨) وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى (٩) فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى (١٠)
وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدّٰى (١١) إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى (١٢) وَإِنَّ
لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولٰى (١٣) فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى (١٤) لَا يَصْلَاهَا

کو نہ ہی کسی جہنم کا خوف ہے نہ ہی پشیمانی کیونکہ اس کا ہر کام حکمت و مصلحت اور عدل پر مبنی ہوتا ہے
وہ قادر مطلق و مالک کائنات اور علیم و حکیم ہے۔ اس کا کسی سرکش کو فوری عذاب میں مبتلا کر دینا
اور کسی سرکش کو چند روز کی مہلت دینا حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ جناب نوح علیہ السلام کی قوم کو طویل مہلت
دیکر نوح کے ساتھ اسّی افراد کو بچا کر پوری دنیائے انسانیت کو طوفان میں غرق کر دیتا ہے۔
وہ صرف جناب لوط علیہ السلام کو بستی سے نکال لیتا ہے اور فوراً پوری بستی کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح اس نے
جناب صالح علیہ السلام کو انکی قوم سے نکال لیا اور انکی پوری قوم کا نام و نشان مٹا دیا۔ وہ اپنے علم و حکمت
کی بنا پر جو چاہتا ہے کرتا ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔

سورۂ واللیل (مکیہ یا مدینہ)

سورة الليل مكية — بسم الله الرحمن الرحيم — آياتها ٢١ ركوعها ١

وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ﴿١﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ﴿٢﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ
وَالْأُنثَىٰ ﴿٣﴾ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ﴿٤﴾ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ
بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾
وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ﴿١١﴾ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ
لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا

إِلَّا الْأَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿۱۷﴾
الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿۱۸﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ
تُجْزَىٰ ﴿۱۹﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿۲۱﴾

ترجمہ :۔ رات کی قسم کہ جب وہ چھپا لیتی ہے۔ اور دن کی قسم کہ جب وہ روشن ہو جائے۔ اور اس ذات کی قسم کہ جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا۔

یقیناً تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو جس نے (راہ خدا میں) عطا کیا اور (خدا سے) ڈرا۔ اور نیکی (تعلیمات الٰہی) کی تصدیق کی۔ تو ہم اسکے لئے نیکیوں کے حصول کو (اپنی توفیق سے) آسان کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (پروردگار سے) بے پرواہ ہوا اور نیکی کو جھٹلایا۔ تو ہم اس کے لئے مشکلات کے راستہ کا حصول آسان کر دیں گے۔ اور جب وہ دوزخ میں گرے گا تو اس وقت اس کا مال اسکے کچھ کام نہیں آئے گا۔ یقیناً ہمارے ذمے ہدایت کرنا ہے اور بیشک آخرت و دنیا دونوں ہمارے اختیار میں ہیں۔ پس ہم نے تمہیں بھڑکتی آگ سے ڈرایا ہے۔ کہ جسمیں وہ جلے گا جو انتہائی بدبخت ہوگا کہ جس نے (توحید کو) جھٹلایا اور روگردانی کی اور اس (دوزخ) سے وہ بچ جائیگا کہ جو نہایت پرہیزگار ہوگا۔ کہ جو اپنا مال (راہ خدا میں) دیتا رہا تاکہ پاکیزہ ہو جائے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں کہ جس کا وہ بدلہ اتارتا ہے۔ مگر وہ صرف اپنے بزرگ تر پروردگار کی خوشنودی کیلئے دیتا ہے۔ تو عنقریب وہ (اسکی جزا پر) خوش ہو جائے گا۔

تلاوت :۔ سورۂ والیل کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جس نے سورہ واللیل کی تلاوت کی تو خدا

اسے اسقدر عطا کریگا کہ وہ راضی و خوش ہو جائیگا اور خدا اسے تنگدستی سے محفوظ رکھے گا اور اسکی نیک توفیقات میں اضافہ کریگا اور اسے اپنے فضل و کرم سے غنی کردے گا۔ اور سوتے وقت اس سورہ کو پندرہ دفعہ پڑھنے والا نیند میں اچھی باتیں دیکھے گا کہ جن کو وہ پسند کرتا ہے اور برائی نہیں دیکھے گا اور جس شخص نے اس سورہ کو عشاء کی نماز میں پڑھا تو گویا اس نے چوتھائی قرآن کی تلاوت کی اور اسکی نماز قبول ہوگی۔"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "جس نے اس سورہ کو پندرہ مرتبہ پڑھا وہ کوئی ناپسندیدہ امر نہیں دیکھے اور نیند میں خدا اسے امن و حفاظت میں رکھے گا اور اگر بیہوش اور مرگی والے شخص پر اسے پڑھا جائے تو باذن اللہ وہ فوراً ہوش میں آ جائیگا برھان ___ اور بروایت ابی ابن کعب اس سورہ کی مسلسل تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "جس نے اس سورہ کی تلاوت کی اسکی دنیا و آخرت کی مشکلات کی خداوند عالم کفایت کرے گا اور اسے صالحین و شہداء کے ساتھ محشور کرے گا" ابوالفتوح رازی۔

نزول:۔ سورۂ واللیل کو اکثر مفسرین نے مکی لکھا ہے۔ اور انہی مفسرین نے سورہ کے شان نزول کا جو واقعہ تحریر کیا ہے وہ مدینے سے متعلق ہے۔ کہ مدینے میں ایک انصاری کے کھجور کے درخت کی شاخیں ایک دوسرے غریب صحابی کے صحن کیطرف جھکی ہوئی تھیں چنانچہ جب درخت کا مالک صحابی درخت پر کھجوریں توڑنے کیلئے چڑھتا تو نیچے جو کھجوریں گرتیں اس غریب صحابی کے بچے اگر اٹھا لیتے تو وہ درخت سے جب اترتا تو بچوں کے ہاتھوں سے چھین لیتا اگر کوئی دانہ منہ میں بھی کسی بچے نے رکھ لیا تو وہ منہ سے بھی نکال لیتا۔ اس غریب صحابی نے پیغمبر اکرم کی خدمت میں شکایت کی۔ پیغمبر اکرم نے درخت کے مالک کو بلا کر فرمایا یہ درخت مجھے دیدو اور میں تجھے جنت کا ایک درخت عطا کروں گا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ یہ درخت مجھے دیدو میں تجھے جنت کا ایک باغ عطا کروں گا لیکن پھر بھی اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے تمام درختوں سے یہ بہترین درخت ہے اسکی کھجوریں سب سے بہتر ہیں۔ تو پیغمبر اکرم خاموش ہو گئے اور وہ چلا گیا۔ ابو دحداح صحابی یہ گفتگو سن رہے تھے انصاری کے گھر جا کر کھجور کے چالیس درختوں کے بدلے میں وہ درخت اس سے لے لیا۔ اور پھر پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ وہ درخت اب میری ملکیت میں ہے آپ جنت کے درخت کے بدلے میں مجھ سے سودا کر لیں۔ پیغمبر اکرم نے قبول کر لیا اور فرمایا جنت کا ایک درخت نہیں بلکہ تیرے لئے جنت کے باغات ہیں۔ پھر پیغمبر اکرم اس غریب صحابی کے گھر گئے اور فرمایا اب یہ درخت تیرے لئے ہے اس سے خود بھی کھاؤ اور بچوں کو بھی کھلاؤ۔ تو اس وقت اس سورہ کا نزول ہوا۔ درمنثور۔ مظہری۔ مجمع۔ برھان۔ وغیرہ ___ اور یہ بھی ممکن ہے سورہ کی بعض آیات مکی ہوں اور بعض مدنی ہوں۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ رات کی قسم جب وہ چھپا لیتی ہے۔ اور دن کی قسم جب وہ روشن ہو جائے۔

لیل ۔ رات ۔ نہار ۔ دن ۔ یغشیٰ ۔ ڈھانپنا ۔ چھپانا ۔ تجلّی ۔ روشن ہونا ۔ واضح ہونا ۔

الٰہی نعمات سے شب و روز کا وجود ذیحیات کیلئے اہم نعمت ہے ۔ اس کارخانہ حیات و کائنات کے پرحکمت نظام کیطرح شب و روز کی تبدیلی و معین مقدار ایک منظم نظام کے تحت حیات کی مناسبت سے جاری ہے ۔ شب و روز کا یہ تسلسل آغاز حیات سے جاری ہے ۔ انسانی صلاحیتوں کے اختلاف کی بنا پر آفاقی صداقتوں کو ذہن نشین کرانے کیلئے الفس و تکوین کی مختلف نشانیوں کو مختلف انداز سے قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے تاکہ تمام انسان اپنی اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے ان تکوینی آثار میں غور و فکر کر کے کائنات کے خالق و مالک تک رسائی حاصل کر سکیں ۔ ان آیات میں شب و روز کی افادیت و حکمت کیطرف متوجہ کرتے ہوئے بعد کی آیات میں انسانی حیات کے دورخ یعنی کامیابی و ناکامی سے متعارف کرایا گیا ہے ۔ شب و روز دونوں یکساں حیات کی روانی کیلئے ضروری ہیں ۔ یہی نعمت شب ہے کہ جو دن کو چھپا لینے اور انسانی عیوب کی پردہ پوشی کے ساتھ انسانی اجسام و ارواح کو سکون و راحت پہنچاتی ہے کہ جس کے بعد دن کے روشن ہوتے ہی گویا حیات کیلئے انسان تازہ دم ہو جاتا ہے ۔ دن کا روشن ہونا فطرت کی اپنی صفائی کی تجلی دکھانے کی مانند ہے ۔ اسی طرح انسان بھی اپنے سفر حیات میں کمالات کی تجلیات دکھاتا ہے ۔ رات چونکہ جلوۂ نور کو چھپا کر متحرک زندگی کو روک لیتی ہے اور موت کی مانند نیند سے ہمکنار کر دیتی ہے ۔ اور پھر دن کے نمودار ہوتے ہی نور کی تجلی کے ساتھ انسانی حیات کی تجلیات کا ظہور ہوتا ہے اسی بنا پر یہاں باطنی معانی کے لحاظ سے "رات" سے کفر اور ظلم و استبداد کی حکومت کیطرف اشارہ ہے اور "دن" سے ایمان و ھدایت اور عدل کی حکومت کیطرف اشارہ ہے یعنی جسطرح آغاز آفرینش سے شب و روز کا سفر جاری ہے ۔ کبھی رات کی حکومت ہے تو کبھی دن کی ۔ اسی طرح انسانی حیات کے آغاز ہی سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ کبھی کفر و شرک کی تاریکی چھائی رہی اور کبھی نور ھدایت کا جلوہ کفر کی تاریکیوں کو پارہ پارہ کرتا رہا ہے ۔

چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے جب سورۂ "واللیل" کی ان آیات کی تاویل دریافت کیگئی تو آپ نے فرمایا "لیل" سے پہلی حکومت مراد ہے کہ جسکی جہالت و ظلم کی تاریکی نے امیر المومنین کی ھدایت کی روشنی کو چھپا لیا اس حکومت کے ذریعے جو ان کے حق کو غصب کر کے حاصل کیگئی اور امیر المومنین نے انکی حکومت کے پورا ہونے تک صبر کیا اور "نھار" سے مراد قائم آل محمد ہیں کہ جب ظاہر ہوں گے تو باطل کو مٹا دیں گے اور قرآن میں خدا نے لوگوں کیلئے مثالیں دی ہیں اور قرآن کے مخاطب پیغمبر اکرم اور ہم ائمہ ہیں اور قرآن کی مثالوں کو ہم ائمہ کے بغیر نہ کوئی جانتا ہے اور نہ ہی کوئی سمجھتا ہے"۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سورہ کی تاویل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "لیل سے مراد شیطانی حکومت ہے کہ جو ہمارے قائم آل محمد کے ظہور تک جاری رہے گی اور نہار سے مراد ہمارے قائم آل محمد کی حکومت ہے کہ جو ظہور کے بعد ہوگی اور "اتقیٰ" وہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اسکا حق عطا کیا اور باطل سے دور رہا اور "فسنیسرہ للیسریٰ" وہ ہے کہ جس کیلئے جنت کو آسان کر دیا گیا اور "اما من بخل واستغنیٰ" وہ ہے جس نے اپنے نفس کیلئے حق سے بخل کیا اور باطل

کے سبب حق سے بے نیاز ہوا اور "بالحسنیٰ" سے مراد علیؑ کی اور ان کے بعد ائمہؑ کی ولایت ہے اور "فسنیسرہ للعسریٰ" سے مراد دوزخ ہے' اور "ان علینا للھدیٰ" سے مراد ائمہؑ ہیں جو ھادی ہیں اور "ان لنا للآخرۃ" الخ "فانذرتکم نارا تلظی" یعنی قائم آل محمدؐ جب ظاہر ہوں گے تو غضبناک ہوں گے اور ہزار افراد میں سے ایک کو چھوڑ کر سب کو قتل کریں گے اور "اشقیٰ" آل محمدؐ کا دشمن ہے اور "اتقیٰ" امیرالمومنینؑ اور ان کے شیعہ ہیں۔ برھان۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ﴿٣﴾ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ﴿٤﴾ "اور اس ذات کی قسم کہ جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا یقیناً تمہاری کوششیں مختلف ہیں۔"
السعی۔ کوشش۔ نیز چلنا۔ شتیٰ۔ متفرق۔
جسطرح شب و روز کا تسلسل حیات کی روانی کیلئے ضروری ہے اسی طرح ذیحیات کے وجود و بقاء کیلئے نر و مادہ کا وجود ضروری ہے اور اسی طرح عقلانی عملی حیات کیلئے آخرۃ ضروری ہے۔

اس کارخانہ وجود و حیات کی اشیاء جس طرح مختلف اقسام کی ہیں اسی طرح انسانی صفات و عادات اور سعی و افعال مختلف اور ان افعال کے اثرات و نتائج بھی جدا جدا ہیں۔ کوئی سخی ہے تو کوئی بخیل۔ اور کوئی نیک ہے تو کوئی بُرا۔ اور کوئی عادل ہے تو کوئی ظالم۔ اور کوئی آفاقی صداقتوں و الٰہی تعلیمات و پیغامات کی تصدیق کرتا ہے تو کوئی تکذیب کرتا ہے۔ اور کوئی مادی و حیوانی خواہشات کی تکمیل کو مقصد حیات سمجھتا ہے اور اسی کیلئے کوشاں رہتا ہے تو کوئی اس دنیاوی حیات کو اُخروی ابدی حیات کی کامیابی کیلئے مقدمہ و ذریعہ قرار دیتے ہوئے الٰہی پیغامات و تعلیمات کو قبول کر کے دنیاوی حیات کو رضاءِ رب کے مطابق بسر کرتا ہے۔ چنانچہ امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ "دو طرح کے انسان ہیں ایک وہ ہے کہ جو خود کو خرید کر آزاد کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو خود کو بیچ کر ھلاک کر دیتا ہے" پھر اسی طرح اخروی حیات کو بہتر بنانے والوں کی کوششیں بھی جدا جدا ہیں اور ان کے درجات بھی۔ یعنی بعض عذاب جہنم کے خوف کی بنا پر الٰہی پیغامات و تعلیمات کی تصدیق و پیروی کرتے ہیں اور بعض جنت کی لالچ و حصول کیلئے تصدیق و پیروی کرتے ہیں۔ ہاں جو کامل ترین ذوات ہیں انکی عبادت و طاعت کا انداز تمام خلق سے جدا ہے کہ جسکا اظہار سید الاوصیاء امیرالمومنینؑ نے اسطرح کیا ہے کہ "خدایا میں نے تیری طاعت و بندگی نہ ہی تیرے دوزخ کے خوف سے اور نہ ہی تیری جنت کی لالچ کی وجہ سے کی ہے بلکہ میں نے تجھے عبادت کے لائق پا کر تیری بندگی کی ہے"۔ اسی بنا پر "الذکر والانثیٰ" سے پیغمبر اکرمؐ کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ مراد ہیں۔" صافی۔

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾

تو جس نے (راہ خدا میں) عطا کیا اور خدا سے ڈرا اور نیکی کی تصدیق کی۔ تو ہم

تو ہم اس کیلئے نیکیوں کے حصول کو (اپنی توفیق سے) آسان کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (پروردگار سے) بے پروا ہوا۔ اور نیکی کو جھٹلایا۔ تو ہم اس کے لئے مشکلات کے راستے کا حصول آسان کر دیں گے۔"

"تیسیر"۔ آسان کرنا۔ توفیق عطا کرنا۔ آمادہ کرنا۔ جب گھوڑے پر زین رکھ کر و لگام چڑھا کر اسے سواری کیلئے تیار کر دیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ "یسر الفرس للرکوب" کہ گھوڑا سواری کیلئے تیار و آمادہ ہے۔"

یہ آیات نزولی لحاظ سے خدا کی محبت و جنت کے حصول کیلئے غریب صحابی کیلئے ایک کھجور کا درخت خرید کر پیغمبر اکرم کی خدمت میں پیش کرنیوالے صحابی ابو دحداح اور دوسرے اس صحابی سے متعلق ہیں کہ جس نے وہ درخت پیغمبر اکرم کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن آیات کا مفہوم قیامت تک کیلئے اصول بن گیا ہے۔

خداوند عالم کی انسان کیلئے بے شمار نعمات ہیں کہ جن کا شمار عقل انسانی سے بالاتر ہے اور خدا کی تمام نعمات و احسانات بخشش و عطیہ ہیں جو بلا امتیاز سب کیلئے عام ہیں خواہ وہ جسمانی و ظاہری نعمات ہوں یا باطنی و روحانی نعمات ہوں۔ وہ مال و دولت کی نعمت ہو یا عزت و شرف کی نعمت ہو۔ لیکن انسانوں کے دو گروہ ہیں ایک وہ گروہ ہے کہ جو رسولان سماوی کی تصدیق کرتے ہوئے اور مال و دولت تمام نعمات کو خدا کا کرم و احسان اور بخشش و عطا جان کر اسکے احکام کی پیروی کرتے ہوئے ان نعمات کو اسکی رضا کے مطابق استعمال کرتا ہے تاکہ خدا کی رضا کے حصول کے ساتھ آخرت کی ابدی نعمات حاصل ہوں۔ لہذا وہ الٰہی حقوق ادا کرنے کے ساتھ بندوں کے حقوق بھی دیانتداری سے ادا کرتا ہے۔ یہی اصل تقویٰ ہے کہ جو اس منزل پر فائز ہو جاتا ہے تو پھر اسکے لئے سفر حیات کی تمام کٹھن منازل طے کرنا آسان ہو جاتا ہے اور قرآن کی زبان میں یہی کامیاب گروہ کہلاتا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو رسولان سماوی کی تکذیب کرتا ہے اور اپنی حیوانی و نفسانی خواہشات کا غلام بنکر حیوانی و شیطانی زندگی بسر کرتا ہے اور دنیا کو نقد جان کر اور اخروی حیات و نعمات جنت کو ادھار جان کر اسکی تکذیب کرتا ہے۔ یہی وہ ناکام گروہ ہے کہ جس نے اپنے لئے ہر مصیبت و عذاب کے حصول کو آسان بنا دیا ہے ـــ ان آیات میں ان دونوں طرح کے گروہوں وانسانوں کا تذکرہ ہے یعنی ایک وہ انسان ہے کہ جو خدا کی ذات پر ایمان لا کر تمام نعمات کو اسی کا کرم و احسان جانکر ان نعمات کو خدا کی محبت میں اسکے ضرورتمند بندوں پر صرف کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے مال کو بھی پاکیزہ کر لیتا ہے اور اپنے نفس و باطن کو بھی مال و دولت کی محبت سے نجات دلا دیتا ہے اور وہ خدا و رسول کیطرف سے اخروی حیات و نعمات جنت کے وعدوں کی تصدیق کرتا ہے اور اپنی حیات کو الٰہی حدود کے اندر بسر کرتا ہے۔ تو ایسے ہی انسان کیلئے صالح زندگی کا سفر آسان ہو جاتا ہے اور اخروی نجات بھی آسان ہو جاتی ہے۔ پیغمبر اکرم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تو آپ متفکر اپنی چھڑی کو زمین پر مار رہے تھے۔ پھر فرمایا کہ ہر شخص کیلئے جنت و دوزخ میں جگہ ہے تو صحابہ نے کہا پھر عمل نہ کریں۔ آپ نے فرمایا تم عمل کرو ہر شخص جس کام کیلئے پیدا

ہوا ہے اس کو اسکے لئے آسان کر دیا گیا ہے ـــــ اور پھر چونکہ خدا کی محبت و اطاعت میں بھی درجات ہیں تو جقدر خدا کی محبت و اطاعت میں بلندی ہو گی اسی قدر سفر حیات کی مشکل منازل آسان ہو جائیں گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "من اعطیٰ" جس نے خمس ادا کیا۔ اور "اتقیٰ" طواغیت کی ولایت سے دور رہا۔ اور صدق بالحسنیٰ " ولایت علی کی تصدیق کی۔ اور " للیسریٰ" کہ وہ جس خیر کا ارادہ کرے گا اس کیلئے وہ آسان ہو جائے گی۔ اور " بخل" کہ جس نے آل محمد کے خمس سے بخل کیا۔ اور " استغنیٰ" کہ وہ اولیاء اللہ سے اپنی رائے سے مستغنی رہا۔ اور "کذب بالحسنیٰ" ولایت آل محمد کو جھٹلایا تو وہ "للعسریٰ" جس برائی کا ارادہ کرے گا وہ اس کے لئے آمادہ و آسان ہو جائے گی۔ اور "اتقیٰ" پیغمبر اکرم و امیرالمومنین اور آپ کے پیروکار۔ اور "الذی یوتی مالہ یتزکی" امیرالمومنین ہیں کہ جیسا کہ خدا کا قول ہے " یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون"۔ اور "مالاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ" اور یہ نعمت رسول خدا ہیں کہ کسی کے پاس اس سے بڑھکر نعمت نہیں ہے یہ تمام مخلوق پر جاری ہے۔" برھان۔

اور دوسرا وہ گروہ ہے کہ جو آفاقی صداقتوں سے انکار کرتا ہے اور الٰہی نعمات کو اپنی ذہانت و محنت کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور اخروی حیات و نعمات کی تکذیب کرتے ہوئے ان نعمات کو انسانیت کی بھلائی میں صرف کرنے سے بخل کرتا ہے اور ولایت آل محمد کہ جو انسانیت کی معراج اور ذریعہ نجات ہے اسے جھٹلاتا ہے تو پھر اس کیلئے عذاب آخرت کا حصول بھی آسان ہو جاتا ہے۔ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اسکے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ یا اللہ راہ حق میں صرف کرنیوالے کے مال کو باقی رکھ اور راہ حق سے روکنے والے کے مال کو ضائع کر دے "۔

اور امیرالمومنین علیہ السلام نے مالک اشتر کو جو خط لکھا تھا اسمیں آپ نے لکھا کہ " حریص و بخیل اور بزدل کو اپنا مشیر نہ بناؤ کیونکہ حرص و بخل اور بزدلی کی صفات خدا سے بدگمانی پیدا کرتی ہیں "۔ اور امیرالمومنین کا یہ بھی ارشاد ہے کہ " بخل تمام عیوب کا جامع ہے "ـــــ اور پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ " ایک بخیل وہ ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے "ـــــ

اور تفسیر نور الثقلین میں ان آیات کے ذیل میں ابو دحداح کی روایت کے ساتھ درج ذیل روایت بھی ہے کہ پیغمبر اکرم ایک شخص کے پاس سے گذرے کہ جو باغ میں درخت لگا رہا تھا پیغمبر اکرم نے اسے فرمایا کہ کیا تیری ایسے درخت کیطرف رہنمائی نہ کروں کہ جسکی اصل ثابت ہے اور وہ جلد پھل دینے والا ہے اور اسکا پھل پاکیزہ ہے اور وہ باقی رہنے والا ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ رہنمائی فرمادیں۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا صبح و شام یہ کلمات پڑھا کرو۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اگر تم نے یہ پڑھا تو ہر تسبیح کے بدلے مختلف پھلوں کے دس درخت تیرے لئے ہوں گے تو اس وقت یہ آیات (من اعطیٰ ـ الخ) نازل ہوئیں۔ نور الثقلین۔

وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ﴿١١﴾ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾

"اور جب وہ (دوزخ میں) گرے گا تو اس وقت اس کا مال اسکے کچھ کام نہیں آئیگا۔ یقیناً ہمارے لئے ھدایت کرنا ضروری ہے۔ اور بیشک آخرت و دنیا دونوں ہمارے اختیار میں ہے پس میں نے تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ہے جس میں وہی جلے گا کہ جو انتہائی بد بخت ہے کہ جس نے (توحید کو) جھٹلایا اور روگردانی کی۔"

یعنی مال کی محبت کی بناپر اسے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے روکنے والا جب دوزخ میں ڈالا جائیگا تو اس وقت اسکا مال اسے دوزخ سے نہیں بچا سکے گا۔ یعنی یہی مال و دولت انسان کو بخل و محبت دنیا کی بناپر دوزخ میں دھکیل دیتے ہیں۔ دنیا چونکہ دار العمل ہے لہذا انسانی رہنمائی کیلئے فطری ہدایت اور وحی و رسل کی ہدایت کا انتظام کردیا گیا ہے اور ساتھ ہی کفر و سرکشی کے انجام بد سے یعنی عذاب جہنم سے بھی آگاہ کردیا گیا ہے۔ لہذا ہدایات کے تمام انتظامات کے ہوتے ہوئے پھر بھی جو راہ ہدایت کو چھوڑ کر اپنے خالق و مالک سے باغی اور انبیا اور رسل کی تعلیمات کی تکذیب کرے تو اس سے بڑھ کر بد بخت کون ہوسکتا ہے۔ یقیناً ایسا شخص دوزخ کا ایندھن بنے گا یعنی انسان کے ایمان اور اطاعت و فرمانبرداری سے خود انسان ہی کو فائدہ پہنچتا ہے اور سرکشی و نافرمانی سے بھی نقصان پہونچے گا۔۔۔۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "دوزخ میں آگ کی ایک وادی ہے کہ جس میں وہ بد بخت ترین جلے گا کہ جس نے علی کو ولی بنانے میں رسول خدا کی تکذیب کی اور علی کی ولایت سے پھر گیا۔ نور الثقلین

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾

اور اس (دوزخ سے) وہ محفوظ رہیگا کہ جو نہایت پرہیزگار ہوگا۔ کہ جو اپنا مال (راہ خدا میں) دیتا ہے تاکہ پاکیزہ ہو جائے اور اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں کہ جس کا وہ بدلہ اتارتا ہے۔ مگر وہ صرف اپنے بزرگ تر پروردگار کی خوشنودی کیلئے دیتا ہے تو عنقریب وہ (اسکی جزا پر) خوش ہو جائیگا۔" یعنی وہ شخص کہ جو انبیا کی دعوت کی تصدیق کرتے ہوئے الہی احکام کی پابندی کرتا ہے اور مال و دولت و دیگر تمام نعمات کو خدا کا عطیہ و احسان جانکر خدا کی محبت میں صرف کرکے اپنے باطن کو مال کی محبت سے پاک کرتا ہے اور جو صرف کرتا ہے اسمیں نہ ہی تعریف و ناموری کا ارادہ ہوتا ہے اور نہ ہی ضرورت مندوں کی طرف سے شکریئے و بدلے کی غرض ہوتی ہے بلکہ خالص رضا رب کیلئے اموال کو صرف کرکے اپنے اموال کو بھی پاکیزہ کرلیتا ہے تاکہ خدا کے مزید انعام کا مستحق ہو جائے۔ یعنی دنیاوی فانی مال صرف کرکے آخرت کی ابدی نعمات حاصل کرتا ہے تو ایسا انسان یقیناً حقیقی کامرانی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ جب دنیاوی حیات میں وہ رضا رب کے حصول کیلئے جانی و مالی ہر طرح کی قربانی دیتا ہے تو پھر خداوند عالم بھی اسے اسقدر نعمات و انعامات عطا کرے گا کہ وہ راضی و خوش ہو جائے گا اور کائنات کیلئے سب سے بڑی نعمت پیغمبر اکرم کی ذات گرامی اور آپ کے اہل بیت اطہار کی ذوات مقدسہ ہیں کیونکہ انہی کی ذوات باعث تخلیق کائنات اور سبب بقاء کائنات ہیں یہ ذوات مسلسل تمام مخلوقات کیلئے نعمت جاریہ ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

وَالضُّحَىٰ (١) وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ (٢) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (٣)
وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (٤) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ
فَتَرْضَىٰ (٥) أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ (٦) وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (٧)
وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (٨) فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ (٩) وَأَمَّا
السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (١٠) وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (١١)

ترجمہ: "چاشت کے وقت کی قسم اور رات کی قسم کہ جب سکون کے ساتھ چھا جائے۔ تمہارے رب نے نہ تم کو چھوڑا ہے اور نہ ہی ناراض ہوا ہے۔ اور (یقیناً) تمہارے لئے بعد کا دور پہلے دور سے کہیں بہتر ہے۔ عنقریب تمہارا پروردگار تم کو اس قدر عطا کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا کہ پھر (ابو طالب کی) پناہ دی۔ اور اس نے تجھے غیر معروف گمنام پایا تو تمہاری طرف سب کی ہدایت کر دی۔ اور اس نے تجھے تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔ تو تم بھی یتیم پر قہر نہ کرنا۔ اور کسی سائل کو نہ جھڑکنا اور اپنے رب کی نعمتوں کا (لوگوں سے) ذکر کرتے رہنا۔"

ثواب:۔ اخلاص و عقیدت سے سورۂ ضحیٰ کی تلاوت کرنے والے کے لئے ارشاد نبویؐ ہے کہ "جو شخص اس سورۃ کی تلاوت کرے گا تو وہ خدا کے پسندیدہ لوگوں میں سے ہوگا۔ اور پھر خدا کا رسولؐ اس کا شفیع ہوگا۔ اور دنیا میں جتنے یتیم اور سائل ہوں گے اس کے دوگنا حسنات اس کے لئے خدا قرار دے گا۔
(ابوالفتوح رازی)

احادیث نبویؐ میں ہے کہ کسی گمشدہ کے نام کے ساتھ سورۂ ضحیٰ کو لکھا جائے تو وہ صحیح و سالم واپس لوٹے گا۔ اور اگر کوئی انسان کوئی چیز بھول جائے اور اگر اسے یاد آ جائے تو اس سورۃ کی تلاوت کرے تو وہ چیز خدا کی حفاظت میں ہوگی۔ اور اسے صحیح و سالم مل جائے گی۔ اور اگر گمشدہ ساتھی کے نام پر اس سورۃ کو روزانہ پڑھا

جائے تو ساتھی ضرور واپس لوٹے گا۔ (البرھان)

اکثر مفسرین اسلام نے لکھا ہے کہ چند علماءِ یہود نے پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ذوالقرنین اور اصحاب کہف و روح کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا تو وحی کے تابع پیغمبرؐ نے فرمایا۔ تم کو کل جواب دوں گا لیکن آپ نے انشاءاللہ نہیں کہا۔ تو خلاقِ عالم نے اپنے اقتدار و مشیت کے اظہار یعنی کلمۂ انشاءاللہ کی اہمیت اور قرآن حکیم کے کتابِ الٰہی ہونے کے اثبات اور پیغمبر اکرمؐ کے تابع وحی ہونے کے اثبات کے لئے وحی کے نزول کو چند روز کے لئے روک دیا۔ اس پر مشرکین اور خصوصاً ابوجہل کی زوجہ ام جمیل نے کہا آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے تو پیغمبر اکرمؐ کفار کے توہین آمیز طعنوں سے کبیدہ خاطر ہو کر کوہِ حرا پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں سجدے میں خدا کے حضور کفار کے طعنوں کی شکایت کرتے ہوئے کہا خدایا تو جانتا ہے کہ یہ دشمن مجھے کیا کہتے ہیں۔ ابھی آپ سجدے ہی میں تھے کہ جبرائیل اس سورۃ کے ساتھ نازل ہوئے۔ تو جس طرح عرب میں کچھ عرصے کے بعد دو دوست دوبارہ ملتے ہیں تو تکبیر کہتے۔ اسی طرح پیغمبر اکرمؐ نے جبرائیل کو دیکھ کر تکبیر کہی۔ اس طرح اس سورہ سے قرآن کے آخر تک ہر سورہ سے پہلے تکبیر کہنا سنت قرار دیا گیا۔

جبرائیل آپ پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پیغمبرؐ نے تکبیر کے بعد فرمایا۔ تم کچھ عرصہ نہیں آئے اور مجھے تمہارا اشتیاق تھا۔ تو جبرائیل نے عرض کیا "مجھے بھی آپ کی زیارت کا اشتیاق تھا لیکن ہم حکم الٰہی کے پابند بندے ہیں"۔

مفسرین نے وحی کے منقطع رہنے کی مدت میں اختلاف کیا ہے۔ بارہ روز۔ پندرہ روز۔ پچیس اور چالیس روز تک کی روایات تحریر کی ہیں۔

وَالضُّحٰی ۝ "چاشت کے وقت کی قسم" یہ وہ وقت ہے کہ جس میں کوہِ طور پر خدا نے جناب موسیٰؑ سے کلام کیا تھا اور اسی وقت ساحرانِ فرعون نے جناب موسیٰؑ اور ان کے وزیر جناب ہارونؑ پر ایمان لا کر یعنی نبی و وزیر کا کلمہ پڑھ کر اور سجدہ الٰہی میں گر کر نبوت و معجزہ کے غلبے کا اعتراف کیا تھا۔ اور یہی وقت گرمی و سردی میں معتدل ہوتا ہے۔ اور اسی وقت سے دن کی سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ اور رات کے آرام کے بعد انسان زندگی کے میدان میں عمل و کوشش کا آغاز کرتا ہے۔

وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۝ "اور رات کی قسم کہ جب سکون کے ساتھ ڈھانپ لے"

جس طرح زندگی کی چہل پہل اور خوشگواری کے لئے شب و روز کا بدل بدل کر آنا ضروری ہے۔ اسی طرح وحی کی ضیاء پاشیوں کے لئے زمانہ فترۃ یعنی کچھ عرصے کے لئے وحی کا رک جانا بھی مصلحت اور افادیت کی بناء پر ہے۔ تاکہ کفار پر یہ بات واضح ہو جائے کہ پیغمبر اکرمؐ اپنی خواہش نفسانی سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہ وحی الٰہی کے تابع ہیں۔ جس طرح اس حیات مادّی کے لئے سورج کی حرارت و روشنی کی ضرورت ہے اسی طرح رات کی تاریکی و سکون کی بھی ضرورت ہے۔ اسی طرح انسان کی روحانی و اخلاقی تربیت کے لئے عسر و یسر فقر و غنیٰ اور صحت و مرض بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ سجیٰ کے معنی خاموشی سے چھا جانا۔ جب دریا ساکن ہو تو

کہا جاتا ہے "بحر ساج" یعنی سمندر ساکت ہے۔ یعنی جس طرح دن و رات دونوں کا وجود رحمت ہے اسی طرح کچھ وقفے کے لئے وحی کے نزول کا رک جانا بھی رحمت ہے ـــــ ضحیٰ "روشنی" یعنی اس سے پیغمبر اکرمؐ کے علم و عرفان کی روشنی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ جس کے ذریعہ ظاہر و باطن کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس [illegible] کو ڈھانپ لیتا ہے۔

مروی ہے کہ جب خدا نے عرش کو پیدا کیا تو اس کی بائیں طرف سیاہ بادل سا نمودار ہوا اور اس نے کہا کیا برساؤں۔ اُسے کہا گیا غم و پریشانیاں برساؤ۔ تو اس نے سو سال تک غم و اندوہ برسایا اور پھر پوچھا کیا برساؤں تو کہا گیا کہ غم و اندوہ برساؤ تو اس نے سو سال تک غموم برسائے۔ اسی طرح تیسری دفعہ سو سال تک غم و اندوہ برسائے۔ عرش کی دائیں جانب سے سفید سایہ دار بادل ظاہر ہوا۔ کہا کیا برساؤں۔ کہا گیا سرور و خوشی برساؤ تو اس نے سو سال تک سرور برسایا۔ اسی بنا پر غم و اندوہ کی تم کثرت پاتے ہو اور سرور کم پاتے ہو۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ "تمہارے رب نے نہ ہی تم کو چھوڑا ہے اور نہ ہی ناراض ہوا ہے۔"

یہ خدا کی جانب سے کفار کے قول کا جواب ہے کہ وحی کے چند روز کے لئے رک جانے پر کفار نے آپ کو کہا تھا کہ اب آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ تو خود خلاقِ عالم نے اس کا جواب دیا کہ تیرے رب نے نہ ہی تجھے چھوڑا ہے اور نہ ہی فراموش کیا ہے۔ یہ مختصر وقت کیلئے وحی کا رک جانا بھی تیرے تابع وحی ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ اور اس ابتدائی دور میں کفار کی مخالفت و عداوت کے طوفان کی وجہ سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی عزت اور قدر و منزلت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ کی یہ زحمات نتیجہ خیز ثابت ہونگی۔ یعنی پیغام حق کو غلبہ اور شہرت و دوام حاصل ہوگا۔ یعنی ہر بعد کا آنے والا وقت تیرے لئے بہتر ہے۔ مکے کے ان ابتدائی تبلیغ کے ایام کی زحمات کے بعد مدنی زندگی میں فتح و کامرانی اور فتح مکہ اور دین کی تکمیل کی خوشخبری و کامیابی بھی حاصل ہوگی۔ طبرانی اوسط میں اور دلائل بیہقی میں ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔ "میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں تو اس پر مجھے بڑی خوشی ہوئی"۔ اور اس کے علاوہ یہ مفہوم بھی اسی آیت کے ذیل میں آتا ہے کہ اس دنیا کے بعد آخرت میں مقام شفاعت اور مقام محمود بھی آپ کو حاصل ہوگا کہ اولین و آخرین جس پر رشک کریں گے۔ حیات دنیوی سے حیات اخروی افضل و اعلیٰ ہے۔ دنیاوی زندگی مصائب و آلام سے بھری ہوئی ہے اور آخرت میں جنت کی زندگی ہر غم و فکر سے پاک ابدی رحمت و راحت کی زندگی ہوگی

وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ "اور عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اس قدر عطا کرے گا کہ خوش ہو جاؤ گے۔"

اس کمالِ عطا و کمالِ رضا سے پیغمبر اکرمؐ کی بروز حشر شفاعت مراد ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے اس آیت کے سلسلے میں فرمایا کہ میں اپنی امت کے لئے اس قدر شفاعت کروں گا کہ خدا کہے گا اے محمدؐ کیا تم راضی ہوئے۔

تو میں کہوں گا کہ ہاں میرے رب میں راضی ہوگیا۔"

اور حضرت علیؑ نے اہلِ کوفہ سے فرمایا تمہارے نزدیک بخشش کی زیادہ امید دلانے والی یہ آیت ہے کہ قل یعبادی ۔۔۔۔۔۔ لا تقنطوا۔۔۔۔۔ الخ " تم رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو الخ اور ہم اہل بیت کے نزدیک سب سے زیادہ بخشش کی امید دلانے والی یہ آیت ہے کہ " ولسوف یعطیک ۔۔۔۔۔۔ الخ۔ اور شفاعت ہے۔ اور یہی روایت علامہ رازی نے اس آیت کے ذیل میں تفسیر کبیر میں امام محمد باقرؑ سے نقل کی ہے اور تفسیر درمنثور میں ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے ہاں آئے تو دیکھا کہ شہزادی چکی پیس رہی ہیں اور اونٹ کے بالوں کی کھردری چادر اوڑھے ہوئے ہیں تو پیغمبرؐ نے دیکھ کر فرمایا دنیا کی تلخی آخرت کی نعمات کو لائے گی۔ تو خدا نے اس آیت کو (ولسوف یعطیک ۔۔۔ الخ) نازل کیا۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ " کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا کہ پھر (ابوطالب کی) پناہ دی"۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا کہ پیغمبر اکرمؐ کو خدا نے یتیمی کیوں عطا کی۔؟ تو امام نے فرمایا اس لئے تاکہ کسی مخلوق کی خدا کے رسول پر برتری نہ رہے" خلاق عالم نے پیغمبر اکرمؐ کی اس دنیا میں آمد سے قبل آپ کے والدِ محترم کو دنیا سے اٹھا لیا تاکہ باپ جو نبی نہیں ہے اس کی تعظیم کے لئے پیغمبرؐ کو عظمتِ نبوت کے ساتھ جھکنا نہ پڑے اور دوسری جانب جناب ابوطالب کی تربیت وکفالت کا انتظام کرکے ابوطالب کے زیر احسان کردیا۔ چونکہ ابوطالب کی ذات میں زیادہ اخلاق ہونے والا تھا اس لئے ابوطالب کی عظمت وشرف کو ثابت کرنے کے لئے ان کو اپنے حبیبؐ کی تربیت کے شرف سے مشرف کردیا۔ وہ قادرِ مطلق ذاتِ الٰہی جس نے جناب موسیٰؑ کی تربیت کے لئے فرعون جیسے سرکش وباغی کے گھر میں جناب آسیہ جیسی عظیم المرتبت خاتون کو پہلے ہی سے پہنچا دیا تاکہ خدا کے نبی کی تربیت کامل الایمان خاتون کی گود میں ہو اور خدا نے اپنے نبی کی تربیت کے لئے کافر کا احسان لینا گوارا نہ کیا۔ تو اسی قادرِ مطلق نے اپنے حبیب سردار الانبیاء کی تربیت وکفالت کے لئے جس ذات یعنی جناب ابوطالب کو منتخب کیا یقیناً اس کا ایمان وعقیدہ انتہائی بلند اور ہر شک وشبہ سے بلند تر ہوگا۔ اور جب کہ انہی ابوطالب کے زیر نگرانی سردار الانبیاء نے نبوت کا اعلان کرکے رسالت کا عملاً آغاز کیا۔ اور دس برس تک ابوطالب کی زیر نگرانی شجرِ اسلام پروان چڑھتا رہا۔ اسی محسنِ اسلام نے ظہورِ اسلام سے پندرہ سال قبل حضور اکرمؐ کا جناب خدیجہؓ سے نکاح پڑھایا۔ جس کے خطبے میں توحید و رسالت پر اپنے ایمان وعقیدے کو ظاہر کیا۔ آپ نے خطبۂ نکاح پڑھتے ہوئے کہا" اللہ کی حمد وشکر ہے کہ جس نے ہمیں ابراہیمؑ کی ذریت واسمٰعیلؑ کی نسل اور معد کا معدن اور مضر کا جوہر اور کعبہ وحرم کا محافظ ونگران قرار دیا ہے۔ اس نے کعبہ وحرم کو ہمارے سپرد کر کے ہمیں تمام لوگوں کا حاکم بنا دیا۔ یاد رکھو یہ میرا بھتیجا محمدؐ شرف ونجابت اور فضل وعقل کے لحاظ سے تمام دنیا سے افضل ہے۔ اگرچہ مالی اعتبار سے کمزور ہے لیکن مال دنیا ڈھلتا ہوا سایہ اور پلٹا کھانے والی

شئے اور واپس ہونے والی رعایت ہے۔ تم محمد کی قرابت سے واقف ہو اب انھوں نے خدیجہ بنت خویلد کو نکاح کا پیغام دیا ہے۔ اور مہر مقرر کیا ہے۔ اور اللہ کی قسم یاد رکھو ان سب باتوں کے علاوہ محمدؐ بڑا جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہے"

سیرت حلبیہ، تاریخ کامل۔ شرح ابن الحدید)

اور پھر اعلان نبوت کے بعد جناب ابوطالب اپنے ایثار و قربانی سے عملاً تصدیق رسالت کرتے رہے۔ اور اس دفعہ جبکہ کفار مکہ نے سخت لہجہ میں پیغمبر اکرم کی جناب ابوطالب سے شکایت کی اور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں پیغام حق کو ترک نہیں کروں گا۔ تو اس وقت جناب ابوطالب نے اشعار میں نبوت کی حمایت و تصدیق کا اعلان کر کے کفار کو مایوس کر دیا۔ جناب ابوطالب نے فرمایا۔

" اللہ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ تم نہایت اطمینان سے اپنے امر کا اعلان و اظہار کرو۔ تمہاری دعوت صادق اور تم ناصح کامل اور امین و معتمد ہو۔ اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ محمد کا دین تمام ادیان سے بہتر ہے۔ (تاریخ کامل، معارج النبوۃ، تاریخ خمیس، مواہب لدنیہ)

جناب ابوطالب کے ایثار اور اس پر خلوص عقیدت و حمایت رسالت کے عمل کو اس آیت میں خلاق عالم نے اپنا عمل قرار دیا ہے۔ یعنی خلاق عالم نے ابوطالب کی پناہ و حفاظت کو اپنی پناہ قرار دیکر ابوطالب کی عظمت کو واضح کیا ہے۔ ۔+۔

اور وفات کے وقت اپنی اولاد کو پیغمبر اکرمؐ کی نصرت و حمایت کی وصیت کر کے اپنے ایمان کی عظمت کو مزید واضح کر دیا۔ آپ نے اپنی اولاد کو آخری وقت وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔ " میں پیغمبر خیر و برکت کی نصرت و حمایت کے لئے اپنے بیٹے علیؑ، ان کے چچا عباسؓ اور شیر بیشۂ شجاعت حمزہؓ اور جعفر کو وصیت کرتا ہوں اور ان کا فرض ہے کہ محمدؐ سے وفا کریں۔ اے میرے شیر بہادرو میں تم پر قربان تم محمد کے لئے ایک محکم ڈھال کی مانند بن جاؤ۔ تمہارے ہاتھ میں ایسی چمکدار تلواریں ہوں کہ جرات کی تاریکی میں مشعل راہ معلوم ہوں۔" سیرت حلبیہ

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى " اور اس نے تجھے غیر معروف و گمنام ۔۔ پایا تو (تمہاری طرف لوگوں کی) ہدایت کر دی "

ضلّ کے معنی گمنام و گمشدہ کے ہیں۔

حدیث ہے کہ " الحکمۃ ضالّۃ المومن" حکمت و دانائی مومن کی گمشدہ چیز ہے"۔ اور عرب کہا کرتے ہیں ضلّ الماء فی اللبن" پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ اسی طرح وہ درخت کہ جو جنگل و ویرانے میں تنہا کھڑا ہو اس درخت کو بھی ضالۃ کہتے ہیں۔ تو ان معانی کے لحاظ سے یہاں اس آیت میں ضالاً کے معنی یہ ہوئے کہ کفر و شرک کے ویرانے میں پیغمبر اکرمؐ شمع نبوت کے ساتھ یکہ و تنہا کھڑے تھے۔ یعنی آپ اس کفر کے معاشرے میں اکیلے گمنام تھے فھدیٰ تو خدا نے آپ کی طرف لوگوں کی ہدایت و رہبری کی اور آپ گمنام تھے آپ کو متعارف کرایا۔ اور وہ

عرب کی سرزمین جس طرح پانی و سبزے سے محروم و بنجر تھی اسی طرح وہ علم و عرفان سے محروم تھی۔

امام علی رضاؑ نے اس آیت کے متعلق دریافت کرنے پر فرمایا "الم یجدک یتیماً۔ الخ" یعنی تم تنہا تھے مخلوق میں تیری مثل کوئی نہیں۔ ہم نے مخلوق کو تیری طرف متوجہ کیا۔ "ووجدک ضالاً ۔۔۔ الخ" اور تم قوم میں غیر معروف تھے وہ تیرے فضل و شرف کو نہیں جانتی تھی تو ہم نے اس کی تیری طرف ہدایت کی۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ "اور اس نے تمہیں تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔"

یہ آیت چونکہ مکی ہے لہٰذا یہاں مدنی فتوحات دولت و غنیمت مراد نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہاں مکی دولت یعنی ملکۂ عرب محسنہ اسلام جناب خدیجہؑ کی دولت مراد ہے کہ جس کے ذریعے خدا نے اپنے حبیب و رسول کو غنی کیا اور یہی دولت ترویج اسلام کا سبب بنی۔ چنانچہ استیعاب اور اصابہ میں ہے کہ ایک موقع پر جناب عائشہؓ سے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔ "خدیجہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگ منکر تھے اور اس وقت میری تصدیق کی کہ جب لوگ جھٹلاتے تھے۔ اور اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی جب تمام لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔" افسوس کا مقام ہے عداوتِ علیؑ کی بنا پر جس طرح حضرت علیؑ کے والد گرامی جناب ابو طالب کی عظمت و قربانیوں کو ختم کرنے کے لئے بنی امیہ کے ٹکسال میں جھوٹی روایات تیار کی گئیں اسی طرح حضرت علیؑ کی ساس اور صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہؑ کی والدہ جناب خدیجہ کی عظمت و فضیلت کو کم کرنے کے لئے بنی امیہ کی ٹکسال میں جھوٹی روایات گھڑ کر پھیلائی گئیں۔ جبکہ پیغمبر اکرمؐ تا حیاتِ ظاہری جناب خدیجہ کو ان کے احسانات و قربانیوں کی بناء پر یاد کرتے رہتے۔ چنانچہ اصابہ و استیعاب میں ہے کہ جناب عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ ہمیشہ گھر سے باہر نکلتے وقت حضرت خدیجہؓ کی تعریف و توصیف فرماتے اور ان کو یاد کیا کرتے تھے۔"

اور اصابہ میں یہ بھی ہے کہ جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ جس روز بکری ذبح کی جاتی تو پیغمبر اکرمؐ فرماتے کہ "خدیجہ کی سہیلیوں میں گوشت بھجوا دینا۔" تو ایک روز میں نے وجہ دریافت کی تو پیغمبرؐ نے فرمایا۔ "میں خدیجہ کو دوست رکھنے والوں کو محبوب رکھتا ہوں۔"

اور علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ کے ذیل میں لکھا ہے کہ خدا نے جناب خدیجہؓ کے مال سے رسول خدا کو غنی و مالدار کر دیا۔ ایک روز پیغمبر اکرمؐ غمگین و رنجیدہ جناب خدیجہؓ کے پاس آئے تو خدیجہؓ نے دیکھ کر رنج و غم کا سبب دریافت کیا تو پیغمبرؐ نے فرمایا۔ "یہ قحط کا زمانہ ہے اگر میں تمہارا مال خرچ کرتا ہوں تو حیا آتی ہے اور اگر خرچ نہیں کرتا تو خدا سے ڈرتا ہوں۔ تو حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر پیغمبرؐ نے قریش کو بلایا۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ بھی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ خدیجہؓ نے دینار (سونے کے) نکال کر ڈھیر کر دیئے۔ یہاں تک کہ وہ اس قدر ہو گئے کہ میں اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر خدیجہ

نے کہا تم سب گواہ رہنا کہ میرا یہ مال اب رسولِ خدا کا ہے اور آپؐ کو مکمل اختیار ہے کہ جیسے چاہیں خرچ کریں۔ (تفسیر کبیر رازی)

بنی امیہ کے اموی اقتدار نے جناب خدیجہؓ کے لئے یہ پروپیگنڈہ بھی کیا کہ پیغمبر اکرمؐ سے عقدِ نکاح کے وقت جناب خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں۔ جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ جناب خدیجہؓ سے بڑے بڑے رؤساء عرب نے عقد کی درخواست کی تھی۔ اور آپ نے سب کو ٹھکرا دیا تھا۔ اور تاریخ نے جناب خدیجہؓ کے سنِ مبارک کو بھی محفوظ رکھا۔ چنانچہ طبقات واقدی اور احمد بلاذری میں ہے کہ جناب خدیجہؓ پیغمبر اکرمؐ سے عقد کے وقت کنواری تھیں اور اس وقت آپ اٹھائیس سال کی تھیں۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝

عرب یتیموں کو میراث سے محروم رکھتے تھے۔ اور اس معاشرے میں یتیم محروم و محتاج رہتے تو خلاق عالم نے جناب عبداللہ کے دریتیم کو تاجِ نبوت و فضیلت عطا کر کے یتیمی کو عزت و شرف عطا کر دیا۔ اسی بناء پر خلاقِ عالم نے اپنے حبیب کو یتیم کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ "مسلمانوں کے گھروں میں سے بہترین گھر وہ ہے کہ جس میں کسی یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور بدترین گھر وہ ہے جہاں کسی یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔" اور آپؐ نے ایک موقع پر اپنے ہاتھ کی دو انگلیاں ملا کر دکھاتے ہوئے فرمایا کہ "میں اور یتیم کی تربیت و کفالت کرنے والا جنت میں، اس طرح ساتھ ہوں گے۔"

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝

یعنی اے میرے حبیب جس بات کا تم نے مجھ سے جب سوال کیا۔ میں نے کبھی تیرا سوال رد نہیں کیا اور تجھے اس قدر عطا کیا کہ کائنات میں اس قدر کسی کو عطا نہیں کیا۔ اسی طرح تم بھی کسی سائل کو رد نہ کرنا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "سائل کا حق ہے چاہے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے"۔ جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اپنے ہاتھ پھیلا کر تمہارے پاس آئے تو اس کا حق ضروری ہو گیا۔ اگرچہ کھجور کے دانے کا ایک حصہ ہو"

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

جب خدا کوئی خاص نعمت و احسان کرے تو اس کا اس نیت سے اظہار کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے کہ سننے والوں کو نیکی کی طرف رغبت ہو۔ اور وہ حصولِ نعمات کے لئے خدا کی طرف راغب ہوں تو یہ جائز بلکہ خیر ہے جیسا کہ امام حسینؑ نے فرمایا کہ "جب کوئی عمل خیر کرو تو اپنے بھائیوں سے بیان کرو تاکہ وہ تمہاری پیروی کریں۔"
حضرت علیؑ سے بعض صحابہ نے کہا کہ آپ اپنی کچھ صفات بیان کریں۔ تو آپ نے فرمایا۔ "خدا نے اپنی شان و پاکیزگی و بلندی کو بیان کرنے کی ممانعت کی ہے۔ تو صحابہ نے کہا یہ بھی تو فرمایا ہے کہ "اپنے رب کی نعمات کو بیان کرو۔"

تو حضرت علیؑ نے فرمایا۔" اب بتاتا ہوں کہ میں نے جب بھی پیغمبر اکرمؐ سے سوال کیا آپ نے مجھے جواب دیا اور جب میں خاموش ہوا تو خود پیغمبرؐ نے کلام کی ابتدا کی۔ اور میرے پہلو میں علم کا خزانہ ہے۔"

اور امام جعفر صادقؑ نے اس آیت کے سلسلے میں فرمایا کہ خدا نے تجھے جو کچھ عطا کیا۔ اور جو اپنا فضل اور رزق تجھے دیا اسے بیان کرو اور خدا نے تم پر جو احسان کیا کہ تم کو ہدایت کی اسے بیان کرو۔"

پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے۔" جس نے قلیل کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے کثیر کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ اور جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ فحدث یعنی بیان کرنا۔ اس سے مراد اللہ کی نعمت ہے کہ جس کا شکر ادا کیا جائے۔ اور جس کے شکریے کا ترک کرنا کفر ہے۔ اور اتحاد و اجتماعیت رحمت ہے اور اختلاف و افتراق عذاب ہے۔

سورۂ انشراح (مکیہ)

سُورَةُ الم نشرح مكية ﴿ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴾ آياتها ٨ ركوعها ١

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾
الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾
فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾ فَإِذَا
فَرَغْتَ فَانصَبْ ﴿٧﴾ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَب ﴿٨﴾

ترجمہ :- (اے رسول) کیا ہم نے تیرے لئے تیرے سینے کو (علوم نبوۃ سے) روشن وکشادہ نہیں کیا۔ اور ہم ہی نے تم پر سے تمہارے اس بھاری بوجھ کو اتار دیا کہ جو تمہاری پشت کو توڑے دے رہا تھا اور ہم نے تیرے لئے تیرے ذکر کو بلند کیا۔
تو یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے یقیناً ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے
تو جب تم (تبلیغ رسالت سے) فارغ ہو گئے تو (علی کو خلافت کیلئے) معین ونصب کردو اور اپنے رب کی طرف (حاضری کیلئے) راغب ومتوجہ ہو جاؤ۔

تلاوت :- ابی ابن کعب راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "جس نے اس سورہ کی تلاوت کی اس کا ثواب اسکی مانند ہے کہ جس نے مجھ سے ملاقات کی اور مجھے پریشانیوں سے خوش کیا اور میری شفاعت اس کیلئے لازم ہو گئی"

پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ جس نے سورہ انشراح کی تلاوت کی خدا اسے یقین و عافیت عطا فرمائیگا۔
اس سورہ کو کسی برتن میں لکھکر پانی سے دھوکر وہ پانی اس شخص کو پلایا جائے کہ جس کا سینہ درد کرتا ہے یا اکا پیشاب بند ہو تو خداوند عالم اسے شفا عطا کرے گا۔"
اگر دل وسینہ درد کرے تو اس سورہ کو اس پر پڑھا جائے تو انشاءاللہ شفا ہوگی۔

نزول :۔ پیغمبر اکرم نے ایک موقع پر خلاق عالم سے انبیاء پر اس کے احسانات کا ذکر کیا کہ بعض نے تیرے اذن سے مردوں کو زندہ کیا اور بعض کو تو نے بادشاہت عطا کی۔ اسی طرح دوسرے انبیاء پر احسانات کا ذکر کیا تو خلاق عالم نے سورہ الضحیٰ اور سورہ انشراح کو نازل کیا اور دونوں سورتوں میں خلاق عالم نے اپنے الطافات کو بیان کرکے پیغمبر اکرم کی تمام انبیاء پر فضیلت کو واضح کیا۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝

(اے رسول) کیا ہم نے تیرے لئے تیرے سینے کو (علوم نبوۃ سے) روشن وکشادہ نہیں کیا۔

انشراح ۔ کشادہ کرنا۔ روشن وآشکارا کرنا۔ اور شرح صدر یعنی دل تنگی کو دور کرنا اور حوصلہ وہمت اور ظرف کے لحاظ سے قوی وکشادہ کرنا۔
صدر ۔ سینہ۔ اس سے مراد قلب ودماغ ہے ظرف سے مظروف کی عظمت ورفعت کا اظہار مقصود ہے۔ اس سے مقصود کمال بصیرۃ وکمال معرفۃ ہے کہ جس سے اللہ پر کمال اعتماد وکمال توکل حاصل ہو کہ جو تمام قوۃ وعیرہ اور عزم واستقلال کا سرچشمہ ہے۔ اعتقاد وایمان اور توکل علی اللہ میں جسقدر قوۃ ورفعت ہوگی۔ اسی قدر عزم واستقلال اور صبر وتحمل میں بلندی ہوگی کہ جسکی بنا پر سخت ترین رکاوٹوں کو آسانی سے عبور کرلیا جائے گا۔ اور جو ذوات مقدسہ مجسم ایمان کہلائیں تو ان کے عزم واستقلال کی حدود تک عقول انسانی کی رسائی نہیں ہوسکتی۔
خلاق عالم نے جب دیکھا کہ میرا حبیب جس سخت ترین کام پر مامور ہے کہ جسکی مسئولیت بھی سخت ہے اور اسے ایسے پتھر نما انسانوں سے سابقہ ہے کہ جو جمود وتعصب اور وحشت ودرندگی کا مجسمہ اور پتھروں کے پجاری ہیں اور ظلم ومعصیت اور باطل نظریات وتصورات انکی فطرت میں راسخ ہوچکے ہیں۔ اور یہ امر واضح ہے کہ صدیوں سے فطرت میں راسخ باطل تصورات ونظریات اور بری خصال کو دل ودماغ سے نکال کر حقیقی نظریات وتصورات

کو قالب میں سمجھانا اور بری عادات وخصال سے نجات دلا کر نیک خصال وعادات کا عادی بنانا انتہائی دشوار گزار مرحلہ ہے ـــــ اور پھر ایسی قوم میں ذہنی وفکری انقلاب برپا کر کے انکی زندگی کا رخ بدل دینا کسقدر سخت سخت ترین کام ہے ۔ تو ضروری تھا کہ ایسی قوم کو دعوت حق دینے والا صاحب عزم و استقلال ہو اور اپنی دعوت کی صداقت و قوۃ پر کمال اعتماد و یقین ہونیکے ساتھ تمام شدائد کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی صلاحیت کا حامل ہو۔ اسی بنا پر خلاق عالم نے اپنے حبیب رسول خاتم کو تمام انبیاء و رسل سے بڑھکر کمالات و صفات اور عزم و استقلال کے انعام سے نوازا ـــ اور آپ کے قلب و دماغ کو اس عظیم کتاب کا ظرف و حامل قرار دیا کہ جسے اٹھانے کی کسی بنی مرسل میں ہمت و قوۃ نہ تھی۔ اور اگر وہ کتاب پہاڑوں پر نازل ہوتی تو اسکی عظمت کیوجہ سے وہ پاش پاش ہوجاتے۔ لیکن کسقدر قلب رسالت میں قوۃ و ہمت اور وسعت و رفعت تھی کہ اس کتاب کا ظرف قرار پایا ـــ رسالت کی عظیم ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی فکر اور دوسری طرف قوم کی سرکشی اور بغاوت و گمراہی میں شدت کی بنا پر ان کے خوفناک انجام کے خیال

و غم نے آپ کی بےچینی میں اضافہ کر دیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر خلاق عالم کا ارشاد ہے کہ :

کہ " ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس غم میں تم اپنی جان کو ھلاکت میں ڈال دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے"، اور سورہ نحل میں کفار کی سرکشی و انکار پر آپ کی قلبی کیفیت کو اسطرح بیان کیا گیا ہے کہ " اور ہم جانتے ہیں کہ کفار کے قول سے تیرا سینہ تنگ ہوتا ہے " ـــ اور پھر خود پیغمبر اکرم نے ایک موقع پر فرمایا کہ " تم لوگ پروانوں کی مانند ہو کہ جو کسی جلتے الاؤ میں گر کر اپنی جانیں ھلاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور میری مثال ایسی ہے کہ میں تم کو اس تباہی سے بچانے کیلئے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں اور تم لوگ آگ میں گرے ہی جاتے ہو" اور پھر جب دعوۃ حق عام ہونے لگی اور پیغمبر اکرم کی محنت شاقہ کا نتیجہ ظاہر ہونے اور آپ کے پیغام حق کو بڑھکر مدینے کا مرکز حاصل ہوگیا تو اب آپ کو سکون حاصل ہوا کہ محنت کا نتیجہ اب ظاہر ہونے لگا ہے اور اب شجر اسلام کی شاخیں دور دور تک پھیل جائیں گی اور پھل پھول نمودار ہوں گے تو خلاق عالم نے اپنے حبیب کو متوجہ کرتے ہوئے مخاطب کیا کہ یہی قوم یہی لوگ کسطرح شدت مخالفت کی بنا پر تیری بات سننے کیلئے تیار نہیں تھے اور پوری قوۃ و شدت سے تیرے پیغام کو ختم کرنے میں کوشاں ۔ اور کسقدر شدائد و آلام کا ہجوم تھا اور تم انکی ہدایت کیلئے کسقدر پریشان و فکرمند تھے ـــــ اور تم نے دیکھا کہ کسطرح حق و صداقت کی قوۃ کو باطل پر غلبہ حاصل ہوا اور کسطرح کفر کی تاریکی پر نور ہدایت غالب آگیا اور سینکڑوں بتوں کی پجاری قوم واحد لاشریک کی عظمت کے سامنے جھک گئی۔ یہ فتح و کامرانی ہمارے احسان کا نتیجہ ہے کہ ہم نے ہی تمام شدائد کا مقابلہ کرنے اور رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے کسطرح تیرے قلب و

دماغ کو عزم و استقلال اور صبر و تحمل کی نعمت سے نوازا اور دعوۃ حق و فکر امت اور عبا رسالت کے لئے تیرے باطن کو کشادہ کیا ــــــ

سورۂ المشراح کے آغاز میں خلاق عالم نے اپنے حبیب سے سوالیہ انداز سے مخاطب کیا کہ کیا ہم نے تیرے قلب و سینے کو کشادہ اور قوی نہیں کیا)۔ یعنی کیا ہم نے تیرے قلب و دماغ کو علوم و معارف اور صبر و تحمل اور عزم و استقلال کے جوہر سے مالا مال نہیں کیا۔

سوالیہ طرز تکلم سے مخاطب کی نگاہ میں مطلب کو عظیم و قطعی کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورہ والضحیٰ میں خلاق عالم کا اپنے حبیب سے خطاب ہے کہ "خدا نے کیا تجھے یتیم پا کر پناہ نہیں دی اور کیا تجھے گمنام پا کر معرفت و روشناس نہیں کرایا)۔ اسیطرح یہاں ہے کہ نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے کیا ہم نے تیرے قلب و باطن کو قوی و کشادہ نہیں کیا؟ ــــ اور کیا وہ عزم و استقلال کی قوۃ عطا نہیں کی کہ شدائد و آلام کے ہجوم و پہاڑ بھی تیرے عزم و ہمت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے۔ اور تم نے تمام شدائد کو انتہائی اطمینان و سکون قلب سے عبور کیا ــــــ

"نشرح" "ہم نے کشادہ کیا" یہ جمع کا صیغہ ہے اس سے پیغمبر اکرم کی عزت و عظمت کا اظہار مقصود ہے کہ یہ شرح صدر خدا کا عظیم فضل و احسان اور نعمت ہے۔

اور "لک" "تیرے لئے" سے اس کا اظہار ہے کہ شرح صدر کی افادیت تیری ذات کیلئے ہے اور اسی نعمت و احسان کے سائے میں جو بھی کار تبلیغ انجام دو گے کامیابی ہو گی۔

جناب موسیٰ نے کار رسالت کی انجام دہی و کامرانی کیلئے خلاق عالم سے اسی نعمت یعنی شرح صدر ہی کی درخواست کی تھی ــــــ

لیکن اس مقام پر بعض مفسرین عامہ اور صاحب بخاری و مسلم نے پیغمبر اکرم کے سینہ شگافتہ کئے جانے کی روایات تحریر کی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں کئی مقامات پر ہے کہ پیغمبر اکرم کا کئی دفعہ جبرائیل نے آکر سینہ چاک کیا اور دل کو نکال کر اسے چیر کر سیاہ نقطہ نکال کر کبھی آب کوثر سے کبھی آب زمزم سے دھو کر علوم و معارف سے بھر دیا ــــ حالانکہ حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک کسی نبی کے قلب و سینے کو شگافتہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر نبی و رسول پاکیزہ اور علوم و معارف سے لبریز دل و دماغ کے ساتھ اور نبوۃ و رسالت کے کمال کے ساتھ دنیا میں وارد ہوا ہے۔

اس آیت کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے ولایت علیؑ سے پیغمبر اکرم کے دل کو روشن کیا نتیجے میں فتح مکہ اور قریش کے اسلام لانے سے آپ کے دل کو وسعت و قوۃ حاصل ہوئی۔

بصائر الدرجات۔

یقیناً ایسا وزیر و شریک کار رسالت کہ جس کی قوۃ اور ایثار و قربانی کے عملی جہاد نے کفر کی کمر کو توڑ کر کفر کی نوبت کو خاک میں ملا دیا ہو ایسے وزیر و شریک کار رسالت کا خدا کیطرف سے عطا ہونا خدا کیطرف سے کسقدر عظیم نعمت ہوگی اور اس پر کسقدر سرور و سکون حاصل ہوگا۔ اسی بنا پر اس سورہ میں اظہار کیا جا رہا ہے کہ شرح صدر کی نعمت اور وزیر و شریک کار رسالت کی نعمت ہی کی بنا پر مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

اسی بنا پر اس سورہ کی تفسیر میں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ :

"الم نشرح۔ الخ۔ یعنی کیا ہم نے تیرے وزیر سے تجھے قوی نہیں کیا کہ اسے ہم نے تیرا ناصر و مددگار بنایا اور وہ تیرے دشمنوں کو ذلیل کرتا ہے۔

اور "الذی انقض" ۔ الخ اور میں تجھ سے نسل نبوۃ کو جاری کروں گا کہ جن سے لوگ ہدایت پائیں گے۔ اور "رفعنا۔ الخ" جب بھی میرا ذکر ہوگا میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہوگا۔ اور فاذا فرغت۔ الخ جب تم اپنے دین کے کام سے فارغ ہو جاؤ تو علی کا ولایت و امامت کیلئے تقرر کر دو تاکہ گروہ اس سے ہدایت پاتے رہیں۔ البرھان۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝

اور ہم نے تم پر سے تمہارے اس بھاری بوجھ کو اتار دیا۔ کہ جو تمہاری پشت کو توڑے دے رہا تھا۔

وِزْرَ۔ بار گراں۔ ہر وزنی شے کہ جو جسد و روح کو تھکا دے۔ آخرت کے لحاظ سے عصیان "وزر" ہے اور دنیا میں جسمانی طاعات و عبادات وزر ہیں۔

نقض۔ یعنی اونٹ کی وہ ہلکی آواز کہ جو اسکی پشت پر بوجھ رکھتے وقت نکلتی ہے یا انسان کی وہ ہلکی ہلکی آواز کہ جو وزنی شے اٹھاتے وقت نکلتی ہے :

یہاں۔ "وزر" یعنی بوجھ کے اٹھانے ہیں اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں جو آخر تک مکمل ساتھ دے اسے "وزیر" کہتے ہیں۔

یہ خلاق عالم کی اپنے حبیبؐ کیلئے دوسری نعمت و احسان ہے کہ اس کار رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے شرح صدر کے ساتھ اس نے اس بوجھ کو ہلکا کرنیکا بھی انتظام کر دیا یعنی ہم نے اس "وزر" کیلئے تجھے وزیر بھی عطا کر دیا کہ جو آغاز سے لیکر تکمیل دین تک پروانہ وار تیرے کار رسالت میں شریک رہا۔ جسے ہم نے تیرا نفس قرار دیا ہے۔

جناب موسیٰ جب رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرنے پر مامور ہوئے تو شریک کار رسالت یعنی وزیر بھی طلب کیا تھا اور کہا تھا "پالنے والے میرے قلب و سینے کو کشادہ و قوی کر دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان و کلام کو واضح و موثر کر دے اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو (کارِ رسالت میں) میرا وزیر و شریک قرار دے "۔

جناب موسیٰ کی درخواست پر ان کو شرح صدر و وزیر کی نعمت عطا ہوئی۔ اور یہاں حبیب خدا کو خلاق عالم نے پہلے ہی سے یہ دونوں نعمات عطا کر دیں۔

چنانچہ کنز العمال جلد ۶ میں ہے کہ حضرت علیؑ راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اسکی طرف بلاؤں تو اس کام میں کون میرا شریک و وزیر بننا چاہتا ہے تو وہ میرا بھائی اور میرا وصی و خلیفہ ہوگا۔ تو تمام قوم خاموش رہی میں نے کہا خدا کے نبی میں حاضر ہوں اس کام پر میں آپ کا شریک و وزیر ہوں تو پیغمبر اکرم نے میری گردن کو تھام کر فرمایا کہ "تم ہی میرا بھائی و میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے تم سب اسکی بات سنو اور اطاعت کرو"۔

اسی بنا پر امام جعفر صادقؑ کے ارشاد کے مطابق یہاں وزر رسالت کو ہلکا کرنے سے ولایت علی مراد ہے۔

نور الثقلین۔ بصائر۔

علامہ رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ جناب ابو طالب و حضرت خدیجہ کی وفات و جدائی کا صدمہ بھی پیغمبر اکرم کیلئے بارگراں تھا کہ خدا نے آپ کو معراج کیلئے بلا کر ہلکا کر دیا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ اور ہم نے تیرے لئے تیرے ذکر کو بلند کیا۔

اپنے حبیب و رسول کیلئے خلاق عالم کا یہ تیسرا فضل و احسان ہے کہ اس نے اپنے حبیب کے نام و ذکر خیر کو رفعت و بقاء عطا کی۔ یعنی اے پیغمبر رسول و حبیب جب تم نے میرے نام و ذکر کو بلند کرنے اور میرے احکام کو عام کرنے کے لئے تمام شدائد و آلام کو خندہ پیشانی سے میری محبت میں برداشت کیا تو اب ہم بھی تیرے نام کو تیرے ذکر خیر کو رفعت و بلندی بھی عطا کریں گے اور بقا بھی عطا کریں گے۔ ابو سعید خدری راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ جبرائیل نے خدا سے سوال کیا کہ خدایا تو نے محمدؐ کو کس طرح بلند کیا تو خدا نے جواب دیا کہ کس طرح میں نے انکے نام کو اپنے نام کے ساتھ شامل کیا یہاں تک کہ جو اشھد ان لا الہ الا اللہ کہے اور اشھد ان محمد رسول اللہ نہ کہے تو میں اپنی توحید کی گواہی اس سے قبول نہیں کروں گا۔

اور انبیا اور رسل سے میثاق نبوۃ لیتے وقت خلاق عالم نے اپنی توحید کے اقرار و عہد کے ساتھ محمدؐ کی نبوت و رسالت کا بھی اقرار و عہد لیا تھا۔

جناب ابن عباس راوی ہیں کہ اس رفع ذکر سے مراد اذان و اقامت اور تشہد میں اور منبروں پر خطبوں میں خدا کے نام کے ساتھ پیغمبر اکرم کے نام کا ذکر کرنا مراد ہے۔"

اور تاریخ بغداد جلد ۷، کنز العمال جلد ۶ اور حلیۃ الاولیاء جلد ۷ میں ہے کہ باب جنۃ پر لکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ اخو رسول اللہ قبل ان یخلق السموات والارض بالفی عام "کہ آسمانوں و زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل سے باب جنۃ پر یہ کلمہ لکھا ہے کہ لا الٰہ الا محمد رسول علی اخو رسول اللہ"

اور تاریخ بغداد جلد (۱) میں ابن عباس سے مروی ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج جنت کے ایک دروازے پر لکھا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی حب اللہ والحسن والحسین صفوۃ اللہ وفاطمہ خیرۃ اللہ وعلی باغضھم لعنۃ اللہ "۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں۔ علیؑ اللہ کے محبوب اور حسن و حسین صفی اللہ صاف منتخب بندے ہیں اور فاطمہ اللہ کی منتخب کنیز خاص ہیں اور ان سے بغض و عداوت رکھنے والے پر اللہ کی لعنت ہے "۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝

"تو یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ یقیناً ہر سختی کے ساتھ آسانی ہے"

تو یقیناً یہ کار رسالت میں کامیابی کی بشارت ہے یعنی جس طرح ہم نے شرح صدر اور نام و ذکر خیر کی بلندی اور شریک کار رسالت کی نعمات سے تم کو نوازا ہے تو اسی طرح اب تجھے کامیابی کی بھی بشارت دیتے ہیں کیونکہ ہر پریشانی و مصیبت کے بعد ہم نے راحت کو قرار دیا ہے اور کوئی پریشانی و مصیبت ہمیشہ نہیں رہتی۔ لہذا ابتدا میں جو سخت تکالیف و شدائد برداشت کرنے پڑے اب وہ آلام کے تمام بادل چھٹ گئے ہیں اب تم اسی قوم پر غالب آؤ گے اور یہ جوق در جوق تیرے پیغام کو قبول کریں گے۔ ہم نے تمہارے زحمات و مشکلات کو دو طرح کے تیسر سے آسان کر دیا شرح صدر اور وزیر وصی کے ذریعے ۔

ہر تنگی کے ساتھ آسانی کے کلمات دو دفعہ دہرا کر جہاں تکرار سے اطمینان میں اضافہ کرتا ہے وہاں دنیا میں ہر تنگی و عسرت کے بعد آسانی اور پھر دنیا کی زحمات کے بعد آخرت کی نعمات و آسانی کی طرف بھی اشارہ ہے یعنی دنیا کی ہر زحمت و مشقت کے بعد راحت و آسانی ہے اور پھر خاصان خدا کیلئے دنیاوی مشقات و زحمات کے بعد یقیناً اخروی کامیابی و آسائش ہے۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

"تو جب تم (تبلیغ رسالت سے) فارغ ہو گئے تو (علی کو خلافت کیلئے) متعین و منصوب کر دو اور اپنے رب کی طرف (حاضری کیلئے) راغب و متوجہ ہو جاؤ۔"

یہاں نماز سے فراغت مراد نہیں ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد دعا میں مصروف ہو جاؤ۔ بلکہ شرح صدر اور کار رسالت کیلئے وزیر کا عطا کرنا اور رفع ذکر خیر کے ساتھ جب شریعت دین کی امانت مکمل پہنچا دو تو پھر اپنے بعد اس امانت الٰہی کیلئے محافظ ولی الامر کا تقرر و اعلان کر دو ۔ جیسا کہ اصول کافی میں ہے

کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ "جب تم تبلیغ رسالت اور واجبات و محرمات اور تمام احکام کے پہونچانے سے فارغ ہو جاؤ تو علی کو امامت و وصایت کیلئے معین کر دو اور انکی فضیلت کا اعلان کر دو تاکہ لوگ علیؑ کے وجود سے ہدایت پائیں اور پھر علی کو معین کرنیکے بعد اپنے رب کیطرف راغب و متوجہ ہو جاؤ"۔
اور تفسیر امام حسن عسکری میں ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اس آیت کا مفہوم و معنی یہ ہے کہ یا محمدؐ جب تم آخری حج اور اپنی نبوۃ کے کام سے فارغ ہو جاؤ تو علیؑ کو خلافت کیلئے مقرر کر دو۔"
جب دین کی تکمیل بھی ہو جائے اور اپنے بعد دین کی حفاظت کا بھی انتظام کر دیا جائے تو پھر اپنے رب کی طرف واپسی کی تیاری کرو۔

سورہ التین (مکیہ)

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ٨ رُكُوْعُهَا ١

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ
الْاَمِيْنِ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤
ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝٥ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ
بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨

ترجمہ:۔ ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
انجیر و زیتون کی قسم۔ طور سینین کی قسم۔ اور اس شہر امن (مکہ) کی قسم۔ یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت
پر پیدا کیا ہے پھر ہم نے اسے پست ترین منزل کی طرف لوٹا دیا سوائے ان لوگوں کے کہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال
بجا لاتے رہے تو ان کے لئے ختم نہ ہونے والا خالص اجر ہے۔ تو اب (اے رسول ان دلائل کے بعد) روز جزا کے بارے میں
کون تیری تکذیب کر سکتا ہے۔ کیا اللہ سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔"

تلاوت:۔ پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا کہ جس نے اس سورہ کی تلاوت کی تو اس کے لئے بے شمار اجر لکھا جائے گا
اور مغموم اسکی تلاوت کرے تو گویا پیغمبرؐ کی زیارت کی اور اس کا غم بھی دور ہو گا اور کھانے پر پڑھ کر کھایا
جائے تو وہ ضرر نہیں دے گا اگرچہ اسمیں زہر ہو۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس نے واجب و مستحب نمازوں میں سورہ التین کی تلاوت کی تو خدا اسے جنت میں وہ چیز عطا کرے گا کہ جس کے لئے اسکی رضا ہوگی ۔"

اور مسلسل اس سورہ کی تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جس نے اس سورہ کی تلاوت کی تو خدا اسے دو خصال عطا کرے گا جبتک دنیا میں ہے عافیت و یقین اور بروز قیامت اسقدر اجر عطا کرے گا کہ جس قدر افراد نے دنیا میں اسکی تلاوت کی تھی ۔"

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ

انجیر و زیتون کی قسم ۔ طور سینین کی قسم ۔ اور اس شہر امن (مکہ) کی قسم ۔"

"و" بمعنی قسم ۔ اور سینین یہ عبرانی لفظ ہے اسکے معنی ۔ نیک و مبارک ۔ آراستہ کرنا ۔ اور اگر نبطی لفظ ہے تو اس کے معنی درختوں سے بھرا ہوا پہاڑ ۔ یہ جناب موسیٰ کی بعثت کا پہاڑ ہے ۔

قرآن حکیم میں کئی مقامات پر بعض چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے ان اشیاء کی قسم یا ان اشیاء کی حیات انسانی کیلئے کثرت افادیت اور ضروری و اہم ہونے کی بنا پر ہے ۔ یا کسی معنی و مفہوم کی صداقت کیلئے مخاطب کے ذہن میں یقین پیدا کرنے کیلئے ۔ یا اس ذات کی ذاتی عظمت و شرافت کی بنا پر اسکی اور اسکی طرف منسوب اشیاء کی قسم کھائی گئی ہے ۔

یہاں جن چار مقامات کی قسم کھا کر انسانی تخلیق کی جامعیت و عظمت کو بیان کیا گیا ہے یہ چار مقامات وہ ہیں کہ جہاں سے انسان کیلئے ہدایت و وحی اور رسالت کا سورج طلوع ہوا ۔ تین کا پہاڑ جناب عیسیٰ سے مخصوص ہے اور زیتون کا پہاڑ کہ جو اکثر انبیاء کی بعثت کا مقام ہے اور طور سینا جناب موسیٰ کی بعثت کا مقام ہے اور بلد امین یعنی مکہ سے پیغمبر اکرم کی بعثت کا تعلق ہے ۔ شام و فلسطین کے مذکورہ پہاڑوں سے حضرت ابراہیم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک انبیاء کی بعثت کا تعلق ہے ۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ تین و زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں کہ جن کو سریانی زبان میں طور سینا و طور زیتا کہتے ہیں کیونکہ ان پر انجیر و زیتون کثرت سے پیدا ہوتے ہیں لہذا انہی ناموں سے موسوم ہیں پہلا پہاڑ حضرت عیسیٰ کا وطن ہے اور دوسرے پہاڑ سے بہت سے اسرائیلی انبیاء کی بعثت کا تعلق ہے ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ تین سے مسجد دمشق اور زیتون سے مسجد بیت المقدس مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ تین مسجد اصحاب کہف اور زیتون مسجد ایلیا ہے ۔

بعض نے کہا کہ تین مسجد نوح اور زیتون کوہ جودی ہے بعض نے کہا کہ تین دمشق اور زیتون بیت اللہ ہے ۔ بعض نے کہا کہ تین سے کوفہ اور زیتون سے شام مراد ہے ۔

غرض تین و زیتون سے مراد وحی الہی و ہدایت ربانی سے مسلسل فیضیاب ہونیوالے مقامات ہیں ۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے چار شہروں کو برگزیدہ قرار دیا ہے تین جو مدینہ ہے اور زیتون جو بیت المقدس ہے اور طور سینا کہ جو کوفہ ہے اور بلد امین جو مکہ ہے "۔ جامع۔

انجیر و زیتون کے پہاڑوں سے روحانی فیض کے ساتھ جسمانی خوراک بھی حاصل ہوتی ہے انجیر لطیف خوراک زود ہضم اور بلغم کو کم کرتی ہے اور جگر و تلی کے مسام کو کھولتی ہے اور مثانہ کے پتھر اور ریت کو خارج کرتی ہے اور جسم کو فربہ کرتی ہے۔

پیغمبر اکرم کی خدمت میں انجیر کا طبق پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "اگر میں کہوں کہ جنت سے کوئی پھل آیا ہے تو انجیر کیلئے کہوں گا کیونکہ یہ بغیر گٹھلی کے جنت کا پھل ہے اسے کھایا کرو یہ بواسیر کو قطع کرتی ہے اور جوڑوں کے درد کو دور کرتی ہے"۔ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ "انجیر منہ کی بدبو کو دور کرتی ہے بالوں کو بڑھاتی ہے اور فالج سے حفاظت کرتی ہے"۔ اور پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "زیتون جیسے مبارک درخت کا مسواک کسقدر بہترین ہے کہ منہ کو پاکیزہ کرتا ہے اور دانتوں سے پلاہٹ کو رفع کرتا ہے اور یہ میرا اور مجھ سے قبل انبیاء کا مسواک ہے"۔

بلد امین ۔ جاء امن یعنی مکہ مکرمہ "ھٰذا" کے اشارے سے واضح ہے کہ یہ سورہ مکی ہے شہر مکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی جاء امن رہا ہے اور ظہور اسلام کے بعد قیامت تک جاء امن ہے۔ یہ تکوینی اور تشریعی دونوں لحاظ سے جاء امن ہے اس شہر میں بیت اللہ ہے اسمیں عذاب الٰہی سے بھی امان ہے اور جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں آگیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت دعا کی تھی کہ "پروردگارا اس شہر کو جاء امن قرار دے"۔ اور خود خلاقِ عالم کا ارشاد ہے کہ "یقیناً ہم نے اس شہر کو جاء امن قرار دیا ہے"۔ طور سینین کے پیغام ہدایت نے بنی اسرائیل کو فرعون کے عذاب سے نجات دلائی اور اپنے دور کی افضل امت قرار دیا اور مکے کی سرزمین کہ جہاں خدا کے خلیل نے کامیاب امتحان دیا اور جہاں خلیل نے عالمین کے نبی و رسول کی آمد کی خبر دی تھی۔ اور جو سید الانبیاء کی بعثت و ظہور کا مقام ہے تو آپ کی نسبت سے آپکی امت بھی افضل امت قرار پائی۔

قرآن حکیم اپنی شانِ اعجازی کی بنا پر ظاہری معنی کے ساتھ باطنی معانی و حقائق کا حامل ہے اس بنا پر مذکورہ چار مقامات کہ جو انسان کیلئے ھدایت کا مرکز ہیں اِنکے باطنی معنی کے لحاظ سے وہ ذوات مقدسہ مراد ہیں کہ جنکا وجود کائنات کیلئے مرکزِ ہدایت ہے۔

چنانچہ ان آیات کی تفسیر سے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "تین و زیتون سے مراد حسنؑ اور حسینؑ ہیں اور طور سینین سے مراد علی ابن ابیطالب ہیں اور آپ کی ولایت ہے کہ جسکی منافقین نے تکذیب کی اور بلد امین سے مراد پیغمبر اکرمؐ کی ذات ہے"۔ جامع۔

اور محمد بن فضیل نے امام علی رضا علیہ السلام سے ان آیات کے معنی دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ "تین

سے مراد حسنؑ اور زیتون سے مراد حسینؑ اور طور سینین سے مراد امیرالمومنین اور بلد امین سے مراد پیغمبر اکرم ہیں کہ جس نے انکی اطاعت و فرمانبرداری کی وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہا اور اسفل سافلین وہ لوگ ہیں کہ پیغمبر اکرم نے جن سے علیؑ کی ولایت کا عہد لیا تھا اور انھوں نے عہد کو توڑ دیا۔ اور "امنوا" امیرالمومنین اور ان کے شیعہ مراد ہیں اور دین سے علیؑ اور ائمہ کی ولایت مراد ہے۔" جامع۔ برھان۔

ایک دوسری روایت میں بلد امین سے مراد حضرت فاطمہ ہیں

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ "یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا"

یہ پہلی چار قسموں کا جواب ہے۔ نبوت و وحی کی رحمت و برکت سے فیضیاب ہونیوالے چار اشرف و افضل مقامات کی قسم کھا کر انسانی تخلیق کی جامعیت اور شرافت و فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جسطرح یہ چار مقامات افضل ترین مقامات ہیں وحی ربانی و ھدایت الٰہی کے نزول کے مقامات ہیں اسی طرح انسان بھی افضل موجودات ہے اسکی روح طہارت کی بنا پر فیوضات رحمانی کا مرکز ہے یعنی انسانی وجود کو ظاہری و باطنی ہر طرح کے حسن و کمال سے آراستہ کر کے خلق کیا گیا ہے اسکے اعضاء و حواس کو اپنے کاموں کیلئے انتہائی مناسب بنایا گیا ہے۔

تقویم۔ یعنی تعدیل۔ انسان کو بہترین قوام و عدل اور توازن پر پیدا کیا گیا ہے۔

تقویم۔ کسی شے کو ایسی حالت و صورت میں پیدا کرنا کہ جس کے لائق وہ اپنی تخلیق میں تھی۔ انسان کو بہترین قوام و عدل یعنی معتدل و حسین قد و قامت اور حسن صورت اور کائنات کے تمام موجودات کا خلاصہ و تمام ممکنات کی تمثیلات کا مجموعہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سورہ مومن میں ارشاد الٰہی ہے " وصوركم فاحسن صوركم " "اور خدا نے تمہاری تصویر کشی کی تو انتہائی حسین و بہترین تصویر بنائی"

یہاں صورت سے صرف ظاہری جسمانی نقش و نگار اور خد و خال ہی مراد نہیں ہیں بلکہ قوائے باطنیہ و ادراکیہ بھی مراد ہیں۔ انسان عالم ظاہر و باطن یعنی عالم خلق و عالم امر دونوں کا خلاصہ ہے اسکے وجود میں صفات الٰہیہ کا عکس بھی ہے یعنی حیات و علم اور قدرت و ارادہ اور محبت و رحمت سب اس کے ظرف کے لحاظ سے اس کے وجود میں جمع ہیں اور اسکے وجود میں عقل کے نور کا چراغ بھی روشن ہے اور یہ تجلیات الٰہی کے حصول کی صلاحیت رکھتا ہے اسی بنا پر خلعت خلافت اسے عطا کی گئی ہے۔ یعنی ہر جہت سے صوری و معنوی بہترین تقویم و حسن اعتدال پر پیدا کیا گیا ہے۔ وہ گوشت سے بنا ہے۔ گوشت سے دیکھتا ہے گوشت سے سونگھتا ہے اور گوشت سے ذائقہ چکھتا ہے اور گوشت سے مس کر کے نرم و سخت کو محسوس کرتا ہے اور کس طرح ایک خوردبینی جرثومے سے پیدا ہو کر مکمل انسان بنکر افضل خلائق بن جاتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ " انسانی صورت مخلوق پر خدا کی حجت و دلیل ہے اور وہ کتاب ہے کہ جسے خدا نے خود تحریر کیا ہے اور یہ وہ بلند عمارت ہے کہ جس کو حکمتوں کے ساتھ بنایا گیا ہے اور یہ موجودات

کائنات کا خلاصہ ہے:-

قرآن حکیم انسان کو موجودات کائنات میں مجردات و محسوسات میں سے شریف ترین و عظیم ترین مخلوق کے طور پر متعارف کراتا ہے کہ وہ خلیفۃ اللہ ہے۔ مسجود ملائکہ ہے۔

اور حدیث قدسی میں ہے کہ " خدا نے آدم کو صورت رحمان پر پیدا کیا ہے " یعنی آدم مظہر صفات الٰہی ہیں کیونکہ خدا کی صورت اسکے صفات جلال و جمال ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا " انسان کا قیام و بقاء چار چیزوں پر ہے آگ۔ نور۔ ہوا۔ اور پانی۔ آگ کے ذریعے کھاتا پیتا رہتا ہے۔ اور نور کے ذریعے دیکھتا اور تعقل و فہم رکھتا ہے۔ اور ہوا کے ذریعے سنتا ہے اور سونگھتا ہے اور پانی کے ذریعے کھانے کی چیزوں کی لذت محسوس کرتا ہے اور اگر آگ اسکے وجود میں نہ ہوتی تو کھانا پینا ہضم نہ ہوتا اور اگر نور نہ ہوتا تو نہ ہی وہ دیکھتا اور نہ ہی تعقل و فہم رکھتا اور اگر ہوا نہ ہوتی تو معدہ کی آگ نہ بھڑکتی۔ اور اگر پانی نہ ہوتا تو کھانے کی لذت محسوس نہ کرتا۔ نور الثقلین۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا " جسم کی بنیاد چار چیزوں پر ہے۔ روح۔ عقل۔ خون۔ نفس۔ جب روح نکل تو عقل اسکے ساتھ چلی گئی اور روح جس چیز کو دیکھتی ہے تو عقل محفوظ کرلیتی ہے اور روح و نفس باقی رہتے ہیں

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ " پھر ہم نے اسے پست ترین منزل کیطرف لوٹا دیا "

انسانی فطرت کو خلاق عالم نے خیر و عدل کی بنیاد پر استوار کرکے تمام صفات حسنہ سے آراستہ کرکے احسن تقویم قرار دیا ہے۔ خداوند عالم خالق خیر ہے اس سے صرف ھدایت و خیر کا صدور ہوتا ہے۔ اس نے انسان کو زمین پر خیر و عدل پھیلانے کیلئے بھیجا ہے۔ انسانی فطرت چونکہ خیر پر استوار ہوئی ہے اس لئے ہر انسان فطری طور پر خیر کو پسند کرتا ہے اور شر و برائی سے نفرت کرتا ہے وہ عدل و انصاف اور ایثار و قربانی اور رحمت و شفقت کو پسند کرتا ہے اور ظلم و زیادتی اور شقاوت و بے رحمی کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ دنیا میں پاکیزہ خصال و فطرت سلیمہ کے ساتھ وارد ہوتا ہے اس کے وجود میں خیر و شر کے درمیان امتیاز کرنے اور خیر کی رہبری کیلئے عقل کا چراغ روشن کر دیا گیا۔ اور اسے ارادہ و اختیار دیکر امتحان کی دنیا میں منتقل کیا گیا ہے۔

لہذا جب وہ خارجی اثرات سے متاثر ہوکر خداداد صلاحیتوں کو ضائع کرکے مادی خواہشات کی تکمیل میں حدود سے تجاوز کر جاتا ہے تو کفر و معصیت کا غبار اسکے باطن کو زنگ آلود و تاریک کر دیتا ہے۔ تو اسوقت وہ کسی خیر و ھدایت کو نہ ہی دیکھتا ہے اور نہ ہی سنتا ہے اور وہ ان گہری تاریکیوں و ذلتوں میں گر جاتا ہے کہ جہاں سے واپسی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تو اسوقت خداوند عالم اس سے اپنی توفیقات سلب کرکے اسے چھوڑ دیتا ہے۔ تو وہ مقام حیوانیت

میں پہنچ جاتا ہے پھر دنیا و آخرت دونوں کی ذلت و رسوائی اسے حاصل ہوتی ہے۔ آسمانی پیغامات و الٰہی رسالات کا مقصد انسان کی پاکیزہ فطرت سلیمہ کو بیرونی گمراہی کے گرد و غبار اور اثرات سے محفوظ رکھتے ہوئے اسکے نفس میں جلا پیدا کر کے اسقدر صلاحیت پیدا کر دی جائے کہ اسمیں الٰہی جلال و جمال اور صفات کا عکس نمایاں ابھر آئے۔

لیکن یہی انسان کبھی بیرونی اثرات اور گرد و غبار سے متاثر ہو کر سفاک قاتل و شیطان بنجاتا ہے۔ اور کبھی فطرت سلیمہ کی حفاظت کرتے ہوئے نیکی و بھلائی کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ انسان جس پاکیزہ فطرۃ سلیمہ پہ پیدا ہوا ہے قرآن حکیم اسے دین قیم اور اسلام قرار دیتا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ "ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر اسکے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"

انسان کی ذلت و پستی آسمانی تعلیمات سے سرکشی کا نتیجہ ہے۔

احمد ابن موذب وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر اکرم نے ام ہانی کے ہاں قیام کیا جب اٹھے تو غمگین تھے سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں نے ابھی ابھی قیامت واحوال قیامت کا اور جنت و نعمات جنت کا اور دوزخ و دوزخ کے مختلف عذاب کا مشاہدہ کیا ہے اور اسکے درمیان ..... اور ... (حاکم شام کو وزیر کے ساتھ) کو فریاد کرتے دیکھا انکے سروں پر دوزخ زبانیہ کے پتھر مارے جا رہے تھے تو میں نے ان سے کہا علی کی ولایت پر تم کیوں ایمان نہیں لائے تھے۔ اسوقت عظمت الٰہی کے حجاب میں علی کو دیکھا کہ خوش و مسکرا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے پروردگار رب کعبہ میرے و میرے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کیا ہے۔ تو خدا علی کے دشمنوں کو دوزخ میں ڈالیگا جبکہ اسوقت علی ابن ابیطالب اپنے اہل خاندان و ذریت اور شیعہ کی شفاعت کریں گے۔" جامع۔

اور امام موسی کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت۔ت۔ع۔ کیلئے نازل ہوئی کہ جو علیؑ سے بغض و عداوت رکھتے تھے تو خدا ان کو اسکی بنا پر دوزخ کا پست ترین مقام دے گا۔"

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لاتے رہے تو انکے لئے ختم نہ ہونیوالا خالص اجر ہے۔"

جو شخص فطرت سلیمہ و پاکیزہ خصائل پر قائم رہا اور رسالات الٰہی و وحی ربانی کی ہدایات و دلائل کی روشنی حاصل کر کے عمل صالح بجا لاتا رہا تو اس کے لئے ختم نہ ہونے والا خالص دائمی اجر ہے۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ جب بندہ مسلم کسی جسمانی آفت میں مبتلا ہوتا ہے تو خداوند عالم فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ جو عمل خیر کیا کرتا تھا وہی عمل خیر اس کے لئے لکھو۔"

اور پیغمبر اکرمؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "بچے کی جوانی تک اسکے اعمال خیر اسکے والدین کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اور اسکی برائیاں نہیں لکھی جاتیں اور جب وہ جوان ہوتا ہے تو برائی سے حفاظت کیلئے اور سیدھی راہ پر چلانے کیلئے اس پر فرشتے مامور ہوتے ہیں اور جب بحالت اسلام چالیس سال پورے ہو جاتے ہیں تو خدا اسے جنون

جذام اور برص سے امان دیتا ہے اور جب پچاس برس کا ہو جاتا ہے تو خدا اسکا حساب ہلکا کر دیتا ہے۔ اور جب ساٹھ برس کا ہو جاتا ہے تو خدا اسے قبولیت دعا کی صفت عطا کرتا ہے اور جب ستر برس کا ہو جاتا ہے تو آسمانی فرشتے اسکی محبت پر مامور ہوتے ہیں اور آسمان میں اسکا نام اسیر اللہ ہوتا ہے اور جب ستر سے تجاوز کر جاتا ہے تو جسقدر اعمال خیر جوانی میں اس کے نامۂ اعمال میں لکھے گئے تھے اسی قدر اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اور گناہ نہیں لکھے جاتے۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ "تو اب (اے رسول ان دلائل کے بعد) روز جزا کے بارے میں کون تیری تکذیب کرتا ہے۔ کیا اللہ سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔

یہاں پر کافر و مشرک اور سرکش و باغی انسان سے خطاب ہے کہ کس چیز نے تجھے روزِ جزا کی تکذیب پر آمادہ کیا ہے حق و صداقت کے شواہد دیکھکر پھر آسمانی صداقتوں سے کیوں انکار کرتا ہے۔ خدا نے تجھے معمولی جرثومے سے پیدا کر کے بہترین تصویر عطا کر کے اشرف المخلوقات کی صورت میں ظاہر کیا ہے اور پھر زندگی کی منازل طے کر کے بڑھاپے کی کمزور منزل کیطرف لوٹاتا ہے وہی خالق عالم تجھے دوبارہ پیدا کرنے اور تجھے تیرے اعمال کی جزا و سزا دینے پر بھی قادر ہے اور وہی احکم الحاکمین ہے وہی سب سے بڑھکر عادل و حاکم ہے اسکا ہر فیصلہ عدل و احسان پر مبنی ہے اس کے حکم و فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی مجرم و سرکش اسکی سزا سے بچ سکتا ہے۔

اور بروز جزا چونکہ ہر مسلمان سے ولایت علی و ائمہؑ کا سوال کیا جائیگا اس لئے باطنی لحاظ سے "الدین" سے مراد امیر المومنین کی ولایت ہے کہ جسے منافقین نے جھٹلا کر امت میں افتراق پیدا کر دیا۔

سُوْرَۃُ الْعَلَق (مکیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿٣﴾ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ
مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿٥﴾ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾
اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿٨﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا
صَلّٰى ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾
اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ
كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ
الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ﴿١٩﴾

ترجمہ۔ پڑھو اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ کہ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا جس نے انسان کو جرثومے سے پیدا کیا۔ پڑھو کہ تمہارا پروردگار بڑا ہی کریم ہے۔ کہ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً انسان سرکش ہو جاتا ہے کہ جب وہ خود کو غنی و بے نیاز دیکھتا ہے۔ یقیناً سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔ کیا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے کہ جو روکتا ہے ایک بندے کو کہ جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ تم دیکھو کہ اگر وہ ھدایت پر ہوتا۔ یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا۔ بھلا دیکھو کہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ تو کیا اسے نہیں معلوم کہ یقیناً خدا دیکھ رہا ہے۔ نہیں نہیں۔ (اگر وہ (سرکشی سے) باز نہ آیا) تو ضرور اسکی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ ایک جھوٹے گنہگار کی پیشانی۔ تو اب وہ اپنے ہمنشینوں کو بلائے۔ ہم بھی ملائکہ عذاب کو بلائیں گے۔ (اے رسول) ہرگز اسکی بات نہ ماننا اور سجدہ کرتے رہو اور قربت حاصل کرو۔

تلاوت:۔ ارشاد نبوی ہے کہ اس سورہ کی تلاوت کرنے والے کیلئے مفصل سورتوں کی تلاوت کرنے اور خدا کی راہ میں تلوار اٹھانے کا ثواب ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس نے دن یا رات میں اس سورہ کی تلاوت کی اور اسی دن یا رات موت کا شکار ہو گیا تو اسکی موت شہادت کی موت ہو گی اور خدا اسے شہید اٹھائے گا اور وہ اسکی مانند ہو گا کہ جس نے رسول خدا کے ساتھ خدا کی راہ میں تلوار چلائی ہو۔

اور احادیث نبوی میں ہے کہ "سفر کی طرف جانے والا اسکی تلاوت کرے تو وہ شر سے محفوظ رہے گا اور سمندر میں سفر کرنے والا اسکی تلاوت کرے تو وہ قدرت خدا سے غرق ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر اس سورہ کو خزانے کے دروازے پر پڑھا جائے تو ہر آفت و چوری سے محفوظ رہے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس سے سب نکال لے۔

نزول :۔ پیغمبر اکرم وحی تشریعی کے نزول سے قبل یعنی کار رسالت کے آغاز سے پہلے غار حرا میں جا کر مصروف عبادت رہتے جب حیات ظاہری کے چالیس برس پورے ہوئے تو ایک روز غار حرا میں اذکار الٰہی میں مصروف تھے کہ غائبانہ جبرائیل کی آواز سنی پھر دوسرے روز جبرائیل معطر حسین صورت میں حاضر خدمت ہوئے اور کہا یا محمد آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور تحیہ و اکرام سے مخصوص کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ جن و انس کی طرف میرے رسول ہیں ان کو میری عبادت و بندگی کی طرف دعوت دیں کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔ پھر جبرائیل نے زمین پر اپنا پر مارا تو پانی کا چشمہ نمودار ہوا۔ پیغمبر اکرم نے اس سے کچھ پانی پیا اور وضو کیا اور جبرائیل نے سورہ اقرأ کی پہلی پانچ آیات پڑھ کر سنائیں (یعنی رب کے نام سے کار رسالت کا آغاز کریں) اور واپس چلا گیا اور پیغمبر اکرم جب غار سے باہر نکلے تو جس درخت اور پتھر و کنکر کے پاس سے گزرے اس نے السلام علیك یا رسول اللہ کہہ کر آپ کا استقبال کیا۔ اور گھر پہنچ کر جب جناب خدیجہ کو خبر دی تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ (برھان)۔

اور مواہب اللدنیہ میں بھی نزول وحی کے آغاز کا تذکرہ کچھ اسی طرح ہے کہ جبرائیل معطر و حسین صورت میں پیغمبرؐ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا محمدؐ خدا آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ جن و انس کے رسول ہیں لہٰذا ان کو لا الٰہ الا اللہ کی طرف دعوت دیں پھر جبرائیل نے زمین پر پر مارا تو پانی کا چشمہ جاری ہوا جس سے دونوں حضرات نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی پھر جبرائیل واپس پرواز کر گئے اور پیغمبر اکرم جب گھر کی طرف روانہ ہوئے تو جس درخت اور پتھر و کنکر کے پاس سے گزرے ہر ایک آپ کو السلام علیك یا رسول اللہ کہہ رہا تھا۔ اور گھر پہنچ کر جب جناب خدیجہ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا تو وہ خوشی سے بیخود ہو گئیں۔ پھر پیغمبر اکرم نے ان کو وضو و نماز کا حکم دیا اور جناب خدیجہ نے آپ کی ہدایات کے مطابق وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی یہ پہلی دو رکعت فرض نماز تھی کہ جو بعد کو سفر میں باقی رہی۔"

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۝ پڑھو اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ کہ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا۔

خدا کو چالیس کا عدد پسند ہے کوہ طور پر جناب موسیٰ کو چالیس شب روک کر کتاب شریعت عطا کی۔ اور جب اس کے حبیب نے حیات ظاہری کی چالیس منازل طے کیں تو دعوت حق کے آغاز و الٰہی آیات کی تلاوت کرنے کا حکم دیا۔ سورہ کے آغاز میں کار رسالت کے شروع کرنے یعنی آیات الٰہی کی تلاوت کرنے و پیغام حق پہنچانے کا حکم ہے۔ یعنی رب کے نام سے آیات قرآنی و احکام ربانی پہنچانے کا آغاز کرو۔

اِقرأ "پڑھو" یعنی آیات الٰہی پڑھکر لوگوں کو سناؤ۔ کار تبلیغ کا آغاز کرو۔ یہاں امر کا صیغہ ہے اور سورہ بنی اسرائیل میں ماضی کے صیغے کے ساتھ ہے کہ "اذا قرأت القران۔ الخ۔ اور جب تم لوگوں کو قرآن پڑھکر سناتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں"۔ اور یہاں ماضی کا صیغہ "قرأتَ" ہے جس کے معنی تلاوت کرنے کے ہیں سیکھنے یا تعلیم حاصل کرنے کے نہیں ہیں اسی طرح "اِقرأ" امر کا صیغہ ہے یعنی آیات الٰہی کی تلاوت کرکے لوگوں کو سنانے کے معنی میں ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ جناب عیسیٰ کے دنیا میں وارد ہونے کے بعد گہوارے میں حامل نبوت و عالم کتاب ہونے کے دعوے کو قرآن میں پڑھنے کے باوجود الٰہی اصول سمجھ میں نہ آسکے کہ خلاق عالم اپنے انبیاء و رسل کو نبوت و علم کتاب کے ساتھ دنیا میں بھیجتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کو تو کمسنی میں فرشتے کے پڑھانے کی ضرورت نہ ہو تو سردار انبیاء کو کیونکر ضرورت ہو سکتی ہے ـــ لہٰذا "اقرأ" سے مراد پڑھنے یعنی سیکھنے کے نہیں بلکہ قرآنی آیات تلاوت کرکے دوسروں تک احکام الٰہی پہونچانا مقصود ہے یعنی کار تبلیغ کا آغاز کرنا مقصود ہے کیونکہ نبی ان پڑھ نہیں ہوتا اور پھر جو تخلیق آدم سے قبل نبی ہو اسکے لئے ان پڑھ کہنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

اگر بالفرض محال یہ بھی تصور کیا جائے کہ پہلی وحی کے نزول کے وقت پیغمبر اکرم پڑھنا نہیں جانتے تھے اور جبرائیل کے ذریعے کہلوایا گیا کہ "پڑھو"، تو یہ کلمہ "اقرأ" فعل امر ہے کہ جو کلام الٰہی و حکم ربانی ہے۔ اس ذات کا حکم ہے کہ جب وہ کوئی امر و کام چاہتا ہے تو وہ کام بالفور ہو جاتا ہے۔ اس نے چاہا کہ اس کے خلیل پر آتش نمرود گلزار ہو جائے ادھر اس کا ارادہ و حکم ہوا ادھر بلا فصل آگ سرد ہوگئی لہٰذا اسی طرح قادر مطلق نے جب اپنے حبیب کیلئے قرأت کی تعلیم فوری چاہی تو جیسے ہی کہا کہ "پڑھو"، تو بالفور و بلا فصل آپ کو پڑھنا لکھنا سب حاصل ہو گیا۔ لہٰذا اب یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ جبرائیل دو تین بار پڑھنے کیلئے کہیں اور پیغمبر ہر بار یہ کہیں کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس طرح خدا کی قدرت میں نقص لازم آئے گا۔ بلکہ ادھر جبرائیل نے زبان پہ آیات الٰہی کو جاری کیا اور ادھر پیغمبر اکرم علم ما کان و ما یکون کے حامل ہو گئے۔ اور قرأت کے ساتھ حکم ہے کہ اپنے پروردگار کے نام سے تلاوت کرو کہ جس نے پیدا کیا"۔ اسم "رب" سے تربیت کا اظہار مقصود ہے یعنی جس طرح مادی تربیت کا اسی نے انتظام کیا ہے اسی طرح وحی ربانی و انزال کتب و ارسال رسل کے ذریعے تربیت روحانی کا بھی اسی نے انتظام

کیاہے۔ تربیت تکوینی و تخلیقی بھی وہی کرتا ہے اور تربیتی اخلاقی و تشریعی بھی وہی کرتا ہے۔
خَلَقَ "۔ اس نے پیدا کیا "، اس سے پہلے تخلیقی فعل سے تمام کائنات کی تخلیق یعنی عدم سے وجود کی طرف منتقل ہونے کا اظہار ہے اور اس کے بعد دوسرے " خَلَقَ " سے شے سے شے ایجاد کرنے کا اظہار ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جبرائیل نے پیغمبرؐ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ "پڑھیے" آپؐ نے فرمایا کیا پڑھوں۔ جبرائیل نے کہا " اقرأ باسم ۔ الخ۔ یعنی اس کے نام کے ساتھ پڑھیئے کہ جس نے آپ کے نور کو تمام اشیاء سے پہلے خلق کیا اور عام انسانوں کو " عَلَق " سے پیدا کیا اور علیؑ کے نور کو آپؐ کے نور سے جدا کیا اور علیؑ کو وہ علم عطا کیا کہ جو وہ پہلے نہیں جانتے تھے"۔ خدا کا علم لامحدود ہے نہ ہی اس کے علم کی انتہا و حد ہے اور نہ ہی اسکے فضل و کرم کی کوئی حد ہے لہذا اسکے فضل و کرم اور علم کا فیض انوار مقدسہ پر تسلسل سے جاری ہے۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ "اس نے انسان کو جرثومے سے پیدا کیا۔" " عَلَق " جرثوموں کا مجموعہ و جماعت " اور " مِنۡ " بعض کے معنی میں ہے۔ تمام کائنات کی تخلیق کے تذکرے کو چھوڑ کر خصوصیت سے انسانی تخلیق کی کیفیت کو بیان کر کے انسانی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے کیونکہ انسان ہی عالم اکبر کا خلاصہ ہے اسکے وجود میں کائنات کے تمام کمالات پنہاں ہیں۔ عالم اکبر اسی کیلئے پیدا ہوا ہے اس کے وجود میں روح کا تعلق عالم اَمر سے ہے اور جسم کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں انسانی جسد کے بنیادی جوہر کا تذکرہ کر کے انتہائی اہم حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے کہ انسانی جسد کی تخلیق ایک انتہائی حقیر خوردبینی جرثومے سے ہوئی ہے۔ یہی ابتدائی جرثومہ نطفہ کہلاتا ہے۔ پھر زن و مرد کے دو جرثوموں کے ملنے کے بعد جو پہلی صورت بنتی ہے اسے علقہ کہتے ہیں اور اسکے بعد دوسری منازل ہیں جن کو طے کرنے کے بعد جسم انسانی تکمیل پاتا ہے۔ سورہ دھر میں زن و مرد کے جرثوموں کے ملنے کا اظہار اسطرح کیا گیا ہے کہ " انّا خلقنا الانسان من نطفة امشاج ۔ الخ " یقیناً ہم نے انسان کو مخلوط نطفے یعنی جرثوموں کے ملاپ سے پیدا کیا ہے۔

انسانی تخلیق کا بنیادی جوہر خوردبینی جرثومہ انتہائی حقیر ہونے کے باوجود تخلیق کا عظیم شاہکار ہے اس کے حقیر وجود میں دو طرفہ تسبیح کے دانوں کی طرح اَرَبا ہیں پھرے ہوتے ہیں جو اسکی ذاتی و نسلی خصوصیات و صفات اور مزاج کے حامل ہوتے ہیں۔ اور اسی جرثومے سے خلاق عالم نے ایسی سمیع و بصیر اور ذہین مخلوق کو خلق کیا ہے کہ جو زمان و مکان کو مسخر کر کے اپنے اقتدار و عظمت کا اظہار کر رہی ہے۔ جو خالق اس حقیر و ذلیل جوہر سے سمیع و بصیر اور صاحب عقل و ادراک مخلوق پیدا کر سکتا ہے تو اس کیلئے دوبارہ پیدا کرنا کیونکر مشکل ہے اور جو انسان ایسے حقیر جوہر سے خلق ہوا ہے اس کے لئے حسب و نسب پر فخر کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ " پڑھو کہ تمہارا پروردگار بڑا ہی کریم ہے۔ کہ جس نے

قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔"

"اقراء" کے تکرار سے قرأۃ و تعلیم کی اہمیت کا اظہار ہے۔ اور "رب" کے تکرار سے دو طرح کی تربیت کی طرف اشارہ ہے پہلے سے تربیت تخلیقی و تکوینی اور دوسرے سے تربیت اخلاقی و تشریعی کی طرف اشارہ ہے کہ جسکی مناسبت سے قلم کے ذریعے تعلیم سے اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اور "اکرم" سے خدائی انتہائی کرم و شرف کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ علم کی نعمت کے بعد پھر کوئی نعمت نہیں یہاں تک تخلیق و وجود کی نعمۃ بھی علم کی نعمۃ کی برابری نہیں کر سکتی۔ جب انسانی تخلیق کا سورہ میں تذکرہ کیا گیا تو وہاں کریم کے ذریعہ فضل و کرم کا اظہار کیا گیا لیکن "الاکرم" کے ذریعے علم کی عظمت کو واضح کیا گیا اور خدا کا فضل و کرم لامحدود اور بلا احتیاج ہے۔

رحمٰن و رحیم رب نے اپنے انعام کا اظہار و آغاز تخلیق انسانی سے کیا اور تعلیم پر ختم کیا کیونکہ علم و عرفان ہی انسانی تخلیق کا مقصد ہے اور علم حقیقی عمل سے جدا نہیں ہے جیسا کہ حضرت علی کا ارشاد ہے کہ علم و عمل ملے ہوئے ہیں جس نے علم حاصل کیا اس نے عمل کیا۔

علم اپنی عظمت و اہمیت کے باوجود اپنی حفاظت و بقا اور نشر کیلئے قلم کا محتاج ہے پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے "علم کو قلم کے ذریعے مقید کر لو" اور قرأت کو کتابت پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ لسان تکوینی خط تکوینی سے پہلے وجود میں آئی اور زمان و مکان کے لحاظ سے بھی قرأت کتابت سے مقدم ہے۔

قلم کی کئی اقسام ہیں شاعروں کا قلم کہ جو آوازوں و تصاویر کو محفوظ کرتا ہے۔ وحی کا قلم کہ جو ارشادات خداوندی کو انبیاء کے قلوب پر نقش کرتا ہے اور وحی معجزہ ہے لہذا وحی کو ضبط کرنے والا قلم بھی معجزہ ہے۔ تمام قلم خطا کر سکتے ہیں لیکن قلم وحی خطا نہیں کر سکتا۔" ملائکہ بھی قلم کے توسط سے ہیں کہ جن کو قلم قدرت نے لوح محفوظ پر ثبت کیا۔ اور قلم کے ذریعہ تعلیم و تعلم سے علوم کی حفاظت و بقاء مقصود ہے۔ اور سب سے پہلے حضرت ادریس نے قلم سے لکھنے کا آغاز کیا۔

قلم چونکہ علوم و معارف اور حقائق کے اظہار کا ذریعہ ہے تو اس مفہوم کے لحاظ سے وہ نور اول بھی قلم کہلایا کہ جس کے وجود سے منشا توحید اور صفات الٰہی کے اظہار کے ساتھ کائنات ظہور پذیر ہوئی اور وہ نور محمدی ہے۔

عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ "اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ جو وہ نہیں جانتا تھا" یہ احسان کا دوسرا پہلو ہے کہ صرف تعلیم و تعلم ہی کا احسان نہیں ہے بلکہ مزید احسان بھی ہے اور وہ یہ کہ انسان کو وہ علوم و حقائق بھی تعلیم کئے گئے کہ جو وہ نہیں جانتا تھا۔ خدا نے عقل اور وحی و الہام اور انزال کتب و ارسال رسل اور نصب دلائل کے ذریعے علوم کی تعلیم کا انتظام کیا۔

"علّم" کا تکرار ہے۔ پہلا قلم سے مفید و متعلق ہے جس سے اظہار مقصود ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو تعلیم دیں اور کائنات میں غور و فکر کر کے علم حاصل کریں۔ اور دوسرے "علّم" سے وہ تعلیم مراد ہے کہ جو وحی و الہام سے حاصل ہوئی

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ۝ أَن رَّءَاهُ اسْتَغْنَىٰٓ ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰٓ ۝

" ہرگز نہیں۔ یقیناً انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ کہ جب وہ خود کو غنی و بے نیاز دیکھتا ہے۔ یقیناً سب کی بازگشت تیرے پروردگار کی طرف ہے۔

" کلّا " زجر و توبیخ کے لئے ہے طغیٰ۔ مصدر طغیان ہے جس کے معنی " حد سے تجاوز کرنا " کفر اور ظلم و معصیت میں آگے بڑھنا "، اسی سے طاغوت ہے کہ جو لوگوں کو راہ خیر سے روکے۔ " رُجعیٰ " مصدر ہے اس کے معنی " لوٹنے " کے ہیں یعنی جس خالق کریم سے انسان سرکشی و بغاوت کرتا ہے اسی کی طرف اسے لوٹ کر جانا ہے تب اسکی سرکشی و حق سے انحراف کا نتیجہ اس کے سامنے آئے گا۔

شروع کی آیات میں انسان پر اپنے کریمانہ انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد لفظ " کلّا " کفر و طغیان کی رد کیلئے ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیئے لیکن پھر بھی انسان طغیان کرتا ہے۔ انسان کی ناشکری و سرکشی کا تذکرہ ہے کہ خالق رحیم و کریم جب اسے اپنی نعمات کثیرہ سے نوازتا ہے تو انسان اسی منعم حقیقی سے باغی و سرکش ہو جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے کہ یہ نعمات اسکی ذاتی کاوش و ذھانت کا نتیجہ ہے لیکن جب نعمات اس سے سلب کر لی جاتی ہیں تو اس وقت اسکی ذھانت و کاوش ان کو نہیں روک سکتی۔ دولت و نعمات کے حصول کے بعد انسان غافل ہو جاتا ہے کہ جو ذات نعمات دے سکتی ہے وہ واپس بھی لے سکتی ہے اور اس سے انسانی کوئی حرکت و فعل پوشیدہ بھی نہیں ہے پیغمبر اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ " اس فقر سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ جو فقر لوگوں کو تیری یاد سے روک دے اور اس غنیٰ سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں کہ جو طغیان و نافرمانی میں مبتلا کر دے۔ "

ابوجہل نے پیغمبر اکرم سے کہا کہ تم یہ کہتے ہو کہ جو غنی ہوتا ہے وہ سرکش و باغی ہو جاتا ہے تو تم مکہ کے پہاڑوں کو سونے چاندی کا بنا دو کہ ہم اس سے کچھ لیکر اپنے طریقے سے سرکش و باغی ہو جائیں اور اپنے دین کو چھوڑ کر تیرے دین کے تابع ہو جائیں۔ تو جبرائیل نازل ہوئے اور پیغام الٰہی پہنچایا کہ اگر ہم نے اس طرح کر دیا اور اس کے بعد بھی یہ ایمان نہ لائے

توجو اصحاب مائدہ کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا وہی انکے ساتھ سلوک کریں گے۔ تو پیغمبر اکرمؐ نے ان کفار کے باقی رہنے کا اظہار کیا تاکہ بعد کو جو ایمان لانے والے ہیں وہ ایمان لے آئیں۔

خلاق عالم متوجہ کر رہا ہے کہ مال و دولت اور جاہ و مقام شیطانی جال ہیں بہت سے لوگ مال کی سخت محبت کیوجہ سے تمام عمر تحصیل و تکثیر میں صرف کر دیتے ہیں اور اسی کے ذریعے غرور و فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ اور انکے مقابل وہ لوگ بھی ہیں کہ جو ہر نعمت کو خیر و شکر اور اصلاح و احسان کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور ہر بلا و مصیبت پر صبر کے ذریعہ تہذیب نفس و ترفیع درجات اور اجر و ثواب حاصل کرتے ہیں۔ امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ " میں اس سرائے کا کیا وصف کروں کہ جس کا آغاز رنج اور انجام فناہ ہے " اور آپنے یہ بھی فرمایا کہ " جو دنیا میں تونگر ہوا وہ فتنے و امتحان میں گرفتار ہوا اور جو نادار ہوا وہ غمگین ہوا۔"

أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿١٠﴾ أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾ أَرَءَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾

کیا تم نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے کہ جو روکتا ہے ایک بندے کو کہ جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ تم دیکھو کہ اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔ یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا۔ بھلا دیکھو کہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور منہ پھیرا۔

تو کیا اسے نہیں معلوم کہ یقیناً خدا دیکھ رہا ہے۔"

شروع کی آیات میں خلاق عالم نے کائنات کی عمومی تخلیق و تربیت کیلئے اپنی رحمت و رأفت کا اظہار کیا ہے پھر انسان کا نام لیکر روحانی و جسمانی تربیت اور قرأت کتابت کی الہامی و اکتسابی تعلیم کا اظہار کیا ہے ــــ اور ان آیات میں تین بار (ارأیت) استفہام کی صورت میں ہے کہ جو تعجب اور تقبیح و تشنیع کے اظہار کیلئے ہے جیسا کہ سورہ الماعون کے آغاز میں روز جزا کو جھٹلانے والے کیلئے آیا ہے۔

قریش کے بعض بد بخت پیغمبر اکرمؐ و دیگر مسلمانوں کو نماز و بندگی سے روکتے تھے جنمیں ابوجہل پیش پیش تھا۔ ایک روز ابوجہل نے قریش سے کہا کیا تم دیکھتے ہو کہ محمدؐ نماز پڑھتے ہوئے چہرہ مٹی پر رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ تو ابوجہل نے کہا لات و عزیٰ کی قسم اگر میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو انکی گردن پر اپنا پاؤں رکھدوں گا اور ان کو ہلاک کر دوں گا۔ قریش نے کہا کہ اسوقت وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ ابوجہل جلدی جلدی گیا۔ لیکن قریش نے دیکھا کہ جا کر پھر واپس آ گیا۔ سبب پوچھا تو کہا میں انکو اذیت دینا چاہتا تھا کہ میں نے اپنے اور ان کے درمیان آگ سے بھری ہوئی خندق دیکھی اور ایک شخص کو دیکھا کہ وہ میرے اوپر آگ ڈالنا چاہتا ہے تو میں بھاگ کھڑا ہوا۔ اسوقت یہ آیات

پیغمبر اکرم پر نازل ہوئیں۔ تو پیغمبر اکرم نے فرمایا اس ذات کی قسم کہ جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر ابوجہل قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ مجمع مسلم۔ امیر المومنینؑ بصرے کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں کسی نے دریافت کیا کہ اگر بصریوں نے حق کو قبول نہ کیا تو آپ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ آپ نے فرمایا ہر ظالم کہ جو ظلم پہ مصر ہوا ہم اس سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ وہ خدا کے فرمان کی طرف لوٹ آئے۔ سائل نے کہا کہ انہیں حواری پیغمبر طلحہ اور ام المومنین ہیں آپ نے فرمایا حق و باطل ایک میزان ہے کہ جس پر انسان کو تولا جاتا ہے اس میں افراد کا تشخص یا صحابی ہونا یا نسبتوں کا ہونا یا القاب کا کوئی دخل نہیں ہے تم پہلے حق و باطل کو پہچانو تاکہ حق و باطل والوں کو پہچان سکو (علی و فرزندانِ علی۔ طٰہٰ مصری)

علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ان آیات میں عبداً، میں تنکیر اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبد بندگی و طاعۃ الٰہی میں انتہائی کامل ہے اور اس کے بعد رازی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں ایک یہودی نے ان سے آکر کہا کہ مجھے اپنے رسول کے اخلاق سے آگاہ کیجئے تو حضرت عمر نے کہا بلال کو بلاؤ وہ مجھ سے زیادہ عالم ہیں جب بلال آئے تو انھوں نے حضرت فاطمہؑ کی طرف رہبری کی کہ وہ دختر رسول ہیں اور حضرت فاطمہؑ نے حضرت علی کی طرف رہبری کی تو حضرت علی نے اس یہودی سے کہا کہ تم اس دنیا کی اشیاء کو شمار کرو تاکہ تم کو رسول خدا کے اخلاق بتاؤں۔ اس نے کہا یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے حضرت علی نے فرمایا تم دنیاوی اشیاء کے شمار کرنے سے عاجز ہو جبکہ خدا نے اشیاء دنیا کو متاع قلیل کہا ہے اور پیغمبر اکرم کے اخلاق کی میں کیونکر توصیف کروں کہ خدا نے آپکے اخلاق کو عظیم کہا ہے۔"

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝١٥ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝١٦ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝١٧ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝١٨ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝١٩

"نہیں۔ اگر وہ (سرکشی سے) باز نہ آیا تو ضرور ہم اسکی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ ایک جھوٹے گنہگار کی پیشانی۔ تو اب وہ اپنے ہمنشینوں کو بلائے ہم بھی ملائکہ عذاب کو بلائیں گے۔ (اے رسول) ہرگز اسکی بات نہ ماننا اور سجدہ (نماز) کرتے رہو اور قربت حاصل کرو۔"

ناصیۃ۔ پیشانی۔ اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بال سر کا اگلا حصہ۔ سفع کسی شے کو مٹھی میں پکڑ کر کھینچنا و گھسیٹنا۔ رخسار پہ طمانچہ مارنا۔ داغنا۔ چہرے کو جلا کر صورت کا سیاہ کرنا۔

نادیہ۔ اجتماع۔ اس کے اصلی معنی مجلس و سوسائٹی کے ہیں اور یہاں مراد افراد کہ جب وہ مجتمع ہوں یعنی جن کو اپنی جمعیت کی قوۃ پر فخر ہے وہ اپنی جمعیت کو بلائیں۔ اور ندوہ بمعنی اجتماع ہے۔ اسی سے دار الندوہ ہے۔ اور ندی بمعنی خیر و بخشش اور تفضل کے بھی ہے اور کرم و بخشش کا اظہار مجالس و اجتماع میں ہوتا ہے مہمانوں کے اجتماع کو کھانا کھلانے سے خیر و تفضل کا اظہار ہوتا ہے۔

زبانیہ۔ اسکی واحد زبنیہ ہے اس کے اصلی معنی۔ دفاع کرنیوالا۔ دفع کرنا۔ اور دودھ نکالتے وقت اونٹ کا لات مارنا ہے ۔ یہاں دوزخ پر متعین فرشتے ملائکہ غلاظ شداد مراد ہیں۔

ابوجہل نے پیغمبر اکرم سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس وادی مکہ کو ابلق گھوڑوں اور بہادر مردوں سے بھر دوں کہ وہ تم سے جنگ کریں۔ تو یہ آیات نازل ہوئیں کہ اگر ابوجہل اپنی سرکشی سے باز نہ آیا تو اسکی پیشانی یعنی خضاب شدہ بالوں سے پکڑ کر اسے دوزخ کی طرف کھینچ لیں گے۔ اور پھر بدر کے معرکے میں معوذ و معاذ دو بچوں نے حملہ کرکے ابوجہل کو زخمی کرکے گرا دیا تو عبداللہ ابن مسعود جو اسوقت نیچے تھے بڑھ کر اس کے سینے پر چڑھ کر اس کا سر کاٹ لیا اور اسکی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر اس کے سر کو گھسیٹتے ہوئے لاکر پیغمبر اکرم کے سامنے ڈال دیا۔ اور اس طرح قرآن کی اس آیت کی پیشگوئی کی ایک صورت پوری ہوگئی اور اسکی دولت و جمعیت بھی اسکے کچھ کام نہیں آئی۔

اور آخری آیت میں خلاق عالم نے اپنے حبیب کو حکم دیا ہے کہ تم عبادت و سجدہ بجالاتے رہو اور اس طرح قربت کی منازل کو طے کرتے رہو۔

پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "بندے کی خدا کے نزدیک بہترین حالت سجدہ کی حالت ہے۔"

سورۃ القدر (مکیّہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ
الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا
بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
یقیناً ہم نے اُسے (قرآن کو) قدر والی رات میں نازل کیا۔ اور تجھے کیا
معلوم کہ قدر والی رات کیا ہے۔ قدر والی رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے
اس (شب) میں فرشتے اور خاص روح (روحِ امری) اپنے رب کے اذن
سے ہر حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔ یہ (شب) سراسر سلامتی ہے طلوعِ صبح تک۔

maablib.org

سورۃ القدر (مکیہ)

نزول: علامہ رازی تفسیر کبیر میں اور علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور میں اور دیگر مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے منبر پر بنی امیہ بندروں کی طرح اچھل کود رہے ہیں تو آپؐ کو بہت ہی ناگوار محسوس ہوا۔ تو خداوند عالم نے آپ کی تسکین خاطر کے لئے سورۃ القدر کو نازل کیا۔

صحیح ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام حسنؑ سے کہا آپ نے حاکم شام کے ساتھ مصالحت کر کے مومنین کو رسوا کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے خواب میں اپنے منبر پر بنو امیہ کو بندر کی طرح اچکتے دیکھا جو آپ پر گراں گذرا تو خدا نے سورۃ القدر کو نازل کیا ــــ یعنی بنی امیہ کے ظلم و جبر کی ہزار ماہ کی حکومت سے عدل و انصاف کی ایک روز کی حکومت کہیں بہتر ہے۔ اس سورۃ میں صحابہ کے سوال کا جواب بھی ہے جبکہ صحابہ کے سامنے بنی اسرائیل کے ایک عابد و مجاہد کا ذکر کیا گیا جو ہزار ماہ تک راہ خدا میں ہتھیار لگائے رہا تو صحابہ نے تعجب سے کہا کہ ہماری عمریں کم ہیں اور عمل قلیل ہے اس قدر عمل و فضیلت ہم کیسے حاصل کر سکتے ہیں تو خداوند عالم نے سورۃ القدر میں اس کا جواب دیا کہ امت مسلمہ کے لئے شب قدر ہے جس کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے۔

فضائل: پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اگر سورۃ القدر کو (مٹی کے) نئے برتن پر لکھ کر صاحب لقوہ اس میں دیکھا کرے تو انشاءاللہ شفا ہوگی۔ (برھان) ایک ہمدانی شخص نے حضرت علیؑ سے کمر درد کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا درد کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ پڑھو " وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتَابًا مُّؤَجَّلًا وَ مَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْھَا وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَۃِ نُؤْتِهٖ مِنْھَا وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ " الخ اور سات دفعہ سورۃ القدر کو پڑھو۔ انشاءاللہ شفا پاؤ گے ــــ امام زین العابدینؑ نے فرمایا گھر سے سفر کے لئے نکلتے وقت جو سورۃ القدر کی تلاوت کرے تو صحیح و سالم گھر واپس لوٹے گا۔ (مکارم الاخلاق)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا "سورہ القدر کی (بکثرت) تلاوت کرنے والا راہ خدا میں تلوار اٹھانے والے کی مانند ہے۔" الخ

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے ـ " اگر بندۂ مومن کی قبر کی کوئی شخص زیارت کرے اور اس کے پاس سات مرتبہ سورۃ القدر پڑھے تو اس کی اور صاحب قبر کی خطائیں خدا معاف کر دے گا۔" ایک شخص نے امام محمد باقرؑ کی طرف لکھا کہ قرض نے بوجھل کر دیا ہے۔ تو امام نے اس کی طرف لکھا کہ زیادہ استغفار کرو اور سورۃ القدر سے زبان کو تر رکھو۔ یعنی مسلسل پڑھتے رہو۔ (نور الثقلین)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ اگر کسی شخص کو کوئی مرض لاحق ہو تو مٹی کے کسی برتن میں پانی بھر کر اس پر تیس مرتبہ سورۃ القدر کو پڑھے پھر اس پانی سے کچھ پیئے اور اسی سے وضو کرے اس میں کچھ اور پانی شامل کر دے۔ دوسرے روز پھر اسی طرح عمل کرے ــ تیسرے روز اسی پانی سے پی کر وضو کرے انشاءاللہ شفا ہوگی۔ (نور الثقلین) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا سوتے وقت سورۃ القدر

کا گیارہ بار پڑھنا حفاظت کا باعث ہے۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ حاکم کے سامنے سورۃ القدر پڑھ کر جانا حاکم کی مغلوبی کا باعث ہے۔ آپؑ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر دشمن کے سامنے جاتے وقت سورۃ القدر کو پڑھا جائے تو کامیابی ہوگی۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر بچے کی ولادت میں تکلیف ہو تو پانی پر سورۃ القدر پڑھ کر عورت کو پلایا جائے انشاءاللہ آسان ہوگی۔ امام محمد تقیؑ نے فرمایا سورۃ القدر کا کثرت سے پڑھنا اداءِ قرض اور وسعتِ رزق کے لئے موثر ہے۔

امام علی رضاؑ نے فرمایا جس مومن نے کسی مومن کی قبر کی زیارت کی اور اس پر سات مرتبہ سورۃ القدر کو پڑھا تو خدا اور صاحب قبر کو بخش دے گا۔ کسی مومن کی دفن کی پہلی شب میں اسکے ایصال ثواب کے لئے دو رکعت نماز وحشت پڑھنے کا حکم ہے پہلی رکعت میں سورۃ الحمد کے بعد آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں سورۃ الحمد کے بعد دس مرتبہ سورۃ القدر پڑھی جائے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ اپنے مردوں پر پہلی رات صدقہ دے کر رحم کرو۔ اگر صدقہ نہ دے سکے تو مذکورہ طریقہ سے نماز پڑھ کر ہدیہ کرو۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا اگر کوئی ۲۳ رمضان کی شب کو سورۃ القدر کو ہزار بار پڑھے تو وہ اس حالت میں صبح کرے گا کہ اسے ہمارے مراتب کا پختہ یقین و معارف حاصل ہوگا جسے خواب میں مشاہدہ کرے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝١ وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۝٢ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۝٣

(یقیناً ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں نازل کیا۔ اور تجھے کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے)

انّ، یقیناً۔ انّا، یقیناً ہم۔ انزلنا، ہم نے نازل کیا۔ فی، اندر۔ لیلۃ، رات۔ القدر، عزت و عظمت، تقدیر۔ الف، ہزار، شہر، مہینہ

حرف "انّ" کی تاکید سے اس کی وضاحت کر دی گئی کہ قرآن حکیم بلاشبہ خداوند عالم کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے پیغمبر اکرمؐ یا فرشتے کا کلام نہیں ہے۔

انزال و تنزیل میں فرق، دونوں کے معنی نازل کرنے کے ہیں۔ لیکن "انزال" کے معنی ایک ساتھ اکٹھا نازل کرنے کے ہیں ــــ اور "تنزیل" کے معنی تدریجی نزول کے ہیں۔ جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے "نزل علیک الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ وانزل التوراۃ والانجیل الخ" توراۃ و انجیل اور زبور ہر ایک اکٹھی ایک ساتھ نازل ہوئی ہے لہذا ان کے لئے "انزلنا" کا فعل استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ توراۃ جناب موسیٰؑ کوہ طور پر سے لکھ کر ایک ساتھ لائے تھے اور انجیل کے لئے جناب عیسیٰؑ نے گہوارے میں اعلان کیا تھا کہ "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ خدا نے مجھے کتاب عطا کر دی ہے اور نبی بنایا ہے۔" اور اسی طرح جناب داؤدؑ پر زبور ایک ساتھ نازل ہوئی ــــ اور قرآن حکیم حضور اکرمؐ پر تدریجاً تھوڑا تھوڑا تیئیس سال میں مکمل نازل ہوا۔ اس لئے اس کے لئے "نزّل" کا فعل استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم شب قدر میں الفاظ و معانی و مطالب کے ساتھ مکمل لوحِ محفوظ سے بیت المعمور "فرشتوں کا قبلہ" پر نازل ہوا۔ پھر وہاں سے آیات و سورتوں

کی صورت میں حضور اکرمؐ پر تقریباً ۲۳ سال میں مکمل نازل ہوا۔ لیکن حضور اکرمؐ تخلیق آدم سے قبل قرآن حکیم کے عالم تھے اس لئے کہ ناممکن ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اگر دنیا میں آئیں تو اپنی کتاب کو دل و دماغ میں لے کر آئیں اور جو سردار الانبیاء ہو وہ دنیا میں آنے کے بعد ۴۰ سال تک نابلد رہے ـــ یہ مقام خاتم و افضلیت کی توہین ہے جبکہ حضور اکرمؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدمؑ کا جسم مٹی و پانی میں منتشر تھا۔ (مدارج النبوۃ)

اور ظاہر ہے کہ نبوۃ بغیر علم کے نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں جناب عیسیٰؑ کا قول بیان کیا گیا ہے کہ یہود کے اعتراض پر جناب عیسیٰؑ نے گہوارے میں کلام کرتے ہوئے کہا کہ "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ خدا نے مجھے کتاب عطا کر دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔" اس ارشاد میں پہلے یہ بتایا کہ "خدا نے مجھے کتاب عطا کر دی ہے" اس کے بعد فرمایا کہ "خدا نے مجھے نبی بنایا ہے۔" اس سے واضح ہے کہ نبوت سے قبل آپ کو علم کتاب حاصل تھا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ نبوت بغیر علم کے ہو ـــ لہٰذا جو ذات جناب آدمؑ کی پیدائش سے قبل نبوت سے سرفراز ہوئی یقیناً اسے اپنی کتاب کا علم بھی نبوت سے پہلے ہوگا۔ لہٰذا اس ہستی کو دنیا میں آنے کے بعد کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ـــ چنانچہ دنیا میں آنے کے بعد موقع و محل اور وقت کے لحاظ سے آیات کا نزول ہوتا رہا۔ جس وقت اور موقع و محل پر جس آیت و سورہ کا پہونچانا مقصود ہوتا اسی وقت وحی کا نزول ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جبرائیلؑ جب کبھی کوئی آیت پہونچاتے تو آیت کے مکمل سنانے سے قبل ہی حضور اکرمؐ اسے پڑھ دیا کرتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "تمہاری طرف خدا کی وحی مکمل ہونے سے قبل تم قرآن جلدی سے مت پڑھا کرو اور کہا کرو پالنے والے میرے علم میں اضافہ کرنا۔ طٰہٰ ۱۱۴"

لیکن علامہ فخرالدین رازی نے اس آیت کے نزول کے لئے لکھا ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو حضور اکرمؐ اسے جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش کرتے تاکہ اسے یاد کرلیں۔ اور کہیں بھول نہ جائیں جس کی بناء پر کہا گیا کہ جلدی نہ کریں"ـــ حالانکہ سہو و نسیان اور وہ بھی آیات و احکام الٰہی میں مقام نبوت کے منافی ہے۔ کیونکہ خداوند عالم جسے منصب نبوت کے لئے منتخب کرتا ہے وہ سہو و نسیان و دیگر ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوتا ہے۔ اور حضور اکرمؐ کے لئے خداوند عالم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "ہم تجھے اب پڑھاتے ہیں کہ تم کبھی نہیں بھولتے۔"

غرض سورۂ قدر میں "انزلنا" کے فعل سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن حکیم شب قدر میں ایک ساتھ نازل ہوا عطیہ حروری کے جواب میں ابن عباس نے کہا کہ شب قدر میں قرآن لوح محفوظ سے سماء دنیا میں بیت المعمور پر نازل ہوا۔ پھر وہاں سے حالات و واقعات کے لحاظ سے "وقتاً فوقتاً" نازل ہوا۔

قرآن حکیم کو تدریجاً نازل کیا گیا تاکہ ایمان لانے والوں کو آہستہ آہستہ فرائض و احکام کا پابند بنایا جائے اور تمام فرائض و احکام ایک ساتھ نازل ہوتے تو نئے نئے لوگوں کے لئے دشواری پیدا ہوتی۔ لہٰذا تدریجاً عادی بنایا گیا تاکہ طبع پر بھی بار نہ ہونے پائے۔

"القدر" کے معنی | قدر (دال پر زبر کے ساتھ) کے معنی اندازہ کے ہیں۔ اسی سے تقدیر ہے۔ اسی بناء پر بعض مفسرین نے "القدر" کے معنی تقدیر کے لئے ہیں یعنی قضا و قدر کی شب کہ جس میں خداوند عالم

فیصلے نافذ کرنے کے لئے فرشتوں کے سپرد کرتا ہے جیسا کہ سورۂ "دخان" میں اس کا ارشاد ہے کہ :۔
"اس شب کو ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے"۔ چنانچہ اس شب میں فرشتے امور کا نتائج لے کر خدا کے اذن سے زمین پر نازل ہو کر نبی یا نبی کے وصی کے پاس پہونچاتے ہیں۔

اور "قدر" (دال کی جزم) کے معنی شرف و عزت کے ہیں۔ یعنی نزول قرآن کی بنا پر شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے یعنی اس شب کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔

شب قدر کی تعیین: سورۂ بقرہ میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ "رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا" اس سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم ماہ رمضان میں نازل ہوا۔ سورۃ القدر میں نزول قرآن کی شب کی طرف اشارہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ نزول قرآن کی شب قدر و عظمت والی شب ہے۔ اور سورہ دخان میں بتایا گیا کہ شب قدر برکت کی شب ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ۶ رمضان کو توریت اور ۱۲ رمضان کو انجیل اور ۱۸ رمضان کو زبور اور شب قدر کو قرآن حکیم نازل ہوا۔ امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا شب قدر ہر سال آتی ہے۔ آپ نے فرمایا "اگر شب قدر اٹھالی گئی تو قرآن بھی اٹھالیا جائے گا"۔

شب قدر کی تاریخ کے سلسلہ میں مفسرین نے مختلف روایات تحریر کی ہیں اور اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد امت مسلمہ کے ایک گروہ نے پیغمبر اکرمؐ کی احادیث و تعلیمات اور تفسیر و شریعت حاصل کرنے کا مرکز پیغمبر اکرمؐ کے ہر صحابی کو قرار دیا۔ لہذا جس صحابی سے جو روایت ملی لے لی گئی لیکن دوسرے گروہ نے پیغمبر اکرمؐ کے بعد قرآن و شریعت کی تشریحات و تعلیمات کا مرکز پیغمبر اکرمؐ کے اہل بیت کو قرار دیا کہ جن کی عصمت و طہارت کی گواہی خداوند عالم نے آیت تطہیر نازل کر کے دی اور جن کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے امت کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں تمہارے درمیان دو عظیم القدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ کتاب خدا اور میری عترت و اہل بیت جب تک ان دونوں کے دامن کو تھامے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر دونوں ساتھ ساتھ میرے پاس پہونچیں گے"۔ (صحیح ترمذی) (صواعق)

لہذا جس گروہ نے پیغمبر اکرمؐ کے بعد ہدایت کا مرکز پیغمبر اکرمؐ کے حکم کے مطابق آپ کے اہل بیت کو قرار دیا۔ جن پر درود و سلام ہر مسلمان اپنی نماز میں بھیجتا ہے تو ان اصحاب کی روایات کو قابل قبول قرار دیا جو اہل بیت رسالت سے عقیدت و محبت رکھتے تھے اور جہاں اہلبیت رسالت کی عداوت تھی ان کی باتوں کو قابل قبول قرار نہیں دیا گیا۔ .... چنانچہ اسی بنا پر تفسیر درمنثور اور تفسیر کبیر رازی میں ...... شب قدر کی تاریخ سے متعلق تقریباً چالیس روایات منقول ہیں جن میں رمضان کی مختلف تواریخ کو شب قدر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر درمنثور میں ہے کہ عبادہ ابن صامت نے پیغمبر اکرمؐ سے شب قدر کی تاریخ دریافت کی تو آپ نے فرمایا رمضان کے آخری عشرے کی تاریک شبوں میں تلاش کرو۔ ۲۱ یا ۲۳ یا ۲۵ یا ۲۷ یا ۲۹ یا آخری شب ہے اس شب میں جو ایمان اور اجر و ثواب کے لئے عبادت میں مصروف رہا تو اس کی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔

یہ شب صاف و ساکن شب ہے۔ نہ گرم نہ ہی سرد۔ اس شب کو چاند زیادہ چمکدار ہوتا ہے۔ صبح تک کوئی ستارہ نہیں ٹوٹتا اس کی صبح کو طلوع ہونے والے سورج میں چمک کم ہوتی ہے وہ لیلۃ البدر کی طرح ہوتا ہے۔ خدا نے اس روز سورج کے ساتھ شیطان کے خروج کو حرام قرار دیا ہے۔"

صحیح بخاری، مسلم، ترمذی اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ شب قدر کو عشرے کی آخری طاق راتوں میں تلاش کرو۔

صحیح ترمذی اور صحیح نسائی میں عبادہ کی روایت ہے کہ "پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا رمضان کے ۹ دن باقی ہوں یا سات یا پانچ یا تین دن باقی ہوں یا آخری شب میں شب قدر کی تلاش کرو۔

تفسیر درمنثور میں ہے کہ جناب عبد اللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہم لوگ بیٹھے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ جلدی جلدی ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم خوف زدہ ہو گئے لیکن آپ نے آکر فرمایا" میں جلدی جلدی تمہارے پاس اس لئے آیا تا کہ تمہیں شب قدر بتاؤں لیکن تم تک پہنچتے پہنچتے بھول گیا۔ لہٰذا اسے رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔ امام شافعی کے نزدیک شب قدر ۲۱ رمضان کی شب ہے (بھولنے کے خطرے کی روایت ابن عباس کی طرف منسوب ہونا قابل حیرت ہے)

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک شب قدر یعنی تقدیر کائنات کی شب سال کے کسی ایک دن میں ہے جس کی بنا پر ان کا فتویٰ ہے اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو اس شرط کے ساتھ طلاق دے کہ یہ طلاق شب قدر میں واقع ہوگی یا اپنے غلام کو آزاد کرانے کے لئے شب قدر کی شرط لگادے کہ شب قدر کو آزاد ہوگا تو ایک سال گذرنے کے بعد طلاق ہوگی اور ایک سال کے بعد غلام آزاد ہوگا (تفسیر روح البیان تفسیر قرطبی)

تفسیر درمنثور میں ہے کہ عبد اللہ ابن انیس جہنی نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے اونٹ اور بھیڑیں بکثرت ہیں میرا گھر دور ہے میں آپ کی خدمت میں بار بار حاضر نہیں ہو سکتا مجھے شب قدر کی ایک تاریخ بتا دیجئے کہ جس میں شب قدر کے اعمال بجالاؤں تو پیغمبر اکرمؐ نے خاموشی سے فرمایا کہ ۲۳ رمضان کی شب ہے۔

سنن بیہقی میں ہے کہ ایوب ابن خالد نے کہا کہ میں بحری سفر کر رہا تھا کہ ۲۳ رمضان کی شب کو مجھے نہانے کی ضرورت لاحق ہوئی جب میں نے غسل کیا تو سمندر کا پانی خالص و لذیذ پایا۔"

اسی طرح ۲۷ رمضان کی شب کی تعین کے لئے مفسرین نے کئی روایات تحریر کی ہیں۔ لیکن ایک خاص روایت علامہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کے درمیان شب قدر کی تاریخ کے درمیان تعین میں اختلاف ہوا جب فیصلہ نہ ہو سکا تو حضرت عمرؓ نے ابن عباس کو بلوا کر ان سے کہا کہ اس مسئلہ کو حل کرو۔ ابن عباس نے اسے اس طرح حل کیا "لیلۃ القدر" کے جملے میں نو (۹) حروف ہیں اور یہ جملہ سورہ القدر میں تین بار آیا ہے جن کا مجموعہ ۲۷ ہوا۔ لہٰذا شب قدر ۲۷ کو ہے۔ اس طرح شب قدر کا تعین خلافت کے دوسرے دور میں ہوا۔ لیکن اہل بیت رسالت کی طرف رجوع نہیں کیا گیا بلکہ اہل بیت رسالت کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان نے ان کے وجود کو بھی کبھی برداشت نہیں کیا انہیں

تلواروں اور زہر سے شہید کیا جاتا رہا ہے۔ ان کی نسل اور چاہنے والوں کے وجود کا صفایا کیا جاتا رہا۔ وہ مسلمان ہی کہلاتے تھے جنھوں نے کربلا کے میدان میں خاندان رسالت کے بھرے گھر کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اور سردار جوانان جنت کی لاش کو گھوڑوں سے پامال کر ڈالا۔ جہاں مسلمانوں کو پیغمبر اکرمؐ کے اہل بیت سے اتنی عداوت تھی وہاں وہ اہلبیت کے ارشادات و کلمات اور فضائل کو کہاں باقی رہنے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک مسلمانوں کا ایک مخصوص طبقہ فضائل اہلبیت کو چھپانے کے ساتھ ان کی توہین مختلف انداز سے کرتا رہا ہے لیکن پھر بھی اہلبیت کے فضائل سورج نصف النہار کی طرح درخشاں ہیں۔ انہی کے لئے پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے "میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوحؑ کی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا۔ اور جس نے انحراف کیا وہ غرق و ہلاک ہوا۔" (صواعق محرقہ) لہذا جن لوگوں نے پیغمبر اکرمؐ کے بعد بحکم خدا و رسول اہل بیت رسالت کو ہدایت کا مرکز قرار دیا ان کے ہاں ۱۹، ۲۱، ۲۳ رمضان کی شبوں سے متعلق روایات ہیں۔ اور اس کی وضاحت خاص طور پر امام جعفر صادقؑ نے اس طرح فرمائی ہے کہ "۱۹ رمضان کو امور کی تقدیر، تعین اور اندازہ ہوتا ہے۔ اور ۲۱ رمضان کو وہ امور مستحکم اور حتمی ہوتے ہیں اور ۲۳ رمضان کو ان امور کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے جو آئندہ سال تک ہونے والے ہیں اور خدا کو حق ہے کہ اپنی مخلوق کے لئے جو چاہے کرے۔"

یعنی ۱۹ رمضان کو انسان و کائنات سے متعلق امور و احکام کا تعین ہوتا ہے اور ۲۱ رمضان کو ان فیصلہ شدہ امور کا استحکام اور ۲۳ رمضان کو ان امور کے اجراء و نفاذ کے لئے ان امور کو فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے جنھیں لے کر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر سفیان بن سمط نے جب امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ وہ کونسی راتیں ہیں کہ جن میں خداوند عالم سے ہر طرح کی امید کی جاتی ہے۔ فرمایا "۱۹، ۲۱، ۲۳ رمضان کی شب"۔ عرض کیا اگر کسی شخص کو بیماری یا سستی لاحق ہو جائے تو پھر کس شب پر اعتماد کرے۔" فرمایا "۲۳ شب پر اعتماد کرے۔" امام محمد باقرؑ سے پوچھا گیا کہ شب قدر کو کیسے پہچانیں تو آپ نے فرمایا "رمضان میں روزانہ شب کو سو مرتبہ سورۂ دخان پڑھو تو ۲۳ شب کو تم اس کی تصدیق پاؤ گے۔"

ان روایات اور اسی طرح کی دیگر کئی روایات سے ۲۳ رمضان کی شب کی تائید ہوتی ہے۔ اور درحقیقت میں عبداللہ ابن انیس جہنی کی روایت جو گذر چکی ہے اس سے بھی ۲۳ رمضان کی تاریخ کی تائید ہوتی ہے۔

محمد ابن مسلمؒ امام جعفر صادقؑ سے شبِ قدر کی علامت دریافت کی تو آپ نے فرمایا۔ "یہ شب خوشبودار اور سردی میں گرم اور گرمی میں اس کی ہوا سرد ہوگی۔ جس سے یہ شب پاکیزہ ہو جاتی ہے۔" اور شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں قرار دیا تاکہ مسلسل روزے رکھنے اور عبادات بجا لانے کی وجہ سے کمزوری کی بناء پر آخری ایام میں عبادت اور استغفار میں سستی نہ ہونے پائے بلکہ شب قدر کی فضیلت کے حصول کے لئے ہمت و قوت میں اضافہ ہو جائے۔

اور انتظار کو مختصر کرنے کے لئے شب قدر کو تین شبوں میں پوشیدہ کر دیا گیا جس طرح خدا نے اپنی رضا کو اپنی طاعت میں پوشیدہ کیا تاکہ تمام طاعات کی طرف رغبت ہو اور اپنے غضب کو معاصی میں پوشیدہ کیا تاکہ تمام معاصی سے بچا یا جائے۔ اور اپنے ولی و دوست کو اپنے بندوں میں پوشیدہ کیا تاکہ لوگوں کی عزت و تکریم ہو اور قبولیت دعا کو دعاؤں میں پوشیدہ کیا تاکہ ہر دعا

کی طرف رغبت اور دعا کی کثرت ہو۔ اور اسم اعظم کو اپنے ناموں میں پوشیدہ کیا تاکہ تمام اسماء کی تعظیم ہو اور نماز وسطیٰ کو پانچ نمازوں میں پوشیدہ کیا تاکہ تمام نمازوں کی حفاظت کی جائے۔ اور قبولیت دعا کو توبہ و استغفار میں پوشیدہ کیا تاکہ تمام اقسام توبہ پر عامل رہے اور موت کے وقت کو پوشیدہ رکھا تاکہ انسان ہر وقت خائف رہے۔ اسی طرح شب قدر کو تین شبوں میں پوشیدہ رکھا تاکہ تینوں شبوں کی عظمت و تعظیم کی جائے۔ غرض شب قدر میں حتمی امور کی تقدیر و تعین ہوتا ہے اور بعض امور کی تقدیر مشروط ہوتی ہے وہ انسانی ارادے و اختیار سے متعلق ہوتے ہیں انسان ان میں مجبور نہیں ہوتا لیکن خدا کی ذات وقت سے قبل جانتی ہے اور ان حتمی امور میں بھی خداوند عالم کو کمی و تبدیلی کا اختیار و قدرت حاصل ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ شب قدر کو فرشتے اور روح اور تقدیر لکھنے والے فرشتے آسمان دنیا پر فضل و قدر الٰہی سے جو ہونے والا ہے وہ لکھتے ہیں اور خدا جب چاہتا ہے کہ کسی امر کو مقدم و موخر کرے یا کمی کرے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اپنی تحریر کو مٹا دے اور خدا جو چاہتا ہے ثابت کرتا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا خدا اس شب میں آئندہ کے ہونے والے امور کو مقدر کرتا ہے ان میں تمہاری ولایت اور تمہاری اولاد سے آئمۂ دین کی ولایت کو ثبت کرتا ہے۔

شب قدر کی فضیلت

قرآن حکیم کے نزول کی بناء پر شب قدر ہزار مہینوں سے افضل قرار پائی یعنی مظروف کی عظمت کی بناء پر ظرف کو عظمت حاصل ہوئی تو پھر جن قلوب و اذہان میں قرآن حکیم مطالب و معارف اور مفاہیم کے ساتھ آکر ٹھہر جائے ان ہستیوں کی برابری کون کر سکتا ہے۔

اسی بناء پر علامہ فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں شب قدر کی فضیلت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ "اس شب کی فضیلت و شرف کی مقدار کا سورۃ القدر میں تعین نہیں کیا گیا" یعنی شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ شب قدر کی عظمت کی انتہا کیا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے لئے عمرو ابن عبدود سے مقابلے کے وقت فرمایا تھا کہ "علی عمرو سے مبارزت و مقابلہ کا عمل قیامت تک میری امت کے اعمال سے افضل ہے۔ یعنی پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے مقابلے کے عمل کو امت کے اعمال کے برابر نہیں بلکہ افضل قرار دیا ہے۔ اور افضلیت کی حد کا تعین نہیں کیا۔" تقریباً اکثر مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ سورۃ القدر میں ہزار مہینوں سے مراد بنی امیہ کی حکومت و خلافت کا زمانہ ہے جیسا کہ وضاحت گذر چکی ہے۔

غرض کہ شب قدر عبادت و استغفار کی شب ہے اسی شب میں حاجیوں کے وفود بھی قلم قدرت سے لکھے جاتے ہیں۔ اس شب میں عبادت و استغفار سے غافل اور محروم رہنے والا حج کے شرف سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے اپنی اولاد کو وصیت کیا کرتے تھے کہ "جب ماہ رمضان آئے تو خود کو محنت و مشقت میں ڈالو کیونکہ رمضان میں وہ شب ہے جس میں ارزاق تقسیم ہوتے ہیں آجال لکھی جاتی ہیں۔ زیارات کے لئے جانے والوں کے وفود لکھے جاتے ہیں۔ اسی مہینے میں وہ شب ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔"

امام جعفر صادقؑ نے یہ بھی فرمایا کہ "جب شب قدر آتی ہے کہ جس میں ہر امر کا حکیمانہ فیصلہ ہوتا ہے تو اس شب میں عرش سے ایک منادی ندا دیتا ہے کہ جس نے (ایمان و عقیدے سے) اس شب کو قبر حسینؑ کی زیارت کی اسے خدا نے بخش دیا۔ (نور الثقلین)

اعمالِ شبِ قدر

شب قدر میں عبادت الٰہی میں مصروف رہنے کی انتہائی تاکید اور ثواب عظیم ہے۔ ایک دفعہ رمضان کے مہینے میں امام جعفر صادقؑ سخت بیمار ہو گئے جب ۲۳ ر رمضان کی شب آئی تو آپ نے موالی کے سہارے مسجد میں پہنچکر تمام رات ذکر الٰہی میں گذاری۔

۱۹ ر۔ ۲۱ ر۔ ۲۳ ر رمضان کی شبوں کا مشترکہ عمل یہ ہے کہ غروب آفتاب سے قبل غسل کرے اور نماز مغرب کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ الحمد کے بعد سات مرتبہ اخلاص پڑھے۔ بعد کو ستر مرتبہ "استغفر اللہ و اتوب الیہ" پڑھے۔ پھر قرآن کو کھول کر سامنے ہاتھوں پر لے کر پڑھے "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِکِتَابِکَ المنزل و ما فیہ اسمک الاکبر و اسماؤک الحسنیٰ و ما یخاف و یرجیٰ وان تجعلنی من عتقائک من النار" پھر حاجت طلب کرے اسکے بعد قرآن کو سر پر رکھ کر یہ کلمات کہے۔ "اَللّٰھُمَّ بحق ھذا القرآن و بحق من ارسلتہٗ بہ و بحق کل مؤمن مدحتہٗ فیہ و بحقک علیھم فلا احد اعرف بحقک منک" پھر دس مرتبہ کہے "بک یا اللہ" پھر دس مرتبہ بمحمدٍ پھر دس مرتبہ بعلیؑ پھر دس مرتبہ بفاطمۃ پھر دس مرتبہ بالحسن پھر دس مرتبہ بالحسین پھر دس مرتبہ بعلی ابن الحسین پھر دس مرتبہ بمحمدِ ابن علی پھر دس مرتبہ بجعفر ابن محمد، پھر دس مرتبہ بموسیٰ ابن جعفر پھر دس مرتبہ بعلی ابن موسیٰ پھر دس مرتبہ بمحمد ابن علی پھر دس مرتبہ بعلی ابن محمد پھر دس مرتبہ بالحسن ابن علی پھر دس مرتبہ بالحجۃ پڑھ کر خدا سے حاجت طلب کرے۔ تینوں شبوں میں زیارت امام حسین پڑھنا مستحب ہے اس کے علاوہ تینوں شبوں کے لئے کچھ مخصوص اعمال بھی ہیں۔ ۲۳ ر رمضان کی شب میں ایک سو رکعت نماز قضا بھی پڑھنی چاہیئے اور سورہ عنکبوت، سورہ روم، سورہ دخان خصوصیت سے پڑھی جائیں۔ اور سورہ القدر کو ہزار مرتبہ پڑھا جائے اور دعاء مکارم اخلاق، دعاء توبہ پڑھی جائیں۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

"اس (شب) میں فرشتے اور خاص روح (روح امری) اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر نازل ہوتے ہیں۔ یہ (شب) سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔"

"تنزّل الملائکۃ والرّوح فیھا" اس شب میں فرشتے اور خاص روح نازل ہوتے ہیں۔"

اس آیت سے واضح ہے کہ شب قدر میں فرشتوں کے ساتھ ایک خاص روح بھی نازل ہوتی ہے جو فرشتوں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ جب ایک شخص نے باب مدینۃ العلم حضرت علی سے سوال کیا کہ کیا یہ روح جبرئیل ہے۔ آپ نے فرمایا جبرئیل فرشتوں میں سے ہے اور یہ روح جبرئیل کے علاوہ ہے۔ سائل نے کہا آپ نے تو عظیم بات کہدی ہے۔ کسی کا بھی یہ خیال نہیں ہے کہ روح جبرائیل کے علاوہ ہے۔ آپ نے فرمایا تم گمراہ ہو اور گمراہوں سے روایت کرتے ہو۔ خداوند عالم اپنے رسول سے فرمایا ہے" اتیٰ امر اللّٰہ فلا تستعجلوہ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون ینزّل الملائکۃ بالروح" والرّوح غیر الملائکۃ" اللہ کا امر آگیا تم اس کے بارے میں جلدی نہ کرو۔ جن چیزوں کو یہ لوگ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں خدا ان سے پاک ہے اور برتر ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو روح (امری) کے ساتھ نازل کرتا ہے تاکہ تم کو ڈرائے کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے پس مجھ ہی سے ڈرو" اور روح ملائکہ کے علاوہ ہے۔

علم نبوت کے چھٹے وارث امام جعفر صادقؑ نے فرمایا روح (امری) جبرائیل سے اعظم ہے اور جبرائیل ملائکہ سے ہیں اور روح یقیناً ملائکہ سے عظیم تر مخلوق خدا ہے۔ خدا کا یہ قول ہے ینزّل الملائکۃ والرّوح" اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں۔"

فرشتے اور روح امری کس ذات پر نازل ہوتے ہیں

"تنزّل" فعل مضارع ہے جو زمانہ حال و مستقبل دونوں کو شامل ہے جس سے یہ بات واضح ہے کہ فرشتے اور روح امری ہر سال شب قدر میں امور کائنات کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور قیامت تک ہر سال شب قدر میں نازل ہوتے رہیں گے ــــــ اور یہ بھی واضح ہے کہ فرشتے اور روح امری کسی بے جان شئے پر نازل نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا کعبہ کے پاس امور کائنات نہیں لاتے کیونکہ خانۂ کعبہ امور کائنات بجالانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ فرشتے اور روح امری شب قدر میں جب امور کائنات لے کر نازل ہوتے ہیں تو زمین پر کسی الٰہی نمائندے اور صاحب الامر پر نازل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ نحل میں ارشاد ہے" ینزّل الملائکۃ بالرّوح علیٰ من یشاء من عبادہٖ" خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ملائکہ کو خاص روح کے ساتھ نازل کرتا ہے" اس ارشاد ربانی سے یہ بات واضح ہے کہ فرشتے اور خاص روح خدا کے خاص بندوں پر نازل ہوتے ہیں۔ چنانچہ زمانہ پیغمبر اکرمؐ میں فرشتے اور روح امری امور کائنات لے کر حضور اکرمؐ پر نازل ہوتے تھے اور شب قدر قیامت تک باقی ہے لہٰذا پیغمبر خاتمؐ کے بعد شب قدر میں فرشتے اور

روح امری امور کائنات کے ساتھ کسی وارث رسول حجۃ خدا اور صاحب امر پر نازل ہوتے ہیں۔ اور وہ حضرات وہی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی حیات ظاہری میں ہی فرشتوں کی جن کے ہاں آمد و رفت رہتی تھی۔ چنانچہ صواعق محرقہ ص۱۱۲ میں ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ نے ابوذر غفاری کو بھیجا کہ حضرت علیؑ کو بلا لائیں۔ ابوذر جب حضرت علیؑ کے گھر پہنچے تو دیکھا وہاں چکی خود بخود چل رہی ہے اور کوئی چلانے والا نظر نہیں آرہا ہے۔ واپس آکر پیغمبر اکرمؐ سے بیان کیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا زمین پر کچھ خدا کے سیاح فرشتے ہیں جن کو آل محمد کی مدد کے لئے معین کیا گیا ہے۔" اسی بنا پر جب حمران ابن اعین نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ امام نے فرمایا ہاں بخدا ہم پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔۔۔۔ کیا تو نے کتاب خدا کی اس آیت کو نہیں پڑھا " ان الذین قالوا ربنا اللہ " یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر اس (عقیدہ راسخہ) پر قائم و دائم رہے تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ یہ کہ تم نہ ہی خوف کرو نہ ہی حزن کرو اور ان کو اس جنت کی بشارت دیدی گئی کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔" امام محمد باقرؑ نے فرمایا اے ابوالھذیل ہم پر شب قدر مخفی نہیں ہے کیونکہ اس شب میں فرشتے ہمارا طواف کرتے ہیں۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا " سورۃ القدر میں ہے کہ فرشتے اور خاص روح نازل ہوتے ہیں اور فرشتے روح کے علاوہ ہیں۔ اور روح ملائکہ سے اعظم ہے ملائکہ سے نہیں ہے۔ یہ روح شب قدر میں امام کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے" تفسیر کبیر رازی میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ " شب قدر میں فرشتے نازل ہوتے ہیں تاکہ ہم پر سلام کریں اور ہماری منزل شفاعت کے لئے دعا کریں۔" عجیب بات ہے کہ فرشتے نازل تو ہوں آل محمدؐ پر اور سلام کریں تو آل محمد پر ۔۔۔۔ لیکن امور الٰہی کسی اور کو پہنچائیں۔ جن کو فرشتے سلام کرتے ہیں اور جن کا طواف کرتے ہیں اور جن کی کی خدمت کرتے رہے اسی پاکیزہ گھر کے پاکیزہ حضرات کے پاس امور الٰہی پہنچاتے ہیں۔ وہی اولی الامر ہیں۔ انہی کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہے۔

" بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ " " اپنے رب کے اذن سے ہر حکم و امر لے کر"

شب قدر یعنی تقدیر و تدبیر کی شب

فضل ابن شاذان راوی ہیں کہ امام علی رضاؑ سے سوال کیا گیا کہ خداوند عالم نے دوسرے مہینوں کو چھوڑ کر ماہ رمضان میں روزے کیوں فرض کئے۔ امام نے فرمایا " کیونکہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے کہ جس میں خدا نے قرآن نازل کیا ہے اور اسی مہینے میں پیغمبر اکرمؐ کو اعلان نبوۃ کا حکم ہوا اور اسی مہینے میں وہ شب ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے اور اسی مہینے میں ہر ہونے والے امر کا حکیمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور اسی مہینے میں سال کی ابتدا ہے اور اسی مہینے میں وہ شب ہے جس میں سال بھر کے امور خیر و شر (رحمت و عذاب اور نفع و ضرر اور رزق و موت کا فیصلہ ہوتا) اسی وجہ سے اسے شب قدر کہتے ہیں۔" حسین بن فضل نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ کیا خداوند عالم نے سماوات و ارض کی تخلیق سے قبل تمام تقدیرات کو مقدر نہیں کیا۔ امام نے فرمایا ہاں۔ اس نے کہا پھر

کے کیا معنیٰ ہیں۔ امام نے فرمایا "شب قدر میں تقدیرات کو ان کے اوقات میں جاری کرنا اور قضا و قدر کا نفاذ کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی آئندہ سال تک اپنے عباد و بلاد کے لئے سال بھر کے امور خیر و شر (رحمت و عذاب) اور رزق و آجال ام الکتاب میں لکھے جاتے ہیں یہاں تک کہ حاجیوں کے نام بھی لکھے جاتے ہیں۔ اور شب قدر میں ولی کے پاس سال بھر کے ہونے والے امور کی تفصیل پہنچتی ہے اور اس کے ذاتی معاملات کے متعلق بھی تفصیل و ہدایت موصول ہوتی ہے۔ اور ہر سال ایسا ہوتا ہے اور شب قدر کے علاوہ باقی ایام میں بھی علم خاص جو مکنون اور مخزون ہے اس سے اس کا فیض جاری رہتا ہے۔"

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا "شب قدر میں آئندہ سال تک ہونے والے امور خیر و شر (رحمت و عذاب) اور موت و حیات اور حاجیوں کے وفود کے نام لکھے جاتے ہیں اور وہ تمام امور اہل زمین کی خدمت میں پہنچائے جاتے ہیں۔ عرض کیا گیا اہل زمین میں سے کس کے پاس پہنچاتے ہیں۔ فرمایا جسے تم دیکھ رہے ہو (یعنی خود امام)

امام علی رضاؑ نے فرمایا "خداوند عالم شب قدر میں ہر امر حق و باطل اور سال بھر میں ہونے والے امور کہ جن میں اس کی مشیت شامل ہوتی ہے۔ ان میں اپنی مشیت کے مطابق تقدیم و تاخیر کرتا ہے۔ ان امور میں آجال، ارزاق اور مصائب و امراض ہیں۔ جن میں خداوند عالم کمی و زیادتی کرتا ہے۔ اور وہ تمام امور پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اور پیغمبر اکرمؐ ان امور کو حضرت علیؑ کے سپرد کرتے ہیں اور حضرت علیؑ ان امور کو باقی آئمہ کی طرف منتقل کرتے ہیں یہاں تک کہ امام زمانہ تک وہ امور پہنچتے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے "یا علیؑ شب قدر وہ شب ہے جس میں آئندہ ہونے والے امور کو خدا مقرر و مقدر فرماتا ہے اس میں تمہاری اور تمہاری اولاد سے آئمہ دین کی ولایت ہے"

امام جعفر صادقؑ سے شب قدر کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "اس شب میں فرشتے اور تقدیر لکھنے والے فرشتے آسمان اسفل پر نازل ہوتے ہیں اور جو کچھ سال بھر میں ہونے والا ہوتا ہے اور جو کچھ بندوں کو پہنچتا ہے۔ اسے لکھتے ہیں اور بعض امور خدا کے ہاں محفوظ ہیں جو اسی سے متعلق ہیں۔ ان پر مشیت الٰہی جاری ہوتی ہے۔ پس ان میں سے جسے مناسب جانتا ہے مقدم کرتا ہے۔ اور جسے مناسب جانتا ہے موخر کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس ام الکتاب یعنی لوحِ محفوظ ہے۔

ایک اور مقام پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ شب قدر میں فرشتے و روح و تقدیرات لکھنے والے فرشتے آسمان اسفل پر نازل ہوتے ہیں۔ اور قضاء و قدر الٰہی سے جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھتے ہیں۔ پس خدا جب چاہتا ہے کہ کسی امر کو مقدم کرے یا موخر کرے یا کمی کرے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اپنی تحریر مٹا دے اور جو کچھ چاہتا ہے اسے ثابت رکھتا ہے۔"

باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ سے "امر" کے معنی دریافت کئے گئے تو آپ نے صاحبان امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "جن کو خدا نے اقتدار عطا کیا ہے وہ رسولِ خداؐ اور آپ کے نائبین ہیں کہ جن کو خدا نے برگزیدہ کیا اور ان کو اپنے اور اپنے رسولؐ کے ساتھ مقرون کیا اور بندگانِ خدا پر ان کی اطاعت اسی طرح فرض کی جس طرح

اپنی اطاعت فرض کی۔ یہی امر الہٰی کے والی اور انہی کے لئے خدا کا ارشاد ہے "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول و اولی الامر (بلا قیود) اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں۔" اور انہی کے لئے فرمایا ہے (اگر رسول و اولی الامر کے سپرد اس معاملہ کو کر دیتے تو یقیناً اندرونی حالات معلوم کرنے والوں کو صحیح علم ہو جاتا۔" سوال کیا گیا کہ "اولی الامر" میں لفظ امر کے کیا معنی ہیں کہ جس کے یہ والی و ولی ہیں۔ فرمایا اس امر کے وہی معنی ہیں جو لیلۃ القدر میں فرشتے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور لیلۃ القدر میں جو فیصلہ شدہ امر فرشتے ان کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اس کے معنی خلق و رزق، اجل و عمر و عمل اور حیات و موت اور ارض و سماء کا غیب اور وہ معجزات جو خدا اور ان حضرات سفراء و حجج ہی کے لئے مخصوص ہیں۔"

ان آیات و احادیث سے کئی باتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ (۱) ہر سال شب قدر میں فرشتے اور خاص روح امور کائنات لے کر نازل ہوتے ہیں (۲) فرشتے اور روح امری امور کائنات لے کر شب قدر میں پیغمبر اکرمؐ اور آپ کے نائبین کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر جب پیغمبر اکرمؐ کی ذات پر باب نبوت بند کر دیا گیا تو آپ کے بعد ہدایت خلق اور امامت امت کے لئے پیغمبر اکرمؐ کے نائبین و خلفاء کا سلسلہ خدا کی طرف سے جاری کیا گیا کہ جن کے وجود سے زمین کبھی خالی نہیں رہی۔ جن کی تعداد نقباء بنی اسرائیل کی طرح بارہ ہے اور انہی پر دنیا کا اختتام ہے۔ جیسا کہ کتب احادیث نبویؐ موجود ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم جلد ۲ میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا جب تک قیامت نہ آ جائے۔ یا تم پر بارہ خلفاء نہ ہو جائیں۔ (صحیح ابو داؤد) اور کنز العمال ج ۶ میں ص ۶۲ تا ۶۶ میں تفصیلاً احادیث نبویؐ بارہ آئمہ سے متعلق موجود ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا "ہمیشہ یہ دین بارہ خلفاء (جو یکے بعد دیگرے آئیں گے) تک قائم رہے گا جو سب قریش سے ہوں گے۔ جب وہ سب ھلاک (یعنی ان کی طبعی موت نہیں ہوگی) ہو جائیں گے تو زمین اہل زمین کے ساتھ زلزلہ میں آ جائے گی۔

اور حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۸۶ میں ابن عباس راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس بات سے خوش ہونا چاہتا ہے کہ اس کی زندگی و موت میری زندگی و موت (پیروی کرتے ہوئے) پر ہوگی اور اس جنت عدن میں رہے کہ خدا نے جسے اپنے دست قدرت سے لگایا ہے تو وہ میرے بعد علیؑ کو حاکم بنائے اور خدا کے بنائے ہوئے ولی کو اپنا حاکم بنائے اور ان اماموں کی پیروی کرے جو میرے بعد آئیں گے۔ اور میری اولاد سے ہوں گے اور میری طینت سے پیدا کئے گئے ہیں ان کو (کمال) علم و عقل سے آراستہ کر دیا گیا ہے تو میری امت میں تباہی آ جائے کہ جو ان کے فضل و شرف کو جھٹلائے اور میرے رشتے کو ان سے قطع کرے تو خدا اسے میری شفاعت نصیب نہ کرے۔" اور روضۃ الاحباب میں جابر ابن عبداللہ انصاری راوی ہیں کہ جب "آیۂ" اولی الامر نازل ہوئی تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم خدا اور اس کے رسولؐ کو جانتے ہیں لیکن "اولی الامر" کون ہیں کہ جن کی اطاعت کو خدا نے اپنی اطاعت کے ساتھ ملا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ میرے بعد میرے خلفاء ہیں۔ ان میں اول علی ابن ابی طالب پھر حسنؑ پھر حسینؑ پھر علیؑ ابن الحسینؑ پھر محمدؑ ابن علیؑ جو کہ توراۃ میں باقر کے لقب سے معروف ہیں۔ اے جابر جب ان

ان سے ملاقات کرو تو میرا سلام پہنچا دینا۔ پھر جعفرؑ ابن محمدؑ پھر موسیٰؑ ابن جعفرؑ پھر علیؑ ابن موسیٰؑ پھر محمدؑ ابن علیؑ پھر علیؑ ابن محمدؑ پھر حسنؑ ابن علیؑ پھر محمد ابن حسنؑ (مہدی) جو زمین کو عدل و داد سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح ظلم و جور سے وہ پہلے پُر ہو گی۔"

(۳) تیسری بات جو شب قدر سے متعلق ان ارشادات سے واضح ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی ذات مجبور نہیں ہے جیسا کہ یہود کا عقیدہ تھا کہ کائنات کی تخلیق کرنے کے بعد خدا معطل ہو گیا۔ اب کائنات میں اور تقدیر میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ بلکہ آیات و احادیث سے واضح ہے کہ خداوند عالم امور کائنات و تقدیرات کو ہر وقت بدلنے پر قدرت رکھتا ہے اور تقدیرات کا عرف میں دو باتوں پر اطلاق ہوتا ہے (۱) علم (۲) مشیت دونوں کا حکم جدا جدا ہے۔ تقدیر بمعنی علم ترشح سے متعلق ہے لیکن موثر نہیں ہے مثلاً جو چیز جس سبب سے واقع ہونے والی ہو گی وہ ضرور علم الٰہی میں ہو گی لیکن یہ نہیں کہ علم الٰہی اس میں مؤثر ہو بلکہ علم الٰہی صرف امر واقعی کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ اس کا سبب ہے۔ جیسے ہمیں معلوم ہے کہ چھ روز بعد جمعہ کا دن آئے گا۔ اور رمضان کے بعد عید آئے گی تو جمعہ اور عید کا آنا ہمارے علم کی بناء پر نہیں ہے۔ ہمیں علم ہے کہ کل صبح سورج طلوع ہو گا تو ہمارا علم سورج کو طلوع نہیں کرے گا۔

دوسرے مشیت کا مؤثر ہونا یہ بات واضح ہے کہ خداوند عالم بندے سے متعلق ہر شے کا فاعل نہیں ہے اور نہ ہی بندہ مجبور محض ہے۔ نہ ہی سب کچھ خدا کرتا ہے اور نہ ہی تفویض ہے کہ خدا کا کسی منزل پر دخل نہ ہو۔ ایسا نہیں کہ خدا دنیا بھر کی باتیں بندوں کے سپرد کر کے خود بے کار ہو گیا ہے ـــ بلکہ حقیقت درمیانی صورت ہے۔ امور کائنات میں خداوند عالم مؤثر و مدبر ہے۔ بندے کا دخل نہیں۔ یعنی اس کارخانہ کائنات کے چلانے میں بندوں کی مرضی کو دخل نہیں ہے کہ جب چاہیں سورج کو طلوع کر دیں جب چاہیں زمین و سورج کی حرکت کو بدل دیں۔ لیکن بندہ اپنے ذاتی و خانگی معاملات جو اس کے اختیار میں ہیں ان میں وہ مختار و مؤثر ہے۔ اگرچہ خدا متصرف کل قادر مطلق ہے لیکن دخل و تصرف نہیں کرتا۔ اس لئے کہ بندہ دار تکلیف میں معرض امتحان میں ہے۔ اُسے نیک و بد پر قدرت و اختیار حاصل ہے اور اعمال و اشیاء کی نیکی اور بدی کی شناخت کے لئے اسے عقل بھی عطا کر دی گئی ہے اور پھر اسے آزاد کر دیا گیا ہے کہ اپنی مرضی سے جیسا چاہے عمل کرے گا ویسا اجر پائے گا۔ اس مفہوم کی امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک فرمان میں اس طرح وضاحت کی ہے کہ جب آپ سے ایک شخص نے قضا و قدر کا مطلب دریافت کیا تو امام نے فرمایا "اگر تم کسی فعل پر بندے کی مذمت کر سکو تو وہ اسی کا فعل ہے۔ اور اگر مذمت نہ کر سکو تو وہ خدا کا فعل ہے خداوند عالم بندے سے یہ مواخذہ کرے گا کہ تم نے نافرمانی کیوں کی۔ اور کیوں حکم عدولی کی اور کیوں شراب پی اور کیوں بدکاری کی ـــ لہٰذا یہ بندے کے افعال ہیں۔ ہاں خدا بندے سے یہ نہیں فرمائے گا کہ تو مریض کیوں ہوا؟ تو سفید رنگ یا سیاہ رنگ کیوں ہوا؟ کیونکہ یہ خدا کا فعل ہے۔"

ان ارشادات سے یہ بات واضح ہے کہ شب قدر میں بعض حتمی امور کی تقدیر و تعین ہوتی ہے۔ اور بعض امور انسانی اعمال و افعال سے متعلق کر دئیے جاتے ہیں اور اگر انسانی عمل نیک و بد میں انسان کے ارادے و اختیار کو دخل نہ ہوتا تو بعثت انبیاء اور سزا و جزا اور جنت و جہنم کا عقیدہ ختم ہو جاتا۔ اس مقام پر آل محمدؑ کے ایک دیوانے کا واقعہ تحریر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ہارون رشید عباسی کا زمانہ ہے اسلام سلطنت کے عظیم مفتی و قاضی مسجد میں درس دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ بعض لوگ یہ تین باتیں کہتے ہیں جو میں قبول نہیں کرتا۔

وہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم کا کبھی دیدار نہیں ہوگا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز موجود ہو اور نظر نہ آئے۔ یقیناً ہم خدا کا دیدار کریں گے۔

دوسری بات وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیطان جہنم میں جلے گا۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہوگا اسلئے کہ شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے۔ اور جہنم میں بھی آگ ہوگی۔ تو آگ آگ کو کیا نقصان پہنچائے گی۔

تیسری بات وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال میں ارادہ و اختیار رکھتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ خدا جو چاہتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ لہٰذا انسان اپنے عمل میں صاحب اختیار نہیں ہے بلکہ اس کا ہر عمل خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

یہ باتیں آل محمدؑ کا ایک دیوانہ سن رہا تھا۔ اس نے مٹی کا ایک مضبوط ڈھیلا اٹھا کر قاضی صاحب کی پیشانی پر اس زور سے مارا کہ وہ زمین پر آ رہے اور دیوانہ بھاگ نکلا۔ قاضی صاحب نے ہارون رشید کے پاس جا کر شکایت کی۔ اس دیوانے کو حاضر کیا گیا۔ قاضی صاحب نے درد کی شدت کی شکایت کی تو دیوانے نے کہا کہ ذرا درد تو دکھا دیں کہ کیسا ہے کہاں ہے؟ قاضی صاحب نے کہا کہ درد نظر آنے کی چیز نہیں ہے۔ دیوانے نے کہا کہ آپ ہی تو کہہ رہے تھے کہ ایک چیز ہو اور نظر نہ آئے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ درد و تکلیف آپ کو کیوں ہوئی؟ قاضی صاحب نے کہا اس لئے کہ تم نے ڈھیلا مارا ہے۔ دیوانے نے کہا کہ جناب ڈھیلا مٹی کا تھا اور آپ بھی مٹی سے خلق ہوئے ہیں تو مٹی مٹی کو لگ گئی آپ کو تکلیف کیوں ہوئی؟ تیسرے آپ میری شکایت لے کر یہاں کیوں آئے۔ آپ تو کہہ رہے تھے کہ انسان جو عمل کرتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ ہر عمل خدا کرتا ہے تو یہ ڈھیلا بھی میں نے نہیں مارا ہے بلکہ خدا نے مارا ہے۔ قاضی صاحب خاموش ہو گئے۔ اس طرح دیوانے نے ایک ڈھیلے سے تینوں مسئلے حل کر دئیے۔

سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ: "یہ شب سراسر سلامتی ہے طلوع صبح تک"

نزول قرآن کی برکت کی وجہ سے شب قدر کو کئی فضیلتیں حاصل ہوئیں۔

۱۔ اس شب کی عبادت ایسے ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے جن میں شب قدر نہ ہو۔

(۲) فرشتے اور روح امری امور کائنات و تقدیرات کے ساتھ اسی شب میں نازل ہوتے ہیں۔
(۳) یہ شب سراسر رحمت و سلامتی کی شب ہے۔ یہ شب شر و بلا و آفات شیطانی سے سلامتی کی شب ہے۔

اس شب میں فرشتے اور روح امری امام زمانہ حجۃ خدا کی خدمت میں سلام و تحیات پیش کرتے ہیں اس شب کو یہ تمام فضیلتیں اس لئے حاصل ہوئیں کہ اس شب میں قرآن حکیم لوح محفوظ سے بیت المعمور کی طرف منتقل ہوا۔ جس شب میں قرآن نے سفر کیا وہ شب اتنی بھاری اکثریت یعنی ہزار مہینوں سے افضل ہو جائے تو پھر یہی قرآن جن پاکیزہ دلوں میں اپنے معانی و مطالب اور حقائق کے ساتھ ٹھہر جائے ان سینوں کی عظمت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ جس طرح قرآن کریم کے نزول کی بناء پر شب قدر سلامتی و رحمت کی شب بن گئی اسی طرح جو قرآنی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے علماء قرآن یعنی محمدؐ و آل محمدؑ کی عظمت کا اعتقاد رکھتے ہوئے دنیا سے جائے گا تو موت کے بعد ہر منزل پر اس کے لئے عذاب سے سلامتی ہی سلامتی ہے۔

سُورۃ البینۃ (مدینہ)

سورۃ البینۃ مدنیۃ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتہا ۸ رکوعہا ۱

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ(۱) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا
صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ(۲) فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ(۳) وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ؕ(۴) وَمَآ اُمِرُوْٓا
اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ
يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ(۵)
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ(۶)
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝

ترجمہ:۔ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین (کفر سے) جدا ہونے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل آجاتی۔

(یعنی) اللہ کیطرف سے رسول کہ جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے۔ کہ جن میں مضبوط اور پائیدار تحریریں ہیں اور اختلاف نہیں کیا ان لوگوں نے کہ جن کو کتاب دی گئی مگر ان کے پاس روشن دلیل آجانے کے بعد۔ حالانکہ ان کو نہیں حکم دیا گیا تھا مگر یہ کہ اللہ کی عبادت کریں دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے باطل سے رخ موڑ کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں یہی مضبوط قائم رہنے والا دین ہے۔

یقیناً اہل کتاب و مشرکین سے جو لوگ کافر ہے وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے جس میں ہمیشہ رہیں گے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں۔

بے شک وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالاتے رہے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔

انکی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے خوش ہوئے یہ اس شخص کا انعام ہے کہ جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

نزول :۔ اس سورہ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے مکی اور بعض نے مدنی کہا ہے پیغمبر اسلام کو اسلامی دعوت کے آغاز کے وقت کفار مکہ کی مخالفت کا سامنا تھا اور یہود و نصاریٰ کی زیادہ بستیاں یثرب یعنی مدینے اور مدینے کے اطراف و اکناف میں آباد تھیں اسلام کی دعوت جب پہلی مرتبہ مدینے پہونچی اور پیغمبر اسلام مدینے میں وارد ہوئے تو یہود و نصاریٰ کہ جو اہل مدینہ کو پیغمبر خاتم کے ظہور اور انکی صفات سنایا کرتے تھے لیکن جب پیغمبر اسلام مدینے میں وارد ہوئے تو اہل کتاب اپنے اقتدار اور عزت و وقار کی عمارت کو گرتا دیکھکر اپنے انبیاء کی پیشن گوئیوں سے پھر گئے تو اس سورہ کا نزول ہوا کہ جس میں اہل کتاب و مشرکین کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔

تلاوت :۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو اس سورہ کے فوائد کا علم ہو جائے تو وہ اسے سیکھنے کیلئے اپنے گھروں کو چھوڑ دیں تو بنو قضاعہ کے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سورہ کی تلاوت کا ثواب کیا ہے۔ پیغمبر نے فرمایا اسے منافق نہیں پڑھا کرتا اور نہ ہی وہ شخص پڑھا کرتا ہے کہ جس کے دل میں اللہ کے متعلق شک ہو اور جب سے خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے ملائکہ مقربین ورد سمجھکر اس سورہ کی تلاوت کیا کرتے ہیں اور اسکی تلاوت سے کبھی غافل نہیں رہتے — برھان۔

اس سورہ کی باقاعدہ تلاوت کرنیوالے کیلئے :

پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ اس سورہ کی تلاوت کرنیوالا روز قیامت خیر البریہ کے ساتھ ان کا رفیق و ساتھی ہوگا اور (خیر البریہ) علی ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے سورہ بینۃ کی تلاوت کی وہ ان لوگوں میں سے ہوا کہ جنہوں نے مشرکین سے بیزاری اختیار کی اور وہ دین محمدؐ میں داخل ہوا اور وہ ایمان کے ساتھ محشور ہوگا اور اسکا حساب آسان ہوگا" برھان۔

پیغمبر اکرم نے فرمایا اگر اس سورہ کو روٹی پر لکھکر وہ روٹی چور کو کھلائی جائے تو لقمہ اس کے منہ میں پھنس جائے گا اور اسکی رسوائی ہوگی اور اگر چور کا نام لیکر کسی انگوٹھی پر اس سورہ کو پڑھا جائے تو انگوٹھی حرکت کرنے لگے گی۔ برھان۔

امام جعفر صادق نے فرمایا اس سورہ کو لکھ کر اگر یرقان کا مریض لٹکائے تو شفایاب ہوگا اور سفیدی چشم والا اور برص والا اس سورہ کو لوٹے اور اس کا پانی پیا کرے تو خدا مرض کو اس سے دفع کردے گا اور اگر حاملہ عورت

اس کا پانی پئے تو حمل محفوظ رہیگا اور وضع حمل آسان ہوگا اور اگر طعام پر لکھا جائے تو اس کے ضرر سے محفوظ رہے گا اور اگر اسے لکھکر اپنے پاس رکھے تو تمام درد و ورم قدرت الٰہی سے ذائل و رفع ہوجائیں گے۔ برھان۔ فوائد:- اگر کوئی رات کو اسکی تلاوت کرے تو خدا اس کے دین و دنیا کے امور کی حفاظت کیلئے فرشتوں کو بھیجتا ہے جو اس کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص دن میں اسکی تلاوت کرے تو ان تمام چیزوں کے برابر اسے ثواب ملیگا کہ جن پر سورج کی روشنی پہنچی۔ فوائد۔
اگر کسی چوراہے کی مٹی لیکر اس پر اس سورہ کو پڑھکر وہ مٹی ان لوگوں پر چھڑکی جائے کہ جو ضلالت و گمراہی کیلئے جمع ہوں تو ان میں تفرقہ پڑجا گا ۔۔۔ فوائد القرآن۔
اگر اس سورہ کو شیشے کے برتن میں لکھکر لقوہ والا اس میں دیکھا کرے تو شفا ہوگی۔ برھان۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرکین (کفر سے) جدا ہونیوالے نہیں تھے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس روشن دلیل آجاتی۔"

"انفکاک" اسکی اصل "فک" ہے، یعنی کھولنا و زائل کرنا۔ اسی سے فکاک الاسیر قیدی کو آزاد کرنا ہے اور ایک شے کا دوسری شے سے جدا کرنا۔ یعنی سخت ترین اتصال کے بعد جدائی ۔۔۔

"البینہ" "بیان" سے ہے تو بمعنی روشن و آشکار۔ اور "بینونت" سے ہے تو بمعنی جدائی کے ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے "البینہ" یعنی روشن و واضح دلیل ۔۔۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے "البینہ" یعنی حق کو باطل سے جدا کرنے والی ۔۔۔

یعنی جب کفار و مشرکین کا کفر و شرک سے اتصال شدید تھا تو اس اتصال و تعلق کو توڑنے و زائل کرنے کیلئے بھی قوی ترین "البینہ" کی ضرورت تھی کہ جو صدیوں سے انکے کفر و شرک سے تعلق کو توڑ کر انکا توحید اسلام سے تعلق جوڑ دے۔ قرآن حکیم بھی "البینہ" ہے اور اس آیہ کریمہ میں رسول اکرمؐ کو بھی "البینہ" سے موسوم کیا گیا ہے ۔۔۔ سورہ کی شروع کی آیات میں اہل کتاب و مشرکین سے ایمان نہ لانے والوں سے خطاب ہے کہ جو اپنے باطل و تحریف شدہ نظریات و تعلیمات اور کفر و شرک پر سختی سے قائم تھے۔ یہود خود کو اولیاء الٰہی اور نصاریٰ خود کو انصار اللہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ صرف ہم ہی جنت میں جائیں گے اور کہا کرتے کہ ہم اپنے دین و شریع کو ترک نہیں کریں گے جبتک کہ وہ نبی موعود نہ آجائے کہ جس کا تورات و انجیل میں ذکر کیا گیا ہے ۔۔۔
اور اہل کتاب اس آخری آنیوالے نبی موعود کی اخبار و صفات سے مشرکین عرب کو بھی آگاہ کیا کرتے تھے ۔۔۔ لیکن

جب پیغمبر اسلام دلائل و براہین اور آیات بینات کے ساتھ مبعوث برسالت ہوئے تو اہل کتاب اور مشرکین دیکھکر اور پہچان کر منکر و سرکش ہو گئے۔ سورہ کی ابتدائی آیات واضح کر رہی ہیں کہ کفار و مشرکین کے ظہور نبوۃ کے بعد دو گروہ ہو گئے بعض ایمان لے آئے اور اہل کتاب کی اکثریت کفر پہ باقی رہی اور پانچویں آیت میں اہل کتاب و مشرکین سے جو ایمان لائے ان کا تذکرہ ہے۔

بعثت نبوی تک تقریباً ڈھائی ہزار سالہ تاریخی سفر میں یہود اپنے عقائد و شرع کی صورت تک تبدیل کر چکے تھے اور توحید کے عقیدے میں مادیت کی ملاوٹ کر چکے تھے اور جناب عزیرؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیدیا تھا۔ اور اسی طرح نصاریٰ بھی تقریباً چھ سو سال کے عرصے میں ہی جناب عیسیٰ کی شرع کی تعلیمات کو تبدیل کر چکے تھے اور ہنود کے عقیدۂ تثلیث کو اپنا چکے تھے۔ اور مشرکین عرب بھی صدیوں سے جناب ابراہیم و جناب اسمٰعیل کی تعلیمات کو فراموش کر چکے تھے اور شرک و بت پرستی کو اپنا رکھا تھا۔ اور مجوسی خیر و شر کے دو جدا جدا خدا مان رہے تھے اسطرح صدیوں سے باطل نظریات و عقائد انکی فطرت یعنی دل و دماغ میں راسخ ہو چکے تھے۔ اور انبیاء کی تعلیمات میں باطل کی اس کثرت سے ملاوٹ کر لی گئی تھی کہ حق کو باطل سے جدا کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ ایسے ماحول و وقت میں انکے باطل نظریات و عقائد کی خرابیوں و نقصانات کو عقلی و فطری دلائل سے ان کو آگاہ کر کے ان باطل نظریات کو انکے دل و دماغ سے نکال کر ابدی حقائق و معارف اور صداقتوں کو دلائل و براہین سے انکے باطن میں راسخ کرنے کیلئے "البینہ" یعنی آفتاب نبوت کو قرآن کی آیات محکمات کے ساتھ ظاہر کیا گیا۔ اور آپ نے اہل کتاب کو یہ باور کرایا کہ اسلام کی وہی تعلیمات ہیں اور یہ وہی پیغام ہے کہ جو گزشتہ انبیاء کا پیغام تھا لیکن یہ تعلیمات اور یہ پیغام اب تکمیل کی صورت میں ہے۔ آپؐ نے انبیاء ماسبق کی تعلیمات اور کتب و صحائف کو اہل کتاب کے سامنے صحیح صورت میں پیش کیا اور انکی تصدیق کرتے ہوئے یہ بات ذہن نشین کرائی کہ تمام انبیاء ایک ہی حقیقت اور ایک ہی ابدی پیغام کے داعی تھے۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

"(یعنی) اللہ کی طرف سے رسول کہ جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے جنمیں مضبوط و پائیدار تحریریں ہیں۔"

"صحف" جمع ہے صحیفہ کی۔ اور صحیفہ کاغذ کا ٹکڑا یا کاغذ کہ جسمیں کوئی تحریر ہو۔ یعنی صحف وہ اوراق کہ جنمیں وحی درج ہو۔ صحف سماوی کا تعلق انبیاء کے دل و دماغ سے ہے کہ جہاں ان کا نزول ہوتا ہے۔

اور ”کتاب“ کے عام معنی کے علاوہ لکھے ہوئے کے معنیٰ بھی ہیں ــــ اور ”کتب [illegible] صحف میں لکھی ہوئی آیات
اور ”مطھّرۃ“ ـ پاکیزہ یعنی باطل نظریات و تصورات اور جہل و نقص اور ہر قبح و ریب سے پاک ـــــ
”قیّمہ“، جس میں لغزش و ٹیڑھا پن نہ ہو۔ حق کو باطل سے جدا و واضح کرے۔ اور منسوخ نہ ہونیوالے دلائل
وحجت کے ساتھ ثابت و قائم۔ اور حیات انسانی کے قیام کی تمام باتوں کا حامل۔

خدا کا آخری رسول کہ جسکی آمد کی انبیاء سابق اور خصوصاً جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ نے وضاحت سے پیشگوئی کی تھی اور تورات و انجیل اور دیگر صحائف انبیاء نے جس نبی موعود کی صفات کو بیان کیا تھا۔ جب وہ نبی موعود کتاب معجز صفات اور دلائل و بینات کے ساتھ ظاہر ہوا اور اہل کتاب و مشرکین کے سامنے سابقہ کتب وصحائف کی تلاوت کرکے یہود و نصاریٰ کو انبیاء کی پیشگوئی سے آگاہ کیا۔ اور مشرکین عرب کو جناب ابراہیم و جناب اسمٰعیل کی پیشگوئی اور سبق یاد دلایا اور ساتھ ہی اپنی کتاب معجز صفات کی آیات کی انکے سامنے تلاوت کرکے ان کو بتایا کہ آدم سے خاتم تک تمام انبیاء کی دعوت و تعلیمات کا محور ایک ہی عقیدہ توحید خالص کی ترویج اور مکارم اخلاق کی تعلیم ہے تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب انکاری ہو گئے۔
پیغمبر اسلام نے اہل کتاب کے سامنے سابقہ کتب وصحائف کو بھی صحیح صورت میں پیش کیا اور اپنی کتاب معجزانہ صفات کی آیات کی تلاوت کی کہ جس کتاب کا ہر سورہ ایک صحیفہ و کتاب کی حیثیت رکھتا ہے جو دلائل وحجج کے ساتھ ثابت و قائم ہے اور تحریف سے پاک ہے ــ جبکہ گزشتہ صحائف و کتب محرف ہو چکے تھے۔ انہیں وحی رحمان کے ساتھ وحی شیطان کی ملاوٹ کر دی گئی تھی جس کی بنا پر وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھ رہے تھے اور حق و باطل اور صدق و کذب میں تمیز ان کیلئے مشکل ہو گئی تھی ـــــ لیکن جب خدا کیطرف سے ”البینہ“، یعنی رسول آخر آیا اور سابقہ کتب سماوی و صحائف کو ان کے سامنے صحیح صورت میں پیش کیا اور وحی رحمانی و وحی شیطانی کا فرق واضح کیا تو جسے حق و صداقت کا شعور و تمیز ہو گئی وہ ایمان لے آیا اور دوسرے ھدایت کی روشنی کے باوجود کفر و شرک کی تاریکی میں بھٹکتے رہے ــــ
(قرآن حکیم میں عموماً بت پرستوں کو مشرکین کے لفظ سے اور منکرین اہل کتاب کو کفار کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے)
یعنی رسول خاتم نے جسطرح کتب سماوی کی تلاوت کرکے انہیں اپنی صفات و پیشگوئی سے اہل کتاب کو آگاہ کیا اسیطرح ان کتب سماوی میں موجود اپنے وصی کی صفات و پیشگوئی سے بھی انکو آگاہ کیا۔ اس لئے کہ جسطرح جناب موسیٰ کے وزیر جناب ہارون شریکِ کارِ رسالت تھے اور جناب عیسیٰ کے وزیر شمعون الصفا شریکِ کارِ رسالت تھے اسی طرح پیغمبر اسلام کے وزیر حضرت علی بھی شریکِ کارِ رسالت تھے اور ان کے بعد

آئمۂ معصومین محافظ شریعت رسالت تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر ان آیات کے ذیل میں امام محمد باقرؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ "پیغمبر اکرمؐ نے لوگوں کو اولی الامر وائمۂ اہل بیت کی طرف بھی دعوت دی و رہنمائی کی۔
(محاسن)

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ۝

"اور اختلاف نہیں کیا ان لوگوں نے کہ جن کو کتاب دی گئی مگر ان کے پاس روشن دلیل آجانے کے بعد"

بعثت رسالت سے قبل تمام اہل کتاب پیغمبرؐ کی آمد پر متفق و منتظر تھے اسی انتظار میں یثرب میں کئی جگہ اپنی بستیاں بسائی تھیں لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا اور آپؐ ہجرت کرکے مدینے آئے تو تمام علامات اور معجزات کو دیکھ کر اور آپؐ کو پہچان کر بعض اپنے کفر و باطل پر قائم رہے اور بعض ایمان لے آئے اور بعض تردد میں رہے۔
چنانچہ سورہ بقرہ میں خلاق عالم کا ارشاد ہے کہ "جن لوگوں کو کتاب (توریت و انجیل) دی گئی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اسی طرح پیغمبرؐ کو بھی پہچانتے ہیں اور انہیں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو جانتے ہوئے حق کو چھپاتے ہیں۔"
اہل کتاب اسلام اور رسول اسلام کی صداقت کو پہچانتے تھے اور اسلام کی تعلیمات کو اپنے دین کی تعلیمات سے بہتر جانتے تھے لیکن پھر بھی اپنی بدبختی کی بنا پر حق و صداقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو گئے۔
شروع کی آیت میں اہل کتاب و مشرکین دونوں کا ذکر کیا گیا ہے لیکن یہاں صرف اہل کتاب کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے کہ مشرکین کے سرکش و منکرین مختلف معرکوں میں قتل ہو گئے اور باقی سب نے کفر و شرک کو چھوڑ کر کلمۂ اسلام پڑھ لیا۔ اور اہل کتاب کے بعض افراد نے کلمہ اسلام پڑھا لیکن اکثریت اپنے کفر پر باقی رہی اور جزیہ دینا قبول کر لیا لیکن "البینۃ"، رسول اسلام کو پہچاننے کے باوجود تسلیم نہیں کیا۔ ان آیات میں پیغمبر اسلام کیلئے تسلی بھی ہے کہ اہل کتاب کا انکار انکی سرکش دنیا پرست ذہنیت کی بنا پر ہے پیغمبر اسلام کی حجت و دلیل کی کمزوری کی بنا پر نہیں ہے۔ کیونکہ آپؐ کا وجود بھی "البینہ"، واضح و روشن دلیل ہے اور آپکا صحیفہ بھی "البینۃ" ہے۔
اور ان آیات میں واضح اظہار ہے کہ کفار و مشرکین رسول اسلام کی واضح اور روشن ذات و صفات اور آپؐ کے معجزات کو دیکھ کر وہ خود انکاری ہو گئے۔
اس سے اس مفہوم کا اظہار ہے کہ ہر انسان اپنے عمل و کردار اور قبول ہدایت و انکار ہدایت میں خود مختار ہے مجبور نہیں ہے۔

وَمَآ اُمِرُوٓا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ حُنَفَآءَ وَ يُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيۡنُ الۡقَيِّمَةِ ؕ

"حالانکہ ان کو نہیں حکم دیا گیا تھا مگر یہ کہ اللہ کی عبادت کریں دین کو اس کے لئے خالص رکھتے ہوئے باطل سے رخ موڑ کر اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں یہی مضبوط قائم رہنے والا دین ہے۔"

العبادۃ ۔ تعظیم میں انتہائی تذلل ـــ اور تعظیم کے اظہار و اعتراف کیلئے انتہائی تذلل بصورت سجدہ ہے۔ اور سجدہ صرف خالق کائنات کیلئے مخصوص ہے۔ یعنی عبادت و بندگی کے لائق صرف ذاتِ توحید ہے۔

مخلصین ۔ واحد "مخلص" اور مصدر "اخلاص" ہے۔ یعنی خالق کائنات کی جو بندگی ہو وہ ریا و عجب اور ہر طرح کی دنیاوی اغراض کی ملاوٹ سے پاک و خالص ہو۔ عبادۃ کا مقصود رضاء رب ہو۔ اور کمال اخلاص کی بندگی کا اظہار محمدؐ و آل محمدؐ کی بندگی و طاعت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ باب مدینۃ العلم نے فرمایا کہ "الٰہی میں نے تیری بندگی نہ ہی تیری جنت کی لالچ کی وجہ سے کی اور نہ ہی تیرے جہنم کے خوف سے کی بلکہ میں نے تجھے عبادت کے لائق پاکر تیری بندگی کی۔"

حنفآء ۔ واحد "حنیف" ۔ یکسو ہونا ـــ یعنی اللہ کی خالص عبادت کیلئے غیر اللہ سے رخ موڑنا۔ اور اور اسلام کیلئے تمام دیگر ادیان سے رخ موڑنا ـــ

پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے میں حنفیہ یعنی آسان و جامع شریعت کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں ـــ

قیّمہ ۔ (یہ پوشیدہ موصوف کی صفت ہے) قائم رہنے والی معتدل ۔ دین القیمہ یعنی معتدل و قائم رہنے والا غیر منسوخ دین۔

یعنی نماز کے ذریعے اللہ کی اطاعت و بندگی کا اظہار کرنا اور زکوٰۃ کے ذریعے خدا کی مخلوق پر شفقت و احسان کرنا دین مستقیم و دین قیمہ ہے۔

یعنی خدا کی اطاعت اور شفقت علی المخلوق ہی دین قیمہ ہے۔

تمام انبیاء نے خالص توحید کیطرف دعوت دی اور تمام انبیاء کا کلمہ توحید ایک ہی لا الہ الا اللہ تھا اور پیغمبر اسلام نے یہود و نصاریٰ کو توحید کیطرف دعوت دیتے ہوئے واضح کیا کہ میرا پیغام توحید وہی ہے کہ جو جناب موسیٰ و جناب عیسیٰ کا پیغام تھا۔ تمام انبیاء کی دعوت و پیغام کا محور عقیدۂ توحید تھا۔ بھٹکے ہوئے انسان کو اسکے خالق و مالک سے متعارف کرا کے اسے بندگی و طاعت کے لئے جھکا دینا ـــــــ

اس آیہ کریمہ میں اسی مفہوم کا اظہار ہے کہ نہ ہی عقیدہ توحید میں کسی قسم کی ملاوٹ ہو اور نہ ہی اسکی طاعت و بندگی میں کسی قسم کی ملاوٹ ہو۔ اور اسکی مخلوق پر احسان بھی خالص ہو۔

اللہ کی بندگی کی اہمیت اس امر سے واضح ہوتی ہے کہ جب کفار نے جسم رسول کو اذیتیں پہونچائیں تو آپ نے فرمایا **اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون** اے اللہ میری قوم کو ھدایت فرما کیونکہ یہ مجھے نہیں جانتے۔ لیکن جب خندق میں نماز کے قضا ہونے کی صورت سامنے آئی تو پیغمبر نے فرمایا اے اللہ ان کے پیٹوں و قبروں کو آگ سے بھر دے ۔۔۔۔

اور شفقت علی المخلوق کی اہمیت کو اسلام نے اسطرح واضح کیا کہ رمضان بھر کے روزوں کی قبولیت کا مدار زکوٰۃ فطرہ کو قرار دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

یقیناً اہل کتاب اور مشرکین سے جو لوگ کافر رہے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں"

سورہ کے آغاز میں کفار و مشرکین کا حال بیان کیا گیا اور پھر مومنین کی حالت بیان کیگئی پھر اس سورہ کے آخر میں ور البینہ "یعنی پیغمبر اسلام پر ایمان لانے والوں اور کفر و شرک پر باقی رہنے والوں کے انجام کا تذکرہ کیا ہے۔

اہل کتاب پیغمبر خاتم کی تعریف و توصیف تورات و انجیل میں پڑھ چکے ہیں اور مشرکین عرب بھی ان سے تعریف و توصیف سن چکے ہیں۔ اور جب وہ نبی موعود آیات و بینات کے ساتھ ظاہر ہوا تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے پہچان کر اکثریت نے حق و صداقت کو جھٹلایا اور معجزات دیکھ کر پھر انکار کیا۔ اپنے انبیاء کی پیشنگوئی کو جھٹلا کر کفر و شرک پر جمے رہے۔ تو یقیناً خدا و رسول کے ایسے باغی لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اسی کا اعلان اس آیہ کریمہ میں کہا گیا ہے کہ ایسے ہی افراد بدترین خلائق ہیں۔

اور چونکہ انکی نیت و ارادہ کفر و شرک پر ہمیشہ قائم رہنے کا تھا اس لئے ان کو جو سزا ملیگی وہ بھی ہمیشہ کی سزا ہوگی اسی لئے اس آیہ میں واضح اعلان کیا گیا کہ وہ کفار و مشرکین دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ۔۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

"بیشک جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال بجالاتے رہے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں۔"

ظہورِ نبوۃ خاتم کے وقت کفر و جہالت اور ظلم و بربریت کے ماحول میں جس نے پیغمبر صادق کی دعوت حق پر لبیک کہا اور توحید و رسالت کی تائید و حمایت میں سب سے سبقت حاصل کی اور پھر آخر دم تک حفظ رسالت کے لئے سینہ سپر رہے یقیناً وہی بہترین مخلوق و افضل امت ہے۔ اسی بنا پر اس آیہ کریمہ کے اولین مصداق حضرت علی کی ذات گرامی ہے کہ آپ نے سب سے پہلے دعوۃ ذوالعشیرہ کے وقت اپنی کمسنی کے باوجود رسالت کی تصدیق و تائید اور حمایت و نصرت میں سبقت حاصل کی اور پھر جبتک ظاہری سانس کی آمد و رفت جاری رہی اسوقت تک دین الہی و رسالت محمدی کی حمایت و حفاظت کی عظیم ذمہ داری کو اس طرح انجام دیا کہ خلاق عالم نے غدیر خم کے موقع پر آپ ہی کی ولایت کو اپنے دین کی تکمیل کا سبب قرار دیا اس بنا پر اس آیت (خیر البریہ) سے علی ابن ابیطالب کی ذات گرامی مراد و مقصود ہے۔ جیسا کہ تفسیر درمنثور جلد ۶ میں ہے کہ جابر انصاری کہتے ہیں کہ ہم پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر تھے کہ علی آئے تو پیغمبر اکرم نے فرمایا "اس ذات کی قسم کہ جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یقیناً یہ اور ان کے شیعہ بروز قیامت کامیاب ہیں تو یہ آیت (خیر البریہ) نازل ہوئی تو پھر جب صحابہ علی کو آتا دیکھتے تو کہتے کہ خیر البریۃ آگیا۔

شواہد التنزیل میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ جب پیغمبر اکرم کی رحلت ہوئی تو آپ میرے سینے سے سہارا لئے ہوئے تھے اور فرمایا یا علی کیا تم نے خدا کا قول نہیں سنا کہ "ان الذین آمنوا ــــ الخ۔ خیر البریہ۔ یہ (خیر البریہ) تم اور تمہارے شیعہ ہیں اور میری و تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے کہ جب امت حساب کیلئے جمع ہوگی اور تم نورانی چہرے و نورانی اعضا سے پکارے جاؤگے ــــ

ریاض النضرہ میں ہے کہ حضرت عائشہ نے سنا کہ پیغمبر اکرمؐ نے خوارج کیلئے فرمایا کہ شرالبریہ۔ بدترین خلائق وہ (خوارج نہروان) ہیں کہ جن کو خیر البریہ بہترین خلائق قتل کرے گا اور ان کو علی ابن ابیطالب نے نہروان میں قتل کیا ــــ

حلیۃ الاولیا ابونعیم میں ہے کہ پیغمبر صلعم اکرم نے فرمایا یا علی "خیر البریہ" تم اور تمہارے شیعہ ہیں تم اور تمہارے شیعہ بروز قیامت راضی خوشی آؤگے۔"

کتاب الفردوس ابن شیرویہ میں ہے کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ علی خیر البشر من ابیٰ فقد کفر و من رضی فقد شکر۔ علی افضل بشر ہیں اور جس نے انکار کیا اس نے کفر کیا اور جو راضی ہوا اس نے شکر ادا کیا قابل تعریف ہوا۔

تفسیر البرھان میں ہے کہ پیغمبر اکرم نے وقت رحلت جناب زہرا کے ذریعے حضرت علی کو طلب کیا جب حضرت علی حاضر ہوئے تو دیکھا کہ جناب زہرا غمزدہ ہیں اور پیغمبر اکرم ان کو صبر کی تلقین کر رہے تھے گریبان چاک کرنے

اور واویلا کرنے سے منع فرما رہے ہیں۔ اسکے بعد علی سے کہا کہ اپنے کان میرے منہ کے قریب لے آؤ پھر آیت خیر البریہ پڑھکر سنائی اور فرمایا یا علی اس سے تم اور تمہارے شیعہ مراد ہیں جو روشن اور نورانی چہروں کے ساتھ سیراب شدہ محشور ہوں گے۔ اور شر البریہ ۔ سے مراد تیرے دشمن اور تیرے دشمنوں کے دوست مراد ہیں۔ کہ جن کے چہرے بروز قیامت سیاہ ہوں گے اور وہ پیاسے محشور ہوں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت (شر البریہ) پڑھکر فرمایا کہ یہ آیت تیرے دشمنوں کیلئے ہے۔"

تفسیر برہان ہی میں ہے کہ ابو رافع کہتے ہیں کہ مجلس شوریٰ میں حضرت علی نے اہل شوریٰ سے حلفیہ دریافت کیا تھا کہ کیا تم لوگ اس روز موجود نہ تھے کہ جب رسول خدا کی خدمت میں میں حاضر ہوا تو آپ نے کعبہ کیطرف رخ کر کے فرمایا تھا کہ مجھے رب کعبہ کی قسم کہ یہ اور اس کے شیعہ بروز قیامت کامیاب ہوں گے۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علی تم میں سے اول مومن اور اللہ کے احکام کو مضبوطی سے حاصل کرنیوالا اور ان پر قائم رہنے والا اور اللہ کے عہد کو تم سب سے بڑھکر پورا کرنے والا ہے اور احکام الٰہی میں تم سے بڑھ کر فیصلہ کرنیوالا اور رعایا میں عدل کرنیوالا اور برابر تقسیم کرنیوالا ہے اور درجہ و منزلت کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک تم سب سے عظیم تر ہے۔ تو اللہ نے یہ آیت "خیر البریہ"، نازل کی۔ تو پیغمبر اکرم نے اور تم سب نے تکبیر کہی تھی۔ اور تم سب نے مجھے مبارک باد دی تھی۔ تو اہل شوریٰ میں سے کسی نے اس روایت سے انکار نہیں کیا سب نے کہا یا علی یقیناً آپ نے سچ فرمایا ہے۔"

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝

انکی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے خوش ہوئے یہ اس شخص کا انعام ہے کہ جو اپنے رب سے ڈرتا ہے!

جزاؤھم :- "انکی جزا و اجر"، اس سے واضح ہے کہ خدا کے ان فرمانبرداروں کو خدا کی طرف سے جو انعام و جزا ملیگی وہ انکی ملکیت ہو گی جس پر ان کو مکمل اختیار و اقتدار حاصل ہو گا۔ اور یہ انعام و جزا ہر حیثیت سے مکمل نفس کی طلب و خواہش کے مطابق ہو گی۔ ان نعمات میں جنت کے وہ باغات ہیں کہ جن کے سائے میں نہریں جاری ہیں وہ جنات عدن یعنی وہ مقام نعمات اور امن و سلامتی کا معدن و جگہ ہے۔ انسان کی دنیاوی حیات و عمل محدود ہے لیکن جو جنت و نعمات جنت جزا و اجر کے طور پر حاصل ہوں گی وہ ابدی ہوں گی۔

انسان چونکہ جسم و روح کا مجموعہ ہے اور انہی دو اجزا کے ساتھ عمل انجام دیتا ہے لہذا جزا و نعمات بھی دونوں کیلئے ہیں۔ اور روح چونکہ افضل جزء ہے اس لئے پہلے جسمانی نعمات کا ذکر کے سرح کے انعام کے ذکر کیطرف ترقی کیگئی ہے اور روح و نفس کیلئے سب سے افضل نعمت رضاء رب ہے۔

صاحبان ایمان نے امر الہٰی کو تسلیم کرلیا تھا اور اپنے عقیدہ و عمل کو رضاء رب کیلئے خالص کیا تھا اس لئے خدا نے ان کو جو انعامات عطا کئے اور ان پر جو فضل و احسان کیا وہ ان کے تصور و گمان سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ لہذا وہ خدائی اجر و احسان پر دنیا میں بھی راضی ہوں گے اور آخرت میں بھی خوش ہوں گے اور نعمات ابدی کے ذریعے خدا کی رضا کا اظہار ہوگا۔

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا، "خدا کی رضا سے مراد انکو ثواب و اجر عظیم دینے کا ارادہ و مرتبہ جلیلہ عطا کرنا ہے اور ان کا خدا سے راضی ہونے سے مراد خدا کے بے حساب اجر و جزا حاصل کرنے اور مرادات و غایات کو پا لینے کے بعد خدا سے خوش ہونا ہے"

اور پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کہ "جنت میں ہمیشہ رہنا جنت سے افضل ہے اور اللہ کی رضا جنت سے افضل ہے اور ابدی نعمات اس شخص کیلئے ہیں کہ جو اپنے رب کی عظمت و کبریائی کے احساس اور خوف کی بنا پر اپنے رب کی ناراضگی و عذاب کے کاموں سے دور رہا اور رضاء رب کے کاموں میں مصروف رہا۔

ابو سعید خدری راوی ہیں کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ خداوند عالم اہل جنت سے کہے گا کہ اے اہل جنت۔ تو وہ کہیں گے لبیک یا ربنا نیکی و اچھائی سب تیرے دست قدرت میں ہے تو خدا کہے گا کیا تم کو اس جنت سے افضل شئے عطا کروں۔ وہ کہیں گے اے پروردگار اس سے افضل کیا شئے ہے۔ خدا کہے گا میں نے تمہارے لئے اپنی رضا کو مخصوص کیا ہے اب تم سے کبھی ناراضگی نہیں ہوگی۔" تفسیر مظہری۔

سورۃ الزلزال (مدنیہ)

سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ

رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا

اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ

يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

جب زمین سخت ترین زلزلے سے ہلا دی جائے گی اور زمین اپنے تمام دفینے باہر نکال دے گی تو ایک خاص انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ اس روز وہ اپنی تمام خبریں و حالات بیان کرے گی کیونکہ تیرے رب نے اسے (اس کا) حکم دیا ہے۔ اس روز لوگ متفرق گروہ در گروہ نکلیں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں۔ تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔

عبداللہ ابن عباسؓ کے نزدیک یہ سورۃ مدنی ہے اور ضحاک و عطا کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے۔

فضیلت: ابی ابن کعب راوی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔ (جس نے اس سورۃ کی تلاوت کی اس نے (گویا) سورہ بقرہ کی تلاوت کی۔ اور چوتھائی قرآن پڑھنے کا اسے ثواب ملے گا۔" انس صحابی راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک صحابی سے کہا۔ کیا تم نے شادی کر لی ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں کیونکہ میرے پاس مال دنیا سے کچھ نہیں ہے۔ تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "کیا تیرے پاس سورہ قل ھو اللہ احد ہے یعنی یاد ہے۔ عرض کیا جی ہاں فرمایا "یہ ربع قرآن ہے" (یعنی ثواب کے لحاظ سے) پھر پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "کیا تیرے پاس سورہ قل یا ایھا الکفرون نہیں ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا "یہ بھی ربع قرآن ہے"۔ پھر پیغمبرؐ نے فرمایا "کیا تیرے پاس سورہ اذا زلزلت الارض نہیں ہے۔ یعنی یاد ہے۔ کہا جی ہاں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا یہ بھی ربع قرآن ہے۔ آپؐ نے اسے فرمایا تزویج کر لو، تزویج کر لو، تزویج کر لو۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا سورہ زلزال پڑھنے میں سستی و گرانی سے دور رہو کیونکہ جو نوافل میں سورہ زلزال کی تلاوت کرتا رہا وہ زلزلے و بجلی (اور دنیا و دیگر) آفات سے ہلاک نہیں

ہوگا۔ اور موت کے بعد جب اسے جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا تو جنت میں داخل ہوتے ہی خدا اس سے کہے گا میں نے جنت کو تیرے لئے مباح قرار دیا ہے۔ جہاں چاہو جنت میں ٹھہرو اور خدا سے جو خواہش چاہتے ہو طلب کرو۔ کوئی ممانعت نہیں ہے۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ

"جب زمین سخت ترین زلزلے سے ہلا دی جائے گی۔ اور وہ اپنے تمام دفینے باہر نکال دے گی۔"

زمین کی متعدد حرکات ہیں۔ چودہ حرکات معلوم کی جاچکی ہیں۔ حشر ونشر کے لئے اس قیامت خیز زلزلے کے ذکر سے فکر انسانی کو غفلت سے بیدار کرکے اسے بروز قیامت اعمال کے حساب وکتاب کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ اور یہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ زمین تہ وبالا ہوجائے گی۔ جس کی بناء پر زمین اپنے اندر کے سارے دفینے اور اجساد انسانی کو ظاہر کردے گی۔ قیامت برپا ہونے والے زلزلے کے ساتھ (پہلے) ایک اور زلزلہ آئے گا جس کی کیفیت کو سورہ حج میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔" یوم ترونها تذهل كل مرضعة ۔ الخ

جب تمام ذی حیات موت سے ہمکنار ہوجائیں گے تو اس کے بعد دوسرا زلزلہ قیامت برپا ہونے کے لئے آئے گا جس سے زمین تمام مدفون انسانوں کے اجسام مجتمع ہوکر باہر نکلیں گے اور ارواح کا ان سے تعلق قائم ہوجائے گا۔

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ

"تو ایک خاص انسان کہے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ اس روز وہ اپنی تمام اخبار وحالات بیان کرے گی۔"

قیامت برپا ہونے کے لئے اور انسانوں کے حساب وکتاب کے لئے، دوبارہ زندہ جی اٹھنے کے لئے جب قیامت خیز زلزلہ آئے گا۔ زمین اپنے اندر کے تمام دفینے یعنی انسانی اجسام کو مکمل طور پر باہر نکال دے گی۔ اس وقت ایک برگزیدہ بندہ خدا زمین سے مخاطب ہوکر کہے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ تو زمین اپنی تمام خبروں سے اس ولی الٰہی کو آگاہ کرے گی۔ وہی ولی الٰہی ہوگا کہ جس کا اس زمین سے خاص تعلق ہونے کی بناء پر پیغمبر اکرمؐ نے اسے ابوتراب کے لقب سے نوازا۔ اسی بناء پر امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت امیرالمومنینؑ کے سامنے پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا۔" وہ خاص انسان میں ہوں اور مجھی سے زمین خبریں بیان کرے گی۔"

خلافت اولیٰ کے دور میں سخت زلزلہ آیا تو خلیفہ وقت لوگوں کے ہجوم کے ساتھ حضرت علیؑ کے در دولت پر آئے۔ آپ ان کے ساتھ نکل کر ایک ٹیلے پر پہنچے۔ اور ادھر مدینے کے در ودیوار لرز رہے تھے اور لوگوں پر دہشت طاری تھی۔ آپ نے کہا۔ تم پر وحشت طاری ہے۔ لوگوں نے کہا کیوں نہ ہو ایسا زلزلہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے ہونٹوں کو جنبش دی اور اپنا ہاتھ زمین پر مار کر کہا "رک جا" تو زمین تھم گئی۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوا۔ تو آپ نے کہا تم نے میرے عمل سے تعجب کیا ہے۔ میں وہی شخص ہوں کہ جس کے لئے خدا کا ارشاد ہے۔ (وقال الانسان مالها) میں وہی ہوں کہ جو زمین سے کہے گا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے۔ تو اس روز زمین اپنی خبریں بیان کرے گی اور مجھ سے باتیں کرے گی۔ قیامت کے

اس زلزلے کے وقت میں ہی زمین سے کہوں گا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے تو وہ مجھ سے ہی حالات بیان کرے گی۔ (برھان معانی علل الشرائع میں ہے کہ تمیم ابن حاتم کہتا ہے کہ بصرے کی طرف جاتے ہوئے ہم حضرت علیؑ کے ہمرکاب تھے۔ راستے میں ایک مقام پر ہم رکے تو زلزلہ آیا۔ تو حضرت علیؑ نے زمین پر ہاتھ مار کر کہا تجھے کیا ہوگیا ہے۔ تو زلزلہ رک گیا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ "خدا نے جس زلزلے کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اگر یہ وہ زلزلہ ہوتا تو زمین مجھے جواب دیتی لہٰذا یہ وہ زلزلہ نہیں ہے۔" (صافی)

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ "اس روز وہ زمین تمام خبریں بیان کردے گی۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے یہ بات واضح ہے کہ زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے اعمال و حرکات اور کلمات و اصوات جہاں اس صحیفہ کائنات میں اور انسان کے اپنے باطنی صحیفہ نفس میں محفوظ ہو رہے ہیں اسی طرح انسانی اعمال و حرکات صحیفہ زمین میں بھی ضبط و محفوظ ہو رہے ہیں۔ آج انسانی اعمال و حرکات اور اصوات کو کیسٹ میں محفوظ کر لینے اور ٹی۔ وی اور ریڈیو کے ذریعہ انسانی تصاویر اصوات و اقوال کو محفوظ کر لینے سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ انسان کا ہر ہر عمل اس صحیفہ ارضی میں بھی محفوظ ہو رہا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے (زمین سے بچو کیونکہ یہ تمہاری اصل ہے اور یقیناً جس نے بھی اس پر جو نیک و بد عمل کیا یہ اس کی خبر دے گی)

ایک موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے صحابہ سے کہا تم جانتے ہو کہ زمین کی کیا خبریں ہیں۔ صحابہ نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ "زمین کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر مرد و عورت کے متعلق گواہی دے گی کہ جو کچھ اس کی پشت پر عمل کیا تھا" وہ کہے گی فلاں نے فلاں فلاں وقت و دن میں یہ یہ عمل کیا تھا۔ یہ اس کی خبریں ہیں" (صافی۔ درمنثور، ابوالفتوح رازی)

عبداللہ ابن صعصعہ نے ابو امیہ کو دیکھا کہ وہ مسجد الحرام میں جگہ بدل بدل کر نماز پڑھ رہا ہے۔ عبداللہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو ابو امیہ نے کہا یہ اس لئے تا کہ زمین کا ہر حصہ گواہی دے۔ پھر سورۂ زلزال کی مندرجہ آیت کی تلاوت کی۔

صعصعہ کہتے ہیں کہ میں ابو سعید خدری کے پاس ان کے حجرے میں تھا تو ابو سعید نے کہا جب تم صحرا میں نماز پڑھو تو نماز کے لئے بلند آواز سے اذان کہو کیونکہ میں نے سنا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ "جو جن والنس اور پتھر و سنگریزے اذان سنیں گے وہ تمہاری صداقت کی گواہی دیں گے۔"

طبرانی میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "زمین سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو کیونکہ یہ تمہاری اصل ہے جس شخص نے اس پر جو نیک اور برا عمل کیا یہ اس کی خبر دے گی۔"

بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ "کیونکہ تیرے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے۔"

بروز حشر خداوند عالم زمین کو حکم دے گا کہ تم پر انسانوں نے جو جو اعمال کئے ہیں ان کی گواہی دے۔ یعنی حکم الٰہی سے زمین گفتگو کرے گی۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ "اس روز لوگ گروہ در گروہ (متفرق) نکلیں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں ۔"

قیامت برپا ہونے کے لئے قیامت خیز زلزلے کے بعد جب زمین اپنے دامن کو جھاڑ کر تمام انسانوں کو باہر نکال دے گی تو تمام انسان گروہ گروہ کی صورت میں میدان حشر کی طرف بڑھیں گے ۔ ان میں بعض مومنین کے گروہ ہوں گے اور بعض منافقین کے گروہ ہوں گے ۔ بعض سعید و نیک بخت ہوں گے ۔ اور بعض شقی و بد بخت ہوں گے ۔ بعض دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لئے ہوں گے اور بعض بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لئے ہوں گے ۔ بعض نورانی ہوں گے اور بعض ظلمانی ہوں گے ۔ اس وقت ان کے صحیفہ عمل کی کتاب کو کھول کر ان کی دنیاوی کارگزاری ان کو دکھا دی جائے گی تو وہ اپنے اعمال اور ان کے نتائج دیکھیں گے ۔ بعید نہیں کہ صحیفہ کائنات میں انسان کی دنیاوی زندگی کی بنی ہوئی مووی کو یعنی کتاب حیات کو اسے کھول کر دکھا دیا جائے ۔ اس وقت وہ اپنے کسی برے عمل سے انکار نہیں کر سکے گا ۔

اور دنیا میں جو ریاکاری کے اعمال یا برائی کی تھی ان کے نتائج بھی دیکھ لیں گے ۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

"تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لیگا ۔"

پیغمبر اکرمؐ نے اس آیت کو جامع کہا ہے ۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ نے کہا یا رسول اللہؐ یہ تو عظیم بات ہے کہ ہم سے ذرے کے برابر عمل کا حساب ہوگا ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ۔ "دنیا میں جو مکارہ و تکالیف اور رنج و مصیبت اور بیماری تم پر نازل ہوتی ہے وہ تمہاری برائی کے ہر مثقال و ذرے کے مقابلے میں ہوتی ہے ۔ اور تمہارا فعل خیر قیامت تک کے لئے تمہارے لئے ذخیرہ ہیں ۔" (منھج ، ابوالفتوح رازی)

یعنی آفات ، امراض ، مصائب اور آلام تمہاری برائیوں کا کفارہ ہیں اور نیکیاں آخرت میں اجر و ثواب کے لئے محفوظ ہیں ۔ — پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "نیکی سے کسی شئے کو معمولی نہ سمجھو اگرچہ تم اپنے برادر ایمانی سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ ۔"

سورۃ العدیت (مدینہ)

سورۃ العدیت مکیۃ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — آیاتھا ۱۱ رکوعھا ۱

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُورِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ
صُبْحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ
الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ
لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿۹﴾
وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ :- (غازیوں کے) ہنکارا مارتے ہوئے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم
پس وہ (پتھر پر) ٹاپیں مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں۔
پھر وہ صبح کے وقت (دشمن پر) ٹوٹ پڑتے ہیں
پھر (تیز رفتاری سے) گرد و غبار اڑاتے ہیں
پس وہ (دشمن کے) جمگھٹے میں گھس جاتے ہیں۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور یقیناً وہ خود (ناشکرے پن) پر گواہ ہے۔ اور بیشک وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے تو کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جب قبروں میں جو کچھ ہے نکال دیا جائیگا۔ اور دلوں کے بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ یقیناً ان کا رب ان سے (ان کے اعمال کی جزا و سزا سے) اس دن باخبر ہے۔

تلاوت :- پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا روزانہ باقاعدہ سورہ العٰدیٰت کی تلاوت کرنے والے کو ختم قرآن کا ثواب ملیگا اور اگر وہ مقروض ہے تو اسکا قرضہ ادا ہوگا اور خوفزدہ اسکی تلاوت کرے گا تو امن و امان میں رہے گا۔ اور بھوکا و پیاسا پڑھے تو سیراب ہوگا

ایک اور موقع پر فرمایا کہ روزانہ اس سورہ کی تلاوت کرنیوالے کیلئے عرفات و مزدلفہ میں قیام کرنیوالے حاجیوں کی تعداد کے دس گنا ثواب اسکے نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا،، اور اخلاص و عقیدت سے تلاوت کرنیوالے کیلئے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ،، روزانہ سورہ العٰدیٰت کی تلاوت کرنیوالا حضرت علیؑ کے ساتھ محشور ہوگا،،

اور حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ ،خوفزدہ سورہ العٰدیٰت کو پڑھے تو امن و امان میں ہوگا اور بھوکا پڑھے تو سیر ہوگا اور پیاسا پڑھے تو سیراب ہوگا اور مقروض پڑھا کرے تو باذن اللہ جلد قرض سے نجات حاصل ہوگی۔

اس سورہ کو نئے برتن میں (زعفران سے) لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر اسمیں تھوڑی سی شکر ملا کر درد والا شخص پیتا رہے تو درد رفع ہوجائیگا۔

نزول :- یہ سورہ غزوہ ذات السلاسل سے متعلق ہے۔

آٹھ ہجری میں مدینے سے پانچ منازل کے فاصلے پر واقع وادی یابس میں آباد قبیلۂ بنی سلیم نے اسلامی تحریک کے خلاف اجتماعی عہد و پیمان کیا کہ مسلمانوں پر شبخون کر کے پیغمبر اکرمؐ اور امیرالمومنین کے وجود کو ختم کردیں یا خود سب کے سب قتل ہوجائیں لیکن فرار نہیں ہوں گے۔ اس مقصد کیلئے انھوں نے بارہ ہزار جنگجو تیار کئے ۔۔ اِدھر جبرائیل نے پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے ارادے و تیاری کی اطلاع دی تو پیغمبر اکرم نے صحابہ کو آگاہ کیا اور حضرت ابو بکر کو چار ہزار مجاہدین کے ساتھ انکی طرف روانہ کیا اور فرمایا پہلے ان کے سامنے اسلام پیش کرنا اگر انکار و سرکشی کریں تب جہاد کرنا چنانچہ جب لشکر اسلام وادی یابس کے قریب پہونچا تو قبیلۂ بنی سلیم نے اطلاع پاکر اپنے سردار کو دو سو سرکردہ مسلح افراد کے ساتھ حضرت ابو بکر کے پاس بھیجا۔ حضرت ابو بکر نے ان سے کہا کہ ہم اسلام کی دعوت و پیغام لائے ہیں اگر آپ لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیں تو ہم اور آپ لوگ بھائی بھائی ہیں ورنہ ہم پر تم سے جنگ کرنا ضروری ہوجائے گا۔ انھوں نے سختی و سرکشی سے اسلام کی دعوت کو رد کردیا۔ اور تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ کر دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ ہم بارہ ہزار جنگجو جوان ہیں ہم تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے بہتر یہی ہے کہ یہاں سے آپ لوگ واپس لوٹ جائیں اور ہمارا مقصود و مطلوب تو محمدؐ و علیؑ ہیں۔ کفار کی کثرت اور انکی مکاری و سرکشی کو دیکھ کر بعض مجاہدین کے جہاد پر اصرار کرنے کے باوجود حضرت ابو بکر نے

باعزت بغیر جہاد کئے واپس لوٹنے کو بہتر جانا۔ اس کے باوجود کفار کی مکاری و شرارت سے تین مسلمان شہید ہو گئے
جب حضرت ابوبکر واپس لوٹ آئے تو پیغمبر اکرم نے حضرت عمرؓ کو وہی لشکر دیکر انکی طرف روانہ کیا۔ لیکن حضرت
عمر بھی جب وادی یابس کے قریب پہونچے تو حسب سابق کفار کے سرکردہ افراد نے آکر ان کو دہمکی دی اور کہا
ہمارا مقصود محمدؐ و علیؑ ہیں تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ واپس لوٹ جاؤ تو حضرت عمر بھی واپس لوٹ آئے
تو عمرو بن عاص لے جانے کی خواہش کی تو پیغمبر اکرم نے وہی لشکر اسے دیکر روانہ کیا وہاں پہونچ کر حالات کی
نزاکت کو دیکھکر عمرو بن عاص بھی واپس آگیا۔ پیغمبر اکرم کبیدہ خاطر ہوئے اور حضرت علیؑ سے فرمایا تم
وادی رملہ (یابس) کیطرف جاؤ وہاں کفار جمع ہیں اور چار ہزار مجاہدین کو آپ کی کمان میں دیکر روانہ کیا۔
انہیں حضرت ابوبکر و حضرت عمر و عمرو ابن عاص بھی شامل تھے اور پیغمبر اکرمؐ نے مسجد احزاب تک آکر آپکو رخصت
کیا اور حضرت علیؑ سے فرمایا کہ رات کو سفر کرنا اور دن کو آرام کرنا۔ حضرت علیؑ رات کو سفر کرتے اور دن کو آرام
کرتے اور اسطرح وادی یابس کے بالکل قریب پہونچ گئے۔ عمرو بن عاص نے دیکھا کہ حضرت علیؑ اپنی تدابیر
سے دشمن پر غالب آجائیں گے تو حضرت ابوبکر کے پاس آکر کہا کہ علیؑ سے کہیں کہ اس وادی میں درندے
وشیر ہیں ان کا خطرہ و خوف ہے لہذا بہتر ہے کہ اس وادی سے نکل کر فلاں (بلند) وادی میں چلے
جائیں (تاکہ اسطرح دشمن دیکھ لے) حضرت ابوبکر نے جاکر حضرت علی کو یہ مشورہ دیا لیکن آپ نے
توجہ نہیں دی اور اپنی تدابیر پر عمل کرتے ہوئے صبح کے وقت کفار کے سر پر پہونچ گئے۔ کفار
اچانک مسلمانوں کو اپنے سر پر دیکھکر گھبرا گئے لیکن پھر اپنے دو سو مسلح افراد کے ساتھ اپنے سردار کو گفتگو کیلئے
بھیجا حضرت علی نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے سرکشی و غرور سے ٹھکرا دیا اور کہا آپ
ہی تو ہمارے مقصود ہیں۔ تو حضرت علیؑ نے بھی جہاد کا اعلان کر دیا اور دوسرے روز صبح سویرے اول
وقت نماز ادا کرنیکے بعد ان پر دھاوا بولدیا تو دشمن کی کافی تعداد قتل ہوئی اور کافی قیدی بنا لئے گئے
اور ان کو زنجیروں میں باندھ لیا گیا اس وجہ سے اس جنگ کو ذات السلاسل کہا جاتا ہے۔ اس معرکے میں
کافی مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ادہر مدینہ میں جبرائیل نے اس شب سورہ العادیات کے ساتھ پیغمبر
کی خدمت حاضر ہو کر فتح کی بشارت دی۔ تو پیغمبر اکرم نے نماز صبح میں سورہ الحمد کے بعد سورہ والعادیات
کی تلاوت کی۔ تو بعد کو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ یہ سورہ اس سے پہلے ہم نے نہیں سنا۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا
جبرائیل آئے ہیں اور مجھے علی کی فتح کی اطلاع دی اور یہ سورہ بھی لائے ہیں۔ تفسیر برہان۔ مجمع۔ منہج۔
اس غزوہ میں صرف دو مسلمان شہید ہوئے۔
امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ " وادی یابس کے اس معرکے میں اسقدر مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل

ہوا کہ سوائے فتح خیبر کے اور کسی معرکے میں اسقدر مال حاصل نہیں ہوا۔
یہ غزوہ چونکہ مدینے سے متعلق ہے اور سورہ والعٰدیٰت میں بھی اسی غزوے کا تذکرہ ہے لہذا یہ سورہ بھی مدنی ہے کیونکہ جہاد ہجرت کے بعد مدینے میں فرض ہوا ہے — اور اگر اس سورہ کو مکی مان لیا جائے تو یہ پیشگی خبر غیب ہوگی۔"

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝

(غازیوں کے) ہنکار مارتے ہوئے سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم۔
پس (پتھر پر) ٹاپیں مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں — پھر صبح کے وقت (دشمن پر) لوٹ پڑتے ہیں۔
پھر (تیز رفتاری سے) گرد و غبار اڑاتے ہیں — پس (دشمن کے) جمگھٹے میں گھس جاتے ہیں —

— ان پانچ آیات میں راہ خدا میں جہاد کیلئے استعمال ہونیوالے گھوڑوں کی صفات بیان کیگئی ہیں العٰدیٰت۔ سے مراد خدا کی راہ میں جہاد کیلئے دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں کہ جو سرپٹ دوڑتے ہوئے حلق سے تیز سانس نکالتے ہیں — علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں تحریر کیا ہے کہ ان آیات کے الفاظ پکار پکار کے کہہ رہے ہیں کہ یہاں گھوڑے مراد ہیں کوئی اور جانور مراد نہیں کیونکہ "ضبح" کی آواز گھوڑوں کے علاوہ کسی سے نہیں نکلتی اور آگ نکالنے کا عمل بھی پتھروں پر سموں کی ٹاپیں پڑنے کے سوا کسی اور طرح دوڑنے سے نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح صبح سویرے چھاپہ مارنا بھی دوسرے جانوروں کی بنسبت گھوڑوں ہی کے ذریعے آسان ہوتا ہے۔ لہذا سورہ کی ابتدائی پانچ آیات مجاھدین راہ خدا کے گھوڑوں کا وصف بیان کررہی ہیں — کہ

قدحًا۔ ٹھوکر مارنا۔ ضرب لگانا۔ یعنی وہ گھوڑے (پتھر پر) ٹاپیں مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں۔
رات کی تاریکی میں پتھریلی زمین پر تیز دوڑنے سے چنگاریاں نکالتے ہیں اور سنگریزے اڑاتے ہیں۔
اور صبح کے وقت دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور گرد و غبار اڑاتے ہوئے دشمن کی جماعت میں گھس جاتے ہیں۔
یعنی مجاہدین کے یہ باوفا گھوڑے ہیں کہ غازیوں کے مقصد کی تکمیل کیلئے اپنی جانوں سے بے پرواہ دشمن کی صفوں میں گھس کر دشمن کو منتشر کردیتے ہیں یعنی اس طرح فکر انسانی کو بیدار کر کے متوجہ کیا گیا ہے کہ یہ حیوان تو اسقدر اپنے مالک کا فرمانبردار ہے تو انسان کو اپنے خالق و مالک رب کریم کا کسقدر فرمانبردار ہونا چاہیئے کہ جس نے اسے اشرف المخلوقات خلق کر کے ساری کائنات پر فضیلت عطا کی ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝

"بیقیناً انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور بیقیناً وہ خود اس پر گواہ ہے"

"الکنود" بنجر زمین۔ کہ جس سے کوئی شے نہ اُگے ـــ اسی بنا پر اس شخص کو بھی "کنود" کہتے ہیں کہ جس سے خیر و اچھائی کی امید نہ ہو۔ اور اسی بنا پر بخیل و ناشکرے انسان کو بھی "کنود" کہا گیا ہے ذالنون نے کہا کہ کنود وہ ہے جو کم ملنے پر کفران کرے اور زیادہ ملنے پر شکر ادا نہ کرے۔

یہ آیات قسم کا جواب ہیں۔ خدا نے مجاہدین راہ خدا کے گھوڑوں کی قسم کھا کر انکی فرمانبرداری کو بیان کرنے کے بعد متوجہ کیا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے کسقدر اپنے خالق و مالک اور رب کریم کا ناشکرا اور نافرمان ہے اسے تو سب سے بڑھکر اپنے خالق و مہربان رب کا مطیع و فرمانبردار ہونا چاہیئے۔ اور ان آیات میں یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ غلامی کی قدر و قیمت کا انحصار اسکی خدمات و مالک کی فرمانبرداری پر ہے یعنی اشرف المخلوقات انسان اگر اپنے خالق و مالک کا فرمانبردار بن جائے تو اسکی عزت و شرف کسقدر بڑھ جائیگا۔ یہ الہٰی نعمات سے فیضیاب بھی ہوتا ہے اور اسی سے سرکشی بھی کرتا ہے ـــ یہاں خاص ناشکرے انسان سے ابن ابی منافق مراد ہے لیکن مفہوم و اصول کے لحاظ سے نعمات الہٰی کو ہر ٹھکرانے والا مراد ہے۔

اور پھر یہ بھی فرمایا کہ اپنے ناشکرے پن اور بے فیض ہونے پر انسان خود بھی گواہ ہے۔ اور ان آیات سے قبل و بعد کی آیات چونکہ دنیاوی حیات سے متعلق ہیں اس لئے یہ آیات بھی دنیاوی حیات سے متعلق ہیں یعنی دنیا میں انسانی سرکشی و نافرمانی اور الہٰی نعمات کو خدا کی نافرمانی میں صرف کرنے پر خود انسان کا ضمیر گواہ ہے وہ اپنے فطری وجدان سے جانتا ہے کہ جن برے مقامات پر وہ خدا کی نعمات کو صرف کر رہا ہے خدا ان کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ یعنی نیک و بد کی بصیرت ہر انسان کو حاصل ہے اور آخرت میں اس کے جسم کے اعضاء بھی اسکے اعمال کی گواہی دیں گے۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ "اور بیشک وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔"

عرب بخیل کو متشدد و فاحش اور شدید بھی کہتے ہیں اور بخل کو فحشاء بھی کہتے ـــ

سورہ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے کہ "شیطان تم کو فقر کا وعدہ اور بخل کا حکم دیتا ہے"

یہاں "فحشاء" بخل کے معنی میں ہے ـــ

اس آیت کریمہ میں انسان کی مال سے محبت کی سختی کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ مال کی محبت اور شدت بخل کی بنا پر مال و نعمات عطا کرنیوالے کا نہ ہی شکریہ ادا کرتا ہے اور نہ ہی اسکی راہ و محبت میں خرچ کرتا ہے۔
مال کو اس آیہ کریمہ میں "الخیر" کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور سورہ بقرہ میں بھی وصیت کے

آیت میں مال کو "خیر" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔
اسطرح انسان کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ مال و دولت کی عطا اعمال خیر کیلئے ہے اور اعمال خیر کا سبب بننے کی بنا پر مال "الخیر" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی مال سے انسان اپنی و اپنے عیال کی احتیاج کو دور کرتے ہوئے اپنے اقارب کی مدد و اعانت کرتے ہوئے صلۂ رحمی کی صفت حاصل کرتا ہے۔ اس مال سے خمس و زکوٰۃ اور خیرات سے غربا و مساکین کی مدد کرکے خدا کی خوشنودی حاصل کرتا ہے اور اسی سے فریضۂ حج و عمرہ اور زیارات ادا کرتا ہے۔

یعنی مال اگر بطریق حلال حاصل ہو اور پھر نیک کاموں میں صرف ہو اور ذہنیت و مزاج بھی بگڑنے نہ پائے تو یہ مال خیر ہی خیر ہے۔
غربا ء مدینہ نے پیغمبر اکرم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ اغنیاء کے پاس مال ہے جس سے وہ خیرات کرتے ہیں اور ہم اس پر قادر نہیں ہیں۔ وہ حج کرتے ہیں اور ہماری استطاعت نہیں ہے وہ غلاموں کو آزاد کرتے ہیں اور ہمارے پاس غلام نہیں ہیں پیغمبر اکرم نے فرمایا سو مرتبہ تکبیر کہا کرو یہ تمہارے لئے ایک غلام آزاد کرنے سے افضل ہے اور جس نے سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھا تو اس کا ثواب ان گھوڑوں سے افضل ہے کہ جو زین و لجام سے آراستہ خدا کی راہ میں خیرات کئے گئے اور جس نے سو بار لا الہ الا اللہ کہا تو وہ عمل میں تمام لوگوں سے افضل ہے سوائے اسکے کہ جس نے یہ کلمات اس سے زیادہ کہے ـــــ تو غربار مدینہ اس عمل میں مصروف ہو گئے جب اغنیاء کو اس کا علم ہوا تو وہ بھی اس عمل میں مصروف ہو گئے تاکہ مالی و بدنی دونوں ثواب حاصل ہوں۔ غربا نے دیکھا تو پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ اغنیاء بھی یہی عمل کر رہے ہیں اور اسطرح ہم پر انکی فضیلت برقرار ہے تو پیغمبر اکرم نے فرمایا یہ تو فضل الہی ہے خدا جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ عظیم فضل کا مالک ہے۔ منہج۔

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝
"تو کیا وہ اسوقت کو نہیں جانتا کہ جب قبروں میں جو کچھ ہے نکال دیا جائے گا"،
اور دلوں کے بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے۔

اس آیت سے آخر تک کی آیات کے متعلق امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ یہ آیات حضرت علیؑ سے عداوت رکھنے میں سبقت کرنیوالے ابن عاص اور اسکی مانند دیگر افراد کیلئے نازل ہوئیں کہ جو کچھ باطن میں امیر المومنین سے

عداوت و برائی رکھتے تھے۔ خدا نے ان کے اعمال سے ان کو آگاہ کیا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ جب وہ اپنے نیک / بد اعمال کی جزا و سزا کیلئے قبروں سے نکلیں گے تو جو نیک و بد ارادے دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں خدا ان کو ظاہر کردے گا۔

یعنی باطن میں حق و باطل کے عقائد اور خیر و شر اور اخلاص و ریاکاری یعنی باطن کی تمام کیفیات و حالات بروز قیامت ظاہر ہو جائیں گے۔ انہی باطنی کیفیات و حالات پر سزا و جزا حاصل ہوگی۔ سورہ طارق میں ارشاد ربانی ہے کہ "اس روز پوشیدہ راز ظاہر ہو جائیں گے"۔

ان آیات میں فکر انسانی کو متوجہ کیا گیا ہے خداوند عالم انسانی ارادوں و باطنی کیفیات کو جانتا ہے باطنی کیفیات و حالات کو بروز قیامت ظاہر کرے گا لہذا اپنے باطن کو پاکیزہ رکھو تا کہ وہاں ذلت و رسوائی نہ ہو۔

إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝ "یقیناً ان کا رب (ان کے اعمال کی جزا و سزا سے) اس دن باخبر ہے"

یعنی خلاق عالم سے کسی انسان و مخلوق کا کوئی عمل و ارادہ پوشیدہ نہیں ہے وہ علیم و خبیر ہے لہذا ہر عمل خیر کرتے وقت نیت و ارادے کو خدا کیلئے خالص رکھا جائے اور اس کے خوف سے اور اس کے عذاب سے بچنے کیلئے ہر بری نیت و برے ارادے کو ترک کر دیا جائے۔

سورۃ القارعۃ

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۱ رُكُوْعُهَا ۱

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳ يَوْمَ
يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ
كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۶ فَهُوَ
فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸
فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۰ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱

ترجمہ : "کھڑکھڑانے والی گھڑی ۔ کیا ہے کھڑکھڑانے والی گھڑی ۔ جس روز لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی مانند ہوں گے ۔ اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کی مانند ہو جائیں گے ۔ پس جس کا میزان عمل بھاری ہوگا تو وہ دل پسند زندگی میں ہوگا ۔ اور جس کا میزان عمل ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا ۔ اور تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے ۔ دہکتی ہوئی آگ ہے ۔"

تلاوت : پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ سورہ القارعہ کی بکثرت تلاوت کرنے والے کا میزان عمل بروز قیامت بھاری ہوگا ۔ (منہج)

عقیدت و اخلاص سے پڑھنے والے کے لئے امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ " جس نے سورہ القارعہ کی روزانہ تلاوت کی تو خداوند عالم اسے فتنۂ دجال سے محفوظ رکھے گا اور بروز قیامت اُسے جہنم کی گرمی و حرارت سے بھی محفوظ رکھے گا ۔ (منہج)

روایات میں ہے کہ کاروبار میں تنگدست آدمی اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو خداوند عالم اُس کے لئے رزق کے دروازے کھول دے گا ۔

اور کسی طشت میں لکھ کر عرق گلاب سے دھو کر اس پانی کو اس مکان میں چھڑکا جائے کہ جہاں حشرات الارض زیادہ ہوں تو باذن اللہ حشرات الارض وہاں سے نکل جائیں گے۔

اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝

"کھڑکھڑانے والی گھڑی۔ کیا ہے کھڑکھڑانے والی گھڑی۔"

لغت میں قرعہ میں مبالغہ قارعہ ہے یعنی شئے کی کسی شئے پر اعتماد کے ساتھ ضرب شدید قارعہ ہے اور ہر سخت ترین دہلا دینے والے واقعے کو قارعہ کہتے ہیں۔

سورۂ رعد میں خدا کا ارشاد ہے "ولا یزال الذین ۔۔۔۔ الخ۔ کفار نے جو کچھ کارستانی کی ہے اس سے ان کو ہی دھماکہ خیز قارعہ پہنچے گی۔"

یعنی کفار نے جو ایٹم بم وغیرہ بنا رکھے ہیں اُن کے دھماکوں کے یہ خود شکار رہیں گے۔ قیامت آنے سے قبل کائنات کی تباہی کے مختلف حالات کی بناء پر قیامت کے مختلف نام ہیں۔ الصاخہ ــــ یوم عصیب یوم عظیم ــــ القارعہ ۔ اور اس قارعہ کی حیات دنیا میں نظیر نہیں ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے (تجھے کیا معلوم کہ قارعہ کیا ہے)

قیامت کا دن یوم اماتت بھی ہے اور یوم احیا بھی ہے۔ پہلے تمام انسان ہلاکت کا شکار ہوں گے اس کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر حساب وکتاب کے لئے میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔

قرآن حکیم کے تخاطب کا ایک یہ بھی انداز ہے کہ وہ کسی بات پر زور دینے کے لئے پہلے اسے سوالیہ انداز میں پیش کرتا ہے۔ اور پھر خود ہی جواب دیتا ہے۔ اس طرح عقول متوجہ بھی ہو جاتی ہیں اور بات زیادہ مؤثر بھی ہو جاتی ہے۔ سورہ القارعہ کی شروع کی آیات میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس نظام کائنات کی تباہی وبربادی اور دنیا کے خاتمے اور دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیاوی زندگی کی کارگذاری کے نتائج کی طرف فکر انسانی کو متوجہ کر کے اسے غفلت سے بیدار کر کے سرمایۂ اخروی کے فراہم کرنے کا احساس دلایا گیا ہے۔

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ "جس روز لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی مانند ہوں گے۔"

ہ کی ابتدائی آیات کا یہ اور اس کے بعد کی آیات جواب ہیں کہ وہ ایسا زبردست دھماکہ ہوگا کہ اس کی ہیبت وشدت اور ضعف واضطراب سے لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی مانند ہو جائیں گے۔ اور دوبارہ زندہ ہونے کے لئے صور پھونکے جانے کے بعد لوگ اٹھیں گے تو اسکے لئے سورۂ القمر میں خلاق عالم کا ارشاد ہے کہ "لوگ آنکھیں نیچے کئے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گویا کہ وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔"

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝

" اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اون کے مانند ہوں گے "

قیامت برپا ہونے سے قبل جو قیامت خیز دھماکہ ہوگا۔ اس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور چونکہ پہاڑوں کے رنگ مختلف ہیں لہذا وہ ذرات وغبار کی صورت میں رنگ برنگی اون یا روئی کے گالوں کی صورت میں فضا میں اڑ رہے ہوں گے۔

جب اس قیامت خیز دھماکے سے پہاڑوں کی یہ حالت ہو جائے گی تو اس ناتوان انسان کی کیا حالت ہوگی۔ سورۂ المعارج میں خلاق عالم نے قیامت برپا ہونے سے قبل کے حالات کے لئے فرمایا کہ (اس روز آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو جائے گا۔ اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے۔

فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝

" پس جس کا میزان عمل بھاری ہوگا وہ دل پسند زندگی میں ہوگا۔"

موازین کو اگر موزون کی جمع قرار دیا جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ وہ اعمال جو نگاہِ توحید میں کوئی وزن یعنی قدر ومنزلت رکھتے ہوں اور اللہ کی نگاہ میں صرف نیکیاں ہی قابلِ قدر وقابلِ وزن ہیں۔ اور اگر موازین کو میزان کی جمع قرار دیا جائے تو اس موازین سے مراد میزان کے دو پلے مراد ہوں گے۔ یعنی اللہ کے میزانِ عدل میں نیکیوں کے پلے کا بھاری ہونا یا ہلکا ہونا مراد ہوگا۔

میزان کی حقیقت کے متعلق مفسرین کی کئی رائیں ہیں۔ بعض نے میزان کو مادی صورت کا قرار دیا ہے اور بعض نے اس کی نفی کی ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ ہر شئے کا میزان وہ ہے کہ جس کے ذریعہ اس شئے کی قدر وقیمت کا اندازہ وُاظہار ہو۔ یہ بھی واضح ہے کہ اشیاء کی قدر وقیمت کے لحاظ سے ان کے میزان جدا جدا ہیں۔ اور اشیاء کی ذات وحقیقت کے اختلاف کی بنا پر بھی ان کے میزان جدا جدا ہیں۔ لکڑی کا میزان اور ہے۔ سونے کا میزان اور ہے۔ اسی طرح وقت کی پیمائش کا میزان جدا ہے اور ہوا کی پیمائش کا میزان جدا ہے۔ سردی وگرمی کے میزان جدا ہیں اور روشنی کا میزان جدا ہے۔ اسی طرح خطوط ودائروں کے لئے میزان (پرکار) جدا ہے اور اشعار کی صحت کے لئے میزان جدا ہے۔ اسی طرح کلام وزبان کی صحت ودرستی کا میزان جدا ہے۔ غرض اشیاء کے اختلاف کی بناء پر ان کے میزان انہی کی قسم سے جدا جدا ہیں۔ تو اسی طرح اعمال انسانی کی صحت ودرستی کے لئے بھی جدا میزان کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ انسانی عقائد واعمال کی صحت ودرستی کا علم حاصل ہو۔ اور اسی صحت ودرستی کی بناء پر عقائد واعمال قابل قدر یعنی قابلِ اجر وانعام ہوں گے۔

آج یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کا ہر قول و فعل اسکی تمام حرکات وسکنات خزانۂ کائنات میں محفوظ ہو رہی ہیں۔ انسان کا کوئی عمل و حرکت اور قول ضائع و فنا و نہیں ہوتا۔ ٹی وی و ریڈیو اور دیگر ذرائع سے تصاویر و پیغامات اور اقوال و افعال کا روزمرہ مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کے دنیا میں قدم رکھنے سے لیکر موت سے ہمکنار ہونے تک اسکی پوری حیات اس کا ہر قول و عمل خزانۂ کائنات میں محفوظ ہو جاتا ہے لہذا اب ایسے آلات بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ جن کے ذریعے ہزاروں سال قبل انبیاء و اولیاء کی تقاریر کہ جو کائنات میں محفوظ ہیں ان کو حاصل کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ یہ کائنات مادی حقیقت نور کی بدلی ہوئی صورت ہے جسقدر عناصر پائے جاتے ہیں سب کی اصل ایٹم ہے اور ہر ایٹم ٹوٹنے کے بعد قوۃ وشعاعوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آج کا انسان قوۃ کو مادے میں اور مادے کو قوۃ وشعاعوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے۔

اور علماء طبعیات نے یہ بات بھی ثابت کر دی ہے کہ انسانی اعمال خواہ باطنی نیت و ارادہ کی حدود میں ہوں یا ظاہراً عملی صورت میں ہوں سب قوۃ و انرجی کی ایک مقدار صرف ہونے سے عبارۃ ہیں یعنی جب انسان کوئی نیت و ارادہ کرتا ہے تب بھی اس سے انرجی و قوت خارج ہوتی ہے اور جب وہ ظاہراً عمل کرتا ہے تب بھی اس سے انرجی خارج ہوتی ہے اور صرف ہوتی ہے۔ لہذا انسان کا ہر عمل خارجی وجود رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کئی مقامات پر اسی مفہوم کی طرف متوجہ کرتا ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے یوم تجد کل نفس ما عملت۔ الخ۔

اس روز (بروز قیامت) ہر شخص نے جو کچھ (دنیا میں) نیکی کی تھی اور جو کچھ (دنیا میں) برائی کی تھی سب کو موجود پائے گا۔" الخ (۴)

اور اعمال کی اہمیت وزنی اور قابل قدر و مقبول ہونے کیلئے اخلاص کے ساتھ محبۃ و ولاء آل محمدؐ کی ضرورت ہے۔

اہل بیت رسالت کی ولایت و محبت کے بغیر کوئی عبادت و عمل نہ ہی وزنی ہو سکتا ہے اور نہ ہی مقبول ہو سکتا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ "میزان محمدؐ و آل محمدؐ پر درود سے بڑھکر کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی جب انسان کے اعمال کا وزن ہوگا جیسے ہی اعمال ہلکے ہونے دکھائی دیں گے درود بڑھکر اس کے میزان عمل میں شامل ہو جائے گا تو وہ وزنی ہو جائیں گے۔ (کافی۔ برھان)

غرض انسان کا ہر عمل ظاہر ہوتے ہی ایک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب لوگ قبروں سے باہر نکلیں گے تو ہر انسان کے وہ اعمال کہ جو اس نے دنیا میں کئے تھے اسکے ساتھ خارج ہوں گے کیونکہ ہر شخص کا عمل اسکی قبر میں اسکا ساتھی ہوگا۔ برہان جلد ۴

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تفصیلی حدیث میں فرمایا کہ "جس وقت مومن کو قبر میں لٹا دیتے ہیں تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس سے جنت میں وہ اپنے مقام و جگہ کو دیکھتا ہے اور اس دروازے سے ایک خوبصورت

شخص برآمد ہوتا ہے کہ نگاہوں نے اس سے قبل ویسا خوبصورت شخص کبھی نہیں دیکھا ہوگا تو مومن اس سے کہے گا کہ اے بندہ خدا میں نے تجھ سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں دیکھا تو کون ہے۔ وہ کہے گا میں تیری نیک نیتی ہوں کہ جس پر تو دنیا میں تھا اور تیرا نیک عمل ہوں کہ جو تو نے انجام دیا تھا۔ اور جب کافر کو قبر میں لٹاتے ہیں تو اس کے لئے ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس سے وہ دوزخ میں اپنے مقام و جگہ کو دیکھتا ہے اور اس دروازے سے قبیح و بدصورت شخص برآمد ہوتا ہے تو کافر اس سے کہتا ہے کہ تو کون ہے میں نے تجھ سے زیادہ قبیح و بدصورت کوئی نہیں دیکھا۔ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا بُرا عمل ہوں کہ جو تو نے دنیا میں انجام دیا تھا اور تیری بری خبیث نیت ہوں کہ جو تو دل میں رکھتا تھا۔ کافی جلد ۳۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب مومن قبر سے باہر نکلے گا تو اسکے ساتھ ایک مثال بھی خارج ہوگی اور اسے کہے گی تجھے اللہ کی طرف سے سرور و کرامت کی بشارت ہو۔ مومن کہے گا خدا تجھے بھی نیکی کی بشارت دے وہ مثال مسلسل منازل قیامت میں مومن کے ساتھ ساتھ رہے گی جس چیز سے مومن ڈرے گا اس سے اسکی حفاظت کرے گی اور جس چیز کو مومن پسند کرے گا اسکی اسے بشارت دے گی یہاں تک کہ مومن بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگا اور جس وقت مومن کیلئے جنت کا حکم صادر ہوگا اس وقت وہ مثال اسے کہے گی کہ تجھے بشارت ہو کہ خدا نے تیرے لئے جنت کا حکم دیا ہے۔ تو مومن اس سے کہے گا خدا کی تم پر رحمت ہو میرے قبر سے نکلنے سے اب تک تو مجھے بشارت دیتی رہی راستے بھر میری انیس رہی اب خدا کی طرف سے میرے انجام سے مجھے آگاہ کیا بتا تو کون ہے وہ مثال جواب دے گی میں وہ سرور و خوشی ہوں کہ دنیا میں جو تو اپنے برادران ایمانی کے دلوں میں ڈالتا تھا اور ان کو خوش کرتا تھا میں اس سرور و خوشی سے پیدا ہوئی ہوں تاکہ تجھے بشارت و خوشخبری دوں اور وحشت کے مقامات پر تیری مونس رہوں۔ کافی جلد ۲)

اور روز جزا چونکہ روز حساب و روز عدل ہے۔ اس بناء پر میزان سے مراد عدل الٰہی بھی ہے۔ اس کی طرف حضرت امام جعفر صادقؑ نے اشارہ کیا۔ جبکہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ میزان سے کیا مراد ہے؟ امام نے فرمایا اس سے مراد عدل ہے پھر عرض کیا گیا کتاب الٰہی میں یہ ہے کہ "جس کے میزان بھاری ہوں گے" اس کے کیا معنی ہیں؟ امام نے فرمایا "جس کا عمل (خیر) غالب و عظیم ہوگا"۔

سالبقہ روایت سے واضح ہے کہ عمل خیر غالب و عظیم اسی کا ہوگا جس کا عمل تقاضاء عدل کے مطابق حجتہ خدا کی تعلیم و سیرت کے مطابق ہوگا۔ اسی بناء پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ" بروز قیامت ہم ہی میزان عدل ہیں۔"

خلاق عالم نے اپنے نبی و رسول اور ان کے اوصیاء کی ذوات اور انکی سیرت و کردار کو میزان قرار دیا ہے ۔ یعنی ہر امت کے عقائد و اعمال کی صحت اور قدر و قیمت کا معیار ان کے عقائد و اعمال کا اپنے نبی و رسول کی تعلیم و سیرت کے مطابق ہونا ہے ۔ یعنی ہر امت جب اپنے نبی و رسول اور وصی نبی کے ساتھ میدان حشر میں آئے گی تو انبیاء و اوصیاء کی ذات و تعلیمات امت کے لئے میزان ہوں گی ۔ جن کے عقائد و اعمال انبیاء و اوصیاء انبیاء کی تعلیمات و سیرت کے مطابق ہوں گے انہی کے عقائد و اعمال قابل قدر و قابل اجر ہوں گے اور وزنی ہوں گے ۔ اور جن کے عقائد و اعمال خاصان خدا کی تعلیمات و سیرت کے خلاف ہوں گے ۔ ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو گی ۔ یعنی کوئی وزن نہیں ہو گا ۔

اسی طرح پیغمبر اکرمؐ کی ذات و تعلیمات امت مسلمہ کے لئے میزان ہے اور آپ کے بعد آپ کے اوصیاء یعنی ائمہ اطہار کی ذات و سیرت امت کے لئے میزان ہے ۔ جیسا کہ ہشام ابن سالم نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے و نضع الموازین ۔ ۔ ۔ ۔ الخ (ہم بروز قیامت عدل کے میزان قرار دیں گے) کے متعلق دریافت کیا کہ موازین سے کیا مراد ہے ؟ تو امام نے فرمایا " وہ انبیاء و اوصیاء ہیں " یعنی ہر امت کا نبی اور نبی کے بعد اس کا وصی اہل امت کے عقائد و اعمال کی درستی کا میزان ہے ۔

سورہ کی آیت میں جنت کی دل پسند زندگی اور آخرت کی کامیابی کے لئے اعمال کی کثرت کو معیار قرار نہیں دیا گیا ہے ۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر ریاکاری و دنیاداری کے لئے اعمال خیر کرنے والا کامیاب قرار دیا جاتا ۔ لیکن یہ انداز قرآنی ہے کہ فرمایا جس کے اعمال وزنی ہوں گے یعنی جو عمل اگرچہ مختصر ہو لیکن رضائے رب کے لئے ہو یعنی اخلاص کے ساتھ ہو تو نگاہ توحید میں وزنی ہے ۔ باطن میں جس قدر اخلاص و محبت الہٰی غالب ہو گی ۔ اسی قدر عمل کا وزن بڑھتا جائے گا کس قدر مختصر عمل تھا خندق کے میدان میں خدا کے ولی کا کہ تلوار کے ساتھ ہاتھ بلند ہوا پھر جھکا اور ایک کافر کی گردن کو کاٹا ۔ لیکن یہ مختصر عمل اخلاص و محبت الہٰی کی بناء پر نگاہ رسالت میں کس قدر وزنی تھا کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ " خندق کے دن علی کی ایک ضربت قیامت تک جن و انس کی عبادت سے افضل ہے (تفسیر کبیر وغیرہ)

لہٰذا جو عمل خیر کیا جائے وہ ریاکاری اور مقاصد دنیا سے پاک ہو بلکہ رضائے رب کے لئے ہو ۔ اخروی مقاصد کے حصول کیلئے ہو تو یقیناً ایسے عمل کا خدا کے ہاں اجر و بدلہ ہو گا ۔

وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ " اور جس کا میزان عمل ہلکا ہو گا اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہو گا ۔"

بارگاہ الہٰی میں اعمال کا وزن یعنی قدر و قیمت اسی وقت ہو گی جب توحید کی ذات اور اس کی تعلیمات پر صحیح ایمان و عقیدہ ہو ۔ لہٰذا وہ لوگ جو خدا کی ذات پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے الکھف ۱۰۵ کا ارشاد ہے ۔ " یہی لوگ کہ جنھوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں سے اور اس کی بارگاہ میں حاضر

ہونے سے انکار کیا تو اُن کا سب کیا کرایا اکارت ہوا۔ تو ہم ان کے لئے بروزِ قیامت میزانِ حساب بھی قائم نہیں کریں گے۔"

اس بناء پر سورۂ قارعہ میں صرف نیک اعمال کے بھاری ہونے یا ہلکا ہونے کا تذکرہ ہے۔ بُرے اعمال کے بھاری یا ہلکا ہونے کا ذکر نہیں۔ کیونکہ بُرے اعمال کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں۔ لہٰذا وزن کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ایسے لوگ کہ جنھوں نے صرف حیاتِ دنیوی کی راحت و آرام کو مقصدِ حیات بنا رکھا ہوگا۔ اللہ کے احکام و رضا کے مقابلے میں اپنے نفس یا اپنے جیسے سرکش انسانوں کی خوشی کو مقدم رکھا ہوگا۔ تو ان کو جو ملنا تھا دنیا میں عطا کر دیا جائے گا۔ اور آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ آخرت کے لئے انھوں نے کوئی عملِ خیر کیا ہی نہیں ہوگا۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہے کہ "جو شخص آخرت کی کھیتی کا طلبگار ہو تو ہم اس کی کھیتی میں اس کے لئے اضافہ کریں گے۔ اور جو دنیاوی کھیتی کا طلبگار ہو تو ہم اسے اسی میں سے دیں گے اور پھر آخرت میں اس کے لئے کچھ حصہ نہیں ہوگا۔" یہ صرف باطل عقیدے کی بناء پر کفار کے ساتھ سلوک ہوگا اور جن لوگوں نے نفس و شیطان کی اطاعت سے رُخ موڑ کر اپنے خالق و مالک و ربِ حقیقی کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا مقصدِ حیات بنایا ہوگا۔ ہر کام میں رضائے رب کو مقدم رکھا ہوگا انھیں کے اعمال وزنی ہوں گے اور انھیں کا ٹھکانہ جنت ہوگی۔

تفسیر درِ منثور میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جب کسی عبد کی موت واقع ہوتی ہے اور اس کی روح ارواحِ مومنین کے پاس پہنچتی ہے تو ارواحِ مومنین دریافت کرتی ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے۔ اگر وہ کہتی ہے کہ وہ مر گیا ہے تو وہ ارواح کہتی ہیں کہ امه هاویه اپنی جگہ ھاویہ کی طرف چلا گیا جو کس قدر برا ٹھکانہ ہے۔"

نیز تفسیر درِ منثور میں ہے کہ برادرانِ ایمان میں سے جب کوئی تین دن تک غائب رہتا تو پیغمبر اکرمؐ اس کے متعلق دریافت فرماتے۔ اگر غائب ہوتا اور کہیں گیا ہوتا تو پیغمبر اکرمؐ اس کے لئے دعائے خیر کرتے اور اگر موجود ہوتا تو پیغمبر اکرمؐ اس کی ملاقات کو جاتے۔ اگر بیمار ہوتا تو عیادت کرتے۔ تو ایک انصاری شخص تین دن تک نہیں آیا تو پیغمبر اکرمؐ نے دریافت فرمایا تو کہا گیا کہ وہ سخت بیمار ہے جو چیز کھاتا ہے یا پیتا ہے دوسری طرف سے نکل جاتی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اس کے پاس گئے اور اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا جو چیز جسم میں جاتی ہے دوسری طرف سے نکل جاتی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی اور آپ نے سورۃ القارعة کی تلاوت کی تو میں نے خدا سے دعا کی کہ اے اللہ اگر میرے گناہ ایسے ہیں کہ آخرت میں تو مجھے عذاب دے تو دنیا ہی میں مجھے عذاب دے دے۔ یہ اس کا نتیجہ ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا تو نے کس قدر برا کلمہ کہا ہے۔ تو نے خدا سے یہ سوال کیوں نہیں کیا کہ وہ تجھے دنیا میں حسنہ عطا کرے اور

آخرت میں بھی حسنہ عطا کرے اور عذاب نار سے نجات دے۔ پھر پیغمبر اکرمؐ نے اُسے اسی طرح دعا کرنے کا حکم دیا۔ اور خود بھی اس کے لئے دعا کی تو وہ اسی وقت صحت یاب ہو کر اٹھ بیٹھا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ "اور تجھے کیا معلوم کہ وہ کیا ہے دہکتی ہوئی آگ ہے"

حامیہ وہ آگ کہ جس کی گرمی و تپش انتہا کو پہنچی ہوئی ہو اور دائم الحرارت ہو۔

حضرت عیسیٰؑ ایک سفر کے دوران ایک برباد اور ویران بستی کے پاس سے گذرے جہاں تمام بستی والوں کو مردہ پایا۔ تو کہا یہ لوگ عذاب کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے کو دفن بھی نہ کر سکے۔ تو حواریوں کی درخواست پر آپ نے ان کو آواز دی تو ایک نے جواب دیا "یا روح اللہ" آپ نے کہا تمہارا یہ انجام کیوں ہوا؟ اس نے کہا ہم صبح کو صحیح و سالم تھے اور شام کو عذاب کا شکار ہو کر جہنم میں ڈال دیئے گئے کہ جس کا نام ھاویہ ہے جہاں آگ کے سمندر اور آگ کے پہاڑ ہیں۔ آپ نے فرمایا تم عذاب کا شکار کس وجہ سے ہوئے؟ اس نے کہا دنیا کی محبت اور اپنے سرکش سرداروں کی اطاعت کی وجہ سے یہ انجام ہوا۔ ہم دنیا سے اس طرح محبت رکھتے تھے کہ جس طرح بچہ ماں سے محبت رکھتا ہے۔ ماں آجائے تو خوش ہو جاتا ہے اور ماں چلی جائے تو رونے لگتا ہے اور خدا کو چھوڑ کر اپنے سرکش بڑوں کی اطاعت کو ہم نے دین بنا رکھا تھا۔ میری باقی قوم کو دوزخ کی لگامیں لگی ہوئی ہیں وہ نہیں بول سکتے اور میرا عذاب ان سے کم ہے کیونکہ میں ان کے ساتھ اس گمراہی میں شریک نہیں تھا لیکن ان کو روکتا نہیں تھا۔ پس ایک بال سے جہنم میں لٹکا ہوا ہوں اور اس خوف میں ہوں کہ ابھی گرتا ہوں تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ایمان کی سلامتی کے ساتھ سوکھی روٹی کھا کر کوڑے کے ڈھیر پر سو جانا اس تنعم سے بہتر ہے کہ جس میں دین کی سلامتی نہ ہو۔ (البرهان، درمنثور)

سورۃ التکاثر (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اَلۡهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾
ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ؕ﴿۵﴾
لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ
یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ﴿۸﴾

سورۃ التکاثر : ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ تم کو کثرت (مال و دولت) کی ہوس نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ آگاہ رہو عنقریب تم جان لوگے۔ پھر آگاہ رہو عنقریب تم جان لوگے آگاہ رہو کاش تم یقینی علم سے جان لیتے۔ تم ضرور جہنم کو دیکھو گے پھر ضرور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔ پھر ضرور تم سے اس روز نعمات کے متعلق پوچھا جائے گا۔

تلاوت : پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا جو سوتے وقت سورۃ التکاثر کو (اخلاص اور ایمان) سے پڑھے گا وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ جو دنیا میں سورۃ التکاثر کے مفہوم کو سمجھ کر تکاثر کی خرابیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے سورۃ تکاثر کی تلاوت کیا کرے گا۔ اس کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ اس پر خدا نے دنیا میں جو انعام کیا ہے اس کے متعلق اس سے حساب و کتاب نہیں لے گا۔ اور اس کی تلاوت پر ہزار آیات کی تلاوت کا اجر عطا کرے گا۔

نزول : ۔ سورۃ التکاثر میں اگرچہ زمانہ جاہلیت کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن تا قیامت ہر اس انسان سے خطاب ہے کہ جو اپنے آغاز و انجام سے غافل ہے اسلام سے قبل قبیلہ بنی سہم اور اولاد عبدالمناف کے درمیان اپنے اپنے افراد کی کثرت پر مفاخرت ہوئی تو اولاد عبدالمناف کی تعداد کو زیادہ دیکھ کر بنو سہم نے کہا مرنے والوں کو بھی شمار کیا جائے۔ اس طرح بنو سہم کی تعداد بڑھ گئی۔ سورۃ تکاثر کے شروع میں

اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کثرت پر فخر کرنے والوں کو ان کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

فخر و بڑائی اور نام و نمود اور عیش و عشرت کے حصول کے لئے دنیا کی اندھی محبت و ہوس تمام اخلاقی و معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے۔ یہی جذبہ جب قومی سطح پر غالب آجاتا ہے تو وہ قومیں ملکی حدود کو وسیع کرنے اور خدا کی مخلوق کو غلام بنانے کے لئے انسانی خون سے ہولی کھیلتی ہیں۔ اسلام انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر دولت و اقتدار کی اندھی محبت اور نام و نمود اور عیش و عشرت کی ہوس کو مذموم قرار دیتا ہے۔ اسلام ایک طرف جائز طریقے سے دولت کے حصول کو مباح قرار دیتا ہے تو دوسری طرف دولت و دنیا کی غلامی کی سخت مذمت کرتا ہے۔ اس لئے کہ فخر و مباہات کے لئے یا نام و نمود کے لئے یا عیش و عشرت کے لئے دنیا طلبی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ میں انسان موت و قبر اور حساب و آخرت سے غافل ہو جانے کے ساتھ انسانیت و اخلاقی حدود کو پامال کر دیتا ہے۔ وہ دنیاوی وقتی عیش و عشرت اور عارضی برتری کے لئے آخرت کی ابدی سعادت و کامرانی کو فراموش کر دیتا ہے۔ اور اپنے اس منعم حقیقی اور خالق و مالک کو بھی بھلا بیٹھتا ہے کہ جس نے اسے اس دنیا میں بھیجا اور جس کے ہاں واپس لوٹ کر جانا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

یایھا الذین اٰمنوا ---------------- اللہ الخ " اے ایمان والو تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جس نے ایسا کیا وہی نقصان میں رہے گا۔"

اور پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں ہوتی ہیں۔ دو ساتھ چھوڑ دیتی ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہے۔ اس کا مال و اولاد ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس کا عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ جب دل و دماغ پر دنیا کی محبت غالب آجاتی ہے تو پھر انسان عیش و عشرت اور فخر و مباہات اور نام و نمود اور غلبہ و اقتدار کے لئے جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں کرتا۔ رشوت ستانی، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، اور دھوکا و فریب غرض ہر غلط طریقہ اختیار کرتا ہے اور پھر اس کے جذبہ ہوا و ہوس کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے " اگر فرزند آدم کے پاس مال و دولت سے بھری ہوئی ایک وادی بھی ہوتی تو بھی کہتا کاش ایک اور وادی ہوتی۔ اور اگر دو ہوتیں تو کہتا کاش ایک اور ہوتی" یعنی کسی منزل پر انسانی ہوس کو قرار نہیں۔ دنیا طلبی کی ہوس اگر قوموں پر غالب آجائے تو معاشرے میں ظلم و فساد و برائی عام ہوتی ہے۔ اور پھر طاقتور قومیں کمزور قوموں پر غلبہ پانے کے لئے ان کے خون سے ہولی کھیلتی ہیں۔ جیسا کہ آج کے دور میں طاقتور اقوام نے انسانیت کا سکون سلب کر لیا ہے اور اپنے انجام سے غافل ہو کر اقوام کے خون سے خدا کی زمین کو سرخ کر رہی ہیں۔ ہاں اگر دنیا طلبی کا مقصد خود کو اور اپنے اہل و عیال کو محتاجی سے بچانا اور انسانیت کی خدمت کرنا ہو تو اسلام اسے عبادت قرار دیتا ہے جیسا کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ مال دنیا حاصل کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن آپ حضرات دنیا کی مذمت کرتے ہیں۔ امام نے فرمایا مالِ دنیا کس مقصد کے لئے چاہتے ہو۔ عرض کیا اس لئے کہ خود اور اپنے اہل و عیال کو محتاجی سے محفوظ رکھ سکوں۔ اور راہِ خدا میں غربا و مساکین کی مدد کر سکوں اور حج و زیارت ادا کر سکوں۔ تو امام نے فرمایا یہ دنیا طلبی نہیں ہے بلکہ آخرت طلبی ہے۔ اسی طرح خدائی انعام و اکرام اور نیک اعمال کا اظہار اس نیت و ارادے سے ہو کہ خدا کے احسان کے اظہار و اعتراف کے ساتھ دوسروں کو خدا کی اطاعت و شکر کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو تو یہ اظہار جائز ہے۔ جیسا کہ خداوند عالم نے اپنے حبیب و رسولؐ سے خطاب کیا " واما بنعمة ربك فحدث "

اور جیسا کہ علامہ فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں اسی سورۃ تکاثر[2] کے ذیل میں لکھا ہے کہ ایک موقع پر جناب عباس بن عبدالمطلب نے فخریہ کہا کہ حجاج کو پانی پلانے کا منصب میرے پاس ہے تو شیبہ نے فخریہ کہا کہ خانہ کعبہ کی چابی میرے پاس ہے تو اس وقت حضرت علیؑ نے کہا کہ جب میں نے کفر کی ناک کو کاٹ کر ناکارہ کردیا تب تم اسلام لائے ۔ یہ بات دونوں پر گراں گذری تو خلاق عالم نے حضرت علیؑ کی تائید میں اس آیت کو نازل کیا " اجعلتم سقایۃ - - - - - - - - - - - امن الخ

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ " یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہونچے "

اس آیت میں ہر انسان کو اس کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے ۔ یعنی دنیاوی عیش و عشرت میں غرق ہونے والو اپنے تاریک و تنگ مقام یعنی قبر کو یاد رکھو کہ جہاں تم نے جانا ہے ۔ اسی لئے ہفتہ میں ایک دفعہ قبرستان جانے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ سابقین کے انجام سے عبرت حاصل کی جاسکے ۔ چنانچہ کتاب احیائے العلوم غزالی میں ابن ابی ملیکہ راوی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " اپنے مردوں کی زیارت کرو اور ان پر سلام کیا کرو ۔ اور ان کے لئے دعا کرو اس سے تم کو عبرت حاصل ہوگی ۔ نیز احیاء العلوم غزالی میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ۔ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا لیکن اب زیادہ کیا کرو کیونکہ قبور کی زیارت دنیا میں انسانی زندگی کو محتاط بناتی ہے اور آخرت یاد دلاتی ہے ۔ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ " جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ اس سے وہاں سے اٹھنے تک انس حاصل کرتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا جو بندہ مومن ہر جمعہ اپنے ماں باپ یا کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور نیک لکھا جاتا ہے ۔ (احیاء العلوم)

اور جناب ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب آدمی کسی جانے پہچانے کی قبر پر سے گذرتا ہے اور سلام کرتا ہے تو مردہ جواب دیتا ہے اور پہچان لیتا ہے اور جب ناواقف کی قبر پر سے گذرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو وہ صرف سلام کا جواب دیتا ہے ۔ (احیاء العلوم)

اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ حضرت فاطمہؑ اپنے چچا جناب حمزہ کی قبر کی زیارت کے لئے ہر چند روز کے بعد جایا کرتی تھیں اور قبر کے پاس نماز پڑھتی تھیں اور رویا کرتی تھیں ۔ (احیاء العلوم غزالی)

اور طبقات بن سعد ج[2] اور سیرت ابن ہشام ج[2] میں ہے کہ آخری ایام میں پیغمبر اکرمؐ بخار کی حالت میں نصف شب کو حضرت علیؑ کے ساتھ بقیع کے قبرستان میں گئے ۔ وہاں پہنچکر فرمایا السلام علیکم " تم پر سلام ہو " یہ مومنین کا وہ گھر ہے کہ جہاں تم وارد ہوچکے ہو اور ہم بھی تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں " اور احیاء العلوم غزالی میں ابن ابی ملیکہ راوی ہیں کہ ایک روز حضرت عائشہؓ قبرستان سے تشریف لائیں تو میں نے کہا آپ کہاں سے آرہی ہیں ۔ کہا اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر سے آرہی ہوں ۔ میں نے کہا کیا پیغمبر اکرمؐ نے قبور کی زیارت سے منع نہیں کیا تھا ۔ تو جناب عائشہؓ نے کہا شروع شروع میں منع کیا تھا پھر اجازت دے دی تھی ۔ ہوسکتا ہے کہ ظہور اسلام کے ابتدائی ایام میں قبور کی زیارت سے منع کیا ہو ۔ کیونکہ اس وقت بے جان بتوں کے پجاری تازہ تازہ اسلام لانے والوں کے لئے خطرہ تھا کہ کہیں وہی جذبہ نہ ابھر آئے ۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے کئی مواقع پر اپنی قبر کی زیارت کی بھی تاکید کی ہے ۔ اور جب حقیقت اسلام دلوں میں راسخ ہوگئی تو عبرت حاصل کرنے کے لئے قبور کی زیارت کی اجازت دے دی ۔ جیسا کہ احیاء العلوم غزالی میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " جس نے مدینے میں میری قبر کی زیارت ثواب سمجھ کر کی

تو بروز قیامت میں اس کا گواہ اور شفاعت کروں گا"

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ "آگاہ رہو عنقریب تم جان لوگے پھر آگاہ رہو عنقریب تم جان لوگے۔" "كَلَّا" تنبیہ کے لئے ہے۔ یہاں کلام کے تکرار کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ تکرار تاکید کے لئے ہے یعنی ضرور تم اپنی بدعملی و غفلت کا انجام دیکھ لوگے"

۲۔ یہ کہ موت کے وقت کہ جب ہر چیز ساتھ چھوڑ جائے گی اور پھر قبر میں پہنچ کر اپنے انجام کو جان لوگے۔

۳۔ اور یہ کہ قبر میں پہنچکر اور پھر میدان حشر میں حساب و کتاب کے وقت اپنی بدعملی و غفلت کا انجام دیکھ لوگے۔

۴۔ اور یا یہ کہ پہلے کلمہ سے کفار کو خطاب ہے کہ خدا کو نہ ماننے یا شرک کرنے کا انجام موت کے بعد جان لیں گے اور دوسرے کلمہ سے غافل مومنین و مسلمین کو خطاب ہے کہ غفلت و بدعملی کا نتیجہ تم بھی موت کے بعد جان لوگے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝ "پھر تم ضرور اسے یقین کی آنکھ سے دیکھوگے۔"

یقین وہ علم ہے کہ جس سے انسان شکوک و شبہات سے نجات پاکر اطمینان حاصل کرتا ہے۔ کسی چیز کے متعلق سن کر یقین کرنا علم الیقین ہے اور دیکھ کر یقین کرنا عین الیقین ہے اور اس میں داخل ہو کر یقین کرنا حق الیقین ہے۔ یعنی دنیا کے پجاری اور فخر و مباہات اور نام و نمود پر مر مٹنے والے اگر اپنے انجام کو علم الیقین کی سطح پر جان لیتے تو کبھی دنیا کے غلام نہ بنتے جبکہ یقیناً وہ اپنی بدعملی اور آخرت سے منہ موڑنے کی بنا پر جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اور اس کا شکار ہوں گے۔

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۝ "پھر تم سے ضرور اس روز نعمات کے متعلق سوال کیا جائے گا۔"

حیات انسانی اور اس کے تمام لوازمات خدا کی نعمات ہیں۔ خود انسانی وجود اور اس کی تمام قوتیں و صلاحیتیں الٰہی نعمات ہیں اور ان تمام نعمات کا فطری حق کہ ان کے لئے خدا کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اور بہترین و صحیح شکریہ یہ ہے کہ ان تمام نعمات کو خدا کی مرضی کے مطابق حدود کے اندر استعمال کیا جائے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

"إِنَّ السَّمْعَ ---------------- مَسْئُولًا" لیکن یہاں کوئی خاص نعمت مراد ہے کہ جس کے متعلق ہر ایک شخص سے سوال کیا جائے گا۔ اگرچہ مفسرین نے اس آیت نعمت سے کئی اشیاء مراد لی ہیں۔ بعض نے سرد پانی بعض نے سایہ دار درخت و مکان اور سایہ دار خیمے مراد لئے ہیں جو سردی و گرمی میں تحفظ دیں۔ بعض نے صحت جسمانی مراد لی ہے۔

علامہ فخرالدین رازی نے اس آیت کے ذیل میں "النعیم" سے متعلق کئی مختلف روایات درج کی ہیں لیکن ایک روایت ایسی تحریر کی ہے کہ جس سے واضح ہے کہ اس "نعیم" سے مراد پیغمبر اکرمؐ کی ذات ہے۔ جابر انصاری حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں آئے امام نے ان سے کہا کہ صاحبان تاویل اس آیت میں "النعیم" سے کیا مراد لیتے ہیں۔ جابر نے کہا وہ کہتے ہیں کہ "النعیم" سے مراد سایہ اور ٹھنڈا پانی ہے۔ امام نے فرمایا اگر تم کسی کو اپنے گھر میں داخل کرو اور اسے سایہ میں بٹھاؤ اور ٹھنڈا پانی پلاؤ تو کیا تم اس پر احسان جتاؤ گے۔ کہا نہیں۔ امام نے فرمایا "خداوند عالم اپنے بندوں

سے برتر و اعلیٰ ہے کہ وہ اپنے بندے کو کھلائے پلائے اور پھر کھانے ، پانی کے متعلق سوال کرے ۔ جابر نے عرض کیا پھر اس کی کیا تاویل و مراد ہے ؟ امام نے فرمایا یہاں " النعیم " سے رسول خدا کی ذات مراد ہے ۔ جن کے ذریعہ خدا نے اس عالم پر انعام و احسان کیا ۔ ان کے ذریعہ سے ان کو گمراہی سے نکالا ۔ کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں پڑھا ۔

وَلَقَدْ - - - - - - - - - - - - - - رَسُولاً " اور یقیناً خدا نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان میں رسول کو مبعوث کیا ۔" ہاں اگر خدا کی دی ہوئی نعمات کہ جو خدا کی نافرمانی میں استعمال کی گئیں تو یقیناً باز پرس ہوگی لیکن جس نعمت کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس سے اصلاً پیغمبر اکرمؐ اور آپ کے اہل بیت مراد ہیں ۔ جیسا کہ ایک موقع پر حضرت امام جعفر صادقؑ نے جناب ابوحنیفہ سے کہا اے نعمان تمہارے نزدیک وہ کونسی نعمت اس " نعیم " سے مراد ہے کہ جس کے متعلق سوال کیا جائے گا ۔ تو جناب ابوحنیفہ نے کہا اس سے مراد کھانا و ٹھنڈا پانی ہے ــــ امام نے فرمایا اگر خدا تمہیں بروز قیامت کھڑا کر کے ہر روز کے کھانے پینے کے متعلق پوچھے تو تمہارا حساب کے لئے ٹھہرنا کتنا طویل ہوگا ۔ امام ابوحنیفہ نے کہا آپ بتائیں کہ اس " نعیم " سے کیا مراد ہے ؟ امام نے فرمایا ہم اہل بیت رسالت (محمد و آل محمد) وہ " النعیم " ہیں کہ ہمارے لئے خدا نے بندوں پر انعام کیا ہے ۔ ہماری وجہ سے اختلافات کے بعد انہیں الفت و محبت ہوئی ۔ ہماری وجہ سے خدا نے ان کے قلوب کے درمیان الفت پیدا کر کے ان کو بھائی بھائی بنا دیا ۔ جب کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔ ہماری وجہ سے خدا نے ان کو اسلام کی ہدایت کی یہی وہ نعمت ہے کہ جو منقطع نہیں ہوگی اور خدا جس نعمت کے متعلق سوال کرے گا وہ نعمت پیغمبر اکرمؐ اور آپ کی عترت و اہل بیت ہیں ۔ ایک اور موقع پر حضرت امام جعفر صادقؑ نے جناب ابوحنیفہ سے کہا مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم اس آیت میں " نعیم " سے اچھا کھانا اور گرمی کے دن سرد پانی مراد لیتے ہو ۔ کہا ہاں ! امام نے فرمایا اگر کوئی شخص تمہیں دعوت دے اور تم کو اچھا کھانا کھلائے اور ٹھنڈا پانی پلائے اور پھر تم پر احسان جتلائے تو اسے کیا کہو گے ۔ کہا بخیل امام نے فرمایا کیا خدا بخل کرتا ہے ۔ نہیں تو پھر نعیم سے کیا مراد ہے ؟ امام نے فرمایا نعیم سے مراد " ہم اہل بیت (یعنی محمدؐ و آل محمدؐ) کی محبت ہے ۔"

عیون اخبار الرضا میں ہے کہ حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا ۔" دنیا میں کوئی نعمت حقیقی نہیں ہے ۔ تو مامون رشید کے دربار میں موجود فقہا نے کہا کہ خدا کا ارشاد ہے " ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ - - - - - - - - نَعِيمْ ۔ یہاں " نعیم " دنیاوی ہے کہ جس کے متعلق باز پرس ہوگی ۔ اور یہ نعمت سرد پانی ہے ۔ امام نے بلند آواز سے فرمایا " تم نے اس طرح سے افترا کیا ہے " تم نے کئی طرح کی نعمات مراد لی ہیں ۔ بعض سرد پانی بعض نے نفیس کھانا اور بعض نے پر لطف نیند مراد لی ہے ۔ اور میرے بابا نے خبر دی ہے کہ تمہارے یہ اقوال میرے دادا امام جعفر صادقؑ کے سامنے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کئے گئے تو وہ غضبناک ہوئے اور کہا خدا نے اپنے بندوں پر جو تفضل و احسان کیا ہے اس کے متعلق وہ اپنے بندوں سے نہیں پوچھے گا ۔ ان کا احسان نہیں جتائے گا انعام کا احسان جتانا مخلوق کے ہاں بھی قبیح ہے تو یہ قباحت خالق کی طرف کیسے منسوب کی جا سکتی ہے جبکہ وہ مخلوق سے اس حرکت پر راضی نہیں ہوتا ۔ لیکن اس نعیم سے ہم اہل بیت کی محبت و ولایت مراد ہے کہ توحید و نبوت کے سوال کے بعد جس کے متعلق خدا سوال کرے گا جب بندہ اسے پورا کرے گا تب خدا اسے ہمیشہ کی نعمات جنت تک

پہنچا دے گا۔ اور میرے بابا نے اپنے آباء کے ذریعہ سے بتایا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "یا علی بندۂ مسلم کی موت کے بعد پہلا سوال ... الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ اور تیرے مومنین کے ولی و سردار ہونے کی گواہی کا سوال ہوگا جس نے اس کا اقرار کیا اور اعتقاد رکھا تو وہ لازوال نعیم تک پہنچ جائے گا۔ اور کنز العمال ج ۷، اور طبرانی کبیر و طبرانی صغیر میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ بروز قیامت جگہ جگہ چار باتوں کا سوال کیا جائے گا۔ عمر کہاں فنا کی جسم کو کس کام میں مبتلا رکھا۔ اور مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ اور ہم اہل بیت (محمدؐ و آل محمدؐ) کی محبت کا سوال کیا جائے گا۔

اور صواعق محرقہ ابن حجر مکی میں اس آیت "وقفوھم انھم مسئولون" اور ان کو ٹھہراؤ کہ یقیناً ان سے کچھ پوچھا جانا ہے۔" کے ذیل میں لکھا ہے کہ جب تمام سوالات کے بعد ایک گروہ کو فرشتے جنت کی طرف لے جا رہے ہوں گے تو ایک آواز آئے گی کہ ان کو ٹھہراؤ ابھی ایک اہم سوال باقی ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ سوال حضرت علیؑ کی محبت و ولایت کے متعلق سوال ہوگا۔ اگر علیؑ سے محبت و ولا رکھتے ہوں گے تب جنت کی طرف جانے دیا جائے گا۔ ورنہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سورۃ العصر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿۲﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

سورۃ العصر: ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے زمانے کی قسم یقیناً انسان خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

شانِ نزول: - علامہ فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں تحریر کیا ہے کہ ابوجہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ کفار مکہ نے پیغمبر اکرمؐ پر ایمان لانے والوں سے کہا کہ تم نے اپنے بزرگوں کے دین کو چھوڑ کر نقصان اٹھایا ہے اور تم خسارے میں ہو اس موقع پر سورۃ العصر کا نزول ہوا۔ جس میں مومنین کی کامیابی اور ابوجہل و ولید اور ان جیسے سرکش و ہم خیال افراد کے خسارے کا اعلان کیا گیا ہے۔

فضائل: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ جو نوافل میں سورۃ العصر پڑھا کرے گا تو بروز قیامت اس کا چہرہ نورانی ہوگا۔ اور مسرور و شادمان خنکی چشم کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ اور فرمایا کہ اگر نماز عشاء کے بعد لکھ کر کوئی اپنے پاس رکھے اور حاکم کے پاس جائے تو امان ہوگی۔ اگر کسی مدفون چیز پر اسے پڑھا جائے تو وہ محفوظ رہے گی۔ اگر بخار والے پر العصر کو پڑھا جائے تو آرام ملے گا۔ اور جو سورۃ العصر کو بکثرت پڑھتا ہے اس کا خاتمہ صبر پر ہوگا۔ اور بروز قیامت اصحاب حق میں اس کا شمار ہوگا۔

"وَالْعَصْرِ" قسم ہے زمانے کی۔ (و) کے معنی قسم کے ہیں اور قسم میں دو باتیں خصوصاً مقصود ہوتی ہیں (۱) قسم کے ذریعہ مخاطب کے ذہن میں یقین محکم پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی عظمت و محبوبیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ کبھی محبوب سے منسوب شے کی قسم کھا کر محبوب کی انتہائی قربت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ کبھی اپنے سے عظیم ذات کی قسم کھاتے ہیں لیکن خداوند عالم تمام کائنات کا خالق و مالک ہے وہ

maablib.org

جس ذات کی یا جس شئے کی قسم کھاتا ہے اس سے اس شئے وذات کو عظمت عطا کرنا اور خدا سے اس کی قربت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

"العصر" "زمانہ" مفسرین نے العصر کے کئی معنی تحریر کئے ہیں (۱) نماز عصر کا وقت (۲) مطلق زمانہ (۳) مخصوص زمانہ (۴) زمانۂ رسولؐ (۵) امام مہدیؑ کے ظہور کا زمانہ۔ لیکن سورۃ العصر کے نزول سے واضح ہے کہ یہاں "العصر" سے مراد خاص زمانہ ہے۔ یا مطلق زمانہ مراد ہے۔ کیونکہ حیاتِ انسانی وعمل انسانی کا تعلق زمانے ہی سے ہے اور زمانہ ابتدائے عالم سے عجائب وغرائب والقلابات پر مشتمل ہے۔ یا کوئی خاص زمانہ مراد ہے کہ جس میں کوئی خاص عمل وصورت واقع ہوئی ہو۔ دونوں صورتوں میں زمانہ ظرف ہے اور انسان مظروف ہے کہ جسے انقلاباتِ زمانہ سے سابقہ رہتا ہے۔ سختی ونرمی صحت ومرض، امیری وغریبی وغیرہ حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ظرف کی اہمیت مظروف کی اہمیت سے وابستہ ہے جیسا کہ خلاق عالم نے شہر مکہ کی قسم کھائی ہے کہ جس کے گلی کوچوں میں خدا کا حبیب چلتا پھرتا تھا اسی بناء پر بعض مفسرین نے یہاں "العصر" "زمانہ" سے پیغمبر اکرمؐ کا زمانہ مراد لیا ہے یعنی خلاق عالم نے جس طرح پیغمبر اکرمؐ کی وجہ سے آپکے شہر مکہ کی قسم کھائی ہے اور آپ کی حیاتِ طیبہ کی بھی قسم کھائی ہے اسی طرح آپکے زمانے کی بھی قسم کھائی ہے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کا زمانہ تمام ازمنہ سے حضور اکرمؐ کی وجہ سے افضل واشرف ہے۔ جب یہ بات واضح ہے کہ زمانے کا شرف وفضل زمانے والوں سے وابستہ ہے اور اہل زمانہ کی دو قسمیں ہیں مطیع وعاصی ـــ لہٰذا سب سے افضل زمانہ وہ ہوگا کہ جس میں اطاعت گذار ونیک بندوں کی اکثریت ہو۔ اور جس میں نیک اور اطاعت گذار بندوں کی اتنی کثرت ہو جائے کہ ویسی کثرت کسی دوسرے زمانے میں کبھی نہ ہوئی ہو۔ تو یقیناً وہ زمانہ تمام ازمنہ سے افضل واشرف ہوگا ایسا زمانہ کہ جس میں طاعت ونیکی کی کثرت ہوگی۔ یقیناً وہ زمانہ ظلم وجور سے پاک ہوگا۔ اسی زمانے کی پیغمبر اکرمؐ کا یہ ارشاد وضاحت کرتا ہے۔ جیسے تمام علماءِ اسلام نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔ "جب مہدیؑ آخر الزماں کا ظہور ہوگا تو وہ زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔"

پیغمبر اسلام کے کمالات کے آخری وارث ونائب امام مہدیؑ کا جب ظہور ہوگا تو آپ ظلم وکفر کو ختم کریں گے حضرت عیسیٰؑ نازل ہو کر صحن کعبہ میں آپ کی بیعت کریں گے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور اس کے بعد زمین پر صرف دین اسلام ہوگا۔ یقیناً وہ زمانہ تمام ازمنہ سے افضل ہے۔ اسی بناء پر آئمہ اہل بیت کے نزدیک "العصر" "زمانہ" سے مراد امام مہدیؑ کے ظہور کا زمانہ ہے۔ اور چونکہ قرآن حکیم معجزہ ہے اس کی ہر آیت معجزہ ہے لہٰذا ہر آیت کئی کئی معانی ومطالب پر محیط ہے۔ لہٰذا "العصر" زمانہ ہے اگر مطلق زمانہ مراد لیا جائے تو اس کی طرف اشارہ ہے کہ اے انسان جس طرح زمانہ ووقت مسلسل زوال پذیر ہے۔ تجھے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا ہے۔ ہر لمحہ مسلسل تیری حیات کو کم کر کے تجھے زوال سے قریب کر رہا ہے۔ جیسا کہ باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ انسان کا ہر سانس موت کی طرف ایک قدم ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ "یقیناً انسان خسارے میں ہے"۔ یہاں "الانسان" سے نزول کے لحاظ سے ابوجہل و ولید ابن مغیرہ وغیرہ مراد ہیں لیکن مفہوم کے لحاظ سے ہر وہ انسان مراد ہے جو ابوجہل و ولید کی طرح سرکش و نادان ہوگا چنانچہ تفسیر در منثور ج ۶ میں جناب عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سورۃ العصر میں "الانسان" سے ابوجہل و ولید ابن مغیرہ مراد ہے۔ جہاں تک خسارے کا تعلق ہے تو اس کی کئی اقسام ہیں۔ اگر خسارے سے ایمان نہ لانے کی صورت میں آخرت کی ابدی تباہی مراد ہو تو اس خسارے میں ابوجہل و ولید کی طرح ہر انسان ایک ساتھ ہوں گے۔ اگر خسارے سے مراد زندگی کا مسلسل کم ہونا مراد لیا جائے تو اس خسارے کا ہر انسان شکار ہے۔ لیکن مقصد حیات حاصل کرنے والے کے لئے زندگی کا مسلسل کم ہونا خسارہ نہیں ہے کیونکہ زندگی کا ہر لمحہ اسے موت کے بعد اجر و ثواب کے حصول کے قریب کر رہا ہے مختصر زندگی کا ہر لمحہ اسے ابدی راحت کی زندگی کے قریب کر رہا ہے۔ لہٰذا مومن کے لئے زندگی کا کم ہونا خسارہ نہیں بلکہ اجر و ثواب حاصل کرنے یعنی ایمان و عمل کا پھل حاصل کرنے کے قریب ہونا اجر کا باعث ہے۔ اسی بنا پر ایمان مجسم نفس رسول حضرت علی علیہ السلام کے سر اقدس پر جب ضرب لگی تھی تو فرمایا تھا "کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہوگیا"۔ یہ کامیابی دنیاوی زندگی کو رضاء رب کے مطابق بسر کرنے کے بعد رضاء الٰہی حاصل کر لینے کا اعلان تھا۔ ابدی کامیاب زندگی کا اعلان تھا۔ اس لئے کہ انسان کا رأس المال اس کی زندگی ہے۔ یہی اس کا اصلی سرمایہ ہے جو مسلسل ہر لمحہ خرچ ہو کر کم ہو رہا ہے، لہٰذا اگر اس فانی و مختصر زندگی کے بدلے میں ابدی راحت و آرام کی زندگی حاصل ہو جائے تو خسارہ نہیں ہے لیکن اگر دنیاوی زندگی کے مسلسل نقصان کے ساتھ آخرت کی ابدی زندگی بھی سزا و عذاب کی ہو جائے گی تو یہ حقیقی خسارہ ہے، اسی بناء پر پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ بروز قیامت قدم قدم پر ہر شخص سے چار سوالات کئے جائیں گے۔ (۱) اپنی عمر کس کام میں فنا کر دی (۲) اپنی جوانی کو کس کام میں مبتلا کیا (۳) اور مال کہاں سے حاصل کیا تھا اور (۴) اسے کہاں خرچ کیا؟ اور ہم اہل بیت کی محبت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(کنز العمال ج ۷ - طبرانی کبیر و اوسط)

غرض انسان کو ابدی خسارے سے نجات دلانے اور دنیاوی زندگی میں ذہنی سکون عطا کرنے کے لئے سورہ العصر میں چار اصول بیان کئے گئے ہیں (۱) اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا "مگر وہ لوگ جو ایمان لائے"۔ (ایمان وہ باطنی یقینی کیفیت و اعتقاد کا نام ہے کہ جس میں جہل و شک نہ ہو۔ اگر کسی باطل نظریے پر یقین ہو کر جو واقع کے مطابق نہیں ہے تو یہ یقین و عقیدہ جہل مرکب کہلاتا ہے۔ اور اگر واقع کے مطابق حقائق پر اعتقاد و یقین ہو تو ایمان کہلاتا، ایمان کے کئی حقائق پر اعتقاد سے تکمیل ہوتی ہے (۱) خدا کے وجود اور وحدانیت کے اعتقاد کے ساتھ اس کو صفات کاملہ سے متصف مان کر عبادت کے لائق صرف اسی کو ماننا۔ (۲) اس کے ہر حکم و فیصلے کو مطابق عدل ماننا۔ عباد کے لئے اس کا ہر حکم و فیصلہ عدل پر مبنی ہے۔ (۳) اس کے انبیاء و کتب پر اعتقاد رکھنا (۴) پیغمبر خاتم کے بعد امت کو گمراہی سے محفوظ رکھنے اور دین الٰہی کی حفاظت اور احکام الٰہی و آیات الٰہی کی تشریحات و تاویلات کے لئے وارثانِ علوم رسالت آ(ئمہ)

اہلبیت پر اعتقاد رکھنا۔ کیونکہ گمراہی اور اختلاف و افتراق سے محفوظ رہنے کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے بار بار انہی کے دامن سے متمسک رہنے کی تاکید کی ہے۔ (۵) اس دنیا کے خاتمہ پر یقین رکھتے ہوئے روز قیامت پر یقین رکھنا کہ جس روز ہر انسان کو اپنے اعمال کے حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور حساب و کتاب کے بعد اعمال کے مطابق جنت و جہنم کا مستحق ہوگا۔ اس طرح ایمان ان پانچ باتوں پر اعتقاد سے مکمل ہوتا ہے۔

دوسرا اصول " وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ " "اور انھوں نے اعمال صالح ادا کئے" جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح ایمان اور عقیدہ کی پہچان اور اظہار عمل سے ہوتا ہے۔ ہر عمل اعتقاد کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی ایمان اصل ہے اور عمل فرع ہے۔ یا ایمان بیج ہے کہ جو قلب انسانی کی زمین میں پوشیدہ ہوتا ہے اور عمل اس کا نتیجہ و ثمر ہے اسی بنا پر ایمان کے ساتھ نتیجہ ایمان یعنی عمل ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کا حکم دیا گیا ہے اور یہاں "عملوا الصالحت" میں تمام نیک اعمال شامل ہے۔

تیسرا اصول " وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ " اور انھوں نے ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی" عمل صالح صرف ذات تک محدود نہیں بلکہ عمل صالح کا دائرہ وسیع ہے جو پورے انسانی معاشرے کو محیط ہے۔ اصلاح کا دائرہ اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ معاشرے تک منتہی ہوتا ہے۔ اہل خانہ سے بڑھ کر پورے معاشرے کو محیط ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے "تم میں سے ہر ایک نگراں ہے۔ اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق بازپرس ہوگی"۔ لہٰذا حق و صداقت کو معاشرہ میں عام کرنے کے لئے خود بھی عمل کیا جائے اور دوسرے برادران ایمانی کو بھی حق و صداقت کی بطریق احسن تلقین کی جائے۔ اس طرح معاشرے میں نیکی و ہمدردی عام ہوگی۔ اسی لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنے کے فریضے کو ہر مسلم پر اس کی منزلت کے لحاظ سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس فریضہ کو ادا نہ کرنے کی بنا پر گذشتہ کئی اقوام عذاب الٰہی کا شکار ہوئی ہیں۔ چنانچہ جناب شعیبؑ کی طرف خداوند عالم نے وحی کی تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ افراد پر عذاب نازل کرنے والا ہوں۔ جن میں چالیس ہزار اچھے اور ساٹھ ہزار برے ہیں۔ جناب شعیبؑ نے عرض کیا "پالنے والے نیکوں پر عذاب کیوں؟ خدا نے فرمایا " نیک افراد پر عذاب اس لئے آئے گا کہ وہ معصیت اور نافرمانی دیکھ کر میرے لئے غضبناک نہیں ہوتے۔ اور برے افراد کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ یعنی ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے۔

چوتھا اصول : " وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ " " اور انھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی"۔ یعنی حق کی پیروی و حمایت کرنے میں جو تکالیف پیش آئیں اور جو نقصانات اٹھانا پڑیں ان میں صبر و استقامت سے کام لے کر دوسروں کو بھی ایسے مواقع پر صبر و استقامت کی تلقین کرکے غم کی تخفیف کریں اور راہ حق میں تکالیف برداشت کرنے پر جو اجر ملتا ہے اس کی طرف ایک دوسرے کو متوجہ کریں۔

یہ چار اصول مقصد حیات کی تکمیل اور انسانی کامیابی کے لئے قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں۔ ان کو اپنانے

سے دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا میں ذہنی و فکری سکون اور آخرت میں ابدی راحت نصیب ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس دنیا کی مختصر زندگی میں دولت و اقتدار حاصل کرلینے کو کامیابی نہیں قرار دیا ہے بلکہ کامیاب زندگی وہ ہے کہ جس کے بدلے میں آخرت کی ابدی زندگی میں راحت و آرام حاصل ہو جائے اور وہ ابدی زندگی ان اصولوں کو اپنانے سے حاصل ہوتی ہے جو سورۃ العصر میں بیان کئے گئے ہیں = نقصان و خسارے کے مدارج ہیں۔ ایمان و اعتقاد کی پہلی منزل نقصان کے ایک درجے سے نجات ہے اور جو جتنا ایمان میں کامل ہوگا اتنا ہی وہ اعتقادی خسارے سے محفوظ ہوگا۔ اور جو جتنا عمل میں کامل ہوگا اتنا ہی عملی نقصان و خسارے سے محفوظ ہوگا۔ لہٰذا جو ایمان و اعتقاد میں اس بلند مقام پر فائز ہو کہ اس کے ایمان و یقین کی منزل یہ ہو کہ یہ کہتا ہوا نظر آئے "اگر میری (علیؑ کی) نگاہوں کے آگے سے حجابات اٹھا دیئے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا اور اس کا عمل اتنا بلند ہو کہ غزوہ خندق میں کفر کے مقابلے میں اس کی ایک ضربت جن و انس کی عبادت سے افضل ہو جائے۔ (تفسیر کبیر) تو اس کے کمال و عظمت کو کون پا سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے دامن میں کسی حیثیت سے خسارے کا دخل نہیں ہے۔ اسی بنا پر علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور ج۶ میں سورۃ العصر کی اس آیت إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا الخ "مگر وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں" کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہاں "آمنوا" سے مراد حضرت علیؑ ابن ابی طالب اور سلمان فارسی ہیں۔

سورۂ ھمزہ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢
يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝٣ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۝٤
وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝٦ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى
الْاَفْـِٕدَةِ ۝٧ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩

ترجمہ:۔ تباہی ہے ہر عیب لگانے والے طعنے دینے والے کیلئے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گنتا رہا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہر گز نہیں۔ وہ تو ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا۔ اور تجھے کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے۔ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔
جو دلوں پر چھا جائے گی۔ یقیناً وہ لوگ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دیئے جائیں گے۔

فضیلت:۔ ایمان و عقیدت اور اخلاص سے سورہ ھمزہ کی تلاوت کرنیوالے کیلئے پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ "جس نے اس سورہ کی تلاوت کی تو محمدؐ اور ان کے اصحاب سے استہزا کرنیوالوں کی تعداد کے دس گنا حسنات خدا اسے عطا کرے گا۔"

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "جس نے سورہ ھمزہ کی فرائض نمازوں میں تلاوت کی اس سے فقر و احتیاج دور رہے گا اور اسکی روزی میں اضافہ ہوگا اور بری موت سے محفوظ رہے گا۔ منہج ابن بابویہ
اس سورہ کو لکھکر آنکھ جکی درد کر رہی ہو اپنے پاس رکھے انشاء اللہ درد سے افاقہ ہوگا۔

نزول ـــــ تفسیر مجمع البیان و تفسیر ابو الفتوح رازی اور تفسیر فخر الدین رازی وغیرہ میں ہے کہ اخنس بن شریق ثقفی۔ و امیہ ابن خلف۔ و ولید ابن مغیرہ وغیرہ کیلئے یہ سورہ نازل ہوا ہے اور قیامت تک انکی طرح کے افراد بھی شامل ہیں جو مال دنیا کے پجاری اور عذاب آخرت سے غافل ہیں
ولید ابن مغیرہ اور اسکے ساتھی پیغمبر اکرمؐ سے بدکلامی اور طعن و تشنیع کرتے اور عیاب میں عیب جوئی کرتے تو خلاق عالم نے اپنے حبیب کیطرف سے خود جواب دیتے ہوئے گستاخان رسول کو دردناک عذاب کی وعید دی ہے۔

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝١ "تباہی" ہے ہر عیب لگانے والے طعنے دینے والے کیلئے "

ویل غضب و ناراضگی کے اظہار پر اور غم و اضطراب کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے معنی تباہی و بربادی کے بھی ہے اور اخروی ہلاکت کے بھی ہیں۔
عقائد باطلہ پر بھی ویل ہے اور اعمال سیئہ پر بھی ویل ہے انفرادی برائی پر بھی ویل ہے اور اجتماعی برائی پر قوموں کے لئے بھی ویل ہے۔
همزة لمزة ـــــ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں جو کثرت کو واضح کرتے ہیں۔
همزة ۔ یعنی غیاب میں برائی کرنیوالا و عیب لگانے والا، بہت غیبت کرنے والا۔
اور لمزہ ۔ سخت عیب جو یعنی سامنے طعنہ دینے والا برائی کرنے والا زبان سے یا اشارے سے۔
یعنی وہ شخص جو لوگوں کی عیب جوئی و بدگوئی کرے اور دوسروں کا مذاق اڑاتے ہوئے طعنہ زنی کرے اور غیاب میں یا سامنے زبان سے یا اشارے سے عیب لگائے۔

ارشاد ربانی ہے (لا تلمزوا)

آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کے (برے) القاب نہ رکھو۔"
اور پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے کیا تم کو نیک و نیک ترین لوگوں سے آگاہ کروں۔ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں پیغمبر نے فرمایا وہ کہ جن کو جب دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے۔ پھر فرمایا کیا تمکو بدترین لوگوں سے آگاہ کروں کہا گیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا جو کسی کے عیب کی جستجو میں ہو اور دو دوستوں کے درمیان جدائی ڈال دے اور بےگناہوں کے عیوب کی تلاش میں ہو۔
امام جعفر صادقؑ سے سلیمان نے اس آیت (ویل لکل همزة لمزة۔ الخ) کے معنی دریافت کئے تو آپ نے فرمایا "یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے آل محمدؐ کیساتھ تمسخر کیا و زبان درازی کی اور مقام اہلبیت پر قابض ہو گئے کہ جو انکا حق نہیں تھا اور عترت رسول کے اموال کو غصب کیا۔" تفسیر جامع

الَّذِيۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۝٣ جس نے مال جمع کیا اور اسے گنتا رہا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اسے زندہ رکھے گا۔

مال گن گن کے جمع رکھتے ہیں اور شب و روز دنیا ہی کے حساب و کتاب میں مصروف رہتے ہیں روزانہ کے مادی نفع و نقصان کا حساب و شمار رکھتے ہیں لیکن روزانہ آخرت کے نفع و نقصان کا کبھی حساب و خیال نہیں رکھتے اس امتحان کی دنیا میں مال و دولت کے ذریعہ بھی انسانوں کی بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ مال و دولت کے آنے کے بعد خوف خدا کا ہونا اور آخرت کے حساب و کتاب کا خیال اور دماغ و مزاج کا درست

رہنا بڑی سعادتمندی ہے لیکن عموماً مال و دولت کی فراوانی سے مزاج بگڑ جاتا ہے اطوار بدل جاتے ہیں اور دوست و احباب و سوسائٹی بدل جاتی ہے اور خوف خدا و عذاب آخرت کا احساس رفع ہو جاتا ہے لیکن انسانیت و شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ مال و دولت کی فراوانی سے منعم حقیقی کی اطاعت و شکریے میں قولاً و عملاً اضافہ ہو جانا چاہیئے لیکن عموماً اس کے خلاف ہوتا ہے اور ہمہ وقت مال دنیا ہی کی فکر دامنگیر رہتی ہے اور دنیا ہی کو مقصد حیات بنالیا جاتا ہے ایسے ہی لوگ فخر و غرور کی بنا پر غربا کی تحقیر اور دوسروں کی عیب جوئی اور تذلیل سے بھی برتری کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے حریص و پجاری یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا ان کو دنیا میں ہمیشہ کیلئے بقا عطا کرے گی اور موت سے بچا لیگی۔ ایسا ہرگز نہیں۔ نہ ہی دنیا رہنے والی ہے نہ ہی دنیا والے۔ سورۂ ھمزہ کی ابتدائی آیات میں اگرچہ کفار مکہ سے بعض دنیا پرست سرکش افراد کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن اصولی طور پر قیامت تک دنیا کے پجاری افراد کی حالت بیان کرکے ان کو ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مال و دولت کی کثرت و محبت کی بنا پر بقا نہیں حاصل ہوتی بلکہ علم و ایمان اور عمل صالح اور مال کو راہ خدا میں صرف کرنے سے ذکر خیر کے ساتھ نام باقی رہتا ہے اور آخرت میں جنت کی حقیقی حیات دائمی حاصل ہوتی ہے برخلاف ان بدکاروں و دنیا پرستوں کے جن کو دنیا میں بدنامی اور آخرت میں عذاب جہنم حاصل ہوگا کہ جس دوزخ میں نہ مریں گے نہ جئیں گے۔
جیساکہ سورہ اعلیٰ میں ارشاد ربانی ہے (لا یموت فیھا ولا یحیی
امیرالمومنین کا ارشاد ہے (مالدار زندگی میں مردہ ہیں اور علما ہمیشہ باقی ہیں جب تک کہ دنیا باقی ہے)

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝

ہرگز نہیں۔ وہ ضرور حطمہ میں پھینکا جائے گا۔ اور تجھے کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے،،

نَبَذَ حقارت سے پھینک دینا اور حطمہ ریزہ ریزہ کر دینے والی توڑ پھوڑ دینے والی۔
یعنی دنیا کے پجاری اور انسانیت دشمن اور اپنے خالق و رب سے باغی افراد کو ذلت و حقارت سے ایسی آگ میں پھینکدیا جائے گا کہ جو ریزہ ریزہ کر دینے والی ہے اور پھر متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ ریزہ ریزہ کر دینے والی کیا ہے۔ یقیناً انسانی عقل موت کے بعد نہ ہی اخروی نعمات کا مکمل تصور و اندازہ کرسکتی ہے اور نہ ہی عذاب کا تصور و اندازہ کرسکتی ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ۝

اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر چھا جائے گی۔

دنیا کے پجاری خدائی سرکش و باغیوں کے لئے یہ خاص آگ ہوگی کہ جسے خود خدا نے اپنی قدرت سے روشن کیا ہے۔ یہ آگ انسان کے جسم و قلب دونوں کو جلائے گی۔ کیونکہ جسطرح دنیا کا پجاری دولت و اقتدار کے نشے میں مست طعن و تشنیع و توہین سے لوگوں کے دلوں کو اذیت دیتا تھا ان سے طمانیت سلب کرتا تھا اسی طرح یہ آگ بھی اسکے باطن و قلب کو جلائے گی۔
دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے مختلف ہے دنیا کی آگ صرف جلاتی ہے اور ظاہر سے باطن کی طرف جلاتی ہے اور آخرت کی آگ قلوب و بواطن کو جلائے گی اور باطن سے ظاہر کی طرف بھی جلائے گی کیونکہ قلوب ہی عقائد باطلہ و صفات رزیلہ کا مرکز اور مال دنیا کی محبت کی جگہ ہے اور اس آگ کی دوسری خصوصیت یہ ہوگی کہ جسے جلائے گی اسکی باطنی خباثت و نجاست کی مقدار کے مطابق جلائے گی جس کا باطن جسقدر خبیث و غلیظ ہوگا اسی قدر اسکی حرارت بھی سخت ہوگی

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ وہ لوگ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں بند کر دیئے جائیں گے۔

موصدۃ - یعنی انکو ڈھانپی ہوئی ہوگی جس سے ان کے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا وہ ان کے لئے دائمی قید خانہ ہوگی۔
فی عمد ممددہ - لمبے لمبے ستونوں - یعنی آگ کے یا غیر مرئی شعاعوں کے ستون ہوں گے۔
ایکس ریز - یہ شعاعیں مادی اجسام کی باطنی کیفیات و حالات کو ظاہر کر دیتی ہیں۔ قرآن حکیم کا فرمان ہے کہ خدا کے غضب کی آگ ان کے دلوں تک پہونچ جائے گی یعنی خدا کی جلائی ہوئی آگ ان کے باطنی عقائد و بری صفات کو ظاہر کر دے گی۔ جس طرح یہ دنیاوی آگ کی حرارت جلاتی ہے اسکی روشنی سے اشیاء ظاہر و محسوس ہوتی ہیں۔ اسی طرح اخروی آگ جلائے گی بھی اور انسان کی باطنی کیفیات و بری صفات کو ظاہر کر دے گی۔

سورۃ الفیل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝١ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ
فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝٢ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝٣ تَرْمِيْهِمْ
بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝٥

سورۃ الفیل : ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیا کیا ہاتھی والوں کے ساتھ
کیا اس نے ان کی تدبیر کو بیکار نہیں کر دیا۔ اور اس نے ان پر ابابیل پرندے
بھیجے جو ان کو مٹی کے سخت سنگریزے مارتے تھے۔ تو ان کو کھائے ہوئے
بھوسے کی مانند کر دیا۔

تلاوت کا ثواب پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " جو سورۃ فیل کی تلاوت کیا کرے گا خدا اسے زمین میں دھنسنے اور آسمانی آفت کے گرنے اور مسخ ہونے سے دنیا میں محفوظ رکھے گا۔ (ابو الفتوح رازی)

نزول جس سال پیغمبر اکرمؐ کی ولادت ہوئی اسی سال پیغمبر اکرمؐ کی ولادت سے چند ماہ پہلے یمنی لشکر نے ابرہہ کی قیادت میں خانہ کعبہ کو تباہ و برباد کرنے کے لئے مکہ کا رخ کیا۔ جسے خلاق عالم نے اپنے گھر کی عزت وعظمت کی حفاظت اور دعاء ابراہیمی کی قبولیت وصداقت کی بنا پر معمولی پرندوں کے ذریعے تباہ کر دیا۔ اور یہ واضح کر دیا کہ خدا جب چاہتا ہے شیطانی و مادی عظیم طاقتوں کو معمولی مخلوق کے ذریعے تباہ و برباد کر دیا کرتا ہے۔

اس سورۃ میں خانہ کعبہ کی عظمت اور وجود کو ختم کرنے کے لئے آنے والے لشکر کی تباہی کے انجام کو بیان کر کے قوم عرب اور خصوصاً قریش اور اہل مکہ کو متوجہ کیا گیا ہے۔ کہ جس گھر کی عزت و برکت اور وجود کی وجہ سے تمہاری عزت وعظمت محفوظ رہی۔ اسی گھر کے رب و مالک کی بندگی کرو۔ اور اب اسی گھر کے مالک و رب کا نمائندہ تمہارے پاس آنے والا ہے۔ لہٰذا اس کی تکذیب نہ کرنا۔ اس کی تعظیم اور اطاعت سے تمہاری عزت وعظمت اور وقار بڑھ جائے گا۔

دنیاء عرب میں خانہ کعبہ کا وجود اور اس کی عزت وعظمت اور مرکزیت و مرجعیت کی بنا پر ہزاروں، لاکھوں

افراد کا ہر طرف سے اس کی زیارت کے لئے آنا۔ دنیاءِ یہودیت و عیسائیت کے لئے کسی طرح برداشت کے قابل نہیں تھا اور ادھر جب ظہورِ اسلام سے قبل ایران کی ساسانی حکومت نے بلادِ مشرق سے رومی، عیسائی حکومت کے لئے تجارت کے تمام راستے بند کر دیے تھے جس کی بنا پر ایران کی تجارت بلادِ مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعہ ہو رہی تھی۔ لہٰذا یمنی عیسائی حکومت جہاں خانہ کعبہ کی عزت و عظمت اور مرکزیت کو ختم کرنا چاہتی تھی وہاں اس تجارت پر بھی قبضہ کرنا چاہتی تھی کہ جو عربوں کے ذریعہ ہو رہی تھی جس کے لئے وہ کسی بہانے کی فکر میں تھی۔ چنانچہ یمن کے حکمران ابرھہ نے بادشاہِ حبشہ کے ایماء پر ساحلِ سمندر پر ایک عظیم الشان کنیسہ بنوایا اور اسے ہر طرح کی زیبائش سے آراستہ کیا تاکہ لوگوں کو اس کی زیارت کی طرف متوجہ کیا جا سکے۔ لیکن بسیار کوشش کے باوجود وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ادھر کچھ عرب تاجر یمن گئے اور اسی چرچ میں قیام کیا اور ضروریات کے لئے آگ روشن کی لیکن جب وہاں سے روانہ ہوئے تو آگ کو ویسے ہی جلتا چھوڑ گئے۔ ان کے جانے کے بعد آگ بھڑک اٹھی جس سے چرچ کی بہت سی اشیاء جل گئیں اور چرچ کو بھی نقصان پہنچا۔ جب ابرہہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اسے خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کا بہانہ مل گیا تو اس نے خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کی قسم کھائی۔ ساٹھ ہزار کے لشکر کے ساتھ مکے کی جانب روانہ ہوا۔ اور آگے آگے تیرہ ہاتھیوں کا دستہ چل رہا تھا۔ راستے میں جس نے مزاحمت کی اسے شکست دیتا ہوا مکے سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ سردارِ مکہ جناب عبدالمطلب کو جب اطلاع ہوئی تو ابرہہ کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم حجاز کے مال کی تہائی تمہیں دیتے ہیں واپس چلے جاؤ۔ لیکن وہ نہ مانا اور اپنے سپاہیوں کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ اس کے سپاہی جناب عبدالمطلب کے دو سو اونٹ پکڑ لائے جناب عبدالمطلب کو اطلاع ہوئی تو وہ اپنے اونٹ لینے کے لئے ابرہہ کے پاس گئے۔ ابرہہ کو جب بتایا گیا کہ سردارِ مکہ آیا ہے تو اس نے عزت و تکریم کے ساتھ اپنی مسند پر بٹھا کر آنے کا سبب پوچھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ جناب عبدالمطلب اپنے اونٹ لینے آئے ہیں تو اس نے حیرت سے کہا کہ میں آپ کے مذہبی گھر کو گرانے آیا ہوں اس کے لئے آپ نے کچھ نہیں کہا۔ حالانکہ اسی گھر کی وجہ سے آپ کو اور آپ کے آباؤ اجداد کو عزت و شرف حاصل ہوا ہے۔ تو جناب عبدالمطلب نے کمال اطمینان سے کہا "انا ربّ البیت و للبیت ربّ سیمنعہ" میں اونٹوں کا میں مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہی تجھے اس سے روکے گا (تفسیر کبیر رازی)

ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے لیکن جناب عبدالمطلب نے مکے واپس آ کر اہلِ مکہ سے کہا کہ شہر کو خالی کر کے اہل و عیال کو لے کر مختلف پہاڑوں پر چلے جائیں۔

ادھر اہلِ مکہ نے شہر کو خالی کیا تو جناب عبدالمطلب نے خانہ کعبہ کی چوکھٹ کو پکڑ کر یہ دعا کی۔

"اللهم انّ المرء یمنع حلّه فامنع حلالك ٥ وانصر علیٰ آل الصلیب وعابدیه الیوم ٥ لا یغلبنّ صلیبهم ومحالهم غدا محالك ٥ ان کنت تارکهم و کعبتنا فامر ما بدا لك ٥ یارب لا ارجو لهم سواك ٥ فامنع عنهم حماكا ٥ انّ عدوّ البیت من عاداكا ٥ فامنعهم ان یخربوا قراكا ٥ (تفسیر کبیر)

تفسیر کبیر رازی۔ تفسیر مظہری۔ تفسیر درِ منثور) خدایا ہر بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما

آج آل صلیب اور اس کے پرستاروں کے مقابلے میں صرف اپنے گھر کے خدمت گذاروں کی مدد فرما۔ ٥ کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب نہ آنے پائے ٥ اگر تو ان کو اور ہمارے کعبہ کو اپنے حال پر چھوڑنا چاہتا ہے تو تو جو چاہے کر ٥ اے میرے رب تیرے سوا ان کے مقابلے میں کسی سے بھی امید نہیں رکھتا ٥ اے میرے رب ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما ٥ اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے ٥ اپنی بستی کو تباہ کرنے سے ان کو روک دے ٥

جناب عبدالمطلب کی یہ دعا ان کے توحید پر ایمان و عقیدے کے کمال کو ظاہر کرتی ہے اُن کو اپنی دعا کی قبولیت اور خدا کی ذات پر اپنے ایمان و یقین پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس دعا کے بعد اپنے بیٹے جناب عبداللہؑ کو بھیجا کہ کوہ ابو قبیس پر چڑھ کر خدا کی نصرت و مدد کو دیکھیں۔ جب جناب عبداللہؑ نے کوہ ابو قبیس پر جا کر سمندر کی طرف دیکھا تو پرندوں کے غول کے غول بادل کی طرح فضا میں نمودار ہوتے دکھائی دیئے تو جناب عبدالمطلب کو اطلاع دی۔ جناب عبدالمطلب نے پرندوں کو دیکھ کر کہا بخدا یہ عجیب پرندے ہیں۔ وہ پرندے ابو قبیس پہاڑ پر آکر اترے پھر اڑ کر خانہ کعبہ کے سات چکر لگا کر صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ پھر ابرہہ کے لشکر کا رخ کیا۔ ادھر ابرہہ نے خوف کی حالت میں اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھنا چاہا لیکن اس کے ہاتھی آگے بڑھنے سے رک گئے۔ بڑا ہاتھی جس کا نام محمود تھا جب اسے واپس موڑتے دوڑ پڑتا لیکن جب آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہرگز آگے نہ بڑھتا۔ اور اس کے پیچھے دوسرے ہاتھی بھی آگے نہ بڑھتے۔ یہاں تک کہ محمود ہاتھی کو مار مار کر زخمی کر دیا گیا لیکن وہ آگے نہ بڑھا۔ کیونکہ جب جناب عبدالمطلب ابرہہ کے ہاں سے واپس لوٹے تھے تو واپس ہوتے ہوئے محمود ہاتھی کے کان میں کہہ دیا تھا کہ یہ تجھے خدا کا گھر گرانے لے جا رہے ہیں۔ کیا آگے جاؤ گے تو ہاتھی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ غرض ابرہہ کے لشکر نے جیسے ہی آگے بڑھنا چاہا تو وہ پرندے ان کے سروں کے اوپر پہنچ گئے اور ان خدائی بمباروں نے ان پر کنکر برسانے شروع کئے۔ ہر پرندہ تین کنکر اٹھائے تھا۔ دو پنجوں میں اور ایک چونچ میں اور ہر کنکر پر ابرہہ کے ایک ایک سپاہی کا نام و ولدیت کے ساتھ لکھا تھا۔ ہر پرندہ تین سپاہیوں پر کنکر گرا کر ہلاک کر رہا تھا کہ جس کے نام کے کنکر اس کے پاس تھے۔ اور تھوڑی دیر میں ابرہہ کا لشکر تباہ ہو گیا۔ لیکن ایک سپاہی اپنی سواری پر سوار واپس بھاگا اور ایک پرندہ بھی اڑتے ہوئے اس کے ساتھ رہا۔ جب وہ سپاہی نجاشی کے دربار میں پہنچا اور پرندوں کے ذریعہ لشکر کی تباہی کی خبر دی تو فضا میں اس پرندے پر نظر پڑی تو دیکھ کر کہا وہ یہ پرندے تھے تو فوراً اس پرندے نے اس پر ایک کنکر گرا کر اسے ہلاک کر دیا۔ اور ابرہہ کی ہلاکت اس کے جسم کے اعضا کٹ کٹ کر گرنے اور پھٹ جانے سے ہوئی۔ (کبیر رازی۔ در منثور۔ وغیرہ)

سُوْرَۃُ القریش (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝۱ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝۲

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ۝۳ الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ

وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

سورۃ القریش : ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ۔
قریش مانوس و عادی ہو گئے (یعنی) سردی و گرمی کے سفر سے مانوس ہو گئے۔
تو انھیں چاہیئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں ۔ جس نے ان کو
بھوک میں کھانے کو دیا ۔ اور خوف سے ان کو امن عطا کیا ۔

نزول سورہ قریش مکہ میں نازل ہوا ۔ پیغمبر اسلام نے اسلامی دعوت کا آغاز اپنے قبیلہ قریش سے کیا ۔ اس لئے سورۃ میں خصوصاً ان سے مخاطب ہو کر نعمات الٰہی یاد دلا کر توحید کی عبادت کی طرف دعوت دی گئی ۔

ثواب پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " اگر اس سورہ کو کھانے پر پڑھا جائے تو اس کا ضرر ختم ہو جائے گا ۔ اور وہ باعث شفا ہوگا"۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا " اگر اس سورہ کو پانی پر پڑھ کر مریض پر وہ پانی چھڑکا جائے تو اسے صحت حاصل ہوگی ۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝۱ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝۲ ، قریش مانوس و عادی ہو گئے یعنی جاڑے و گرمی کے سفر سے مانوس ہو گئے ۔" قریش پہلے سرزمین حجاز میں منتشر اور بکھرے ہوئے تھے سب سے پہلے جناب قصیؑ نے قریش کو حرمِ الٰہی کے پاس جمع کیا ۔ جس کی بنا پر قصیؑ کا لقب قریش قرار پایا کیونکہ تقرش کے معنی جمع کرنے کے ہیں ۔

بیت اللہ کی قربت و خدمت کی وجہ سے قریش کو دعاءِ خلیل کی بنا پر دو باتیں حاصل تھیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے کہ " اے میرے پالنے والے اس شہر کو امن و امان کا شہر قرار دے اور اس کے رہنے والوں میں سے جس سے خدا اور روز آخرت پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کے پھلوں کی روزی عطا فرما ۔" (۱۲۶)

دعائے خلیل کی وجہ سے بیت اللہ کے قرب و سائے میں رہنے والے قریش کو رزق اور امن و امان کی نعمت سے خلاق عالم نے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ عرب کی سرزمین کہ جہاں لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم تھا۔ کوئی قافلہ بحفاظت سفر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن قریش کو خانۂ خدا کی قربت اور خدمت کی بناء پر یہ عزت و شرف حاصل تھا کہ ان کے قافلے گرمیوں میں شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف بحفاظت سفر کرتے اور قرب و جوار کے قبائل و حکمران خانہ کعبہ کی قربت و خدمت کی بناء پر ان کی تعظیم و تکریم کرتے۔ اور ان کو اہل اللہ کہتے —— اس طرح تجارتی قافلوں کے ذریعہ غربت و افلاس سے نجات اور حصول رزق اور امن و حفاظت دونوں نعمات قریش کو حاصل تھیں۔ نیز امن و امان کی نعمت اصحاب فیل کے واقعہ سے واضح ہے تجارتی قافلوں کے ذریعہ غربت و افلاس سے نجات اور حصول رزق کی تنظیم و تدبیر کا شرف خلاق عالم نے جناب ہاشم کو عطا کیا۔

جناب ہاشم ایک موقع پر بزمانہ قحط شام کے تجارتی سفر میں صاف گیہوں کی بڑی بڑی بوریاں بھر کر لائے اور اونٹ ذبح کرائے اور ان کا گوشت پکوا کر اس میں روٹیاں ملا کر تمام اہل مکہ کو کھلایا اور بڑے بڑے برتنوں میں کھانا اور اناج بھر بھر کر تمام اہل مکہ کو دیا۔ جس سے قریش خوش حال ہو گئے۔ جناب ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قریش میں غربت اور فقر و فاقہ سے نجات کے لئے زمانہ جاہلیت میں ایک بڑی رسم (اعتفاد) رائج تھی یعنی جب کسی خاندان کا مال و متاع اور خوراک ختم ہو جاتی اور کھانے کے لئے کچھ باقی نہ رہتا تو وہ لوگ گھر بار چھوڑ کر باہر دور میدانوں کی طرف چلے جاتے اور بھوک سے نڈھال ہو کر اپنے اوپر خیمہ ڈال دیتے جس کے نیچے موت کو گلے لگا لیتے اور دوسرے لوگوں کو ان کی مصیبت و پریشانی کی خبر تک نہ ہوتی۔

جناب ہاشم نے جب ہوش سنبھالا اور ان کی عظمت و سرداری مسلّم ہو گئی تو ایک روز ان کے بیٹے اسد کے دوست بنی مخزوم کے ایک لڑکے نے بھوک کی شکایت کی تو اسد نے گھر جا کر روتے ہوئے اپنی ماں سے اس کا ذکر کیا تو آٹا و خوراک اس بچے کے گھر بھیجی گئی۔ چند روز کے بعد پھر اس بچے نے اسد سے بھوک کی شکایت کی تو پھر اناج و خوراک اس کے گھر بھیجی گئی۔ لیکن اس کی اطلاع جناب ہاشم کو ہوئی تو آپ نے قریش کو جمع کیا اور فصیح و بلیغ خطبہ دیتے ہوئے کہا "اے قریش تم اچھی طرح جان لو کہ وہ لوگ دوسروں پر غالب آ سکتے ہیں جن کی تعداد زیادہ ہو اور تم مال کے لحاظ سے اور تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہو مگر دیکھ رہا ہوں کہ تم خود کو ہلاک کر دینے کی رسم (اعتفاد) سے کم ہوتے جا رہے ہو۔ حالانکہ تم حرم الٰہی کے اہل اور اولاد آدم کے اشراف ہو۔ دوسرے لوگ تمہارے تابع ہیں۔ لہٰذا اس پر غور و فکر کر کے میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ قریش نے کہا یقیناً بہتر اور ہم سب کی بھلائی کے لئے ہوگی اور ہم سب آپ کے تابع ہیں آپ کے خلاف نہیں کر سکتے۔ جناب ہاشم نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگوں میں جو غریب نادار ہیں ان کو مالدار اور خوش حال لوگوں کے ساتھ ملا دوں اور وہ اس طرح کہ ایک مالدار کو راضی کر کے اس کے ساتھ ایک غریب کو ملا دوں کہ جس کے عیال اسی قدر ہوں جس قدر مالدار کے ہوں اور یہ غریب اس مالدار کی مدد

ان تجارتی سفروں میں کرے۔ جو وہ گرمیوں میں شام کی طرف اور سردیوں میں یمن کی طرف کرتے ہیں۔ اس طرح مالدار کے مال میں جو نفع و زیادتی ہوگی اس میں اس غریب کے عیال بھی مالدار کے سائے میں آرام سے زندگی بسر کر سکیں گے اور یہی طریقہ تم سے ہلاکت (اعتفاد) کی رسم ختم کر دے گا۔ یہ تدبیر سن کر سب نے کہا آپ نے بہت اچھی تدبیر سوچی ہے۔ چنانچہ جناب ہاشم کی اس تدبیر پر عمل کرنے سے قریش سے خود کو ہلاک کرنے کی رسم ختم ہوگئی اور انھیں افلاس سے نجات بھی حاصل ہوئی۔ جناب ہاشم کی تجویز سے یمن و شام کی طرف قریش کے قافلوں کے پرامن سفر کا تذکرہ سورہ قریش میں کیا گیا ہے کہ جہاں تجارت سے رزق حاصل ہوتا وہاں بیت اللہ کی قربت و حرمت کی وجہ سے قریش کے تجارتی قافلے امن و حفاظت سے سفر کرتے — جب قریش کی مالی حالت بہتر ہوگئی تو حج کے موسم میں قریش کو جمع کرکے جناب ہاشم نے خطاب کرتے ہوئے کہا "اے گروہ قریش تم لوگ اللہ کے پڑوسی ہو۔ اس موسم میں تمہارے پاس اللہ کے زائر آتے ہیں جو اس گھر کی حرمت و عظمت کی بنا پر تم سے تعظیم سے پیش آتے ہیں۔ وہ اللہ کے مہمان ہیں۔ سب سے بہتر اور شایانِ شان تکریم وہی ہے جو اللہ کے مہمان کی ہو۔ اور اللہ نے انھی خدمت و نعمت کو تم سے مخصوص کیا ہے۔ یہ کرامت تم کو عطا کی ہے اور ایک ہمسایہ اپنے ہمسائے کا جتنا لحاظ رکھتا ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تمہارا پاس و لحاظ کرتا ہے۔ لہٰذا تم بھی اس کے زائروں کی نگہداشت و خدمت کی رعایت رکھو کہ جن کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں اور جو بے سازو سامان ہونے کے ساتھ چلتے چلتے تھک گئے ہیں اور ان کے جسم سے بو آنے لگی ہے۔ اور کپڑوں میں جوئیں پڑ گئی ہیں توشۂ زاد ختم ہو چکا ہے۔ تم ان کی ضیافت کرو اور ان کو کھانا کھلاؤ، پانی پلاؤ" — (طبقات ابن سعد)

دعائے خلیل اور خانہ کعبہ کی قربت کی وجہ سے آج تک اہل مکہ ہی نہیں بلکہ پوری قوم حجاز رزق کی دولت سے مالا مال ہے۔ جناب ہاشم نے قریش کے تجارتی قافلوں کی جو تنظیم کی تھی اور مالداروں کے ساتھ غرباء کو جس طرح شریک کرکے ان کی غربت و افلاس اور پریشانی کا خاتمہ کر دیا تھا اس کی نظیر ظہور اسلام کے بعد پیغمبر اسلام کی مدنی زندگی میں نظر آتی ہے کہ جب مکے سے مسلمان اپنا گھر بار اور مال و متاع چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت کر رہے تھے اور مدینے پہونچکر جہاں ان کو وطن اور اہل و عیال کی پریشانی لاحق تھی وہاں غربت و افلاس کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ چنانچہ پیغمبر اسلامؐ نے مہاجرین و انصار کو بھائی بھائی بنا کر ملا دیا۔ اس طرح جہاں مہاجرین کی پریشانیوں کا خاتمہ ہوا وہاں ان کے افلاس کا بھی مداوا ہوگیا۔ چنانچہ انصار نے اپنے ایمانی بھائیوں کو اپنے اموال و جائیداد اور تجارت میں شریک کرکے ان کے دکھ درد اور افلاس کا ازالہ کر دیا۔

تفسیر درمنثور، تفسیر مظہری، مستدرک حاکم، سنن بیہقی، معجم طبرانی صغیر، تاریخ ابن عساکر اور تاریخ بغداد میں ہے کہ جناب زبیر بن عوام راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "خدا نے قریش کو سات باتوں سے فضیلت عطا کی ہے دس سال تک قریش نے خدا کی عبادت کی۔ ہاتھیوں کے لشکر کے خلاف قریش کی مدد کی گئی۔ ان کے نام کا سورۂ قریش

نازل ہوا۔ خلافت و امانت قریش میں قرار دی گئی۔ کعبہ کی خدمت و تولیت ان کے ذمہ قرار دی۔ حجاج کو پانی پلانے کی خدمت ان کے سپرد کی اور نبوت انہی قریش میں قرار دی۔ (تفسیر مظہری)، اور تفسیر ابو الفتح رازی میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "خداوند عالم نے نسل اسمٰعیل سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب کیا۔ اور میں اپنی ذات اور ماں باپ کے لحاظ سے ان سب سے افضل ہوں۔"

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۝۳ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

"تو انہیں چاہیئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن عطا کیا۔"

قریش کو خانہ کعبہ کے ذریعے حاصل شدہ عزت و عظمت کو یاد دلا کر متوجہ کیا گیا ہے کہ جس گھر کی طرف سے یہ شرف تمہیں حاصل ہوا ہے اور پھر ابرہہ کے لشکر کو تباہ کر کے بھی اس گھر کو بچانے کے ساتھ قریش کی عزت کو بھی بڑھا دیا گیا ہے کیونکہ کعبہ کی تباہی سے قریش کی عزت و عظمت خاک میں مل جاتی۔ لہٰذا جب اس گھر کی بدولت تمہیں یہ تمام نعمات حاصل ہیں تو تمہیں چاہیئے کہ اس گھر کے مالک و رب کی عبادت کرو۔ اس کا شکریہ ادا کرو کہ جس نے تمہیں رزق کی فراوانی اور امن و حفاظت کے ساتھ عزت و عظمت کی نعمات سے نوازا ہے۔

سورۃ الفیل اور سورہ قریش کو علماءِ اسلام نے ایک شمار کیا ہے۔ اس لئے نماز میں جہاں ایک سورہ پڑھا جائے وہاں دوسرا پڑھنا ضروری ہے۔ اور علامہ فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں تحریر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز مغرب کی پہلی رکعت میں سورہ والتین پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۃ الفیل اور سورۃ القریش کو ایک ساتھ ایک دفعہ بسم اللہ کے ساتھ پڑھا۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿١﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿٢﴾
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿٤﴾
الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿٥﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿٦﴾
وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿٧﴾

سورۃ الماعون: ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جو سزا و جزا کے دن کو جھٹلاتا ہے۔ تو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ پس ہلاکت ہے ایسے نماز پڑھنے والوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور عام استعمال کی چیزیں مانگے نہیں دیتے۔

بسم اللہ کے علاوہ اس سورۃ کی سات آیات ہیں۔ پہلی تین آیات مکی اور بعد کی آیات مدنی ہیں

فضیلت پیغمبر اکرم ؐ نے فرمایا کہ اس سورۃ کی تلاوت کرنے والے کے گناہوں کو خدا بخش دے گا۔ بشرطیکہ زکوٰۃ و خیرات ادا کرے اور جو شخص نماز صبح کے بعد ایک سو مرتبہ اسے پڑھے گا وہ آئندہ صبح تک خدا کی حفاظت و امان میں رہے گا۔

امام محمد باقر ؑ نے فرمایا کہ "جو شخص اس سورۃ کو فرائض و نوافل میں پڑھے گا۔ اس کی نماز اور روزے مقبول ہونگے۔ اور بروز قیامت حساب سے محفوظ رہے گا"۔

امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا کہ "جو اس سورۃ کو ۴۱ مرتبہ پڑھے تو وہ اور اس کی اولاد محتاج نہیں ہونگے" اور تلاوت سے قبل دس مرتبہ درود پڑھنا چاہیئے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ﴿١﴾ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ﴿٢﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣﴾

"کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جو جزاو سزا کو جھٹلاتا ہے۔ تو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا"

سورۃ کا آغاز اظہار تعجب سے ہے۔ خلاق عالم نے اپنے حبیب کو ایسے سرکش و غافل افراد کی طرف متوجہ کیا ہے کہ جو اس مادی و فانی حیات ہی پر یقین رکھنے کی بنا پر اور روزِ جزا یعنی جزاو سزا پر یقین نہ رکھتے ہوئے زبان و عمل سے روزِ جزا کی تکذیب و نفی کرنے سے اپنے دل کو بہلا تے ہیں۔ یقیناً ایسے انسان مخلوق خدا پر شفقت کرنے اور انسانی ہمدردی کے جذبے سے عاری ہوتے ہیں۔ اسی لئے نہ کسی غریب و مظلوم کی غربت و بیکسی ان کے دلوں کو متاثر کرتی ہے اور نہ ہی کسی یتیم کی فریاد کا ان پر اثر ہوتا ہے۔ اپنے انجام سے غافل ایسے انسان نہ ہی خود کبھی غربا و یتامیٰ پر کچھ خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو اس عمل خیر کی ترغیب دیتے ہیں۔ اسی طرح کے کچھ افراد کفار مکہ میں بھی تھے کہ جن کی طرف اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ رازی تفسیر کبیر میں اس سورۃ کی ان ابتدائی آیات کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ ابن جریج نے کہا ہے کہ ابو سفیان ہفتے میں اونٹ نحر کرتا۔ اگر کوئی یتیم آکر اس سے گوشت کا سوال کرتا تو عصا سے اسے مار بھگاتا۔ ان ابتدائی آیات میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور ماوردی نے کہا ہے کہ سورۂ ماعون کی ان ابتدائی آیات میں ابو جہل کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ ابو جہل ایک یتیم بچے کے مال کا وصی تھا۔ اور اسے مال دینے پر تیار نہ تھا۔ ایک روز وہ بچہ لباس سے عاری اس کے پاس آیا اور اپنے مال سے کچھ طلب کیا تو ابو جہل نے اسے جھڑک کر خالی لوٹا دیا۔ تو اکابر قریش نے اس بچے کو طنزاً کہا کہ محمدؐ کے پاس جاکر شکایت کرو۔ تو اس نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی حالت زار بیان کی۔ پیغمبر اکرمؐ اسے لے کر ابو جہل کے پاس آئے اور اس سے کہا اس کا مال لوٹا دو۔ تو اس نے بلا تامل اس کا مال لوٹا دیا۔ جب قریش نے پوچھا تو کہا کہ محمدؐ کے دائیں و بائیں دو حضرات حربہ لئے تھے جن کو دیکھ کر میں ڈر گیا کہ مجھے زخمی کر دینگے۔ بہر حال قیامت تک ہر ابو جہل کی صفات رکھنے والے افراد سے یہ آیات متعلق ہیں۔

اس سورۃ کی شروع کی آیات میں مخلوق کے حق کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام مخلوق عیال اللہ ہے اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہی شخص ہے جو اس کے عیال پر زیادہ مہربان ہو۔ اور توحید پر اور روزِ جزا پر صدقِ نیت سے ایمان و یقین سے بے غرض فیاضی اور مساکین و یتامیٰ اور خلق خدا کی مدد کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے جو کہ انسانی شرافت و عظمت کا معیار ہونے کے ساتھ روزِ جزا عظیم اجر و ثواب کا استحقاق پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک موقع پر اپنے ہاتھ کی دو انگلیاں ملا کر دکھاتے ہوئے فرمایا کہ "میں اور یتیم کی تربیت کرنے والا و کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ہونگے"۔ اور دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا "سب سے اچھا گھر وہ ہے کہ جہاں کسی یتیم کی تربیت کی جائے اور سب سے برا وہ گھر ہے جہاں کسی یتیم کی توہین و تذلیل کی جائے"۔ جب ایک عام یتیم کی تربیت و کفالت کرنے والے کو پیغمبر اکرمؐ نے جنت کی بشارت دی ہے تو جس نے در یتیم پیغمبر اکرمؐ کی بچپن میں تربیت کی ہو اور پروان چڑھایا ہو وہ کس قدر عظیم انسان ہوگا۔ (اور وہ حضرت ابو طالب کی ذاتِ گرامی ہے)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝

پس ہلاکت ہے ایسے نماز پڑھنے والوں کے لئے کہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں ۔ جو دکھاوا کرتے ہیں ۔

ان آیات میں زمانہ رسالت کے منافقین کی حالت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ دفع ضرر و طلب منفعت کے لئے ظاہراً دکھاوے کے لئے احکام اسلام بجالاتے ہیں ۔ سب کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں لیکن جب خلوت میں ہوئے تو نہ ہی نماز پڑھتے اور نہ ہی دیگر احکام الہٰی کی پرواہ کرتے ۔ کیونکہ ثواب و عقاب یعنی روز جزا پر ان کا اعتقاد و ایمان نہیں تھا ۔ لہٰذا ان کا ہر عمل ریا کاری و طلب دنیا کے لئے تھا ۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں خلاق عالم کا ارشاد ہے ۔ " بے شک منافقین (اپنے خیال میں) خدا کو فریب دیتے ہیں ۔ حالانکہ وہ ان کے فریب کو باطل کرنے والا ہے ۔ اور یہ لوگ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو (بددلی سے) سستی سے کھڑے ہوتے ہیں اور صرف لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں الخ سورۂ توبہ میں ارشاد ربانی ہے کہ (اور وہ (منافقین) نماز ادا نہیں کرتے مگر کسالت و بددلی سے اور (خدا کی راہ میں) (۵۴) خرچ نہیں کرتے مگر بددلی و ناپسندیدگی سے ۔" (۵۴) یعنی یہ منافقین افعال و حرکات نماز تو ادا کرتے ہیں لیکن ان کے قلوب ان عبادات پر راضی نہیں ہیں ان کا ہر عمل ریا کاری کا ہے ۔ نماز بھی دکھاوے کے لئے پڑھ کر شرک فی العبادۃ کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ الکہف میں خلاق عالم کا ارشاد ہے " جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے ۔" کیونکہ تمام عبادات اور خصوصاً نماز میں خلاق عالم کی خالقیت و مالکیت اور ربوبیت کا اعتراف اور اس کی نعمات کے شکر کے ساتھ عبد کی عبدیت کا اقرار ہے ۔ لہٰذا اس فریضہ الہٰی کو اس کے وقت کے اندر رغبت و رھبت اور اخلاص سے ادا کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ سے عن صلاتھم ساھون کے متعلق دریافت کیا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا " یہ وہ لوگ ہیں کہ جو نماز کو اس کے وقت سے موخر کرتے ہیں ۔" (در منثور)

اور امیر المومنینؑ نے اپنے اصحاب کو جو چار سو ابواب تعلیم کئے ان میں فرمایا " نماز سے بڑھ کر خدا کو کوئی عمل زیادہ محبوب نہیں ۔ لہٰذا امور دنیا کی کوئی چیز تمہیں نماز کو اس کے اوقات کے اندر پڑھنے سے غافل و مصروف نہ کردے کیونکہ خدا نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے کہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں ۔ یعنی نماز کو اس کے اوقات میں ادا نہ کرکے اس کی تحقیر کرتے ہیں ۔" (نور الثقلین) غفلت و سستی کی وجہ سے نماز کے اوقات سے لاپرواہی تارک الصلوٰۃ بھی بنا سکتی ہے ۔ اسی بناء پر امام جعفر صادقؑ سے جب اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا " اس (ساھون) سے ترک صلوٰۃ مراد ہے ۔

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ : " اور عام استعمال کی معمولی اشیا مانگے نہیں دیتے ۔"

جب جزا و سزا پر ایمان نہ ہو تو انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی رخصت ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا ایسا انسان اگر عام استعمال کی معمولی اشیاء بھی کسی ضرورت مند کو روک دے تو تعجب نہیں ۔

"الماعون" عام استعمال کی چیزیں" حضرت علیؑ نے جب پیغمبر اکرمؐ سے الماعون کا مفہوم دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ عام استعمال کے قابل اشیا پتھر، لوہا، پانی وغیرہ ۔ (درمنثور)

اس سے مراد زکوٰۃ، خیرات بھی ہے کہ جسے محتاجوں سے روکا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اس سے مراد فریضۂ زکوٰۃ ہے ۔

ابوبصیرؒ نے حضرت صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ الماعون سے مراد قرض بھی ہے اور گھر کا عام استعمال کا سامان بھی مراد ہے جو عاریتاً دیا جائے ۔ ابوبصیر نے عرض کیا کہ ہمارا پڑوسی ہے کہ جب بھی اسے کوئی چیز عاریتاً دی جاتی ہے وہ اسے فاسد و خراب کرکے لوٹاتا ہے۔ جبکہ منع کرنا گناہ ہے ۔ امام نے فرمایا " ایسے شخص کو منع کرنا گناہ نہیں ہے ۔ (نورالثقلین)

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ جس نے عام استعمال کی معمولی اشیاء کو اپنے پڑوسی سے روکا تو بروز قیامت خدا اس سے اپنی بھلائی کو روک لے گا اور اسے اپنے نفس کے سپرد کردے گا اور جسے خدا اس کے نفس پر سپرد کرکے چھوڑ دے گا تو اس سے برا حال کسی کا نہیں ہوگا۔" نور۔

سورۃ الکوثر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿٢﴾ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿٣﴾

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یقیناً ہم نے تجھے خیر کثیر عطا کی تو اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی دو۔ یقینا تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان ہے

نزول : سورۃ الکوثر کے نزول سے ایک ہی مفہوم کی کئی روایات مفسرین نے تحریر کی ہیں۔ تمام مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ صحن کعبہ سے نکل رہے تھے عاص بن وائل سہمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ سے کچھ گفتگو کی اور پھر خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے سردارانِ قریش کے پاس گیا۔ انھوں نے کہا تم کس سے باتیں کررہے تھے۔ اس نے کہا اس ابتر (لاولد) سے باتیں کررہا تھا۔ تو خداوند عالم نے سورۂ کوثر کو نازل کیا۔ دیگر روایات میں ابوجہل، ابولہب عقبہ بن معیط وغیرہ کے نام ہیں کہ یہ حضور اکرمؐ کو ابتر (لاولد) کہتے تھے۔ مکہ میں پیغمبر اکرمؐ کے فرزند عبداللہ کا انتقال ہوا تو کفار مکہ نے آپ کو ابتر کہنا شروع کردیا۔ تو خدا نے ان کے جواب میں سورۃ الکوثر نازل فرمایا۔ جس میں حضورؐ کی نسل کی کثرت اور آپ کے ذکرِ خیر کے عام ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔

فضائل : حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جو (اخلاص وایمان سے) فرائض ونوافل میں سورۃ الکوثر کی تلاوت کرے گا تو خداوند عالم بروز قیامت اسے کوثر سے سیراب کرے گا۔ وہ شجر طوبیٰ کے پاس پیغمبر اکرمؐ کی قربت میں ہوگا۔ اور جو شخص شب جمعہ سونے سے قبل (اخلاص وایمان سے) سو مرتبہ سورۂ کوثر کو پڑھے تو انشاء اللہ خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگی۔

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ یقیناً ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔ "إِنَّا" یقیناً ہم" أَعْطَيْنَا "ہم نے عطا کیا" كَ "تجھے" إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ "یقیناً ہم نے تجھے عطا کیا"

اعطینا فعل ماضی ہے جس سے یہ بات واضح ہے کہ خداوند عالم نے جس انعام واکرام کا اس سورہ میں ذکر کیا ہے وہ زمانہ ماضی ہی اس نے اپنے حبیب کو عطا کر دیا ہے۔ اے حبیب زمانہ ماضی سے یعنی ہمیشہ سے تم ہمارے محبوب ہو اور پہلے ہی سے ہم نے سب کچھ تمہیں عطا کر دیا ہے۔ نبوت وعبدیت اور علم وعصمت غرض تمام کمالات پہلے ہی عطا کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم کا ارشاد ہے "میں اس وقت نبی تھا جب آدم کا جسم مٹی و پانی میں منتشر تھا۔" (تفسیر کبیر)

"أَعْطَيْنَا" فعل ماضی ہے جس سے یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ انعام واکرام اطاعت کے بدلے میں نہیں ہے اگر "اعطینا" کے ساتھ "الرسول" یا "النبی" یا "المطیع" کا لفظ ہوتا تو اس سے یہ بات واضح ہوتی کہ یہ انعام واکرام نبوت ورسالت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن جب کسی منصب کا ذکر کئے بغیر فرمایا "ہم نے تجھے کوثر عطا کیا" تو واضح ہوا کہ یہ انعام واکرام صرف خدا کی مشیت واختیار سے اس کا فضل واحسان ہے۔

"اعطاء اور ایتاءً میں فرق" دونوں کے معنی عطا کرنے کے ہیں لیکن "ایتا" عام ہے یعنی واجب عطاء اور تفضل واحسان کی عطاء دونوں کو شامل ہے۔ لیکن "اعطاء" کے معنی صرف تفضل واحسان سے عطا کرنا ہے یعنی اے حبیبؐ یہ خیراۃ کثیرہ نبوت ورسالت وغیرہ صرف ہمارا تفضل واحسان ہے۔ اور کریم کے تفضل واحسان میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر صرف استحقاق کی بناء پر تفضل ہو تو استحقاق کی مقدار کے برابر عطاء وتفضل واحسان ہوگا۔ اور عبد کی طاعت فعل متناہی ومحدود ہے تو اس کا استحقاق بھی متناہی ومحدود ہوگا — اور خدا کے کرم کا نتیجہ تفضل واحسان ہے اور خدا کا کرم غیر متناہی ہے تو اس کا تفضل واحسان بھی غیر متناہی ہوگا یعنی مسلسل ہوگا۔ لہٰذا "اعطینٰکَ" ہم نے تجھے عطا کیا" فرما کر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ تفضل واحسان دائمی رہے گا اور ہمیشہ اس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

اعطاء قلیل وکثیر دونوں کے لئے ہے جیسا کہ کلام الٰہی میں ارشاد ہے کہ اعطیٰ قلیلاً واکدیٰ۔ اور اس نے (راہ خدا میں) تھوڑا دیا۔ اور پھر بند کر دیا = اور "ایتا" عظیم شئے کے لئے خصوصیت سے آتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے "واتیناہ ملکا عظیما" ہم نے اسے ملک عظیم عطا کیا" لہٰذا "اعطینٰکَ" سے پیغمبر کی عظمت کو اسطرح واضح کیا گیا ہے کہ اے حبیب یہ حوض کوثر و دیگر نعمات آپ کے بلند درجات کی نسبت حقیر وقلیل تحفے ہیں۔

الکوثر: "نسل کی کثرت۔ حوض کوثر، خیر کثیر" کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس کے معنی کثرت کے ہیں۔ جو شئے مقدار میں اور قدر وقیمت میں زیادہ ہوتی ہے عرب اسے کوثر کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی

کی اعجازی شان ہے کہ اس کی ہر آیت میں کثیر مطالب و مفاہیم پنہاں ہیں۔ لہٰذا الکوثر کا لفظ بھی کئی معانی و مطالب پر محیط ہے لیکن اکثر روایات میں "الکوثر" سے مراد نسل کی کثرت اور حوضِ کوثر کو بیان کیا گیا ہے یعنی دنیا و آخرت کی تمام خیرات سے خداوند عالم نے اپنے حبیبؐ کو نوازا ہے۔ دنیا میں کتاب و شریعت عطا کی اور آخرت میں شفاعت عطا کی۔ دنیا میں آپ کا ذکرِ خیر بکثرت پھیلے گا اور آپ کی نسل بھی بکثرت پھیلے گی تو آخرت میں حوضِ کوثر اور نہر کوثر کے مالک بھی آپ ہونگے "الکوثر" سے تین اہم معنیٰ مراد لئے گئے ہیں۔

"ا۔ الکوثر: نسل کی کثرت" سورۃ الکوثر کے شان نزول سے یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے فرزند عبداللہ اور قاسم کی وفات پر کفار مکہ نے آپ کو لاولد یعنی بے نام و نشان رہنے کا طعنہ دیا۔ کیونکہ نسل کا سلسلہ بیٹے سے قائم رہتا ہے تو خداوند عالم نے سورہ کوثر میں پیغمبر اکرمؐ کی نسل کی کثرت کا اظہار کیا۔ پیغمبر اکرمؐ کی نسل کا سلسلہ آپ کی اکلوتی بیٹی صدیقہ کبریٰ حضرت فاطمۃ الزہراؑ سے جاری ہے اور نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کے موقع پر خداوند عالم نے آیۂ مباہلہ میں جناب فاطمہؑ کے بیٹے امام حسنؑ و امام حسینؑ کو پیغمبر اکرمؐ کا فرزند قرار دیا ہے اور جیسا کہ کفایت الطالب میں ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا بروز قیامت ہر نسبی و سببی رشتہ ٹوٹ جائے گا سوائے میرے نسبی و سببی رشتے کے۔ اور ہر بیٹی کی اولاد کا سلسلہ نسب اس کے باپ کی طرف سے ہوتا ہے سوائے اولاد فاطمہؑ کے کیونکہ اولاد فاطمہ کا میں باپ ہوں اور ان کا سلسلۂ نسب میں ہوں۔ (مستدرک، حلیۃ الاولیاء ج۲) اور شواہد التنزیل ابوالقاسم حسکانی میں ہے کہ ابو امامہ باہلی ناقل ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا خدا نے انبیاء کو مختلف شجرہ نسب سے خلق کیا۔ میں اور علی ایک شجر سے ہیں۔ اس شجر کی اصل میں ہوں اور علیؑ فرع ہیں اور فاطمہؑ اس کا شگوفہ اور حسنؑ و حسینؑ اس کے پھل اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں اور جو اس درخت کی شاخ سے متمسک ہوا وہ پل صراط سے گذر جائے گا اور جس نے اس درخت کی شاخ سے رخ پھیر لیا وہ جہنم میں جا گرے گا۔ اور اگر کوئی صفا و مروہ کے درمیان عبادت کرتے کرتے شاخ خرما کی طرح جھک جائے اور ہماری محبت نہ رکھے تو خدا اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈالے گا۔ پھر پیغمبر اکرمؐ نے یہ آیت پڑھی۔

"مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ" الخ

قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی نسل کی کثرت کا اس نے پہلے سے اعلان کر دیا۔ جبکہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد عرب مسلمانوں کی پوری کوشش رہی کہ پیغمبر اکرمؐ کی نسل کو اس طرح نیست و نابود کر دیا جائے کہ نام و نشان باقی نہ رہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے پچاس برس بعد کربلا کے میدان میں مسلمانوں نے انتہائی بے دردی سے رسول اسلام کی اولاد کو ذبح کر ڈالا۔ یہاں تک کہ چھ ماہ کے بچے کو بھی شہید کر کے اس کا سر کاٹ کر دوسرے شہداء کے سروں کے ساتھ نیزے پر بلند کیا گیا لیکن اسی میدان کارزار میں امام حسینؑ کے فرزند امام زین العابدینؑ جو سخت بیمار تھے بچ گئے اور امام حسنؑ کے ایک فرزند زخمی ہو کر لاشوں میں پڑے رہے اور بعد کو کوئی رحمدل ان کو اٹھا لے گیا اور علاج کیا جس سے صحت یاب ہو گئے۔ ان دو حضرات سے پیغمبر اکرمؐ کی نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔ اس کے بعد بھی بنو امیہ کے دور میں رسول اسلامؐ

کی اولاد قتل و ظلم کا شکار ہوتی رہی۔ حجاج ثقفی کی قید میں سادات اور دیگر محبان اہلبیت وغیرہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ پھر تھوڑے عرصے کے بعد جب بنو عباس نے شہدائے کربلا کی مظلومیت کے سہارے حکومت و اقتدار حاصل کیا تو انھوں نے بھی اولادِ رسولؐ کو ختم کرنے میں پوری کوشش کی۔ تاریخ بغداد اور دیگر تواریخ میں ان کے مظالم و واقعات محفوظ ہیں کہ کس طرح مکانات کی بنیادوں میں سادات کو زندہ دفن کیا جاتا رہا۔ اور کس طرح ان کا قتلِ عام ہوتا رہا لیکن خدائی وعدہ اپنے مقام پر اٹل رہا اور پیغمبر اسلامؐ کی نسل ظلم و تلواروں کے سائے میں آگے بڑھتی رہی۔ منصور عباسی سادات کا سخت دشمن تھا۔ اس نے چن چن کر سادات کو قتل کرایا۔ وہ سادات کو دیواروں میں زندہ دفن کرادیتا۔ اس کے پاس رحم نام کی کوئی شئے نہ تھی۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر مدینے میں اس کی سواری گذر رہی تھی کہ عبداللہ ابن حسن کی لڑکی نے اپنے قیدی باپ عبداللہ کی رہائی کے لئے رحم کی درخواست کی اور چند اشعار پڑھے۔ منصور نے سنتے ہی کہا تم نے اچھا یاد دلایا ہے پھر اس نے عبداللہ کے قتل کا حکم دے دیا۔ ایک مرتبہ حج کے بہانے منصور مدینہ آیا تاکہ اپنے ظلم و تشدد کی رفتار کا جائزہ لے سکے تو مدینے میں اولادِ حسنؑ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اولادِ علیؑ کو بیدردی سے گرفتار کیا گیا۔ عباس بن حسن بن حسن اپنے گھر کے دروازے پر اپنی ماں کے پاس کھڑے تھے اس بچے کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور ماں کی فریاد کی پرواہ نہیں کی گئی۔ پھر منصور نے حکم دیا کہ ان قیدی سادات کو پابزنجیر عراق لے جائیں اور کوفے میں ان بے گناہ سادات کو تہہ خانہ میں قید کر دیا گیا۔ آخر میں منصور کے حکم سے اس تہہ خانے کی چھت کو ان پر گرا کر سب کو ختم کر دیا گیا۔ بغداد سے مصر تک یہ قانون تھا کہ اولادِ رسولؐ گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔ اور ان کے سفر پر پابندی تھی۔ رشید عباسی نے حاکم مدینہ کو حکم دیا تھا کہ اولادِ رسولؐ کو ایک دوسرے کا ضامن بنایا جائے اور وہ سب روزانہ حاضری دیا کریں۔ اگر نہ آئیں تو ان کو سزا دی جائے۔ آلِ محمدؐ کے خلاف شعراء درباروں میں اشعار پڑھ کر انعام پاتے۔ بشار شاعر نے عباسی خلیفہ کے دربار میں یہ شعر پڑھا۔ "یہ ناممکن ہے کہ چچا کے بجائے بیٹی وراثت پائے"۔ اس شعر پر اسے ستر ہزار درہم انعام ملا۔ متوکل عباسی کے دربار میں مروان شاعر نے اولادِ علیؑ کی مذمت میں شعر پڑھا تو اس کے سر پر تین ہزار دینار نچھاور کئے گئے۔ اور چار خلعت عطا کئے گئے۔ اور ساتھ ہی بحرین و یمامہ کی حکومت بھی عطا کر دی گئی۔ صدیوں کے مظالم اور قتلِ عام کے باوجود پیغمبر اسلام کی نسل مسلسل آگے بڑھتی گئی یہاں تک کہ جزائر انڈونیشیا تک اسلام پہونچانے والے سادات ہیں جن کی قبریں آج بھی جاوا سماترا میں موجود ہیں۔ ان سادات نے بنی عباس کے مظالم سے تنگ آکر دوسرے ممالک میں جاکر پناہ لی اور اسلامی دعوت کو عام کیا۔ چنانچہ آج بھی انڈونیشیا میں کئی لاکھ سادات و شیعہ آباد ہیں۔

"الکوثر" حوضِ کوثر۔ نہرِ کوثر" خداوند عالم نے اپنے حبیبؐ کو نہرِ کوثر اور حوضِ کوثر بھی ملکیت کے طور پر عطا کر دیا ہے۔ تفسیر نور الثقلین میں ہے کہ جب سورہ الکوثر نازل ہوا تو حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ سے کوثر کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا یہ نہر ہے جو خدا نے مجھے کرامت کے طور پر عطا کی ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ اس کا مزید تعارف کرائیے تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا یا علی کوثر نہر ہے جو عرش کے نیچے سے جاری ہوتی ہے

اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ ملائم ہے۔ اس کی سنگریزے زمرد و یاقوت اور مرجان ہیں اور اس کا گھاس زعفران اور اس کی مٹی انتہائی خوشبودار مشک ہے۔ اس کی بنیادیں عرش الٰہی کے نیچے ہیں۔ پھر پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے پہلو پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "یا علی یہ نہر میرے اور تیرے لئے ہے اور میرے بعد تیرے دوستوں کے لئے"

تفسیر لباب التاویل اور صحیح ابن ماجہ میں ہے کہ انس صحابی راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔ "میرے صحابہ کی ایک جماعت حوض کوثر پر میرے پاس آئے گی تو ان کو واپس کھینچ کر لے جایا جائے گا۔ میں کہوں گا یا اللہ یہ میرے اصحاب ہیں یہ میرے اصحاب ہیں۔ مجھے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا کیا بدعات جاری کیں"۔ یہی روایت عبداللہ ابن مسعود صحابی کی زبانی بھی منقول ہے۔ اور ابوہریرہ صحابی راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "اللہ کی قسم کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اپنے حوض سے بعض لوگوں کو اس طرح دور ہٹاؤں گا کہ جس طرح اجنبی اونٹ کو اپنے حوض سے دور بھگایا جاتا ہے۔ اور کنز العمال میں ہے کہ حضرت علیؑ راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "یا علی میں نے تیرے لئے پانچ باتیں طلب کیں جو خدا نے مجھے عطا کر دیں۔

۱۔ میں نے خدا سے سوال کیا کہ جب میری قبر شگافتہ ہو اور میں اپنی قبر سے مٹی جھاڑتا ہوا باہر نکلوں تو علیؑ میرے ساتھ ہو۔ خدا نے یہ بات قبول کر لی۔

۲۔ میں نے خدا سے سوال کیا کہ میزان اعمال کے پاس میں کھڑا ہوں تو تم میرے ساتھ ہو۔ خدا نے یہ بات بھی قبول فرمائی۔

۳۔ میں نے خدا سے سوال کیا کہ (بروز قیامت) میرا لواء الحمد (جھنڈا) اٹھانے والا تجھے قرار دے اور جو لوگ اس جھنڈے کے ساتھ رہیں گے جنت پائیں گے۔ خدا نے یہ بات بھی قبول کر لی۔

۴۔ میں نے رب سے سوال کیا کہ میرے حوض کوثر سے میری امت کو تم سیراب کرو۔ خدا نے یہ بات بھی عطا کر دی

۵۔ میں نے رب سے سوال کیا کہ جنت کی طرف لے جانے کے لئے میری امت کے تم قائد ہو۔ خدا نے یہ بات بھی عطا کر دی۔ اور خدا کی حمد ہے کہ اس نے مجھ پر احسان کیا ہے"

ریاض النضرہ ج۲ اور صواعق محرقہ میں ہے کہ ابوسعید خدری راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "یا علی خدا نے تجھے پانچ باتیں عطا کیں جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند ہیں۔ پہلی بات یہ کہ میدان حشر میں حساب سے فراغت تک تم میرے ساتھ ہو گے۔ دوسرے لواء الحمد تمہارے ہاتھ میں ہو گا۔ آدم و اولاد آدم اس کے سائے میں ہوں گی۔ تیسرے تم ہی میرے حوض کوثر کے کنارے کھڑے ہو کر میری امت سے جسے پہچانو گے اسے سیراب کرو گے۔ چوتھے تم ہی مجھے کفن پہنانے والے ہو گے اور مجھے میرے رب کے سپرد کرنے والے ہو گے۔ پانچویں اپنے بعد مجھے تمہارے لئے ایمان سے کفر و بدکاری کی طرف پلٹنے کا کوئی خوف نہیں ہے۔" ریاض النضرہ جلد ۲ اور طبرانی اوسط میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ سے کہا گیا یا رسول اللہؐ لواء الحمد کو علیؑ کیسے اٹھائیں گے۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں نہیں اٹھائیں گے جبکہ خدا نے ان کو کچھ نعمت

عطا کی ہیں۔ ان کا صبر میرے صبر کی مانند ہے۔ ان کا حسن یوسفؑ کے حسن کی مانند ہے۔ اور ان کی قوت جبرائیلؑ کی قوت کی مانند ہے"۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انس صحابی راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے پاس صحابہ موجود تھے آپ پر اونگھ طاری ہوئی۔ جب آنکھ کھلی تو مسکراتے ہوئے فرمایا "ابھی ابھی خدا نے سورۂ الکوثر نازل کیا ہے اور تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے" صحابہ نے کہا نہیں معلوم۔ پیغمبرؐ نے فرمایا۔ کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کے کناروں پر آسمان کے ستاروں کی مانند پیالے ہیں اور میری امت کے لوگ وہاں میرے پاس آئیں گے تو ان میں سے بعض کو وہاں سے دھکیل دیا جائے گا۔ میں کہوں گا پالنے والے یہ میرے امتی ہیں تو جواب ملے گا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے بعد انھوں نے کیا کیا بدعتیں (دین میں) جاری کی ہیں"۔

تہذیب التہذیب ج۳ میں ہے کہ ابو سعید خدری صحابی راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "یا علی بروز قیامت تمہارے پاس جنت کا عصا ہوگا۔ تم ہی میرے حوض سے منافقین کو دور کرو گے"۔

عبد اللہ ابن عباس راوی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "خدا نے مجھے پانچ چیزیں عطا کیں تو علیؑ کو بھی پانچ باتیں عطا کیں" (۱) مجھے نبی بنایا تو علیؑ کو میرا وصی بنایا (۲) مجھے کوثر عطا کیا تو علیؑ کو سلسبیل عطا کیا۔ (۳) مجھے وحی سے نوازا تو علی کو الہام سے نوازا (۴) مجھے اپنی طرف بلایا تو علیؑ کے لئے آسمانی دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ علی نے مجھے دیکھا اور میں نے علی کو دیکھا۔ پھر پیغمبر اکرمؐ مسرت سے رونے لگے ابن عباس نے سبب پوچھا تو فرمایا اے ابن عباس خدا نے پہلی بات مجھ سے یہ کہی کہ پیچھے دیکھو میں نے پیچھے دیکھا تو میرے سامنے سے حجابات ہٹ گئے۔ تو علی کو دیکھا کہ وہ میری طرف سر اٹھائے دیکھ رہے ہیں۔ علی نے مجھ سے کلام کیا اور میں نے علی سے کلام کیا اور رب نے مجھ سے کلام کیا۔ ابن عباس نے کہا رب نے آپ سے کیا کلام کیا فرمایا خدا نے کہا اے محمدؐ میں نے علیؑ کو تیرے بعد تیرا وصی و وزیر اور خلیفہ قرار دیا ہے۔ ان کو یہ بتا دو کہ وہ تیرا کلام سن رہے ہیں۔ میں نے علیؑ کو آگاہ کیا جب کہ میں رب کے سامنے تھا۔ علیؑ نے کہا میں نے قبول کیا۔ پھر خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ علیؑ کو سلام کریں۔ انھوں نے سلام کیا اور علی نے جواب دیا۔ میں نے دیکھا کہ فرشتے ایک دوسرے کو علیؑ کی وصایت و خلافت کی بشارت دے رہے ہیں۔ اور جس آسمانی فرشتے کے پاس سے میں گذرا اس نے مجھے مبارکباد دی۔ اور کہا اے محمدؐ اس رب کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث برسالت کیا ہے۔ آپ کے چچا زاد بھائی کو آپ کا خلیفہ بنانے پر تمام فرشتے خوش ہوئے میں نے حاملانِ عرش کو زمین کی طرف سر جھکائے دیکھا تو جبرائیل نے کہا اے محمدؐ اب کوئی فرشتہ نہیں ہے کہ جس نے بشارت کے لئے علی کے چہرے کو نہ دیکھا ہو اور حاملانِ عرش کو خدا نے اب اجازت دی ہے کہ وہ علیؑ کے چہرے کو دیکھیں الخ

اور تفسیر صافی میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں اپنی عترت سمیت پیغمبر اکرمؐ کے ہمراہ حوض کوثر پر (البرهان) موجود ہوں گا۔ پس جسے ہماری ضرورت ہے وہ ہماری ہدایت پر عمل کرے اور ہمیں شفاعت کا حق حاصل ہے۔ پس تم لوگ صرف کوثر پر ہماری ملاقات کی کوشش کرو۔ کیوں کہ ہم اپنے دشمنوں کو وہاں سے دور بھگائیں گے اور اپنے دوستوں کو سیراب کریں گے۔ جس نے وہاں سے ایک گھونٹ پیا۔ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔

"الکوثر" خیر کثیر" خداوند عالم نے اپنے حبیبؐ کو دنیا و آخرت کے تمام فضائل و کمالات سے نوازا۔

گزشتہ انبیاء کو فرداً فرداً جتنے کمالات عطا کئے گئے وہ سب خداوند عالم نے اپنے حبیبؐ کو عطا کر دیئے ہیں۔ حضرت آدمؑ کے پاس کلمات کا علم تھا۔ جناب کلیم اور جناب خلیل کے پاس صحائف تھے اور حضور اکرمؐ کو علوم کائنات کی جامع کتاب قرآن حکیم عطا کیا گیا۔ جناب آدمؑ کو ملائکہ نے ایک بار تعظیماً سجدہ کیا اور پیغمبر اسلام اور آپ کی اہل بیت پر قیامت تک فرشتے و انسان درود بھیجتے رہیں گے۔ جناب آدم فرشتوں کے قبلہ قرار پائے تو حضور اکرمؐ تمام انبیاء کے امام قرار پائے۔ جناب آدمؑ مٹی سے بنے اور حضورؐ کی تخلیق نور سے ہوئی۔ جناب آدمؑ تمام انسانوں میں اول ہیں اور حضور اکرمؐ تمام مخلوق سے افضل و اول ہیں۔ جناب نوحؑ کا سفینہ ذریعہ نجات بنا۔ یہاں ذریت محمدؐ اخروی نجات کا ذریعہ قرار پائی۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے "میرے اہل بیت کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی ہے کہ جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا۔ اور جس نے انحراف کیا غرق و ہلاک ہوا۔" جناب نوحؑ کی کشتی پانی پر چلی۔ یہاں پیغمبر اسلامؐ کے اشارے پر پانی پر پتھر تیرتے نظر آئے۔ حضور اکرمؐ پانی کے کنارے پر کھڑے تھے اور آپ کے ساتھ عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ اس نے آپ سے کہا اگر آپ سچے ہیں تو دوسری طرف فلاں پتھر کو حکم دیں کہ وہ پتھر تیرتا ہوا آپ کے پاس آجائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اشارہ کیا۔ وہ پتھر پانی پر تیرتا ہوا آپ کے پاس آگیا اور آپ پر سلام کیا اور آپؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ عکرمہ نے کہا اس پتھر کو حکم دیں کہ واپس اپنی جگہ پر چلا جائے۔ آپ نے حکم دیا۔ وہ پتھر پانی پر تیرتا ہوا واپس اپنی جگہ پہنچ گیا۔

مقام ابراہیمؑ کو خدا نے مصلیٰ قرار دیا۔ یہاں حضورؐ کے افعال و اقوال کو قبلۂ کائنات قرار دیا۔ اور فرمایا کہ تمہارے لئے رسول کی ذات بہترین نمونہ ہے۔ جناب خلیل کی امامت انسانوں تک محدود تھی اور پیغمبر اسلامؐ کی امامت و رسالت عالمین کیلئے ہے۔ جناب خلیل نے خدا سے دعا کی تھی "مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھنا۔" اور یہاں حضور اکرمؐ کے بعد آپ کے اہلبیت کے لئے خدا نے آیت تطہیر میں طہارت و پاکیزگی کی ضمانت دی ہے۔ جناب خلیلؑ کے لئے آگ گلزار ہوئی اور یہاں حضور اکرمؐ کے لعاب دہن سے جلے ہوئے شفا پاتے رہے۔ محمد بن حاطب نے کہا کہ بچپنے میں کھولتی ہوئی ہنڈیا میرے اوپر گر پڑی تھی جس سے میری کھال جل گئی تھی۔ میری ماں مجھے پیغمبر اکرمؐ کے پاس لائی۔ آپ نے میری کھال پر اپنا لعاب لگایا۔ میں فوراً ٹھیک ہو گیا۔ جناب موسیٰؑ کے لئے دریا شگافتہ ہوا اور حضور اکرمؐ کے لئے چاند شق ہوا۔ جناب موسیٰؑ کے لئے آسمان سے نور کا عمود نازل ہوا جس سے وادی روشن ہو جاتی اور یہاں حضور اکرمؐ کے چہرے سے نور ساطع ہوتا۔ ایک تاریک شب میں حضور اکرمؐ نے ایک صحابی کو عصا دیا جس سے اتنی روشنی نمودار ہوئی کہ وہ بآسانی اپنے گھر پہنچ گیا۔ قتادہ بن نعمان کو حضور اکرمؐ نے کھجور کی ایک شاخ دی تھی جس کا اگلا حصہ تاریکی میں روشنی دیتا تھا۔ جناب موسیٰ کے لئے پتھر سے پانی جاری ہوا۔ یہاں حضور اکرمؐ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوا۔ جناب موسیٰ کے لئے عصا اژدھا بنا اور یہاں ایک روز ابوجہل نے ایک پتھر اٹھا کر حضورؐ کو مارنا چاہا کہ وہ پتھر دو سرا اور دو منہ کا سانپ بن گیا جسے دیکھتے ہی پتھر پھینک کر ابوجہل بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک جنگ میں ایک صحابی کی تلوار ٹوٹ گئی تو پیغمبر اکرمؐ نے ایک لکڑی پر ہاتھ پھیر کر اسے دیدی جو تلوار میں تبدیل ہو گئی۔ اس صحابی نے اسی سے جنگ کی۔ جناب سلیمانؑ نبی کے لئے ایک دفعہ ہوا

پلٹا۔ اور یہاں حضور اکرمؐ اور حضرت علیؑ کے لئے دو دفعہ سورج پلٹا۔ (تفسیر کبیر۔ مدارج النبوۃ)

جناب سلیمانؑ کو پرندوں کی زبانوں کا علم دیا گیا یہاں حضور اکرمؐ کو عالمین کی ہر مخلوق کی زبان کا علم عطا کیا گیا۔ پیغمبر اکرمؐ کے پاس موجود ایک شخص کے سر کے اوپر پرندہ پھڑپھڑانے لگا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اس کا بچہ کس نے پکڑا ہے تو اس شخص نے اقرار کیا اور حضور اکرمؐ کے حکم پر اس کے بچے کو چھوڑ دیا۔ ایک اونٹ آپ کی خدمت میں آکر فریاد کرنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے اور کہتا ہے مالک اسے ذبح کرنا چاہتا ہے۔ جب اس کے مالک کو بلایا گیا تو اس نے اقرار کیا اور پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں وہ اونٹ پیش کر دیا۔

جناب سلیمانؑ ایک ماہ کی مسافت ایک دن میں طے کرتے تھے اور حضور اکرمؐ نے ایک لحظہ کے اندر معراج کا سفر کیا اور جناب عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے بھی مردوں کو زندہ کیا۔ ایک دعوت میں بکری کا گوشت پکا کر کھایا گیا تو پیغمبر اکرمؐ نے اس کی ہڈیاں اس کی کھال میں ڈال کر فرمایا اذنِ الٰہی سے کھڑی ہو جا تو وہ بکری زندہ ہو گئی۔ جناب عیسیٰؑ نے ایسے اجسام میں زندگی لوٹا دی جن میں زندگی رہ چکی تھی لیکن حضور اکرمؐ نے پتھروں و درختوں سے حیات کے آثار ظاہر کئے۔ پتھروں و درختوں نے کلمہ پڑھ کر توحید و رسالت کی گواہی دی۔ جناب عیسیٰؑ جذامی کو شفا عطا کرتے تھے۔ یہاں حضور اکرمؐ کے پاس جہینہ جذامی آیا۔ آپ نے ایک پیالے میں پانی لے کر اس میں اپنا لعاب دہن ملایا۔ پھر آپؐ کے حکم سے وہ پانی اس کے جسم پر مل دیا گیا تو وہ فوراً ٹھیک ہو گیا۔ معاذ بن عفرا نے اپنے پہلو میں برص کی شکایت کی تو حضور اکرمؐ نے اُس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھا تو برص غائب ہو گیا۔ جناب عیسیٰؑ اندھوں کو بینا بنا دیتے تھے حضور اکرمؐ کے پاس ایک عورت اپنے نابینا بیٹے کو لائی آپ نے ایک لکڑی پر کچھ پڑھ کر اس کی آنکھوں پر پھیرا تو وہ صاحب بصارت ہو گیا۔ اور غزوہ احد میں ایک شخص کی آنکھ باہر نکل آئی تو پیغمبر اکرمؐ نے اسے اس کی جگہ پر رکھ دیا تو فوراً ٹھیک ہو گئی غرض حضور اکرمؐ تمام دنیا و آخرت کے فضائل و خیر کثیر کے مالک ہیں۔"

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ "پس اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی دو۔" "فصل لربک" پس اپنے رب کی نماز پڑھو" نعمت و احسان کے جواب میں عقلاً و فطرتاً شکر و تعظیم لازم ہے۔ لہٰذا خداوندِ عالم نے بھی خصوصی انعام کے عطا کرنے کے بعد شکر کرنے یعنی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ نماز شکر کے ارکان کا جامع طریقہ ہے۔ شکر کے تین ارکان ہیں جن سے شکر کی تکمیل ہوتی ہے۔ (۱) دل و دماغ سے جاننا کہ یہ تمام نعمات خدا کی طرف سے ہیں (۲) عمل یعنی اعضاء و جوارح سے خدمت و تعظیم کا اظہار کرنا۔ (۳) زبان سے محسن و منعم کی مدح و ثنا کرنا۔ یہ تینوں باتیں نماز میں موجود ہیں۔ اسی لئے الکوثر یعنی دنیا و آخرت کی تمام خیرات پیغمبر اکرمؐ کو عطا کرنے کے بعد شکر یعنی نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کفار مکہ بتوں کی عبادت کرنے کے ساتھ بتوں کے لئے قربانی بھی دیتے تھے تو حضور اکرمؐ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے رب کی عبادت و سجدہ کریں اور اپنے رب کے لئے قربانی دیں۔ یعنی عمل وہی ہے لیکن نیت کو بدل دیا گیا۔ کفار بھی بتوں کی عبادت و سجدے کرنے اور قربانی

دیا کرتے تھے۔ خداوند عالم نے اپنے حبیبؐ کو یہی حکم دیا کہ تم بھی نماز پڑھو اور قربانی دو۔ لیکن تمہارے دونوں عمل خدا کے لئے ہوں گے۔

معلوم ہوا نیت کی تبدیلی سے ایک ہی عمل کہیں کفر و شرک بن جاتا ہے اور کہیں انتہائی عظیم عبادت بن جاتا ہے۔

"وَانْحَرْ" اور قربانی دو" یا نماز کی تکبیرات کے لئے ہاتھوں کو کانوں تک لے جایا کرو۔ لفظ "نحر" کے عمومیت سے دو معنی و مفہوم مراد لئے گئے ہیں۔ قربانی دینا۔ اور تکبیرات نماز کے لئے ہاتھوں کا بلند کرنا۔

اور اہل سنت مفسرین نے دونوں تحریر کئے ہیں لیکن "قربانی دو" کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ اور شیعہ مفسرین نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔ جس کی تائید شیعہ، سنی دونوں کے ہاں کی روایات سے ہوتی ہے چنانچہ تفسیر کبیر رازی، تفسیر قرطبی، تفسیر در منثور، سنن بیہقی، مستدرک وغیرہ میں ہے کہ "حضرت علیؑ راوی ہیں کہ جب یہ سورۃ پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوئی تو پیغمبر اکرمؐ نے جبرئیلؑ سے کہا "نحیرہ" کیا ہے کہ جس کا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے تو جبرئیلؑ نے کہا یہ قربانی نہیں ہے بلکہ خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جب بھی آپ نماز میں (نیت کے لئے) تکبیر کہیں اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہیں تو اپنے ہاتھوں کو ضرور بلند کریں کیونکہ یہ ہماری نماز کا اور سات آسمانوں کے فرشتوں کی نماز کا طریقہ ہے اور ہر شے کے لئے کوئی زینت ہے اور نماز میں ہر تکبیر میں ہاتھوں کا بلند کرنا زینت ہے۔ اور عبداللہ ابن عباس نے کہا ہے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کی طرف وحی کی کہ نماز کی ہر تکبیر کے لئے ہاتھوں کو بلند کر کے چہرے کے برابر لے جاؤ اور یہی "نحر" ہے

"إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿٣﴾" یقیناً تمہارا دشمن ہی لاولد رہے گا۔"

اس سورۃ میں جہاں پیغمبر اکرمؐ کی نسل کی کثرت اور آپ کے ذکر خیر کے کثرت سے پھیلنے کی پیشگوئی کی گئی ہے وہاں اس آخری آیت میں اس وقت کے آپ کے بدترین دشمن جو آپ کو لاولد اور بے نام و نشان رہنے کا طعنہ دیا کرتے تھے ان کی نسل اور ذکر کے منقطع ہو جانے کی بھی پیشگوئی کی گئی ہے جس کی تصدیق بعد کے حالات نے کر کے قرآن کے اخبار غیب کی تائید کی ہے۔

سورۃ الکافرون (مکیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ۝ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝

ترجمہ: (آپ) کہدیں اے کافرو میں اس کی بندگی نہیں کرتا جس کی تم بندگی کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم اس کی بندگی کرتے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی اس کی بندگی کرنے والا ہوں کہ جس کی تم بندگی کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم اس کی بندگی کرنے والے ہو کہ جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین۔

فضیلت:۔ ابی ابن کعب راوی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جس نے سورۃ الکافرون کی تلاوت کی۔ گویا اس نے ربع قرآن کی تلاوت کی اور شیطان مردود سے دور رہا اور شرک سے بری ہوا اور بروز قیامت خوف و گھبراہٹ سے بھی محفوظ رہا۔ (تفسیر ابوالفتوح رازی)

جبیر ابن مطعم سے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "اے جبیر کیا تم چاہتے ہو کہ جب تم سفر کے لئے جاؤ تو تمام چیزوں سے خدا کی پناہ میں رہو۔ اور تمہاری ہیبت و زاد تمام ساتھیوں سے زیادہ ہو اور سب سے کثرت کے لحاظ سے زیادہ ہو۔" عرض کیا جی ہاں۔ تو پیغمبرؐ نے فرمایا: "ان پانچ سورتوں کی تلاوت کرتے رہو۔ (۱) قل یایہا الکفرون، اذا جاء نصر اللہ، قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس اور ہر سورۃ کو بسم اللہ کے ساتھ پڑھو۔" جبیر کہتے ہیں کہ میرے پاس مال زیادہ نہ تھا۔ جب ان سورتوں کی تلاوت کو وظیفہ قرار دیا تو میرا مال و زاد سب سے زیادہ ہو گیا۔ سفر میں دوست ساتھ رہے لیکن میری ہیبت و سطوت سب سے زیادہ ہو گئی۔ (تفسیر ابوالفتوح رازی)

فروہ نوفل اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ وہ پیغمبرؐ کی خدمت میں گیا اور کہا یا رسول اللہؐ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ مجھے کوئی ایسی چیز تعلیم کریں کہ جسے سوتے وقت پڑھوں۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔

جب سونے کے لئے جاؤ تو سورۃ الکافرون پڑھ کر سو جاؤ۔ یہ سورۃ شرک سے برأت ہے۔ (تفسیر الوالفتوح)
پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا بچوں کو کہو کہ سوتے وقت یہ سورۃ پڑھیں تاکہ ان کو کوئی چیز اذیت نہ پہنچا سکے۔
(تفسیر الوالفتوح)

نزول :- مکی زندگی میں پیغمبر اکرمؐ نے جب دعوتِ حق کا آغاز کیا تو کفر کی قوتوں نے اجتماعی و انفرادی طور پر بھرپور قوت و طاقت سے اس دعوتِ حق کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس پیغام حق کی صداقت و معجزانہ قوت کفر کی قوتوں کا مقابلہ کرتی ہوئی یا صلاحیت قلوب کو متاثر کرکے اپنے دامنِ حق میں پناہ دیتی رہی۔ کفر کو جب اپنی بے بسی کا احساس ہوا کہ حق و صداقت کا پیغام روکا نہیں جا سکتا تو مکارانہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے حق و صداقت سے سودے بازی کی کوشش کی۔ کبھی یہ کہا کہ
اس قرآن کے علاوہ اور قرآن لائیں اور اس کو بدلیں" تاکہ خود پیغمبرؐ کے عمل ہی سے کتاب الٰہی کی تکذیب ہو جائے۔ لیکن پیغمبر حق کی طرف سے قرآنی الفاظ میں جواب دیا گیا کہ "مَا یکون لی ان ابدلہ" الخ (۱۵-یونس) یہ میرا کام نہیں کہ میں اپنی طرف سے اسے بدل دوں" یعنی حقائق بدلا نہیں کرتے اور نہ ہی حق کبھی خواہشات نفسانی کے تابع ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ المومنون میں ارشاد ربانی ہے کہ "لو اتبع الحق اھوائھم لفسدت" الخ
"اگر کہیں حق ان کی خواہشات نفسانی کی پیروی کرتا تو تمام آسمان و زمین اور جو لوگ ان میں ہیں تباہ و برباد ہو جاتے"
اور پھر پیغمبرؐ کی جانب سے قرآنی الفاظ میں اعلان کر دیا گیا کہ "ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ" الخ (الانعام)
"میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں کہ جس کی میرے پاس وحی (خدا کی طرف سے) بھیجی جاتی ہے"
اور بالآخر کفر نے اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے یہ تدبیر کی کہ حق اگر ان کے باطل کے سامنے جھکے تو وہ بھی حق کے سامنے جھکنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ سردارانِ قریش حارث ابن قیس سہمی، عاص بن وائل، ولید ابن مغیرہ، اسود ابن عبد یغوث، اسود ابن عبدالمطلب، امیہ ابن خلف وغیرہ سازش کے تحت پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا! آئیے اختلافات کو ختم کرتے ہیں۔ ہم آپ کو اس قدر مال پیش کرتے ہیں کہ آپ اہلِ مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے اور جس خاتون سے شادی کرنا چاہتے ہیں کئے دیتے ہیں لیکن آپ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو ایک سال تک آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور پھر ایک سال تک ہم آپ کے معبود کی پوجا کریں گے۔ اس طرح اختلاف و فساد ختم ہو کر امن اور صلح صفائی سے بسر کریں گے۔ تابع وحی پیغمبرؐ نے فرمایا میں فرمانِ الٰہی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ تو اس وقت جبرائیل سورۃ الکافرون لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ جھوٹے ہیں اور آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ یہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے ان کی موت بھی کفر پر ہی واقع ہوگی۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ دین و ایمان کے سلسلہ میں کفر سے کچھ لو اور کچھ دو کی طرح کا سمجھوتہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ "آپ، کہدیں کہ اے کافرو میں اُس کی بندگی نہیں کرتا جس کی تم بندگی کرتے ہو۔"

لفظ قُلْ "کہدو" سے سورۃ کا آغاز ہے۔ جس سے اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ پیغمبرؐ کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے۔ اور دوسرے اس بات کی وضاحت ہے کہ پیغمبرؐ تابع وحی ہے۔ ان کا ہر عمل وقول تابع وحی الٰہی ہے۔ سورۃ میں آغاز ہی سے مضارع کے صیغوں کے استعمال سے اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ حال واستقبال کسی وقت وکسی حالت میں کفر وشرک سے حق کی شرکت نہیں ہوسکتی۔ اور پھر بعد کی آیات میں زمانۂ ماضی کو بھی شامل کرکے کفر سے حق کی شراکت کی نفی کردی گئی ہے۔ یعنی نبوت ورسالت کی ذمہ داری کو عملاً شروع کرنے سے قبل جبکہ پیغمبرؐ نے نبوت کا اعلان واظہار نہیں کیا تھا۔ اس وقت جب کفر سے اشتراکِ عقیدہ وعمل نہیں تھا تو اظہار نبوت کے بعد اشتراک کیوں کر ہوسکتا ہے۔ اور پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ جو خالق کائنات کی وحدانیت پر ایمان ویقین نہیں رکھتا اس سے نیکی واصلاح کی امید نہیں ہوسکتی۔ ایسے اشخاص کہ کفر جن کی فطرت میں رچ بس جائے ان سے جب کسی عمل خیر کا اظہار ہو تو اس پر یقین وبھروسہ نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ عملِ خیر پر باقی ودائم رہیں گے کیونکہ ان کے اعمال یقین وایمان اور عقیدہ صالحہ کی بنیاد پر استوار نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے اعمال کے دوسرے اسباب ہوتے ہیں۔ اور کبھی ان کی عادت یا تقلید اور کبھی نام وشہرت اور کبھی دنیا طلبی ان کے ان اعمال خیر کا سبب ہوتے ہیں اور کبھی دیگر دنیاوی ومقاصد مطلوب ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب کبھی کوئی دوسری صورت ان کی غرض کی تکمیل کے لئے پیدا ہوجاتی ہے تو وہ اس عملِ خیر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور نیکی کی ضد کو اپنا لیتے ہیں۔ لیکن مومنین کا ایمان چونکہ حقیقت کبریٰ پر اعتقاد سے استوار ہوتا ہے۔ لہٰذا مومن کا دین کی منزل پر کفر سے کبھی اشتراک نہیں ہوسکتا۔

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣ "اور نہ ہی تم اس کی بندگی کرنے والے ہو کہ جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔"

نزول کے لحاظ سے کفار مکہ سے خطاب ہے۔ لیکن قرآنی خطاب قیامت تک یہی صفات رکھنے والوں سے بھی متعلق ہے۔ اور مسلمانوں کو اصول دے دیا گیا کہ اس طرح کا سمجھوتہ اور مشارکت کہ جو کفار مکہ کرنا چاہتے تھے کہ جس سے حق کا وجود ہی ختم ہوجائے۔ اسلام کبھی اُسے قبول نہیں کرتا۔ اور مستقبل کے لئے بھی نفی کردی گئی ہے۔ کہ جس جس چیز کی کفار پرستش کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھی بندگی کے لائق نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ سب اور پوری کائنات خلاق عالم کی مخلوق ہے۔ بندگی کی وہی ذات مستحق ہے کہ جو تمام کائنات کی خالق ومالک حقیقی ہے یہاں تکرار کلام اس لئے ہے کہ کفار کے کلام میں تکرار تھا لہٰذا جواب میں تکرار سے بار بار نفی کرکے انکار کو شدید کردیا گیا اور اس آیت میں آئندہ کے لئے بھی خبر دے دی گئی ہے کہ یہ کفار مکہ آئندہ بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

چنانچہ یہی ہوا کہ پیغمبرؐ کی خدمت میں یہ چند کفار جو سمجھوتے کے لئے حاضر ہوئے تھے آخر تک کفر پر قائم رہے اور کفر پر ہی اُن کی موت واقع ہوئی۔ جس سے قرآن کی پیشگی دی گئی خبر کی صداقت واضح ہو گئی۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ "اور نہ ہی میں (کبھی بھی) اس کی بندگی کرنے والا ہوں جس کی تم بندگی کرتے ہو"

یعنی جس طرح سے ابتداء سے میرا دامن ہر طرح کی برائی اور کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہے۔ اسی طرح آخر دم تک ہر قسم کی کفر و معصیت کی نجاست سے میرا دامن پاک رہے گا۔ اس لئے کہ دو کہ میرا وجود حق ہے۔ میرا پیغام حق ہے میری تعلیمات حق ہیں اور حق میں کبھی باطل کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی حق کبھی باطل کے سامنے جھکتا ہے۔

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ "اور نہ ہی تم (کبھی بھی) اس کی بندگی کرنے والے ہو کہ جس کی میں بندگی کرتا ہوں"

یعنی اے حارث، اے عاص، اے ولید، اے اسود تم (کبھی بھی) شرک و کفر کو ترک کرنے والے نہیں ہو۔ یہ وقتی طور پر حق کی دعوت و اثر کو روکنے کے لئے تمہاری باطل کی چال ہے۔ لہٰذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ حقیقتیں نہ ہی ختم ہوتی ہیں اور نہ ہی باطل کی ملاوٹ کو قبول کرتی ہیں۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ "تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔"

یعنی نہ ماضی میں کبھی میرے دین کا تمہارے دین کے ساتھ اشتراک عمل رہا اور نہ ہی آئندہ کبھی ایمان کے ساتھ کفر کی ملاوٹ ہو سکتی ہے۔ لہٰذا دین کے معاملے میں تمہارے لئے تمہاری راہ اور میرے لئے میری راہ۔ یعنی جب تم باطل کو ترک نہیں کر سکتے تو حق کا علمبردار حق کو کیسے ترک کر سکتا ہے چنانچہ سورۂ انعام میں بھی خلاق عالم کا اپنے حبیب و رسولؐ سے خطاب ہے کہ "کہدو کہ اے کافرو تم اپنی جگہ پر قائم رہو میں اپنے مقام پر قائم رہتا ہوں"۔

سورۃ النصر (مدنیہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۝۱ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جب اللہ کی مدد اور فتح حاصل ہو جائے۔ اور تم لوگوں کو گروہ گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوتا دیکھو۔ تو تم اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو۔ اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے

فتح مکہ حدیبیہ کے بعد کفار مکہ سے ۶ھ میں پیغمبر اسلام نے صلح کا جو معاہدہ کیا تھا۔ وہ معاہدہ صلح حدیبیہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ صلح دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا۔ اس کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب آزاد ہوں گے کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔ چنانچہ مکہ سے متصل آباد قبائل میں سے بنی بکر نے قریش کا ساتھ دیا اور بنو خزاعہ پیغمبر اسلام کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو گئے بنو بکر اور بنو خزاعہ میں قدیم ایام سے عداوت چلی آرہی تھی۔ ان کے درمیان کئی معرکے ہو چکے تھے لیکن اسلامی دعوت کے آغاز سے تمام قبائل عرب اپنے اختلافات کو فراموش کر کے اسلام دشمنی میں متحد ہو گئے لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جب کفار عرب کو مسلمانوں کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا تو ان کے پرانے فتنے پھر سر اٹھانے لگے۔ چنانچہ قبیلہ بنو بکر کی شاخ بنو دیل کے کسی بدبخت نے پیغمبر اسلام کی ہجو کی تو قبیلہ خزاعہ کے ایک غلام نے اسے بار بار منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا تو اس نے اس کا سر منہ پھوڑ دیا۔ وہ فریاد کرتا ہوا بنو بکر کے پاس پہنچا۔ بنو بکر کو فساد کا بہانہ مل گیا۔ اس کے علاوہ بنو بکر کے نوفل بن معویہ دیلمی نے رات کو بنو خزاعہ کی آبادی پر تیر برسائے اور بنو بکر نے قریش کو ساتھ ملا کر رات کو بنو خزاعہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ بنو خزاعہ نے مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے حرم کعبہ میں پہنچ گئے اور بنو بکر کو کعبہ کی حرمت کا احساس دلایا لیکن وہ نہ مانے جب بنو خزاعہ مقابلے سے عاجز آگئے تو قریب ہی رافع بن بدیل کی سرائے میں جا کر پناہ لی تو بنو بکر اور قریش اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

نزول :- سورۃ النصر کا فتح مکہ سے قبل اور فتح خیبر کے فوراً بعد نزول ہوا ۔ (تفسیر کبیر)

فتح خیبر میں یہودیوں پر اسلام کی فتح کے بعد کفار مکہ پر فتح کی بشارت دی گئی کہ کفار قریش جن کی سرکشی اور بغاوت اور سازش نے یہودیوں کو بھی سرکشی پر ابھارا تھا اب ان پر بھی فتح و کامرانی کا وقت آ گیا تھا

اجر و ثواب : حدیث میں ہے کہ اس سورہ کا (ایمان و اخلاص سے بکثرت) تلاوت کرنے والا اس طرح ہے گویا کہ فتح مکہ اور پیغمبر اکرمؐ کی موافقت میں آپ کے ساتھ تھا ۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝١ ۔"جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے "

اس فتح سے خاص فتح یعنی فتح مکہ مراد ہے ۔ وہ شہر کہ جہاں تیرہ سال تک پیغمبر اسلام اور آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں نے سخت ترین تکالیف برداشت کی تھیں اور بالآخر پیغمبر اکرمؐ کو رات کی تاریکی میں اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑی تھی ۔ اس وقت کوئی یہ خیال کر سکتا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ ایک روز اسی شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے ۔ اور یہی خون کے پیاسے دشمن اپنی جان بخشی کے لئے غلاموں کی طرح رحم و کرم کے امیدوار بن کر آپ کے سامنے کھڑے ہوں گے ۔ سورۃ النصر میں فتح کی بشارت دے کر جہاں مسلمانوں کی ہمت و جرأت میں اضافہ کیا گیا ہے ۔ وہاں پہلے سے فتح مکہ کی خبر سے قرآن حکیم کے الہامی و اعجازی شان کو بھی واضح کیا گیا ہے ۔

وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝٢ :-"اور تم لوگوں کو گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوتا دیکھو "

فتح مکہ سے کفر کی طاقت ٹوٹ گئی تھی ۔ اس لئے کہ اب ذلت و رسوائی اور عزت و وقار کے لیے صرف یہی صورت تھی کہ کلمہ اسلام پڑھ لیا جائے ۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر انقلابی تحریک کے ابھرتے وقت تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں ۔ بعض اس تحریک کا ساتھ دیتے ہیں ۔ اور بعض بھرپور مخالفت کرتے ہیں اور بعض حالات کا رخ دیکھ کر اسی کے ساتھ ہو جاتے ہیں ۔ یہی صورت فتح مکہ کے وقت بھی موجود تھی ۔ جب اسلام کی انقلابی دعوت کو فتح و کامرانی حاصل ہوئی تو سرکش عناصر نے زور و قوت ٹوٹ جانے کی بناء پر

اس جنگ میں قریش نے چہروں پر نقاب ڈال کر بنو بکر کا ساتھ دیا تھا ۔ اس معرکہ میں بنو خزاعہ کے بیس افراد کام آئے ۔ قریش کا خیال تھا کہ ان کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن ان کی یہ حرکت کسی سے پوشیدہ نہ رہ سکی ۔ اس نقض عہد سے قریش

پر ہتھیار ڈال دیئے اور اس کے کلمہ اسلام پڑھ لینے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا گروہ پیدا ہوا کہ جو قرآنی اصطلاح میں "مؤلفة القلوب" قرار پایا۔ جن کی تالیف قلب کے لیے مال غنیمت سے مخصوص حصہ ان کو دیا جاتا رہا تاکہ وہ اسلامی تحریک کے خلاف سازش سے باز رہیں اور ان کی باطنی

پریشان ہوئے اور ایک دوسرے کو ملامت کی اور حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ربیعہ نے ابوسفیان سے صورت حال بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس حادثے کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے ورنہ محمد ہمارے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ اور بنو خزاعہ کے مقتولین کے انتقام میں ہمارا خون بہائیں گے۔

ابوسفیان نے کہا کہ میری بیوی ہندہ نے ایک خواب دیکھا ہے کہ جس سے میں بہت خوف زدہ ہوں۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ حجوں کی طرف سے مکے میں خون داخل ہو کر مقام خندمہ تک پہنچا وہاں تھوڑی دیر ٹھہر کر غائب ہو گیا۔ یہ سن کر قریش پریشان ہوئے ابوسفیان نے کہا یہ جنگ میری مرضی و اجازت کے بغیر ہوئی ہے۔ لیکن محمد اور ان کے ساتھی خیال کریں گے کہ یہ برا کام میں نے کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کو اطلاع ہونے سے پہلے مدینے جا کر صلح کی تجدید کر لوں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے پیغمبر اکرمؐ کو وضوخانہ میں تین بار لبیک کہتے سنا۔ اس کے بعد آپ نے تین بار کہا "تمہاری مدد کردی گئی" تو میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا آپ کے پاس کوئی شخص تھا کہ جس سے آپ باتیں کر رہے تھے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا بنو کعب (بنو خزاعہ کی شاخ) کا ایک شخص رجز پڑھ کر مجھ سے مدد طلب کر رہا تھا کہ قریش نے بنو بکر کی مدد کی اور ہم پر شب خون مارا ہے۔ (معجم طبرانی)

اور جناب عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس شب بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شب خون مارا اس کی صبح پیغمبر اکرمؐ نے مجھے فرمایا۔ "اے عائشہ قریش نے عہد شکنی کی ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا آپ کا خیال ہے کہ قریش عہد شکنی کر کے جرأت کا مظاہرہ کریں گے۔ حالانکہ ان کی تلواریں کند کر دیگئی ہیں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "انھوں نے عہد شکنی اس امر کے ظاہر ہونے کے لئے کی ہے کہ جو خدا کو منظور ہے۔ میں نے عرض کیا وہ امر خیر ہوگا یا برا۔ فرمایا انشاءاللہ خیر ہوگا۔ (مدارج النبوۃ)

تین روز بعد عمرو بن سالم خزاعی چند ساتھیوں کے ساتھ مدینے وارد ہوا۔ پیغمبر اکرمؐ صحابہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ عمرو نے حاضر ہو کر حادثے کی اطلاع دی اور اشعار میں مدد کی درخواست کی۔ پیغمبر اکرمؐ بے ساختہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے عمرو بس کافی ہے۔ پھر آپ چلے تو آپ کی ردائے مبارک زمین کو چھو رہی تھی۔ اور آپ فرما رہے تھے اگر بنو کعب (بنو خزاعہ کی شاخ) کی اس طرح مدد نہ کروں جس طرح اپنی مدد کرتا ہوں تو میری مدد نہ کی جائے۔ پھر آپ نے عمرو کو تعزیت دی اور تسلی دے کر فرمایا۔ تم اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ اور ہمت کرو۔ فتح و نصرت کا وقت آگیا ہے پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان صلح نامہ کی تجدید اور مدت صلح میں اضافے کے لئے آرہا ہے اور ناکام واپس جارہا ہے۔ عمر کے پہنچنے کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی دو تین ساتھیوں کے ساتھ مدینے وارد ہوا۔

(مدارج النبوۃ)

ہمدردیوں کے رخ کو موڑا جا سکے۔ ان "مؤلفۃ القلوب" میں سے قریش کے سرکردہ افراد بھی تھے جن میں ابوسفیان اور امیر شام بھی تھے۔

(مروج الذہب۔ تفسیر کبیر، مدارج النبوۃ)

غرض فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر اسلامؐ کی صداقت اس بات سے بھی واضح ہوئی کہ قریش دیکھ چکے تھے کہ جب باطل کے نمائندے ابرہہ نے لشکر کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تھی تو خداوند عالم نے ابابیل کے ذریعہ اسے تباہ کر دیا تھا۔ لیکن پیغمبر اسلام جب مکہ میں لشکر کے ساتھ داخل ہوئے تو امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی رحمت و حمایت بھی آپ کے شامل حال تھی۔ آپ نے اپنے لطف و کرم سے اہل مکہ کو عام معافی دے کر اسلامی تعلیمات کی عظمت و رفعت کا عملی ثبوت فراہم کیا۔

اور پیغمبر اکرمؐ کو پورا حال سنایا۔ بدیل جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ گیا تو مقام عسفان میں ان کی ملاقات ابوسفیان سے ہوئی اس نے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو۔ بدیل نے کہا خزاعہ کی فلاں وادی تک ہم گئے تھے۔ ابوسفیان نے کہا تم محمدؐ کے پاس نہیں گئے تھے۔ بدیل نے کہا نہیں۔ ابوسفیان کو شبہ ہوا اس نے کہا ان کے اونٹوں کی مینگنیاں دیکھو اگر مدینے گئے ہوں گے تو ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہوں گی۔ جب دیکھا تو گٹھلیاں تھیں۔ ابوسفیان نے کہا بخدا بدیل محمدؐ کے پاس گیا تھا۔ ادھر پیغمبر اکرمؐ نے اہل مکہ کی طرف حمزہ صحابی کو بھیجا کہ قریش تین باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کریں۔ خزاعہ کے مقتولین کی دیۃ ادا کریں یا صلح توڑنے والے بنو بکر کا ساتھ چھوڑ دیں ورنہ پھر تمہاری طرف سبقت کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری) لیکن قریش نے کسی شرط کو قبول نہیں کیا بلکہ صلح کی تجدید چاہی۔ چنانچہ صلح کی تجدید کے لئے ابوسفیان مدینے آیا۔ پہلے اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس آیا اور جب بچھے ہوئے بستر پر بیٹھنا چاہا تو فوراً اس بستر کو ام حبیبہ نے لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے وجہ پوچھی تو کہا بابا آپ مشرک (یعنی نجس) ہیں اور یہ رسول خداؐ کا بستر ہے۔ ابوسفیان نے کہا بیٹی میرے بعد تمہیں برائی پہنچی اور تمہاری عادت بدل گئی۔ ام حبیبہ نے کہا بابا خدا نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا کی ہے۔ اے بابا آپ قوم کے سردار ہیں۔ عزت و عقلمندی کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسلام نہیں لے آتے۔ بلکہ پتھروں کو پوجتے ہیں جو نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی سن سکتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا بیٹی تم میری توہین کرنے کے ساتھ جہالت کی طرف نسبت بھی دیتی ہو۔ پھر غصہ سے اٹھ کر پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور معاہدہ کی تجدید کے لئے کوشش کی۔ لیکن پیغمبر اکرمؐ نے کوئی جواب نہیں دیا تو حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس آ کر معاہدہ کی تجدید کرانے کے لئے کہا۔ لیکن محروم رہا۔ پھر حضرت علیؑ کے پاس آ کر کہا کہ آپ معاہدہ کی تجدید کے لئے سفارش کریں۔ تو انھوں نے کہا اے ابوسفیان تمہارے لئے افسوس ہے پیغمبر اکرمؐ جب کسی بات کا عزم کر لیتے ہیں تو پھر آپؐ سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ پھر ابوسفیان مایوس ہو کر حضرت فاطمہؑ کے در دولت پر آیا۔ اور کہا آپ ہمیں اپنی پناہ میں لے لیں۔ سیدہ کونین نے فرمایا مجھے اس معاملہ میں کوئی

فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر اسلام کی طرف سے سوائے چند بدترین مجرمین کے لوگوں پر سختی کرنے کی ممانعت تھی۔ آپ کی طرف سے عام معافی اور اہل مکہ پر لطف و احسان پر بعض انصار کو رشک ہوا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی قوم اور خاندان پر شفقت و احسان کو روا رکھا اور آپ اپنے خاندان و شہر کی طرف راغب ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے شہر میں ان کے پاس رہ جائیں گے جبکہ انصار کا خیال تھا کہ قریش کی بداعمالیوں و ایذا رسانیوں کے بدلے میں ان کو قتل کرا دیا جائے گا اور قریش سب ہلاک ہو جائیں گے تو پیغمبر اکرمؐ پر وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب آثار وحی ختم ہوئے تو آپ نے انصار سے فرمایا ابھی ابھی تم نے اس قسم کی باتیں کی تھیں۔ انھوں نے اعتراف کیا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا حاشا و کلا میں ایسا نہیں کروں گا میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اللہ نے تمہاری طرف مجھے ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ میری زندگی اور میری موت تمہارے ساتھ ہے۔

اختیار نہیں۔ خدا اور رسولؐ کی امان میری امان ہے۔ ابوسفیان نے کہا آپ اپنے دونوں بیٹوں سے کہیں کہ لوگوں کے درمیان کوئی ایک شہزادہ ہمیں امان دینے کا اعلان کر دے۔ اس طرح قبائل عرب اور قریش پر ان کا احسان ہو جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ ان کی تعریف کریں گے۔ جناب سیدہ نے فرمایا میرے دونوں فرزند چھوٹے ہیں (اس وقت دونوں شہزادوں کا سن پانچ چھ برس کا تھا) اور پیغمبر اکرمؐ کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر ابوسفیان نے حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا آپ ہمیں اپنی پناہ میں لے لیں اور سفارش کریں کہ پیغمبر اکرمؐ صلح کی مدت بڑھا دیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا "اے ابوسفیان اب کوشش مت کرو کیونکہ بات ہاتھ سے نکل چکی ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے پختہ ارادہ کر لیا ہے اب سفارش کی مجال و گنجائش نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا مجھ پر کام تنگ ہو گیا ہے اور اپنی مہم کا کوئی علاج نظر نہیں آتا مجھے کوئی راستہ دکھائیے حضرت علیؑ نے فرمایا تجھے بچانے کے لئے میں کوئی شئے نہیں جانتا۔ بنو کنانہ کے تم سردار ہو لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر تجدید عہد کا اعلان کر دو۔ ابوسفیان نے کہا کیا اس طرح نجات ہو گی۔ حضرت علی نے کہا نہیں لیکن اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے۔ ابوسفیان نے لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر تجدید عہد کا اعلان کرتے ہوئے کہا میں بنوخزاعہ اور بنوبکر دونوں کو اپنی امان میں لیتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ محمدؐ میری پناہ کو رد نہیں کریں گے پھر ناقہ پر سوار ہو کر مکے کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کے وقت مکے میں اپنے گھر پہنچا تو ہندہ نے کہا تاخیر سے واپس ہونے پر تمہاری قوم نے تمہارے مسلمان ہونے کا خیال کر لیا تھا۔ اگر مدینے سے کوئی فائدہ ہوا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ شرمندگی کے سوا قوم کو کچھ حاصل نہ ہو گا۔ ابوسفیان نے صورت حال بیان کی تو ہندہ نے اپنا پاؤں اس کے سینے پر مار کر کہا تو میرا بھیجا ہوا ہے اور علیؑ نے تجھے مات دیدی۔

ابوسفیان صبح کو اساف و نائلہ بتوں کے پاس گیا اور دنبہ ذبح کر کے اس کا خون بتوں کے سروں پر لگایا

یہ سن کر انصار رونے لگے اور کہا اے اللہ کے رسولؐ یہ باتیں آپ کے ساتھ کمالِ محبت و شفقت کی وجہ سے کہی ہیں کہ اب ہم آپ کی شفقت سے محروم ہو جائیں گے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتا ہے اور تمہاری معذرت قبول کرتا ہے۔ (مدارج النبوۃ، معارج النبوۃ)

سورۂ نصر کے ذیل میں علامہ رازی نے ایک روایت تحریر کی ہے کہ جناب جابر ابن عبداللہ انصاری ایک روز رونے لگے جب سبب دریافت کیا گیا تو کہا "میں نے پیغمبر اکرمؐ کو فرماتے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "لوگ گروہ در گروہ دین میں جس طرح داخل ہوئے ہیں عنقریب گروہ در گروہ دین سے خارج ہوں گے"۔ اس روایت کی تائید تفسیر البرہان کی روایت سے ہوتی ہے جو سورہ نصر کے ذیل میں درج کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا جب سورۃ النصر کا نزول ہوا تو رسولِ خداؐ نے فرمایا (یا علیؑ یقیناً میرے بعد خداوند عالم نے فتنہ و فساد میں مومنین پر جہاد قرار دیا جس طرح میرے ساتھ مل کر

اور کہا جب تک میں زندہ ہوں تمہاری عبادت سے روگردانی نہیں کروں گا۔ یہ دیکھ کر قریش نے جان لیا کہ ابوسفیان اپنے عقیدے پر قائم ہے۔ پھر قریش کو جب ابوسفیان نے صورتحال سے آگاہ کیا تو انھوں نے کہا علیؑ نے تیرے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔

ادھر پیغمبر اکرمؐ نے مکے جانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور قریش کے لئے فرمایا "اے اللہ ان کی نگاہوں کو روک دے تاکہ وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں۔" اور لشکر کی تیاری شروع کر دی لیکن اظہار سے منع کیا۔ ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کی طرف ایک خط سارہ نامی کنیز کو دے کر روانہ کیا اس خط میں لکھا تھا "اے قریش رسولِ خداؐ تمہاری طرف سیل رواں کی طرح لشکر لے کر آ رہے ہیں خدا کی قسم اگر وہ تنہا بھی تم پر حملہ کریں تو بھی اللہ ان کی مدد کرے گا۔ اور اپنے وعدے کو پورا کرے گا۔ پس تم اپنے حال کی فکر کرو۔ (مدارج النبوۃ)

سارہ اس خط کو اپنے بالوں میں چھپائے مکہ کی طرف روانہ ہوئی۔ جبرائیلؑ نے پیغمبر اکرمؐ کو اس خط سے مطلع کر دیا تو حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ مدینے سے باہر مقام خاخ تک جاؤ۔ وہاں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ۔ اور جناب عمار یاسر و جناب زبیر کو آپ کے ساتھ کر دیا۔ حضرت علیؑ جب مقام خاخ تک پہنچے تو وہاں ایک عورت کو دیکھ کر اس سے خط طلب کیا۔ اس نے صاف انکار کر دیا جب تلاش کرنے پر اس کے پاس سے خط نہ مل سکا تو جناب عمار یاسر اور جناب زبیر نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن حضرت علیؑ نے کہا خدا کی قسم رسول خداؐ نے مجھ سے جھوٹ نہیں کہا۔ پھر آپ نے تلوار کھینچ کر اسے قتل کی دھمکی دی تو اس نے بالوں سے خط نکال دیا۔ وہ خط لا کر پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے حاطب کو بلا کر خط لکھنے کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا "خدا کی قسم میں خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کے دین سے اعتقاد نہیں بدلا اور نہ ہی مرتد و منافق ہوں۔ میں قبیلہ قریش سے نہیں ہوں ان کے حلفاء سے ہوں۔ وہاں

مشرکین سے جہاد ان پر فرض قرار دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ کونسا فتنہ ہے کہ جس میں ہم پر جہاد فرض ہوگا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا وہ اس قوم کا فتنہ ہے جو لا الٰہ الا اللہ اور میری رسالت کی گواہی دے گی۔ لیکن میری سنت کی مخالفت کرے گی۔ میں نے عرض کیا " یا رسول اللہ توحید اور آپ کی رسالت کی گواہی کے باوجود ہم ان سے کس بنا پر جہاد کریں گے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " وہ اپنے دین میں تغیر کرے گی اور میرے امر سے جدائی اختیار کرے گی۔ اور میری عترت و اہل بیت کے خون کے بہانے کو جائز قرار دے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ نے مجھ سے شہادت کا وعدہ کیا ہے تو خدا سے میری شہادت کے جلدی آنے کی دعا کیجئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " ہاں میں نے تم سے شہادت کا وعدہ کیا ہے تو جب تمہاری داڑھی تمہارے سر کے خون سے سرخ ہوگی تو اس وقت تمہارا صبر کیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ جب میرے لئے شہادت مقرر ہے تو یہ صبر کا مقام نہیں ہے بلکہ بشارت و شکر کا مقام ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " یا علی تم عداوت و دشمنی کا نشانہ بننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یقیناً میرے بعد

مکے میں میرا کوئی نہیں ہے۔ جو میرے اہل و عیال اور اموال کی نگرانی کرے۔ بخلاف دیگر مہاجرین کے کہ ان میں سے ہر ایک کے رشتہ دار وہاں موجود ہیں جو ان کے اموال و عیال سے غافل نہیں۔ اس خط سے قریش پر اپنا حق ثابت کرنا مقصود تھا تاکہ وہ میرے متعلقین اور مال و اسباب کی حفاظت سے غافل نہ ہوں۔ پیغمبر اکرمؐ نے صحابہ سے فرمایا حاطب نے تم سے سچ کہا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا " مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ " پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اے عمر وہ اہل بدر سے ہے اور خدا نے ہمیں آگاہ کیا ہے اور ان کے لئے فرمایا ہے کہ (تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے
(مدارج النبوۃ۔ تفسیر کبیر

مدارج النبوۃ اور معارج النبوۃ میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ حاطب کو مسجد سے نکال دو۔ تو لوگوں نے دھکے دیکر اسے مسجد سے نکال دیا تو حاطب امید سے رحم کے لئے بار بار پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھ رہا تھا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اسے واپس لے آؤ۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا ہے۔ تم بھی خدا سے مغفرت طلب کرو۔ اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔ پیغمبر اکرمؐ نے جب مکے کا قصد کیا تو بعض عرب قبائل کہ جو مسلمان ہو چکے تھے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ خاموشی سے جنگ کی تیاری کریں۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ ۱۰ رمضان ۸ھ کو دس ہزار صحابہ کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے اور حضرت فاطمہؑ اور جناب ام سلمہؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ اور مدینے میں ابوذرؓ کو نگران مقرر کیا (مدارج، معارج، طبری)

راستے میں دو ہزار مجاہدین کا اضافہ ہوگیا۔ سات سو مہاجرین اور چار ہزار انصار مدینہ اور باقی دیگر مختلف قبائل سے تھے۔ مدینے سے روانہ ہوکر پہلی منزل کی کدید نامی چشمے پر قیام کیا اور وہاں آپؐ نے علم تقسیم کئے۔ اور وہیں روزہ افطار کیا۔ اور فرمایا جو یہاں روزہ افطار نہیں کرے گا وہ گنہگار رہے۔ (مدارج النبوۃ)
(سورہ بقرہ میں وضاحت سے سفر میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے) انہی ایام میں بعض لوگ موقع پا کر ہجرت کی غرض سے مکے سے

میری امت کی تم سے عداوت و مخاصمت ہوگی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اس وقت طریقۂ عمل کے لئے میرے لئے کیا حکم ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا جب تم قوم کو دیکھو کہ وہ عداوت سے گمراہی کی طرف پھر گئی ہے تو ان سے مخاصمت کرو۔ کیونکہ ہدایت خدا کی طرف سے اور گمراہی شیطان کی طرف سے ہے۔ یا علی یقیناً خواہش اور رائے کو چھوڑ کر ہدایت خدا کی پیروی میں ہے۔ اور گویا کہ تم قوم کے درمیان میں ہو اور انھوں نے قرآن کی (اپنی رائے کے مطابق) تاویل کی ہے۔ اور شبہات کو اپنایا اور شراب و نبیذ کو جائز اور زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دیا۔ اور حرام و ناجائز مال کو ہدیہ قرار دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جو ان اعمال کا ارتکاب کریں گے کیا وہ اہل فتنہ ہیں یا مرتد ہیں پیغمبرؐ نے فرمایا۔ "وہ اہل فتنہ ہیں اور اس میں وہ اس وقت تک رہیں گے جب ان کو عدل حقیقی (ظہور ہدیٰ) پالے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ عدل حقیقی ہماری طرف سے ہوگا یا ہمارے غیر کی طرف سے۔

کی طرف روانہ ہو چکے تھے ان میں جناب عباس بن عبدالمطلب بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ راستے میں مقام جحفہ میں پیغمبر اکرمؐ سے آملے۔ آپؐ ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا "چچا آپ اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کو مدینے بھیج دیں اور آپ ہمارے ساتھ رہیں۔ اے چچا آپ کی ہجرت آخری ہجرت ہے جس طرح کہ میری نبوت آخری نبوت ہے

اسی طرح راستے میں آپ کے چچا زاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ ابن امیہ جو آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے فرزند تھے آملے۔ چونکہ یہ بھی پیغمبر اکرمؐ کی مکی زندگی میں اذیت پہنچانے والوں میں شامل تھے۔ لہٰذا جب پیغمبر اکرمؐ نے توجہ نہیں کی تو حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ آپ نے کہا پیغمبرؐ کے سامنے جاکر وہی کلمات کہو جو جناب یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے کہے تھے۔ انھوں نے وہی کلمات جاکر کہے تو پیغمبر اکرمؐ نے جواب میں وہی کلمات کہے جو جناب یوسفؑ نے معاف کرنے کے لئے کہے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ جب مکے سے ایک میل کی مسافت پر مرالظہران کی وادی میں پہنچے تو وہاں لشکر کو قیام کرنے کا حکم دیا۔ تو اسلامی لشکر نے فاصلے فاصلے سے پوری وادی میں خیمے نصب کئے اور پیغمبرؐ کے حکم کے مطابق ہر مجاہد نے اپنے خیمے کے دروازے پر آگ روشن کردی۔ ادھر قریش ابھی تک اسلامی لشکر کی آمد سے بے خبر تھے۔ لیکن ان کو اپنے کئے پر یقین تھا کہ پیغمبر اکرمؐ ضرور آئیں گے۔ اس لئے ابوسفیان بن حرب۔ حکم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو ساتھ لے کر تلاش حال کے لئے مکے سے نکلا چلتے چلتے جب مرالظہران کے ٹیلے پر کھڑے ہوکر دیکھا تو رات کی تاریکی میں وادی روشن تھی اور پوری وادی کو آگ نے گھیر رکھا تھا۔ تو ابوسفیان نے کہا بخدا یہ جنگ کی آگ معلوم ہوتی ہے۔ بدیل نے بات چھپاتے ہوئے کہا یہ بنو خزاعہ کی آگ ہے۔ ابوسفیان نے کہا بنو خزاعہ اتنے نہیں ہیں کہ یہ آگ ان کی ہو۔ چنانچہ بدحواسی کے عالم میں ادھر ادھر دوڑنے لگا کہ گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنیں۔ ادھر جناب عباسؓ نے خیال کیا کہ اگر پیغمبر اکرمؐ اسی شان و شوکت اور عظیم لشکر کے ساتھ اچانک مکے میں داخل ہوئے تو قریش برباد

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا بلکہ وہ ہماری طرف سے ہوگا۔ کیونکہ خدا نے ہم سے (دنیا کی) ابتدا کی ہے اور ہم پر ہی اختتام کرے گا۔ اور ہمارے ذریعے سے شرک کے بعد ان کے دلوں میں الفت پیدا کی ہے اور ہماری ہی وجہ سے فتنہ کے بعد ان کے دلوں کے درمیان الفت پیدا کرے گا۔ میں نے عرض کیا خدا کی اس بخشش و عطا پر حمد ہے کہ جو اس نے اپنے فضل و کرم سے عطا کی ہے"۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا "تو تم اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح کیا کرو اور اس سے استغفار کرو۔ یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے"۔

نعمت کے حصول پر حمد و شکر ضروری ہے اسی بناء پر اس آیت میں پروردگار کی حمد و ثنا اور تسبیح کی فرمائش کی گئی ہے۔ یعنی اے حبیبؐ جس پیغام کے پہنچانے میں آپ نے سخت ترین مصائب برداشت کئے اور جس پیغام حق

ہو جائیں گے۔ اور ان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ لہذا وہ پیغمبر اکرمؐ کے خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوئے کہ اہل مکہ سے کوئی لکڑہارا یا دودھ فروش مل جائے تو اس کے ذریعہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ اہل مکہ مصالحت کی کوشش کریں۔ اور امان طلب کر کے مسلمانوں کی تلواروں سے محفوظ رہیں۔ جناب عباس جا رہے تھے کہ ایک ٹیلے کے پاس سے ابوسفیان کی آواز سنائی دی تو پہچان کر اسے پکارا۔ ابوسفیان نے بھی ان کی آواز پہچان کر آواز دی۔ اے ابوالفضل یہ کیا ہے۔ جناب عباس نے کہا تیرے حال پر افسوس ہے یہ رسول خدا کا لشکر ہے۔ یہ دس ہزار کا لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے۔ ابوسفیان نے کہا اے عباس بتاؤ اب میں کیا کروں۔ جناب عباس نے اسے غنیمت جانا اور کہا۔ میری سواری پر میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں لے جا کر تمہارے لئے امان طلب کرتا ہوں تو ابوسفیان ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جناب عباس چلتے چلتے جب حضرت عمرؓ کے خیمے کے پاس سے گزرے تو انھوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر پہچان لیا اور تلوار لے کر بڑھے تاکہ پیغمبرؐ کے پاس پہنچنے سے پہلے اسے ختم کر دیں لیکن جناب عباس سواری کو تیز دوڑا کر پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور کہا یا رسول اللہ میں نے ابوسفیان کو پناہ دی ہے اور عمر اسے قتل کرنے میں جلدی کر رہے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "اے چچا آج کی رات ابوسفیان کو آپ اپنے خیمے میں رکھیں۔ صبح میرے پاس لائیں جب صبح کو اسے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں لایا گیا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "اے ابوسفیان تم پر وائے ہو کہ اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھ لو کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ ابوسفیان نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کیسے کریم و مہربان ہیں کہ اس قدر ظلم و زیادتی کے جواب میں اس طرح عنایت و مہربانی کر رہے ہیں۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اگر کوئی اور معبود ہوتا تو آج ضرور میری مدد کرتا۔ اور مجھے نفع پہنچاتا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "اے ابوسفیان اب بھی وقت نہیں آیا کہ تو یقین کر لے کہ میں خدا کا رسول ہوں"۔ ابوسفیان نے کہا اس میں ابھی تک مجھے شک ہے۔ جناب عباس نے کہا تم پر وائے فوراً ابھی کلمہ پڑھ لو ورنہ عمرؓ ابھی تمہاری گردن مار دیں گے۔

کے لئے ہمہ وقت کوشاں و فکرمند رہنے اور جس پیغام کے لئے مکہ چھوڑنا پڑا۔ اب اس پیغام حق کے غلبہ کا وقت آگیا ہے۔ اور اس کے آگے کی تمام رکاوٹیں ٹوٹ گئی ہیں۔ اب اسی شہر میں حق و صداقت کی کامیابی کے ساتھ فاتح بن کر داخل ہوگے کہ جس شہر سے رات کی تاریکی میں ہجرت کرنا پڑی تھی۔ اب خانہ خدا سے بتوں کا صفایا ہوگا اور ہر طرف توحید و اسلام کا کلمہ بلند ہوگا۔ لہٰذا اس کامیابی پر خدا کی حمد و تسبیح کیجئے اور عملاً بتا دیجئے کہ اسلام کی فتح شرافت و انسانیت اور عدل و احسان کی فتح ہے اور اسلام فتح و کامرانی پر عجز و انکساری سے خدا کی حمد و شکر اور تسبیح کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر انسانیت تکبیر و تہلیل، حمد و شکر کی صداؤں میں خدا کی تسبیح و تحمید کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے اور بار بار سواری کی زین پر سجدۂ شکر کے لئے آپؐ پیشانی جھکا دیتے تھے اور جب حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو جاءَ الحق ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ زھوقاً " کی تلاوت کرتے ہوئے کمان

ابوسفیان نے کہا میں عزیٰ (بت) کے ساتھ کیا کروں۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم رسول خداؐ کے پاس نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔ ابوسفیان نے کہا " اے محمدؐ ان ـ ـ ـ کو چھوڑ دیتے اور اپنی قوم و قبیلہ سے مصالحت کر لیتے پھر ابوسفیان نے کلمہ پڑھ لیا ـــ جناب عباسؓ نے کہا یا رسول اللہؐ یہ فخر و شرف کا دلدادہ ہے اسے کچھ (تفسیر کبیر) امتیاز عطا کریں۔ جس کی وجہ سے یہ اہل مکہ پر سربلند رہے۔ تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا اس کے لئے امان ہے۔ جو ہتھیار پھینک دے اس کے لئے امان ہے اور جو مسجد الحرام میں آ جائے اس کے لئے امان ہے۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اس کے لئے امان ہے۔ سوائے ایک ساعت کے اور جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے اس کے لئے بھی امان ہے۔ اس طرح عام اعلان کر کے پیغمبر اکرمؐ نے اس کے امتیاز کی اہمیت کو ختم کر دیا۔ بہرحال اس وقت یہی کوشش و فکر تھی کہ کفر و شرک کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔ اور ہر طرف کلمہ توحید کو سربلندی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ جب ابوسفیان اجازت لے کر چلا تو ابھی کچھ دور گیا تھا کہ جناب عباسؓ نے کہا یا رسول اللہؐ میں ابوسفیان سے مطمئن نہیں ہوں یہ مکہ پہنچ کر پھر کوئی فساد و عناد کی راہ اختیار کرلے گا۔ مصلحت اسی میں ہے کہ اس کو روک کر لشکر اسلام کا جاہ و حشم دکھایا جائے تاکہ اس کے دل میں ہیبت بیٹھ جائے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اسے واپس بلاؤ کسی بلند و تنگ جگہ کھڑا کر دو تاکہ لشکر اسلام اس کے سامنے سے گزرے جناب عباسؓ نے آگے بڑھ کر ابوسفیان کو پکارا تو ابوسفیان نے کہا کیا پیغمبر کے دل میں بدعہدی پیدا ہوگئی ہے۔ جناب عباسؓ نے کہا پیغمبر فریب نہیں کیا کرتا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ایک جگہ ٹھہر کر لشکر اسلام اور ان کے اسلحہ وغیرہ کو دیکھ لو۔ چنانچہ ابوسفیان ایک بلند جگہ پر جناب عباسؓ کے ساتھ کھڑا ہو کر لشکر اسلام کو دیکھنے لگا۔ جناب عباسؓ ہر دستے سے اسے متعارف کرا رہے تھے کہ ابوسفیان نے کہا " ایسا لشکر میں نے نہ ہی دیکھا ہے اور

سے بتوں کو گراتے جا رہے تھے۔ پھر خانہ کعبہ کے اندر صفائی کرانے کے بعد دو رکعت نماز شکر ادا کی۔ اس آیت میں تسبیح و تحمید کے ساتھ استغفار کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ پیغمبرؐ کی ذات ہر گناہ و خطا سے پاک ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا کی طرف سے پیغمبرؐ کی مطلق بلا قید و تعین اطاعت کا حکم ہے جس کے ہر عمل کی اور ہر حالت و ہر وقت میں اطاعت خدا کی طرف سے فرض ہو وہ خطا کار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہاں پیغمبر اکرمؐ کی مطلق بلا قید و تعین اطاعت کا حکم ہے جس کے ہر عمل کی اور ہر حالت میں و ہر وقت میں اطاعت خدا کی طرف سے فرض ہو۔ وہ خطا کار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہاں پیغمبر اکرمؐ کو استغفار کا حکم دینے سے خطا سے استغفار مراد نہیں ہے بلکہ تسبیح و تحمید اور عبادت و استغفار میں اضافہ مراد ہے کہ اب جب کہ پیغام حق کی تکمیل ہو جائے گی۔ اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے گا اور دنیائے عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جائے گی تو آپ سفر آخرت کی تیاری کریں اور تسبیح و تحمید اور استغفار میں اضافہ کر دیں اس کے علاوہ جب عبد اپنی عبادت و طاعات کو خدا کے احسانات کے مقابلے میں کم پاتا ہے کیونکہ جس زبان اور اعضاء سے عبادت کرتا ہے یا اعضا اسی کی طرف سے ہیں

نہ ہی سنا ہے۔ اے عباس تمہارے بھتیجے کا ملک و حکومت قوی ہے اور عظیم ہو گئی ہے۔ جناب عباسؓ نے کہا "اے ابوسفیان تم بیروائے ہو یہ نبوت و رسالت ہے حکومت و سلطنت نہیں۔ (تفسیر کبیر) (معارج النبوۃ) پھر جناب عباسؓ نے اس سے کہا جلدی جلدی مکہ جا کر قریش کو ڈراؤ کہ وہ مسلمان ہو جائیں تاکہ قتل و قید سے بچ جائیں۔ ابوسفیان غبار آلود جلدی جلدی مکہ میں داخل ہوا تو قریش نے بڑھ کر پوچھا کہ تمہارے پیچھے کون ہے اور یہ غبار کیسا ہے — ابوسفیان نے کہا محمدؐ نے حکم دیا ہے کہ جو میرے گھر میں پناہ لے یا ہتھیار پھینک دے یا اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے یا مسجد الحرام میں پناہ لے وہ امان میں ہے۔

قریش یہ سن کر حیرت زدہ ہوئے اور کہا تمہارے پیچھے کون ہے۔ یہ گرد و غبار کیسا ہے۔ ابوسفیان نے کہا "اے کمبختو یہ محمدؐ ہیں جو زبردست لشکر کے ساتھ تمہارے سر پر آپہنچے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے — ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ نے ابوسفیان کی داڑھی پکڑ کر اسے بے نقط سنائیں اور کہا اے قریش اس احمق بڈھے کو قتل کر دو تاکہ ایسی باتیں نہ کرے ابوسفیان نے کہا تو جتنا چاہتی ہے مجھے ذلیل کر لیکن میں تنبیہ کہتا ہوں کہ اگر تو مسلمان نہ ہوئی تو تیری (مدارج النبوۃ) گردن اڑا دی جائے گی۔ لہٰذا گھر جا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ جاؤ یہی ایک تدبیر ہے۔

ادھر پیغمبر اکرمؐ نے لشکر کے مختلف راستوں سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دے کر تاکید کر دی کہ کوئی اہل مکہ سے تعرض نہ کرے اور ہر دستے کا قائد وہاں پہنچ کر علم نصب کر کے رک جائے کہ جہاں سے آبادی شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ مرالظہران سے روانہ ہو کر جب شعب ابی طالب میں پہنچے تو وہاں محصوری کے ایام اور پھر مکہ سے ہجرت کا سفر اور پھر اس قدر لشکر کے ساتھ واپسی کا خیال کر کے اپنی سواری پر بار بار جھک کر سجدہ کرتے اور خدا کا حمد و شکر کرتے جا رہے تھے۔ شعب ابی طالب کے ایک کنارے میں آپ سواری سے اتر پڑے۔ آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا جس میں جا کر آپ نے غسل کیا۔ کیونکہ جسم و لباس گرد و غبار آلود تھا۔ غسل سے فارغ ہو کر کپڑے

تو عبد اس کے کمال شکر سے اپنے آپ کو عاجز پاکر استغفار کرتا ہے ۔ چنانچہ اس سورہ کے نزول کے بعد پیغمبر اکرمؐ اٹھتے، بیٹھتے حمد و استغفار کے کلمات پڑھتے رہتے ۔ علامہ رازی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صحابہ کبار اور اہل بدر کے برابر اپنے پاس جناب ابن عباسؓ کو بٹھاتے تھے جبکہ اس کم سن کی تعظیم و تکریم کرتے تھے ۔ تو جناب عبدالرحمٰن بن عوف نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا اس نوجوان کو آپ ہمارے برابر بٹھاتے ہیں جب کہ اس کے سن کے ہمارے بیٹے ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے ان صحابہ کبار کو جمع کیا اور ابن عباس بھی موجود تھے تو آپ نے ان سے سورہ کی اس آخری آیت کی تفسیر دریافت کی تو کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا لیکن ابن عباس نے کہا اس آیت سے پیغمبر اکرمؐ کی وفات کی طرف اشارہ ہے ۔ اس مفہوم کو صحابہ نے تسلیم کیا ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ لوگ اس نوجوان کی کم سنی پر کیسے اعتراض کرتے ہو یعنی جناب عبداللہ ابن عباس اگرچہ کمسن تھے لیکن کمال علم کی بناء پر

بدل رہے تھے کہ اُمّ ہانی بنت ابی طالب خدمت میں حاضر ہوئیں ۔ ان کا گھر شعب میں آبادی سے قریب تھا ۔ پیغمبر اکرمؐ لباس تبدیل کر کے باہر نکلے تو اُمّ ہانی کو دیکھ کر فرمایا ۔ اھلاً و مرحباً یا ام ھانی ۔ کیسے آنا ہوا ۔ ام ہانی نے کہا میرے گھر میں میرے شوہر کے دو عزیز ہیں ۔ آ کر چھپ گئے ہیں اور میرے بھائی علیؑ نے ان کو دیکھ لیا ہے ۔ وہ انھیں قتل کرنا چاہتے ہیں ۔ آپ میری خاطر ان کی جان بخشی کر دیں ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " اے اُمّ ہانی جسے تم نے امان دی ہے اسے میں نے امان دی ہے "۔ پھر آپؐ اُمّ ہانی کے گھر تشریف لے گئے وہاں آپ نے روٹی کے ٹکڑے کر کے پانی میں بھگو کر اس پر نمک چھڑک کر کھانا کھایا ۔ جب گھر سے باہر نکلے تو صحابہ کی مسلح جماعت دروازہ پر کھڑی تھی اور حضور اکرمؐ اسلحہ حرب پہنے تھے ۔ حضور اکرمؐ " انا فتحنا لك فتحاً مبيناً " کی تلاوت فرماتے ہوئے اور صحابہ کی جماعت تکبیروں کے نعرہ لگاتی ہوئی وادی سے روانہ ہوئے ۔

اور پیغمبر اکرمؐ بار بار شکر الٰہی میں جھک جاتے اور فرماتے " معبود حقیقی اصل کامیابی تیری کامیابی ہے "، مکے میں داخل ہونے سے قبل لشکر اسلام کو حکم عام تھا کہ جو شخص ہتھیار رکھ دے اسے قتل نہ کیا جائے ۔ (سوائے چند مخصوص مجرمین کے) اور جو شخص ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے اسے بھی امان دی جائے ۔ اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے بھی قتل نہ کیا جائے ۔

غرض پیغمبر اسلامؐ نے تمام لشکر کو تاکید کر دی تھی کہ کسی سے قتال نہ کیا جائے ۔ سوائے اس کے جو تم سے برائی سے مقابلہ کرے ۔

تکبیر کی صداؤں میں پیغمبر اکرمؐ حرم کعبہ میں داخل ہوئے ۔ کعبہ کے اردگرد ۳۶۰ بت نصب تھے اور کعبہ کی چھت پر خزاعہ کا بت نصب تھا ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " یا علیؑ ان بتوں کو توڑ دو ۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کو اٹھا کر بلند کیا وہ چھت پر چڑھ گئے اور وہاں پر نصب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے

تعظیم و تکریم کے مستحق ہوئے ۔ اور عام صحابہ سے ان کو فضیلت و فوقیت حاصل ہے پھر جناب ابن عباسؓ جیسے علیؑ کے علم کے مقابلے میں اپنے علم کو اس طرح قرار دیں کہ جیسے قطرے کو سمندر سے نسبت ہے اور جو ہستی پیغمبرؐ کے شہر علم کا دروازہ ہے تو اس ذات پر بھی کمسنی کی بناء پر کسی بوڑھے کو سن و سال کے لحاظ سے فضیلت نہیں دیجا سکتی ۔
اس آیت کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ اب جبکہ دنیا سے روانگی کا وقت قریب آگیا ہے تو اپنی امت کے لئے استغفار کیجئے جیسا کہ قرآن حکیم میں ایک جگہ پیغمبرؐ کو حکم ہے کہ مومنین کے لئے استغفار کیجئے ۔ اور پھر سورہ کے آخری کلمات میں بتایا گیا ہے کہ خداوند عالم ماضی و حال اور استقبال ہر وقت میں توبہ قبول کرنے پر قادر ہے ۔ کفر سے خائف ہو کر مسلمان ہونے والا یا گناہ سے نادم ہو کر توبہ کرنے والے کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے ۔ یقیناً وہ تواب و رحیم ہے ۔

نیچے پھینک دیا ۔ (مواھب لدنیہ)
نیچے پھیلے ہوئے بتوں کو پیغمبر اکرمؐ قوس سے توڑنے گئے ۔ لیکن چند بڑے بڑے بت بلند مقام پر نصب تھے حضرت علیؑ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ میرے کندھے پر بلند ہو کر ان بتوں کو توڑ ڈالیں ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا یا علیؑ تم بار نبوت نہیں اٹھا سکو گے البتہ تم میرے کندھے پر سوار ہو کر ان کا کام تمام کردو ۔ حکم رسولؐ کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت علیؑ دوشِ نبوت پر سوار ہو کر بتوں کو توڑنے لگے تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا یا علیؑ بتاؤ تم اپنے آپ کو کس بلندی پر پاتے ہو ۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری نگاہوں کے سامنے سے حجاب ہٹا دیئے گئے اور گویا میرا سر عرش کو چھو رہا ہے ۔ اور جس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوں گویا وہ میرے ہاتھ میں ہے ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "یا علی تمہارا حال کتنا مبارک ہے کہ تم حق کا کام کر رہے ہو اور میرا حال مبارک ہے کہ میں حق کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں ۔ جب بتوں کو توڑ کر حضرت علیؑ نے زمین پر چھلانگ لگائی تو مسکرانے لگے ۔ پیغمبر اکرمؐ نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو عرض کیا اتنے بلند مقام سے زمین پر آیا لیکن کوئی صدمہ نہیں پہنچا ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "علی تمہیں صدمہ کیوں کر پہنچتا جبکہ محمدؐ نے اٹھایا ۔ جبرائیلؑ نے اتارا ہے ۔
(مسند احمد بن حنبل ۔ معارج النبوۃ) معارج النبوۃ
صاحب معارج النبوۃ حضرت علیؑ کے دوش نبوت پر بلند ہونے کا واقعہ لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ "حضرت علیؑ کے دوش نبوت پر بلند ہونے کی اہل واشارۃ نے کئی وجوہ بیان کی ہیں ۔ حضرت علیؑ کے دوش نبوت پر سوار ہونے کی تین وجوہ لکھی ہیں ۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ نبوت کی قوت ولی کی قوت سے زیادہ ہوتی ہے ۔ اور ولی نبوت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا لیکن نبی اس کے بوجھ کو اٹھا سکتا ہے

دوسری حکمت یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ علم کا شہر تھے اور حضرت علیؑ اس شہر علم کا دروازہ تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ دروازے کو شہر پر لگاتے ہیں۔ شہر کو دروازے پر نہیں لگاتے۔ تیسری حکمت یہ تھی پیغمبر اکرمؐ اپنا ہاتھ بتوں کو نہیں لگانا چاہتے تھے کیونکہ بت جہنم کا ایندھن ہیں اور حضورؐ کے ہاتھوں سے مس ہوتے تو آتش جہنم ان پر اثر نہ کرتی! اس کے بعد صاحب معارج النبوۃ لکھتے ہیں کہ بروز قیامت خداوند عالم کی طرف سے خطاب ہوگا اے محمدؐ تو نے خود علی سے کہا تھا کہ یا علی تجھے مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں (صحیح مسلم) تو اب تدبیر یہ ہے کہ جب تمہاری امت کو دوزخ کے اوپر سے گذرنا ہے تو علی اور تم میں سے کسی ایک کو آگے اور دوسرے کو پیچھے ہونا چاہیئے اور امت کو درمیان میں ہونا چاہیئے تاکہ آگ کو مجال نہ ہو کہ تیری امت کے ایک بال کو بھی جلا سکے۔

علوم و کمالات کے چھٹے وارث حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاکم مدینہ محمد بن حرب ہلالی نے حاضر ہو کر عرض کیا فرزند رسولؐ میرے ذہن میں ایک سوال ہے جو آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ امام نے فرمایا اگر چاہو تو تمہارے پوچھنے سے قبل میں بتا دوں یا تم خود بیان کرنا چاہتے ہو۔ عرض کیا فرزند رسولؐ آپ ذہن کی بات پوچھنے سے قبل آپ کیسے جانتے ہیں۔ امام نے کہا فہم و فراست سے کیا تو نے خدا کا ارشاد نہیں سنا ہے کہ "یقیناً اس میں حقیقت اشیاء کو جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں" اور رسول خدا کا ارشاد ہے "مومن کامل کی فراست سے بچو کیونکہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے"۔ ہلالی نے عرض کیا میرا سوال آپ ہی بیان فرمادیں۔ امام نے فرمایا تم پوچھنا چاہتے ہو کہ حضرت علیؑ انتہائی قوت و طاقت کے ہوتے ہوئے پیغمبر کو نہ اٹھا سکے جبکہ خیبر میں قلعہ قموص کے دروازے کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ جسے چالیس قوی مرد نہ اٹھا سکے جبکہ حضور اکرمؐ کو ناقہ و گھوڑے اور گدھے اٹھا لیتے تھے اور شب معراج آپ براق پر سوار ہوئے تھے۔ اور یہ سب قوت و طاقت میں علیؑ سے کم ہیں۔ ہلالی نے کہا فرزند رسولؐ بخدا میرے دل میں یہی سوال تھا۔ اب آپ وضاحت کیجئے۔ امام نے فرمایا "یقیناً علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ شرف و رفعت حاصل کی۔ اور پیغمبر اکرمؐ کے ذریعہ شرک کو بجھایا۔ اور خدا کے علاوہ ہر معبود کو باطل کیا۔ اگر پیغمبر اکرمؐ بتوں کو توڑنے کے لئے بلند ہوتے تو پھر یہ ہوتا کہ پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کے ذریعہ شرف و رفعت حاصل کی اور بتوں کو توڑنے تک رسائی کی۔ اسطرح علیؑ پیغمبر اکرمؐ سے افضل ہو جاتے۔ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا "جب میں پیغمبر اکرمؐ کی پشت پر بلند ہوا تو یہ شرفِ بلندی پائی کہ اگر میں چاہتا تو آسمانی بلندیوں کو چھو لیتا۔ اور کیا تم نہیں جانتے کہ چراغ جس سے تاریکی میں ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی شعاع اس کی اصل سے بلند ہوتی ہے۔ اور حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ میں پیغمبر اکرمؐ سے اسطرح ہوں جس طرح ضوء، ضوء (اصل) سے ہے کیا تم نہیں جانتے کہ محمدؐ اور علیؑ قرب الٰہی میں مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال (عالم ارواح کے سال) قبل نور تھے اور جب ملائکہ نے اس نور کو دیکھا کہ اس کی اصل ہے اور روشن شعاع ہے تو کہا اے میرے معبود و آقا یہ نور کیسا ہے تو خدا نے ان کی طرف وحی کی۔ یہ نور میرے خاص نور سے ہے اس کی اصل نبوت اور فرع امامت ہے۔ نبوت میرے عبد و رسول محمدؐ کے لئے اور امامت میری حجت و میرے ولی علیؑ کے لئے ہے۔ اور اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو میں اپنی

مخلوق کو پیدا نہ کرتا۔ اور کیا تم نہیں جانتے ہو کہ غدیر خم میں پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اتنا بلند کیا تھا کہ دونوں بغلوں کی سفیدی کو لوگوں نے دیکھا تو پیغمبرؐ نے ان کو مسلمانوں کا مولا و آقا اور ان کا امام بنایا۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے جب حسنؑ و حسینؑ کو کندھوں پر اٹھایا تھا تو کسی صحابی نے کہا تھا کہ یا رسول اللہؐ ایک بچہ مجھے دیدیجئے تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ کتنا بہترین اٹھانے والا ہے اور کتنے بہترین دونوں سوار ہیں اور ان دونوں کے بابا ان سے افضل ہیں"۔ پھر پیغمبر اکرمؐ اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے ایک سجدے کو طول دیا۔ جب سلام کے بعد سجدے کے طولانی کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میرا بیٹا (حسینؑ) آ کر میرے اوپر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے جلدی کرنا پسند نہیں کیا یہاں تک کہ وہ خود اتر گیا تو اس عمل سے پیغمبر اکرمؐ نے ان حضرات کی رفعت و شرف کا ارادہ کیا اور نیز پیغمبر اکرمؐ رسولؐ و امام تھے اور حضرت علیؑ امام تھے نبی و رسول نہیں تھے۔ لہٰذا وہ نبوت کا بوجھ نہ اٹھا سکتے۔ ہلالی نے عرض کیا فرزند رسولؐ مزید وضاحت کیجئے امام نے فرمایا تم زیادہ وضاحت کے اہل ہو۔ یقیناً رسول خداؐ نے اپنی پشت پر حضرت علیؑ کو اٹھایا جس سے پیغمبرؐ کا اشارہ تھا اور ظاہر کرنا مقصود تھا کہ حضرت علیؑ آپ کے بیٹوں (حسنؑ و حسینؑ) کے باپ ہیں اور آپ کی صلب سے آئمہ کے امام ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے نماز استسقاء کے وقت ان حضرات کو اپنی چادر کے نیچے لے کر صحابہ کو بتانا چاہا تھا کہ (یہ آپ کے اہل و اولاد ہیں) اور جن کی وجہ سے خشک زمین بارش سے سرسبز ہو گئی تھی۔ ہلالی نے عرض کیا فرزند رسولؐ اور واضح کیجئے۔ امام نے فرمایا کہ تم مزید وضاحت سننے کے اہل ہو۔ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو اٹھایا۔ اس سے آپؐ اپنی امت کو بتانا چاہتے تھے کہ یہی ان کی پشت سے ان کے قرض و امانت کو ادا کر کے ان کے بوجھ و ذمہ داریوں کو ہلکا کریں گے۔ ہلالی نے کہا اور واضح کیجئے۔ امام نے فرمایا پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کو اٹھا کر بتانا چاہا کہ علیؑ معصوم ہیں پھر امام نے چند آیات کی تاویل بیان فرمائیں اور فرمایا جو کچھ تم نے سنا ہے تمہارے لئے کافی ہے۔

غرض خانہ کعبہ سے اردگرد بتوں کی نجاست کو دور کر دیا گیا۔ کعبہ کی چابی سلافہ بنت سعد کے پاس تھی جس کے کئی بیٹے احد وغیرہ میں کام آئے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس کے بیٹے عثمان بن طلحہ کو اس سے چابی لانے کے لئے بھیجا تو اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ تو عثمان نے کمر سے تلوار نکال کر دھمکی دی تو سلافہ نے چابی نکال کر بیٹے کو دیتے ہوئے کہا کہ تمہارا چابی لے جانا بہتر ہے کہ کوئی اور لے جائے۔ عثمان چابی لئے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو جناب عباس بن عبدالمطلب نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ جس طرح آپ نے زمزم کا پانی پلانا میرے سپرد کیا ہے اسی طرح خانہ کعبہ کی دربانی بھی میرے سپرد کر دیجئے"۔ عثمان نے یہ سن کر چابی روک لی تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا اے عثمان اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو چابی مجھے دے دو۔ عثمان نے کہا امانت الٰہی کے ساتھ لے لیجئے۔

عثمان سے پیغمبر اکرمؐ کی گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ عثمان فتح سے قبل ایمان لا چکے تھے۔ طبقات ابن سعد کے حوالے سے مدارج النبوۃ میں محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں خانہ کعبہ کو صرف پیر و جمعرات کو کھولا جاتا تھا۔ عثمان بن طلحہ راوی ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ میرے پاس آئے اور خانہ کعبہ کو کھولنے کو کہا تا کہ ساتھیوں کے

ساتھ اندر داخل ہوں تو میں نے سختی سے منع کر دیا تھا تو پیغمبر اکرمؐ نے حلم سے فرمایا تھا "اے عثمان ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جہاں چاہوں گا رکھوں گا"۔ میں نے کہا تھا کہ آپ قریش کو دھمکی دیں گے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس روز قریش ہلاک و خوار ہوں گے۔ اس روز سے میرے ذہن میں یہ بات نقش ہو گئی تھی اور یقین ہو گیا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ جب مکہ فتح ہوا تو پیغمبر اکرمؐ نے مجھے فرمایا "اے عثمان چابی لاؤ۔ جب میں نے چابی پیش کی تو آپ نے چابی لے کر پھر میرے ہاتھ میں لوٹا دی اور فرمایا "اے عثمان یہ چابی لو اب قیامت تک تمہارے ہاتھ سے نہیں لی جائے گی مگر سوائے ظالم (یعنی تمہارے ہاتھ سے ظالم ہی چابی چھینے گا") اے عثمان کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم ایک روز دیکھو گے کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا دیدوں گا۔ میں نے کہا بے شک اے اللہ کے رسول آپ نے سچ فرمایا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (عثمان بن طلحہ فتح مکہ سے ایک سال قبل عمرو بن عاص اور خالد بن ولید کے ساتھ اسلام لا چکے تھے اور فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ اسلام کا اقرار کیا تھا) پھر خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا گیا اور کعبہ کی اندرونی دیوار پر انبیاء و فرشتوں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں بلالؓ و اسامہؓ نے ان کو پانی سے دھویا۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تصاویر کو پانی سے کپڑا بھگو کر صاف کر دیا۔ ہجوم کی وجہ سے دروازہ بند کر دیا گیا اور آپ نے کعبہ کے اندر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور اندر ہر طرف گھوم پھر کر توحید و تکبیر کی آواز بلند کی۔ پھر دروازہ کھلوا کر دروازے کے درمیان کھڑے ہوئے اور چوکھٹ کو تھام کر فرمایا " اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں نہ ہی کوئی اس کا شریک ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے عبد کی مدد کی اور اس کے لشکر کو کامرانی سے سرفراز فرمایا۔ ہاں جاہلیت کے تمام مفاخر، انتقام اور سابق قتل و خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں اور کعبہ کی دربانی اور حجاج کو پانی پلانے کے عہدے حسب سابق جس کے پاس تھے انہی کے پاس رہیں گے۔ اور مکہ اللہ کا حرم ہے نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھا اور نہ ہی میرے لئے سوائے ایک ساعت کے۔ اور نہ ہی میرے بعد قیامت تک کسی کیلئے حلال ہوگا۔ تم جان لو کہ کعبہ محترم ہے یہاں نہ گھاس و درختوں کو کاٹا جا سکتا ہے نہ ہی کسی پرندے کا شکار کیا جائے۔ نہ کسی کو ڈرایا جائے یہاں کوئی شے کسی کے لئے اٹھانا جائز نہیں البتہ کسی شے کو اس کے مالک کو پہنچانے کے لئے اٹھا سکتے ہیں۔ اے قریش خدا نے جاہلیت کے غرور کو تم سے دور کر دیا اور آبا و اجداد کی پیروی کو باطل کر دیا ـــ اور یہ جان لو کہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور خدا کا ارشاد ہے (اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تو تمہیں قبائل میں اس لئے تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز ترین وہ ہے جو تم سے بڑھ کر پرہیزگار ہو۔) اے اہل مکہ تم میرے بدترین پڑوسی تھے، تم نے مجھے جھٹلایا اور جلاوطن کیا اور اس قدر ستایا کہ یہاں سے جانے کے بعد بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ بتاؤ آج تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے اور میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں۔ تمام قریش نے کہا ہم خیر کہتے ہیں اور آپ سے خیر چاہتے ہیں۔ آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے فرزند ہیں اور آپ نے ہم پر قدرت حاصل کر لی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا میں وہی کلمات کہہ کر معاف کرتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے جواب میں کہا تھا۔ "لا تثریب علیکم الیوم" الخ (آج تم پر سختی و سرزنش نہیں ہے۔

اللہ تم کو معاف کرے وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) اذھبوا فانتم الطلقاء" جاؤ تم طلقاء یعنی آزاد کئے گئے۔"

آزادی کے اعلان سے کفار مکہ کی جان میں جان آئی۔ اور اس طرح منتشر ہوئے جیسا کہ قبروں سے زندہ نکل آئے ہوں۔
غرض خطبہ سے فراغت کے بعد پیغمبر اکرمؐ اپنی چچازاد بہن امّ ہانی بنتِ ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں جاکر غسل فرمایا پھر وہاں سے اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں شعب ابی طالب کی طرف نظر کرکے مشرکین کے ظلم و زیادتیوں کو یاد کیا اور پھر اپنی اس فتح کو یاد کیا تو خدا کا شکر ادا کرتے گئے۔ جب ظہر کا وقت آیا تو آپ نے بلالؓ سے فرمایا کہ کعبہ کی چھت پر جاکر اذان کہو۔ مشرکین نے جب بلال کی آواز سنی تو ان میں سے بعض خالد بن سعید، حارث بن ہشام، حکم بن عاص وغیرہ ایک جگہ بیٹھے تھے ان کے پاس ابوسفیان بھی بیٹھا تھا۔ انھوں نے بیہودہ باتیں بکنا شروع کیں۔ ابوسفیان نے کہا میں تمہارے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا یقین ہے کہ یہ سامنے کے سنگریزے بھی محمدؐ کو سب کچھ بتا دیں گے۔ ملک نے حاضر ہو کر ان کی گفتگو سے پیغمبر اکرمؐ کو آگاہ کیا۔ آپ نے ان کو بلا کر ان کی گفتگو ان کے سامنے دہرائی کہ تم نے یہ کہا تھا۔ ابوسفیان نے کہا میں نے ان کی طرح کوئی بات نہیں کہی۔ پیغمبر اکرمؐ نے مسکرا کر کہا کہ ہاں (معارج النبوۃ) اس کے بعد ظہر کی نماز حرم کعبہ میں ادا فرماکر آپ کوہ صفا پر گئے اور دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے۔ اور نعمت الٰہی کا شکر ادا کیا۔ پھر قریش بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اور ایک ایک بیعت کرتا گیا۔ مردوں کے بعد عورتیں بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئیں۔

نوٹ: طلقاء۔ طلاق سے ہے۔ اور طلاق رجعی میں ایک معین مدت تک شوہر کو رجوع کرکے تصرف کرنے کا اختیار و حق رہتا ہے اور عتقاء۔ عتق سے ہے جس کے معنی آزاد کر دینے کے ہیں کہ جس کے بعد تصرف کا حق ختم ہو جاتا ہے پیغمبر اکرمؐ نے فتح مکہ کے وقت اہل مکہ کیلئے " طلقاء " کا لفظ استعمال کرکے اپنے حق تصرف کو ان پر باقی رکھا کہ "ہم جب چاہیں تم کو غلامی میں لے سکتے ہیں۔ امام حسنؑ نے حاکم شام سے صلح کی کئی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ مجھے گرفتار کرکے حاکم شام کے پاس پیش کیا جائے تو وہ یا قید رکھے یا آزاد کر دے " یعنی آزاد کرکے اپنا احسان کرے اور یہ کہکر آزاد کرے کہ میں نے فتح مکہ کا بدلہ اتار دیا ہے ـــ یعنی فتح مکہ کے وقت انکی گردنوں میں احسان کا جو طوق ڈال دیا گیا تھا اسے اتار نہیں دیا۔

سُورَةُ اللَّهَب (مكيه)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ②

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③ وَّامْرَاَتُهٗ ط حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④

فِي جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤ ع

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تباہ ہوئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود بھی تباہ ہوا۔
نہیں کام آیا اُسے اس کا مال اور وہ جو اس نے کمایا۔
عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جلے گا اور اس کی بیوی بھی
جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں کھجور کی بٹی ہوئی رسّی ہوگی۔

امام جعفر الصادق ؑ نے فرمایا کہ جب سورۃ اللہب پڑھو تو ابولہب کے لئے بد دعا کرو کیونکہ وہ رسول خدا اور قرآن کی تکذیب کرنے والا تھا۔ (البرھان)

پیغمبر اکرم ؐ اعلان نبوت سے قبل پوشیدہ طور پر مکے کی وادیوں میں عبادت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آیت " وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ " اور اپنے قریب ترین قبیلہ والوں کو ڈرائیے" نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم ؐ نے پہلے کوہ صفا یا کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر قریش کو پکارا اور یہ کلمہ کہا " یا صباحاہ " یہ کلمہ بلند آواز سے کسی مصیبت یا دشمن کے حملے کے خطرے کے موقع پر کہا جاتا ہے۔ پیغمبر اکرم ؐ کی آواز سن کر اولاد عبدالمطلب اولاد عبدالمناف، اولاد فہر اور اولاد ہاشم جمع ہو گئی تو پیغمبر اکرم ؐ نے مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تصدیق کرو گے۔ سب نے کہا۔ ہاں کیونکہ ابھی تک آپ سے جھوٹ کا مشاہدہ نہیں کیا۔ تو پیغمبر اکرم ؐ نے فرمایا " میں تمہیں جہنم کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اور میں تمہاری دنیا و آخرت سے تم سے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف یہ کہ تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تو تمہارے رب کے ہاں تمہاری گواہی دوں گا۔ اور اگر تم نے میری دعوت کو قبول کیا تو عرب و عجم کے حاکم بن جاؤ گے یہ سن کر ابولہب نے کہا تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔ کیا اس لئے ہم کو بلایا تھا۔ اس کے تھوڑے عرصے

بعد سورۂ لہب کا نزول ہوا۔ اور تباہی کے کلمات اس کی طرف لوٹا دیئے گئے۔ خانہ کعبہ کے بیت المال کا نگران ابولہب تھا۔ خانہ کعبہ کا مال یتیموں و مسکینوں اور حجاج پر خرچ کرنے کی بجائے اس کا خود مالک بن بیٹھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے جب اعلان نبوت کیا اور مکارم اخلاق کی دعوت دی اور خانہ کعبہ کے وجود کے مقصد کو بیان کیا تو ابولہب نے محسوس کر لیا کہ اب منصب و دولت چھن جائے گی۔ لہٰذا ابتدا ہی سے اسلامی دعوت کو ختم کرنے کا اس نے تہیہ کر لیا۔ اور پیغمبر اکرمؐ کی مخالفت کے لئے کمربستہ کھڑا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کی بیوی ام جمیل بھی مخالفت میں برابر کی شریک ہو گئی۔ ابولہب کا گھر پیغمبر اکرمؐ کے گھر کے پاس تھا اس لئے دونوں میاں بیوی دن رات پیغمبر اکرمؐ کو اذیت پہنچانے کی فکر میں رہتے۔ کبھی پیغمبر اکرمؐ کے گھر میں غلاظت پھینکتے اور ابولہب کی بیوی ام جمیل پیغمبر اکرمؐ کے گھر کے دروازے کے آگے کانٹے پھیلا دیتی اور کبھی کانٹے دار جھاڑیاں ڈال دیتی پیغمبر اکرمؐ کبھی ان کانٹوں کو اٹھا کر راستہ صاف کر دیتے اور کبھی آپ ان کانٹوں کے اوپر چلتے ہوئے گذر جاتے اور وہ کانٹے آپ کے پاؤں کے نیچے انتہائی نرم ہو جاتے۔ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ بھی پیغمبر اکرمؐ کی دشمنی میں اپنے والدین سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ ملکہ عرب جناب خدیجہؓ کی بہن ام ہالہ کی دو بیٹیاں رقیہؓ اور ام کلثوم جناب خدیجہ کے پاس زیر تربیت تھیں کہ جو ظہور اسلام سے قبل ابولہب کے دونوں بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں۔ جب پیغمبر اکرمؐ نے دعوت توحید کا اعلان کیا اور ابولہب اور اس کی بیوی پیغمبر اکرمؐ کے سخت ترین دشمن ہو گئے اور پیغمبر اکرمؐ کی سخت مخالفت اور توہین کی بنا پر ان دونوں کی مذمت میں جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی اپنی مذمت کا سن کر غیض و غضب سے دیوانہ ہو رہے تھے تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا جب تک تم دونوں اپنی اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دو گے میرا تم سے ملنا حرام ہے تو دونوں نے طلاق دے دی تو رقیہ اور کلثوم دونوں پیغمبر اکرمؐ کے گھر میں جناب خدیجہؓ کے پاس آگئیں۔ انہی دونوں کی بعد میں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی۔ غرض عتبہ اور عتیبہ اپنے والدین کی طرح پیغمبر اکرمؐ کی عداوت میں بہت آگے بڑھ گئے اور عتبہ نے ایک دفعہ پیغمبر اکرمؐ کے پاس آکر آیاتِ قرآنی کی تکذیب کرتے ہوئے پیغمبر اکرمؐ کے چہرے کی طرف تھوکا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "اے اللہ اس پر اپنے کسی درندے کو مسلط کر دے" اس کے کچھ دنوں بعد ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ قریش کے ایک قافلے کے ساتھ بغرض تجارت شام کی طرف گئے۔ راستے میں ایک ویرانے میں قافلہ رات بسر کرنے کے لئے رکا۔ ابولہب نے ساتھیوں سے کہا "اے قریش میرے بیٹے کی حفاظت کا انتظام کرو" کیونکہ محمدؐ کی بددعا کا خوف ہے۔ قافلے والوں نے چاروں طرف اونٹ بٹھا کر سامان کے ڈھیر لگا دیئے اور درمیان میں عتبہ کو لٹایا گیا۔ رات کو کسی وقت شیر آیا اور کسی طرح گذر کر عتبہ کے پاس پہنچ گیا اور اس کی گردن دبوچ کر اسے ختم کر دیا۔ (استیعاب۔ اصابہ، ترمذی)

اس واقعے کے بعد بھی ابولہب اور اس کی زوجہ کی دشمنی و مخالفت میں کمی نہیں آئی۔ پیغمبر اکرمؐ جب توحید کی دعوت دینے کے لئے جاتے تو بعض دفعہ ابولہب آپ کے پیچھے لگ جاتا اور لوگوں کو آپ کی بات سننے سے روکتا اور آپؐ کی بات کی تکذیب کرتا۔ شعب ابی طالب میں جب پیغمبر اکرمؐ اپنے چچا ابوطالب اور دیگر افراد خانہ کے ساتھ تین سال تک محصور رہے تو ابولہب کی پوری کوشش رہتی کہ شعب میں خوراک نہ پہنچ سکے۔

تفسیر درمنثور میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: مجھے چار چچوں کی طرف بھی پیغام پہنچانے کے لئے مامور کیا گیا۔ ایک عباس ہیں کہ جن کی کنیت قیامت تک ان کے بیٹے فضل کی وجہ سے ابوالفضل ہے۔ اور دوسرے حمزہ ہیں کہ جن کی کنیت ابوالعلی ہے۔ خدا نے دنیا و آخرت میں ان کی کنیت کو بلند کیا ہے۔ اور تیسرا عبدالعزیٰ ہے جس کی کنیت ابولہب ہے۔ خدا نے اسے آگ میں ڈالا اور شعلوں کو بھڑکایا۔ اور چوتھے عبد المناف کہ جن کی کنیت ابوطالب ہے۔ ان کے لئے اور ان کے فرزند کے لئے قیامت تک عظمت و بزرگی ہے۔ ابولہب جنگ بدر کے سات روز بعد طاعون کی ایک قسم کی بیماری سے ہلاک ہوا۔ اور تین روز تک اس کا مردار پڑا رہا۔ جب بدبو پھیلی تو اس کے لڑکوں نے حبشیوں کو اجرت دے کر اس کے مردار کو پہاڑی پر ڈلوا کر پتھروں سے چھپا دیا۔

تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ۝ "تباہ ہوئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود بھی تباہ ہوا۔"

تباب کے معنی نقصان و ہلاکت کے ہیں اور ہاتھوں کی تباہی سے اس کے عمل و کمائی اور قوت کی تباہی مراد ہے۔ اور تبت سے مراد اس کی ذات کی تباہی مراد ہے۔ تباہی و بربادی دو طرح کی ہے۔ (۱) دنیا کی (۲) اور آخرت کی۔ اس طرح دونوں اس کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کر کے اس کی دنیاوی و اخروی بربادی کو بیان کیا گیا ہے۔ اور بعد کی آیات میں اسے واضح بھی کر دیا گیا ہے۔ طارق محاربی کہتا ہے کہ میں نے پیغمبر اکرمؐ کو بازار ذوالمجاز میں دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے "اے لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو نجات پا جاؤ گے۔" اور آپ کے پیچھے ایک شخص کو دیکھا جس نے آپ کو پتھر مار کر آپ کی پیٹھ زخمی کر دی تھی اور لوگوں کو آپ کی دعوت قبول کرنے سے منع کرتے ہوئے آپ کی تکذیب بھی کر رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے تو بتایا گیا کہ توحید کی دعوت دینے والے محمدؐ ہیں اور پتھر مارنے والا اور تکذیب کرنے والا آپ کا چچا ابولہب ہے۔ ایک شب پیغمبر اکرمؐ ابولہب کے پاس گئے اور اس کے سامنے زمین پر بیٹھ کر اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا اگر اسلام لانے میں عار ہے تو اسی وقت بتاؤ ورنہ خاموش رہو۔ ابولہب نے کہا اگر یہ بھیڑ آپ کی نبوت کی گواہی دے دے تو ایمان لے آؤں گا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس بھیڑ سے کہا "میں کون ہوں" تو بھیڑ نے کہا آپ خدا کے رسول ہیں۔ جب بھیڑ نے گواہی دے دی تو ابولہب نے اسے مار مار کر ہلاک کر دیا اور کہا تمہارے لئے ہلاکت ہے کہ تم پر بھی جادو کا اثر ہو گیا۔ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ مشرکانہ نام تھا۔ اس نام سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُۥ وَمَا كَسَبَ۝

اس کے نہیں کام آیا اس کا مال جو اس نے کمایا تھا" یہ ما نافیہ یا استفہامیہ انکاریہ ہے یعنی اس کا جمع کیا ہوا مال و دولت اور اس کی اولاد کوئی شے اسے نہ دنیا کی ذلت و رسوائی سے بچا سکی اور نہ ہی آخرت کے عذاب سے بچا سکی ہے اس کے پاس کافی مال و دولت اور سونا اور مویشی کے ساتھ اولاد کی قوت بھی تھی۔ لیکن دنیا میں ذلت و رسوائی کی موت اور آخرت کے عذاب جہنم سے کوئی چیز اسے نہ بچا سکی۔

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۝ "عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں جلے گا"

ان آیات میں جہاں ابولہب اور اس کی بیوی کے جہنم میں جلنے کو بیان کیا گیا ہے وہاں یہ خبر بھی دے دی گئی

ہے کہ وہ دونوں ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کی موت کفر پر ہوگی ۔ دنیا میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ سے حسد وعداوت کی آگ میں جلتے رہے اور موت کے بعد جہنم کی آگ میں جلیں گے۔

وَامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ "اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھاتی تھی"

(ابولہب کی بیوی ام جمیل (بیکچشم) جو خاندان بنی امیہ سے تھی اور ابوسفیان کی حقیقی بہن اور معویہ کی حقیقی پھوپھی تھی۔ یہ بھی شوہر کی طرح پیغمبر اکرمؐ کی دشمنی میں بہت سخت تھی۔ سورہ لہب کے نزول کے بعد ایک روز ام جمیل پتھر مارنے کے لئے پیغمبرؐ کی تلاش میں گھر سے باہر نکلی اور پیغمبر اکرمؐ خانہ کعبہ کے قریب حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کھڑے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے دیکھ کر کہا یا رسول اللہ ام جمیل پتھر لئے مارنے کے لئے آرہی ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ وہ قریب آئی اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا محمد کہاں ہیں۔ انھوں نے میری ہجو و توہین کی ہے تو حضورؐ کو نہ پاکر واپس چلی گئی۔ یہ حضورؐ کے راستے پر کانٹے بھی بچھاتی تھی اور حضورؐ کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتی بھی تھی۔

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۚ "اس کی گردن میں کھجور کی بٹی ہوئی رسّی ہوگی"

ام جمیل ایک روز اپنے بھائی ابوسفیان کے پاس غضبناک حالت میں آئی۔ اور کہا کہ محمد نے میری ہجو کی ہے۔ کیا تم غضبناک نہیں ہوگے۔ تو ابوسفیان تلوار لے کر پیغمبرؐ کی تلاش میں نکلا لیکن تھوڑی دیر میں واپس آگیا تو ام جمیل نے پوچھا کیا محمدؐ کو قتل کر آئے ہو" ابوسفیان نے کہا کیا تم کو خوشی ہوگی کہ تیرے بھائی کا سر اژدھا کے منہ میں ہو۔ کہا نہیں۔ تو ابوسفیان نے کہا میں نے محمدؐ کے ساتھ منہ کھولے اژدھا کو دیکھا ہے۔ لہٰذا واپس آگیا ہوں۔ ایک روز کانٹے دار جھاڑیوں کی تلاش میں گھر سے باہر نکل گئی وہاں ایک پتھر پر بیٹھی تھی کہ فرشتے نے اس کے گلے میں رسّی ڈال کر ہلاک کر دیا۔

سورۃ اللھب میں پیغمبر اکرمؐ کے دشمن کا نام لے کر اسے بُرا اور جہنمی کہا گیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ دشمنان خدا اور دشمنان رسولؐ یعنی دشمنانِ دین کو نام لے کر برا کہنا جائز ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ خدا اور رسول پر ایمان اور ان کی اطاعت کی بناء پر عزت وفضیلت ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ "انّ ولی محمدؐ من والی اللہ ورسولہ وان بعدت لحمتہ وانّ عدوّ محمدؐ من عادی اللہ ورسولہ وان قربت لحمتہ۔

" یعنی محمد کا دوست وہ ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست ومحبوب رکھے۔ اگرچہ خاندانی لحاظ سے دور ہو اور یقیناً محمدؐ کا دشمن وہ ہے کہ جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دشمن رکھے اگرچہ خاندانی لحاظ سے پیغمبرؐ کا قریبی ہو"

جناب نوحؑ کا بیٹا اور بیوی جناب لوطؑ کی بیوی ایمان نہ لانے کی وجہ سے ذلت ورسوائی وعذاب کا شکار ہوئے۔

maablib.org

سورۃ الاخلاص (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ٪﴿۴﴾

سورۃ الاخلاص۔ ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ کہدو اللہ اکیلا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے کسی کو نہیں جنا۔ اور نہ ہی کسی نے اس کو جنم دیا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

اس سورۃ میں خداوند عالم کی خالص وحدانیت کا ذکر ہے۔ اس لئے اسے سورۂ اخلاص اور سورۂ توحید کہتے ہیں۔ اور حفاظت وامن کے لئے کفایت کرنے کی وجہ سے اسے سورۂ امان بھی کہا گیا ہے۔

نزول علامہ فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں اور دیگر مفسرین نے بھی سورۂ اخلاص کے نزول کے لئے دو قسم کی روایات تحریر کی ہیں لیکن اکثر نے اس سورہ کا نزول مکہ میں قرار دیا ہے۔ مکہ میں پیغمبر اکرمؐ نے جب واحد ویکتا کی طرف دعوت دی اور آپ کا پیغام تمام رکاوٹوں کے باوجود پھیلنے لگا تو کفر وشرک کی دنیا میں تہلکہ مچ گیا — تو مشرکین مکہ نے حضور اکرمؐ کو دعوت اسلام سے روکنے کے لئے تین تجاویز کے ساتھ عامر ابن طفیل اور زید ابن ربیعہ کو پیغمبر اکرمؐ کے پاس بھیجا۔ عامر ابن طفیل نے حضورؐ سے کہا آپ نے ہمارا شیرازہ کو پارہ پارہ کردیا ہے۔ ہمارے معبودوں کو بُرا کہا ہے۔ اگر آپ غریب ہیں تو ہم آپ کو غنی کئے دیتے ہیں۔ اگر دیوانگی ہے تو علاج کرائے دیتے ہیں۔ اگر کسی خاتون کی خواہش ہے تو اُس سے آپ کا عقد کئے دیتے ہیں — پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا میں نہ ہی محتاج ہوں اور نہ ہی دیوانہ ہوں نہ کسی خاتون کی خواہش ہے۔ میں خدا کا رسول ہوں اور تمہیں ان خود ساختہ بتوں سے چھڑانے اور معبود حقیقی کی طرف دعوت دینے آیا ہوں۔ عامر نے کہا پھر اپنے معبود کی حقیقت وجنسیت بیان کیجئے کہ وہ سونے یا چاندی کا ہے یا لوہے و لکڑی کا ہے — تو جبرائیل امین سورہ اخلاص لے کر نازل ہوئے پیغمبر اکرمؐ نے سورۂ اخلاص سنایا تو عامر نے کہا جب ۳۶۵ بت ہماری حاجات پوری نہیں کرسکتے تو ایک خدا تمام خلائق

کی حاجات کیسے پوری کرے گا۔ ذرا اپنے خدا کا کام بتائیے ـــــ تو یہ آیت نازل ہوئی۔
"اِنَّ رَبَّکُمُ ---------- والارض" الخ یعنی تمہارے رب اللہ نے اکیلے تمام آسمانوں و زمین کو پیدا کیا ہے۔"

عامر واربد نے یہ سب کچھ سننے کے بعد سرکشی کی تو نتیجتاً بعد کو عامر پر بجلی گری جس سے وہ ہلاک ہوا۔ اور اربد کے ہاتھ میں زخم لاحق ہوا جس سے اس کی ہلاکت ہوئی۔

دوسری روایت میں ہے کہ مدینے میں یہود کا ایک گروہ کعب بن اشرف کے ساتھ یا نصاریٰ کا ایک گروہ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور کہا اپنے رب کا تعارف کرائیے کہ وہ سونے، چاندی کا ہے یا یاقوت و زبرجد کا ہے اور جب وہ تمام مخلوق کا خالق ہے تو اسے کس نے پیدا کیا ہے۔ جواباً پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "کیونکہ وہی تمام اشیاء کا خالق ہے۔" پھر سورۂ اخلاص کا نزول ہوا۔

فضائل علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرمؐ کے پاس جرائیل موجود تھے کہ ابوذر غفاری آتے دکھائی دیے۔ جرائیل نے کہا یا رسول اللہؐ ابوذر آرہے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے کہا "تم ابوذر کو پہچانتے ہو۔" جرائیل نے کہا "وہ آپ کے ہاں سے ہمارے ہاں زیادہ معروف و مشہور ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "کس فضیلت کی وجہ سے" "کہا وہ اپنے نفس کو حقیر سمجھتے ہیں اور کثرت سے سورۂ قل ھو اللہ الخ پڑھتے ہیں۔"

پیغمبر اکرمؐ نے ایک لشکر کے ساتھ حضرت علیؑ کو سردار بنا کر بھیجا۔ جب فتح و کامرانی کے بعد واپس لوٹے تو پیغمبر اکرمؐ نے لشکر سے حضرت علیؑ کا حال دریافت کیا ـــــ تو چند افراد نے کہا ان میں سب خیر ہے مگر جب بھی انھوں نے نماز کی امامت کی ہر نماز میں (سورہ الحمد کے بعد) سورہ قل ھو اللہ کی تلاوت کی۔

پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے سورۂ اخلاص کے کثرت سے پڑھنے کا سبب پوچھا تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سورہ مجھے انتہائی محبوب ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "اے علیؑ اس سورہ کی دوستی سے خدا بھی تجھے دوست رکھتا ہے۔ (مجمع البیان)

علامہ رازی نے کبیر میں اور علامہ طبرسی نے مجمع میں تحریر کیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اکرمؐ سے فقر و احتیاج کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا جب بھی تم اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کیا کرو چاہے کوئی گھر میں موجود ہو یا نہ ہو اور ایک دفعہ سورہ اخلاص کی تلاوت کرو ـــــ اس شخص نے خلوص سے اس پر عمل کیا تو اس کے رزق میں وسعت و برکت ہو گئی۔ یہاں تک کہ پڑوسیوں کی مدد کرنے لگا۔" تفسیر درمنثور"

علوم پیغمبرؐ کے چھٹے وارث حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا اے مفضل لوگوں کے شر سے سورۂ قل ھو اللہ کے ذریعہ محفوظ رہو۔ اپنے دائیں بائیں، آگے پیچھے اور اوپر نیچے پڑھو اور جب کسی حاکم کے پاس جاؤ تو اسے دیکھ کر تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اپنے بائیں ہاتھ کو بند کر لو اور جب تک حاکم کے سامنے رہو مٹھی بند رکھو ـــــ حضرت امام جعفر صادقؑ

نے فرمایا جو شخص گھر سے نکلتے وقت دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے گا تو وہ اپنے گھر واپس لوٹنے تک حفظ و امان میں رہے گا۔

سعد بن ابی معاذ صحابی کی میت پر جب پیغمبر اکرمؐ نے نماز جنازہ پڑھی تو جبرائیل بھی ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے جبرائیل سے سعد پر نماز پڑھنے کا سبب پوچھا۔ جبرائیل نے کہا سعد اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے تھے ـــــ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا سورہ اخلاص ایک دفعہ پڑھنے سے ایک ثلث، دو دفعہ پڑھنے سے دو ثلث اور تین دفعہ پڑھنے سے پورا قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے ایک روز صحابہ سے فرمایا تم میں کون ہے جو ہمیشہ روزہ دار ہو اور ہمیشہ رات عبادت میں بسر کرتا ہو اور روزانہ ختم قرآن کرتا ہو۔ سلمان فارسی نے کہا یا رسول اللہؐ یہ تینوں باتیں میں انجام دیتا ہوں۔ صحابہ کو یہ ناگوار گزرا۔ کہنے لگے یا رسول اللہ یہ عجمی خواہ مخواہ اپنی برتری قائم کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے اکثر اسے دن میں کھاتے پیتے اور رات کو سوتے دیکھا ہے اور قرآن بھی کم پڑھتا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "تم خود سلمان سے دریافت کرو۔" جب صحابہ نے دریافت کیا تو سلمان فارسی نے کہا میں ہر ماہ تین روزے رکھتا ہوں اور خدا کے نزدیک ایک ایک نیکی دس کا ثواب رکھتی ہے اور ماہ شعبان کے روزے بھی رکھتا ہوں جو صوم الدہر کا ثواب رکھتے ہیں اور پیغمبر اکرمؐ سے میں نے سنا ہے کہ جو شخص رات کو وضو کر کے سو جائے تو اس کی تمام شب عبادت میں شمار ہوتی ہے۔ اور میں روزانہ وضو کر کے سوتا ہوں۔ اور میں نے سنا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ حضرت علیؑ سے فرما رہے تھے تیری مثال یا علیؑ میری امت میں ایسی ہے جو سورۂ اخلاص کو پورے قرآن میں ہے کہ جو شخص سورۂ اخلاص ایک دفعہ پڑھے تو اسے ایک تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا اور جو دو دفعہ پڑھے اسے دو تہائی اور جو تین دفعہ پڑھے تو اسے پورا قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح جو شخص تجھ سے صرف زبان سے محبت کرے تو اس کے ایمان کا تہائی حصہ مکمل ہوا اور جو دل و زبان سے تجھے محبوب رکھے اور ہاتھ سے تیری نصرت کرے تو اس کا ایمان مکمل ہوا۔ یا علیؑ اللہ کی قسم کہ جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اگر زمین والے تجھ سے اس طرح محبت کرتے جس طرح آسمان والے تجھے چاہتے ہیں تو خدا کسی کو جہنم کی آگ میں نہ ڈالتا ـــــ سلمان کے جواب سے صحابہ خاموش ہو گئے (البرہان)

ابو بصیر نے علم نبوت کے پانچویں وارث حضرت امام محمد باقرؑ سے دانت کے درد کی شکایت کی کہ شدت تکلیف کی وجہ سے رات بھر نہیں سو سکا۔ آپ نے فرمایا درد کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر سورہ الحمد اور سورہ اخلاص پڑھو اور پھر اس آیت کو پڑھو" وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ (۸۸) نمل ۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا تو اس کی تکلیف رفع ہو گئی (نور الثقلین)

علوم رسالت کے آٹھویں وارث امام علی رضاؑ نے فرمایا تم میں سے اگر کسی کے سر میں درد ہو یا کوئی اور تکلیف ہو تو منہ کے سامنے ہاتھوں کو کھول کر سورہ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر ہاتھوں کو منہ پر پھیرے انشاءاللہ شفا ہو گی (نور الثقلین)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

ب ۔ ساتھ ۔ اللہ ۔ معبود یعنی وہ ذات کہ جو تمام صفات کمالیہ سے متصف اور تمام نقائص سے پاک ہونے کی بناء پر عبادت کے لائق ہے ۔ الرَّحمٰن ۔ بڑا مہربان ۔ دنیا میں اس کی رحمت بلا امتیاز عام ہے ۔ اعطاءِ رزق بارش کا برسانا ، نباتات کا اگانا ۔ صحت جسمانی اور عقل کا عطا کرنا ۔ غرض لاتعداد نعماتِ دنیا مومن و کافر سب کے لئے ہیں لہٰذا تمام مخلوق کے لئے وہ "رحمٰن" ہے

"الرحیم" نہایت رحم والا ۔ مومنین کے لئے رحمت خاصہ کے لحاظ سے خدا کی ذات رحیم ہے اور چونکہ ہمیشہ کے لئے کامل ترین نعمات مومنین کو آخرت میں حاصل ہونگی لہٰذا "رحیم" کا تعلق زیادہ تر آخرت سے ہے یعنی خدا کی ذات مومنین کے لئے اخروی نعمات عطا کرنے کے لحاظ سے رحیم ہے ۔

ایک شخص نے علوم نبوت کے چوتھے وارث امام زین العابدینؑ سے "بسم اللہ" کے معنٰی دریافت کئے تو آپ نے اپنے بابا کے حوالے سے نقل کیا کہ "باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ سے کسی نے " بسم اللہ" کے معنٰی دریافت کئے تو آپ نے فرمایا ۔ " اللہ " خدا کے ناموں میں سے ایک اسم اعظم ہے یہ وہ نام ہے جو کسی غیر کا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی مخلوق کا یہ نام ہوا ہے سائل نے کہا اس نام "اللہ" کی تفسیر بتائیے ـــــ آپ نے فرمایا " اللہ" وہ ذات ہے کہ جب مخلوق کی امیدیں اس کے غیر سے منقطع ہو جاتی ہیں اور امید کے پورا ہونے کے لئے تمام ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں ۔ تو تمام مخلوق اپنی حاجات و مشکلات میں اسی کی طرف رجوع کرتی ہے ۔ اور وہ اس طرح بھی ہے کہ اس دنیا میں جب کوئی انسان دولت وغیرہ کی وجہ سے رئیس بن جاتا ہے تو اس کی سرکشی بڑھ جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ دوسروں کی طرف اس کی احتیاجات بھی بڑھ جاتی ہیں کیونکہ وہ ایسی بہت سی ضروریات کا محتاج ہو جاتا ہے کہ جن کو وہ خود پورا نہیں کر سکتا ۔ جب وہ ایسی ضروریات کی طرف محتاج ہو جاتا ہے کہ جن کو پورا کرنے سے وہ عاجز ہے تو اس وقت وہ اپنی مشکلات و ضروریات کے لئے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا جب اس کی مشکلات و ضروریات کو پورا کر دیتا ہے تو پھر وہ اپنے شرک و کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے کیا تو نے خدا کا قول نہیں سنا ۔

" ان سے کہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر تمہارے سامنے خدا کا عذاب آجائے یا تمہارے سامنے قیامت آجائے تو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو پکارو گے ۔ بلکہ تم اسی کو پکارو گے پھر اگر وہ چاہے گا تو جس (مصیبت و حاجت) کے لئے تم نے اسے پکارا ہے وہ اسے رفع کر دے گا ۔ اس وقت دوسرے معبودوں کو کہ جن کو تم شریک سمجھتے تھے بھول جاؤ گے ۔" اور خدا نے اپنے بندوں سے کہا ہے کہ " اے میری رحمت کی طرف محتاج میرے بندو میں نے تمہاری احتیاج کو ہر حالت میں اپنی طرف لازم قرار دیا ہے اور بندگی کی ذلت و عاجزی کو تم پر ہر وقت

فرض قرار دیا ہے۔ لہٰذا اپنے معاملے میں جو تم چاہتے ہو ان میں میری طرف رجوع کرو۔ کیونکہ اگر میں تمہیں عطا کرنے کا ارادہ کروں تو کوئی غیر تم کو محروم نہیں کر سکتا اور اگر میں اپنی عطا تم سے روک دوں تو کوئی غیر تم کو عطا نہیں کر سکتا اور میں اس کا زیادہ حقدار ہوں کہ مجھ سے سوال کیا جائے اور میری طرف تضرع و عاجزی سے رجوع کیا جائے۔ لہٰذا ہر چھوٹے بڑے عمل کے شروع میں "بسم اللہ" الخ پڑھو۔ "بسم اللہ" الخ یعنی میں اپنے اس امر میں اللہ سے مدد چاہتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہی فریاد کے وقت فریاد رس ہے اور جب سے پکارا جائے تو فریاد سنتا ہے۔ اور "الرحمٰن" یعنی وہ وسعت رزق کے ذریعہ ہم پر رحم کرتا ہے۔ اور "الرحیم" یعنی وہ ہمارے دینی، دنیاوی اور اخروی امور میں ہمارے لئے رحیم ہے۔ اس نے ہمارے لئے اپنے دین کو آسان قرار دیا ہے۔ اور ہمارے دشمنوں کی پہچان ہمیں عطا کر کے ہم پر رحم کیا ہے۔ اور رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ جب کسی کو کوئی پریشانی لاحق ہو تو وہ خلوص کے ساتھ دل و دماغ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر "بسم اللہ" پڑھے تو دو باتوں میں سے ایک بات اسے ضرور حاصل ہوگی یا دنیا میں وہ اپنی حاجت کو پالے گا یا اس کے رب کے ہاں اجر و بدلہ ذخیرہ ہوگا۔ اور خدا کے ہاں خیر ہی خیر ہے اور وہ اجر مومنین کے لئے باقی رہنے والا ہے۔ (التوحید)

اور علم نبوت کے گیارھویں وارث امام حسن عسکریؑ سے "بسم اللہ" الخ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا "اللہ" وہ ذات ہے کہ جب اس کے غیر سے انسان کی امید قطع ہو جاتی ہے اور تمام اسباب منقطع ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی حاجات و مشکلات میں خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور کہتا ہے "بسم اللہ" یعنی میں اپنے تمام امور میں اسی ذات سے مدد چاہتا ہوں کہ جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہی فریاد و پکار کو سنتا ہے جیسا کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے کہا تھا کہ فرزند رسول "اللہ" کی ذات کی طرف رہبری کیجئے۔ کیونکہ بحث سے اعتراض کرنے والوں نے مجھے حیران و پریشان کر دیا ہے ــــ تو آپ نے فرمایا تھا کہ اے بندۂ خدا تم کبھی کشتی پر سوار ہوئے ہو۔ کہا جی ہاں۔ فرمایا کیا تمہاری کشتی ایسے وقت میں ٹوٹ گئی تھی جب کوئی دوسری کشتی یا چیز تجھے بچانے والی نہیں تھی اور نہ ہی تم تیرنا جانتے تھے کہ تم بچ سکتے۔ کہا جی ہاں ایسا اتفاق ہوا ہے۔ اس وقت تمہارا دل و دماغ کسی ایسی ذات کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ جو کشتی نہ ہونے ہوئے اور تیرنا نہ جاننے کے باوجود تجھے بچا سکتی۔ کہا جی ہاں ایسا خیال آیا تھا۔ فرمایا وہی اللہ کی ذات ہے جو اس وقت نجات دینے پر قادر ہے جب کوئی نجات دلانے والا نہ ہو اور اس وقت فریاد رس ہے جب کوئی فریاد رس نہ ہو۔ (التوحید)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ "کہو اللہ اکیلا ہے۔"

"قُلْ" کہو علوم نبوت کے پانچویں وارث امام محمد باقرؑ نے فرمایا "قُلْ" کہو۔ یعنی اے رسولؐ ہم نے تمہاری طرف جو وحی کی ہے اور جن حروف کی ترکیب و تالیف سے تجھے آگاہ کیا ہے۔ انھیں ظاہر کر دو تاکہ وہ لوگ ان سے ہدایت پائیں جو قلبی و باطنی سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں یعنی دل و دماغ سے کلام الٰہی کو سنتے ہیں

صرف ظاہری سماعت سے نہیں سنتے اور جو قلبی و باطنی سننے کی صلاحیت اور نگاہ بصیرت نہیں رکھتے ان کے لئے مسلسل خسارہ ہے۔

"ھُوَ" "وہ" یہ ضمیر اور اسم اشارہ ہے اور جس ذات کی طرف اشارہ ہے ۔ وہ غائب ہے۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا "ھو" میں "ھا" تنبیہ کے لئے ہے اور ایسے موجود کی طرف اشارہ ہے جو ثابت و موجود اور قدیم ہونے کے ساتھ جو حواس کی رسائی سے غائب ہے ۔ حواس و نگاہیں اس تک" رسائی نہیں کر سکتے یعنی "ھو" "وہ" کے معنی ہیں وہ ذات جو ثابت و موجود اور ہمیشہ سے موجود ہونے کے ساتھ حواس و عقل و فکر کی رسائی سے بالاتر ہے ۔ اور "ھذا" "یہ" حاضر و محسوس شے کی طرف اشارہ ہے ۔ کیونکہ کفار و مشرکین حروف اشارہ سے اپنے حاضر بتوں کی طرف اشارہ کرتے اور کہتے "یہ ہیں ہمارے معبود جو محسوس کئے جا سکتے ہیں اور ظاہری نگاہ سے دیکھے جا سکتے ہیں ۔ اے محمدؐ آپ بھی اپنے خدا کی طرف اشارہ کر کے دکھائیں تو ان کے جواب میں " قل ھو" کہو وہ " نازل ہوا یعنی "ھا" ثابت و موجود ذات کے ثبوت و بقا کے لئے ہے کہ وہ ذات واجب الوجود ہے (یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی ۔ اور غیب محض ہے اور "واؤ" اس غائب کی طرف اشارہ ہے کہ حواس اور نگاہوں کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی بلکہ وہ حواس و ابصار کے پیدا کرنے والا اور (ان کی حدود کا) جاننے والا ہے" (توحید)

" اللہ" معبود حقیقی " " اللہ " خدا کا اسم ذات ہے جو خدا کے تمام ناموں کے مفہوم کا جامع ہے یعنی الفاظ کی صورت میں یہ نام اس کی ذات کا مکمل تعارف کراتا ہے ۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا " اللہ " وہ معبود ہے کہ جس کی حقیقت تک رسائی اور اس کے احاطہ سے تمام مخلوق عاجز و متحیر ہے ۔ عرب کہا کرتے ہیں کہ جب کوئی انسان کسی چیز و امر میں متحیر و سرگرداں اور عاجز ہو جائے اور احاطہ نہ کر سکے تو کہتے ہیں " الہ الرجل ۔ وہ شخص متحیر و سرگرداں و عاجز ہو گیا " اور جب کوئی خوف زدہ انسان کسی کی طرف پناہ حاصل کرے تو عرب کہتے ہیں "وَلہ الرجل" اس شخص نے پناہ حاصل کر لی ۔ اور "اللہ" وہ ذات ہے جو مخلوق کے حواس و ادراک سے غائب ہے ۔ " توحید"

امام جعفر صادقؑ سے " قل ھو اللہ " کے معنی دریافت کئے گئے تو آپ نے فرمایا " اللہ کی نسبت اپنی مخلوق سے یہ ہے کہ وہ احد و صمد ہے ۔ کوئی سایہ اسے پکڑ نہیں سکتا ۔ تمام اشیاء کا سایہ اس کے قبضہ قدرت میں ہے ۔ وہ ہر مجہول شے کا جاننے والا ہے ۔ اور ہر جاہل کے ہاں پہچانا ہوا ہے ۔ اکیلا ہے کوئی شے و مخلوق اس کے اندر نہیں اور نہ ہی وہ کسی مخلوق کے اندر ہے ۔ باوجود قریب - - - - - - ہونے کے - - - - دور ہے ۔ نافرمانوں کو بخشتا ہے ۔ اطاعت گزاروں کا شکر گزار ہے ۔ اس کی زمین اس پر غالب نہیں اور آسمان کی گردش اس میں نقص پیدا نہیں کرتی اور وہ اپنی قدرت سے ہر شے کو اٹھائے ہوئے ہے ۔ وہ ہمیشگی والا ہے اور ازلی ہے ۔ نہ ہی بھولتا ہے اور نہ ہی لہو لعب میں مبتلا ہے اس کے ارادے میں فصل نہیں اور اس کا فیصلہ اعمال کا بدلہ ہے ۔ اس کا ہر امر و حکم واقع ہونے والا ہے ۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں کہ اس کا وارث ہو اور وہ کسی کی اولاد نہیں ہے کہ اس کی دولت میں کوئی شریک ہو ۔ کوئی اس کا کفو و ہمسر نہیں ہے ۔

"اَحَدٌ" "یکتا" خدا کی ذات ہر حیثیت سے واحد و یکتا ہے ۔ جنگ جمل کے موقع پر باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ

سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اللہ واحد یعنی اللہ ایک ہے کے معنی بتا دیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ "خدا" "واحد" (ایک) کی چار صورتیں ہیں۔ دو صورتیں خدا کی ذات کے لئے جائز نہیں ہیں اور دو صورتیں اس کے لئے ثابت ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ خدا ایک ہے اور اس سے اس کا ارادہ گنتی ہو یعنی اعداد (گنتی) میں سے ایک ہے تو یہ معنی خدا کے لئے جائز نہیں ہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی ثانی و نظیر نہیں ہے۔ وہ گنتی و شمار میں نہیں آتا۔ اور تم جانتے ہو کہ جس نے خدا کو تین میں سے ایک کہا وہ کافر ہوا ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ خدا لوگوں میں ایک ہے اس سے مراد مقصود یہ ہو کہ وہ کسی نوع و جنس سے ایک ہے تو یہ بھی اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کہا جائے کہ وہ ایک ہے یعنی تمام اشیاء میں اس کی کوئی شبیہ و نظیر نہیں ہے تو ہمارا خدا اسی طرح ہے اور اگر خدا کو ایک کہنے سے مراد یہ ہو کہ وہ معنی کے لحاظ سے ایک ہے۔ وجود و عقل اور وہم میں اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی تو ہمارا رب ایسا ہی ہے۔" اس مقام پر خدا کی یکتائی کی چار صورتیں ہیں۔

توحید فی الذات۔ توحید فی الصفات، توحید فی الافعال، توحید فی العبادت۔

توحید فی الذات: یعنی خداوند عالم حقیقت ذات میں یکتا ہے اس کی ذات میں اس کا کوئی شریک نہیں یہ مفہوم کلمہ طیبہ "لا الٰه الا اللّٰه" سے واضح ہے اور لفظ "اللّٰہ" خالص غائب ذات کا نام ہے جو ذات تمام صفاتِ کمالیہ سے آراستہ اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ لہٰذا حقیقتاً عبادت و تعظیم کے لائق وہی ہے یہی معنی ہیں توحید فی العبادت کے۔

اور جب وہ تمام نقائص سے پاک ہے تو فضول و عبث کام کی اس کی طرف نسبت نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا اس کے افعال لغو و عبث اور قبح سے پاک ہیں۔ یہی معنی ہیں "توحید فی الافعال" کے یعنی ہر طرح کے مفاسد سے خدا کی ذات پاک ہے۔ اور اسم اللّٰہ ان تمام مفاہیم کو جامع و محیط ہے۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ "احد" اکیلا" یعنی خدا اپنی ذات اور الوہیت کے لحاظ سے اکیلا ہے۔" "احد" اور "واحد" کے معنی ایک ہیں خدا کے لئے واحد "ایک" کہنا یعنی وہ منفرد و یکتا ہے کہ جس کا کوئی نظیر نہیں۔ اور خدا کی توحید اس کی وحدانیت کے اقرار سے عبارت ہے۔ یعنی واحد (ایک) کے معنی اس کی انفرادیت و یکتائی کے ہیں۔ وہ ایسا واحد (ایک) ہے جو تمام مخلوق سے جدا ہے نہ وہ کسی شے سے نکلا ہے اور نہ ہی کسی شے سے متحد و مل سکتا ہے۔ اسی بناء پر اہل زبان کہتے ہیں کہ گنتی کی بنیاد "واحد" (ایک) ہے اور صرف واحد (ایک) عدد یعنی گنتی سے نہیں ہے کیونکہ عدد صرف واحد (ایک) پر واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ دو پر واقع ہوتا ہے تو خدا کا کہنا "اللّٰہ احد" (اللہ اکیلا ہے) کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا معبود ہے کہ اس کی صفات و حقیقت تک رسائی اور اسے پا لینے سے مخلوق عاجز و حیران ہے۔ اس کی کیفیت ذات کے احاطے سے عاجز ہے وہ اپنی الوہیت کے ساتھ یکتا ہے اور اپنی مخلوق کی صفات سے پاک ہے۔ (توحید)

امام علی رضاؑ نے فرمایا " خدا لطیف و خبیر و سمیع و بصیر اور واحد و احد اور " لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ﴿۳﴾ ہے ۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے ۔ اگر وہ ایسا ہوتا جیسا کہ اسے جسمانی ماننے والے کہتے ہیں تو انھوں نے خالق کو مخلوق سے الگ کر کے پہچانا ہی نہیں اور نہ ہی خالق کو مخلوق سے جدا کیا ہے ۔ حالانکہ مخلوق اپنے خالق سے جدا ہے کہ جس خالق نے اسے جسم و صورت دے کر پیدا کیا ہے ۔ لہٰذا کوئی شئے اس سے مشابہ نہیں ہے ۔ یعنی اللہ واحد ہے تو جس طرح کہا جاتا ہے کہ اللہ ایک ہے ۔ اسی طرح کہا جاتا ہے انسان ایک ہے تو کیا ایک ہونے میں خدا اور انسان برابر ہیں ۔ امام نے فرمایا ۔ اے فتح تو نے محال بات کہی ہے خدا تجھے ثابت قدم رکھے ۔ مشابہت کا ذکر معنی کے لحاظ سے ہوتا ہے نام کے لحاظ سے ایک ہونے میں بحث نہیں ہے ۔ نام کا ہونا مسمی کے وجود کی دلیل ہے جب انسان کے لئے کہا جاتا ہے کہ " انسان ایک ہے " تو اس سے اس کا ایک جسم مراد ہوتا ہے دو نہیں لیکن حقیقت میں انسان ایک نہیں ہے کیونکہ انسان کے جسم میں مختلف اعضاء ہیں ۔ اس میں مختلف رنگ ہیں ۔ وہ حقیقتاً ایک کیسے ہو سکتا ہے ۔ جو بہت سے اجزا سے مرکب ہو کہ جو اجزا مساوی نہیں ہیں ۔ اس کا خون اس کے گوشت سے الگ چیز ہے اور پٹھے رگوں سے الگ چیز ہیں ۔ اور بال اس کی کھال سے الگ ہیں ۔ اس کی سیاہی سفیدی سے الگ ہے ۔ یہی حال تمام مخلوق کا ہے ۔ پس انسان کو نام کے لحاظ سے (واحد) ایک کہتے ہیں نہ کہ معنی کے لحاظ سے لہٰذا خدا اپنے غیر کی طرح ایک نہیں ہے وہ اس سے بزرگ و برتر ہے ۔ اس کی ذات میں نہ ہی اختلاف ہے اور نہ ہی کسی قسم کا فرق ہے ۔ اور نہ ہی اس میں کمی و زیادتی ہوتی ہے ۔ مگر انسان جو مخلوق و مصنوع ہے وہ مختلف اجزا و اعضاء سے مرکب ہے اور اس کے اندر بھی مختلف جواہر و اجزا ہیں ۔ ان کا مجموعہ ایک شئے کہلاتا ہے ۔ سائل نے کہا فرزند رسولؐ آپ نے میری مشکل آسان کر دی خدا آپ کی مشکل آسان کر دے ۔ (کافی)

محمد ابن ابی عمیر نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے درخواست کی کہ فرزند رسول مجھے خدا کی توحید سے متعارف کروائیے ۔ امام نے اسے فرمایا کہ خدا نے اپنی کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے آگے نہ بڑھو ورنہ ہلاکت میں پڑ جاؤ گے ۔ یہ جان لو کہ اللہ ایک ہے ۔ یکتا ہے ۔ بے نیاز ہے اس نے کسی کو نہیں جنا کہ کوئی اس کا وارث ہو اور نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو ۔ اس کا نہ ہی کوئی ساتھی اور نہ ہی شریک اور نہ ہی کوئی بیٹا ہے ۔ وہ ایسا زندہ ہے کہ جس کے لئے موت و فناہ نہیں ہے اور ایسا قادر ہے کہ جس کے لئے عجز نہیں ہے ۔ اور ایسا قاہر و غالب ہے کہ مغلوب نہیں ہو سکتا ۔ ایسا برداشت کرنے والا ہے کہ اسے جلد بازی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ ایسا ہمیشہ رہنے والا ہے کہ اس کے لئے فناہ نہیں ہے اور ایسا ثابت و قائم ہے کہ اس کے لئے زوال نہیں ہے ۔ ایسا غنی ہے کہ اس کے لئے محتاجی نہیں ہے ۔ ایسا عزت والا ہے کہ اس کے لئے ذلت و رسوائی نہیں ۔ اور ایسا عالم ہے کہ اس کے لئے کسی طرح کا جہل نہیں ہے ۔ اور ایسا عادل ہے کہ اس کے لئے ظلم وجود نہیں ہے ۔ اور وہ اپنی عطا میں بخیل نہیں ہے ۔ عقول اس کا احاطہ کرنے پر قادر نہیں نہ ہی اس تک

رسائی کر سکتی ہیں۔ افطار و اطراف اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مکان و جگہ اسے گھیر نہیں سکتی۔ نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں۔ وہ لطیف ہے۔ خبیر ہے اس کی مثل کوئی شئے نہیں ہے۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔ اگر کہیں تین سرگوشیاں کرنے والے ہوں تو چوتھا وہ ہے۔ اگر پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہے۔ اس سے کم ہوں یا زیادہ جہاں ہوں وہ (خدا) ان کے ساتھ ہے۔ وہی اول ہے کہ اس سے پہلے کوئی شئے نہیں اور آخر ہے کہ اس کے بعد کوئی شئے نہیں ہے۔ وہی قدیم ہے اس کے علاوہ تمام (کائنات) مخلوق و حادث ہے اور خدا مخلوق کی صفات سے بلند تر ہے۔ (توحید)

"اَللّٰہُ الصَّمَدُ"

"اللہ بے نیاز ہے"

"الصّمد" بے نیاز" خدا کی ذات مکان و مکانیات سے جسم و جسمانیات اور زمان و زمانیات سے منزہ و مبرا ہے مخلوق کی صفات سے بے نیاز ہے۔ اس سورہ میں خدا کی وحدانیت اور حقیقت ذات کا تعارف کرایا گیا ہے وہ واحد و یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ بے نیاز بھی ہے اس کی بے نیازی کے تمام پہلو لفظ "الصمد" میں پوشیدہ ہیں جیساکہ حضرت محمدؐ و آل محمدؐ نے اپنے ارشادات میں ان معانی کی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسینؑ نے "الصمد" کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ صمد وہ ذات ہے کہ جس میں کسی طرح سے خلا و کھوکھلا پن نہیں ہے (یعنی وہ ذات و معنی کے لحاظ سے یکتا ہے اس کے اجزاء و تقسیم نہیں ہو سکتی) اور "صمد" کے معنی اس سردار کے بھی ہیں کہ جس کے اوپر کوئی حاکم و سردار نہ ہو۔ اور صمد وہ ذات ہے جسے کھانے پینے کی احتیاج نہ ہو "الصمد" وہ ذات ہے کہ جس کے لئے نیند و غفلت نہیں جو خود قائم و دائم ہے اور کون و فساد سے بالاتر ہے۔ اور ایسا سردار ہے کہ جس کے اوپر امر و نہی کا حکم دینے والا کوئی نہیں ــــ اور امام زین العابدینؑ نے فرمایا "صمد" وہ ذات ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ "صمد" وہ ذات ہے کہ جسے اشیاء کی حفاظت و نگرانی تعب و مشقت میں نہیں ڈالتی اور اس کے علم سے کوئی شے غائب نہیں ہے۔" جناب زید بن علیؑ نے کہا ہے کہ "صمد وہ ذات ہے کہ جب کوئی ارادہ کرے اور کن کہے تو وہ شے فوراً ہو جائے۔ اور صمد وہ ذات ہے کہ جس نے اشیاء کی ابتدا کی اور اشیاء کو اضداد میں اور مختلف اشکال اور جوڑا جوڑا خلق فرمایا ہے۔ وہی بغیر کسی ضد و شکل و مثل و ہمسر کے ہے۔ وہ وحدانیت میں منفرد و یکتا ہے۔" امام محمد باقرؑ نے فلسطین کی ایک جماعت کے سوالات کے جواب میں لفظ "الصمد" کی اس طرح وضاحت کی "الصمد" میں پانچ حروف ہیں۔ الف۔ خدا کی وحدانیت و حقیقت ذات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ازلی و ابدی ہے۔ جیساکہ قرآن میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ "شھد اللّٰہ انہ لا الٰہ الّا ھو" یہ ایسی ذات کی طرف اشارہ ہے جو حواس کے ادراک و رسائی سے غائب ہے۔ اور "لام" خدا کی الوہیت کی طرف اشارہ ہے کہ وہی اللہ "لائق عبادت ہے" اور "الف لام" ملکر زبان و سماعت میں ظاہر نہیں ہوتے لیکن کتابت میں ظاہر ہیں۔ جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کی حقیقت ذات لطیف و مجرد ہے۔ اور حواس کی رسائی سے مخفی ہے اور کوئی زبان کما حقہٗ اس کا وصف بیان نہیں کر سکتی اور نہ ہی کسی نے اس کی "کما حقہٗ" توصیف سنی ہے۔ کیونکہ "الٰہ" وہ ذات ہے کہ تمام مخلوق اپنے حس اور وہم و خیال سے اس کی کیفیت و ماہیت ذات کے ادراک سے عاجز و متحیر ہے۔

وہی اوہام وحواس کا خالق و ابتدا کرنے والا ہے اور لکھنے میں "الصمد" میں الف ولام کا ظاہر ہونا اس بات کا اشارہ ہے کہ خدا نے اپنی ربوبیت کا اظہار تمام خلائق (النفس وآفاق) کے پیدا کرنے اور ارواحِ لطیفہ کو اجسامِ کثیفہ سے منسلک کرنے میں کیا ہے یعنی "الف۔ لام" کا بولنے میں ظاہر نہ ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا موجود ہوتے ہوئے اس قدر لطیف ہے کہ حواس خمسہ میں نہیں آسکتا۔ یعنی حواس ظاہری و باطنی اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور انسان جب اپنی ذات کی طرف دیکھتا ہے تو اپنے اندر روح کو پوشیدہ و مخفی پاتا ہے لیکن ظاہراً جسم کثیف سے نظر آتا ہے جیسا کہ "الصمد" میں لام موجود ہوتے ہوئے حواس سے غائب ہے لیکن اسے جب تحریر میں دیکھا تو وہ ظاہر نظر آیا یعنی جو مخفی تھا وہ ظاہر ہوا۔ اسی طرح انسان جب خدا کی حقیقت ذات اور اس کی کیفیت ذات میں غور و فکر کرتا ہے تو اس میں متحیر و سرگرداں ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ذات حواس کے ادراک سے بالاتر ہے۔ کوئی فکر و خیال اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ تصور میں آسکتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام اشیاء کا خالق ہے اور تمام صُوَر کا مصوّر ہے جب انسان نے اپنی پیدائش کی طرف دیکھا تو اس کے لئے یہ بات واضح ہوگئی کہ خدا ہی تمام اشیاء کا خالق اور ارواح کو ان کے اجسام سے منسلک کرنے والا ہے اس کے ظہور کی آیات واضح ہیں۔ اس کی ربوبیت کے شواہد انفس وآفاق میں ہیں لیکن اس کی غائب ذات ان تمام عقول سے مخفی ہے۔ ذہن اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور وہم و خیال اس کا قیاس و اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ ان تمام باتوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور "ص" سے خدا کی صداقت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا قول و کلام (قرآن) صدق ہے اور اس نے دارالصدق میں صدق (جنت) کا وعدہ کیا ہے۔ اور "م" اس کے ملک و سلطنت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی سلطنت حق ہے۔ اس کی سلطنت کے لئے ماضی و مستقبل میں عدم و زوال کا تعلق نہیں ہے بلکہ اس کی سلطنت ازلی و ابدی اور سرمدی ہے۔

اور "د" خدا کے ملک و سلطنت کے دوام کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ خدا دائم ہے اور اس کی ہمیشگی اس کی صفت ذات ہے جس کے لئے زوال نہیں ہے وہ فساد و زوال سے پاک ہے اور تمام کائنات کا موجد و خالق ہے اس کے ایجاد و تکوین سے تمام موجودات ثابت و موجود ہیں۔ ہاں خدا نے جو علم مجھے دیا ہے اگر اس کا برداشت کرنے والا کوئی ہوتا تو مسائل توحید و اسلام و دین اور تمام شرائع سابقہ کے مسائل لفظ "الصمد" سے نشر کرتا مگر میرے لئے اظہار کی کوئی سبیل نہیں ہے جیسا کہ میرے جد (حضرت علیؑ) نے اپنے علم کا برداشت کرنے والا کسی کو نہیں پایا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ممبر پر فرماتے رہے کہ مجھ سے پوچھو جو چاہو پوچھو۔ قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں لیکن ہائے افسوس کسی کو نہیں پاتا جو اس (علم) کا متحمل ہو۔ اے لوگو آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کی طرف سے تم پر حجت ہوں۔ لہٰذا میری پیروی کرو مجھ سے دوستی رکھو اور مجھ سے اس قوم کی طرح رخ نہ موڑو کہ جس پر خدا کا غضب نازل ہوا تھا۔ اور کفار کی طرح آخرت سے مایوس ہوگئے۔ (التوحید)

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ﴿٣﴾

"اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ ہی اسے کسی نے جنم دیا۔"

جب خدا کی ذات جسم و جسمانیات سے پاک ہے اور مخلوق کی صفات سے منزہ ہے۔ لہٰذا نہ ہی اس سے کوئی شئے خارج ہوئی ہے اور نہ ہی وہ کسی شئے سے خارج ہوا ہے یعنی نہ ہی وہ کسی کا باپ ہے اور نہ ہی کسی کا بیٹا۔ جیسا کہ امام حسینؑ نے اہل بصرہ کی جماعت کے لئے "الصمد" کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا "اے لوگو قرآن میں (اپنی رائے سے) غور و فکر نہ کرو کیونکہ میں نے اپنے جد رسول خداؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا "جو شخص قرآن میں (اپنی رائے سے) بغیر علم کے گفتگو کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔" اور خدا نے "الصمد" کے معنی و مفہوم کی خود وضاحت کردی ہے کہ "لَمْ یَلِد - - - - - - - - - - - - احد"

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾

"اور اس کا کوئی ہمسر نہیں"

اور "لم یلد" (اس نے کسی کو نہیں جنا) یعنی اس سے کوئی کثیف و ٹھوس شئے خارج نہیں ہوئی۔ جیسے (والدین سے) اولاد و دیگر کثیف و ٹھوس اشیا جو مخلوق سے خارج ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی اس سے کوئی لطیف شئے خارج ہوئی ہے۔ جیسے نفس روح اور نیند و اونگھ اور تصورات و خیالات اور وہم و فکر اور حزن و سرور اور ہنسی و گریہ اور خوف و امید اور رغبت و مایوسی اور بھوک و سیرابی کے جذبات و احساسات جن سے وہ پاک ہے۔ اور اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ کوئی کثیف یا لطیف شئے اس سے خارج ہو اور خدا کسی شئے سے پیدا یا خارج نہیں ہوا ہے۔ جیسا کہ اشیا اپنے عناصر سے خارج ہوتی ہیں۔ اور ایک موجود دوسرے موجود سے خارج ہوتا ہے۔ جیسے حیوان سے حیوان۔ اور زمین سے نباتات اور چشموں سے پانی اور درختوں سے پھل نکلتے ہیں اور نہ ہی خدا کسی شئے سے اس طرح خارج ہوا ہے کہ جیسے لطیف اشیاء اپنے مرکز سے خارج ہوتی ہیں۔ جیسے مرکز چشم سے بصارت اور مرکز سماعت سے سماعت، اور ناک سے سونگھنے کی صفت اور منہ سے ذائقہ کا تعلق ہے۔ نہیں بلکہ خدا "الصمد" ہے نہ کسی سے خارج ہوا ہے اور نہ ہی کسی شئے کے اندر ہے اور نہ ہی کسی شئے کے اوپر وارد ہوا ہے۔ وہ تمام اشیا کا پیدا کرنے والا ہے وہی ابتدا کرنے والا اور وہی ایجاد کرنے والا ہے۔ اس نے تمام اشیاء کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے۔ جیسے اس نے اپنی مشیت اور ارادہ سے فنا کیلئے

پیدا کیا ہے اسے فنا کردیگا اور جسے اپنے علم سے بقا کے لئے پیدا کیا ہے اسے باقی رکھے گا۔ یہ معنی ہیں "الصمد" کے کہ خدا وہ ہے جو "لم یلد ولم یولد" ہے اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ کبیر و متعال ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

اور امام جعفر صادقؑ نے توحید کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: "حمد و ثنا اللہ کے لئے ہے جو حواس سے محسوس نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے مس کیا جاسکتا ہے۔ اور فکر و خیال سے اس کا تجسس نہیں کیا جاسکتا۔ حواس خمسہ (ظاہری و باطنی) اسے نہیں پا سکتے اور اس کی حقیقت ذات تک وہم و خیال کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ زبانیں اس کا کما حقہٗ وصف نہیں کرسکتیں اور ہر وہ شئے کہ جسے حواس محسوس کرلیں یا ہاتھ سے چھولیں وہ مخلوق ہے۔ حمد اس اللہ کی جو اس وقت سے ہے جب اس کے علاوہ کوئی شئے نہیں تھی۔ اس نے اشیاء کو جیسا چاہا بنایا۔ اور جو کچھ تھا اور جو کچھ ہونے والا ہے ان سب کا عالم ہے۔ (توحید)

ایک اور مقام پر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جس کا اعتقاد یہ ہو کہ خدا کسی شئے میں ہے یا کسی شئے سے خارج ہوا ہے تو وہ مشرک ہے۔ کیونکہ اگر خدا کسی شئے پر ہوا تو وہ محمول ہوگا۔ اور وہ شئے اسے اٹھانے والی ہوگی۔ اگر خدا کسی کے اندر ہو اس شئے میں محصور ہوگا۔ اور وہ شئے اس کا محل قرار پائے گی اور اسے محیط ہوگی۔ اور اگر خدا کسی شئے سے ہے تو وہ مخلوق و حادث ہوگا۔ اور خدا ان تمام باتوں سے پاک ہے۔ (توحید مفضل)

خدا کی ذات جس طرح جسم و جسمانیات سے پاک ہے اسی طرح مخلوق کی طرح کے جذبات و احساسات سے منزہ ہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ سے ایک زندیق نے کہا کہ خدا کے لئے خوشی اور غصہ ہے۔ امام نے فرمایا خدا کی وہ شان نہیں ہے جو مخلوق کی ہے۔ خوشی اور رضا ایک حالت ہے جو کسی پر طاری ہوتی ہے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدل دیتی ہے۔ اور ہر مخلوق کی شان ہے کہ مخلوق اشیا کا اثر قبول کرتی ہے اور تغیرات کے عمل کو اپنے اوپر طاری کرتی ہے۔ اور مخلوق اجزاء سے مرکب ہے اور اشیا ایک دوسرے میں داخل ہوتی ہیں۔ اور ہمارا خالق وہ ہے جس میں کوئی شئے داخل نہیں ہوتی کیونکہ وہ واحد حقیقی ہے اور ذات کے لحاظ سے بھی یکتا ہے اور معنی کے لحاظ سے بھی یکتا ہے پس اس کی خوشنودی۔ اس کا ثواب عطا کرنا اور غصہ عذاب نازل کرنا ہے بغیر اس کے کہ کوئی شئے اس میں داخل ہوکر اسے ہیجان میں لائے اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرے۔ کیونکہ یہ تو مخلوق اور عاجز و محتاج کی صفت ہے۔ (کافی)

غرض جس طرح خدا کی ذات جسم و جسمانیات سے پاک ہے اسی طرح ہر قسم کے تغیرات سے بھی پاک ہے کیونکہ تغیر پذیری مخلوق کی صفت ہے اور خدا مخلوق کی صفات سے پاک ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادقؑ سے جب سوال کیا گیا کہ فرزند رسولؐ خدا کے اول ہونے کے معنی ہم نے جان لئے ہیں۔ بتائیے کہ "خدا آخر" ہے کے کیا معنی ہیں۔ تو امام نے فرمایا عالم امکان کی ہر شئے کے لئے فنا ہے اور ہر شئے تغیر پذیر ہے یا غیر سے متاثر و متغیر ہوتی ہے یا اس میں تغیر و زوال داخل ہوتے ہیں۔ یا اشیاء ایک رنگ سے دوسرے رنگ کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ یا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف یا ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف یا زیادتی سے کمی کی طرف یا کمی سے زیادتی کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ یعنی عالم امکان میں جو کچھ ہے اس کے لئے تاثر قطعات

اور تغیر کسی نہ کسی طرح ضروری ہے ۔ مگر خدا کی ذات ان تمام تغیرات اور تاثیر و تاثرات سے پاک ہے کسی تغیر و تاثر کا اس میں دخل نہیں ۔ وہ ازل سے واحد و یکتا ہے اور ابد تک یکتا رہے گا وہ ہر شئے سے اول ہے اور آخر یعنی ازلی و ابدی ہے اس کی ذات میں کسی طرح کا اختلاف نہیں کہ اس اختلاف کی بنا پر اس پر مختلف اسماء و صفات وارد ہو سکیں یعنی وہ ازل سے ابد تک اسی طرح تمام تغیرات سے پاک واحد و یکتا ہے ۔

غرض ذات توحید کے بارے میں انسانوں کے خود ساختہ جتنے نظریات ہیں ۔ سورۂ اخلاص میں ان تمام کی نفی کر دی گئی ہے ۔ ثنویہ نور و ظلمت یعنی خیر و شر کے لئے دو جدا خداؤں کے قائل تھے اور مشرکین عرب جہاں بکثرت خداؤں کے قائل تھے وہاں ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے ۔ اور یہود نے حضرت عزیر نبی کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا تھا تو خداوند عالم نے ان تمام باطل و خود ساختہ عقائد و نظریات کی سورۂ اخلاص میں نفی کر کے اپنی ذات کا خود جامع تعارف کرایا ہے کہ وہ ہر حیثیت سے واحد و یکتا ہے ۔ اس کی ذات میں کسی حیثیت سے کثرت کا تصور نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی صفات کمالیہ بھی اس کی ذات سے علیحدہ نہیں بلکہ عین ذات ہیں ۔ تمام مادی صفات سے وہ بے نیاز ہے لہٰذا نہ کسی کا باپ ہے اور نہ ہی کسی کا بیٹا اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے کیونکہ تمام کائنات کا وہ اکیلا خالق و مالک حقیقی ہے ۔ تمام کائنات اپنے وجود و بقا میں اسی کی محتاج ہے ۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے ۔

اس مقام پر ہم پیغمبر اسلام کی اس گفتگو کو نقل کرتے ہیں جو آپ نے مختلف مذاہب و نظریات کے علماء سے کی تھی جو بعد میں سب مسلمان ہو گئے تھے وہ یہود و نصاریٰ ، ثنویہ ، مشرکین اور دہریہ تھے ۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ سے علماء یہود نے کہا ہم عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اگر آپ کا بھی یہی نظریہ ہے تو ہم اس عقیدے میں آپ سے سبقت رکھتے ہیں ۔ لہٰذا ہم آپ سے افضل ہیں ۔ اور اگر آپ نے اختلاف کیا تو ہم آپ سے بحث کریں گے ۔ نصاریٰ نے بھی پیغمبر اکرمؐ سے یہی گفتگو کی اور کہا کہ ہم حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں کہ مسیح خدا سے متحد ہے ۔ پیغمبر اکرمؐ نے ان سے کہا تم اس ارادے سے آئے ہو کہ بغیر دلیل کے میں تمہارا نظریہ قبول کر لوں گا ۔ یہود نے کہا نہیں ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ ” تم کس دلیل سے عزیرؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہو ؟ “

یہود نے کہا ” اس لئے کہ توراۃ کے دنیا میں نیست و نابود ہو جانے کے بعد جناب عزیر بنی اسرائیل کے لئے توراۃ دوبارہ لائے اور اسے رواج بخشا یہ کرامت اسی لئے ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے تھے ۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ پھر عزیر ہی کیونکر خدا کے بیٹے ہوئے ۔ جناب موسیٰؑ کیوں نہیں ہوئے ؟ حالانکہ جناب موسیٰؑ توراۃ کو خدا کی طرف سے لانے والے ہیں ۔ اور جناب موسیٰؑ سے ایسے معجزات بھی ظاہر ہوئے ہیں کہ جن کا تمہیں علم ہے ۔ لہٰذا اگر عزیر اس لئے خدا کے بیٹے ہیں کہ ان سے توراۃ کو دوبارہ زندہ کرنے کی کرامت ظاہر ہوئی ۔ تو موسیٰؑ خدا کا بیٹا ہونے کے زیادہ مستحق و اہل ہیں ۔ اگر صرف توراۃ کا دوبارہ موجود کرنا عزیر کے اکرام کا سبب ہے تو عزیر کی فرزندی سے موسیٰؑ کے لئے کئی گنا زیادہ کرامت موجود ہے ۔ جو عزیر کی فرزندی سے موسیٰؑ کو بلند مرتبہ ثابت کرتی ہے ۔ کیونکہ اگر فرزندی سے تمہاری مراد وہ فرزندی ہے جو عورت و مرد کے ملاپ کے بعد ماں کے پیٹ سے

بچے کی ولادت کی صورت میں ہے تو اس عقیدے پر تم کافر ہوگئے کیونکہ اس طرح تم خدا کو اس کی مخلوق کے مشابہ اور ایسے حادث صفات سے متصف مانتے ہو جس کی بناء پر خدا کا حادث و مخلوق ہونا لازم آتا ہے۔ پھر اس کے لئے بھی کسی خالق کی احتیاج لازم آتی ہے جو اسے پیدا کرے ۔۔۔ یہود نے کہا ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کیونکہ یہ صریحی کفر ہے۔ بلکہ عُزیر کو خدا کا بیٹا کہنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ کرامت اور بزرگی کے اعتبار سے خدا کے فرزند ہیں۔ ان کے اور خدا کے درمیان ولادت کا رشتہ نہیں ہے۔ کرامت کے اعتبار سے فرزند ہونا ایسا ہی ہے جیسے بعض علماء کسی کا اکرام ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنا بیٹا کہتے ہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس سے ولادت مقصود نہیں ہوتی کیونکہ ایسا کلمہ کبھی کبھی اجنبی اشخاص کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس سے کوئی نسبتی تعلق نہ ہو۔ اسی طرح جب خدا نے عزیر کو اکرام عطا کیا تو ان کو اپنا فرزند بنالیا یہ کرامت و عزت کی بناء پر ہے نہ کہ ولادت کی بناء پر۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا میں اس کا جواب دے چکا ہوں کہ اگر عزیر کی فرزندی اس بناء پر ہے کہ وہ توراۃ لائے تو موسیٰؑ خدا کا فرزند ہونے کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ توراۃ کا تعلق ان سے زیادہ ہے۔ اور یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ ہر باطل پرست کو اسی کے اقرار سے رسوا کرتا ہے اور اس کی دلیل کو اسی پر پلٹ دیتا ہے۔ تم نے جو دلیل دی ہے وہ میرے بیان سے زیادہ قوت کے ساتھ تمہاری طرف پلٹتی ہے کیونکہ تم کہتے ہو کہ بعض بزرگان قوم ایسے اجنبی کو کہ جس سے کوئی نسبی رشتہ نہیں ہوتا اسے "اے بیٹے"، "اے میرے فرزند" کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس سے ولادتی و نسبی فرزند ہونا مراد نہیں لیتے تو تم نے یہ بات بھی پائی ہوگی کہ جب کسی کا زیادہ اکرام مقصود ہوتا ہے تو وہ بزرگ کسی کو اپنا بھائی کسی کو اپنا بزرگ و شیخ کسی کو اپنا باپ بھی کہہ دیتے ہیں اور کسی کے اکرام کے طور پر اپنا سردار بھی کہہ کر پکارتے ہیں۔ تو کیا اس قاعدے کی بناء پر تمہارے نزدیک جائز ہے کہ حضرت موسیٰ خدا کے بھائی یا خدا کے بزرگ یا خدا کے سردار ہوجائیں۔ کیونکہ خدا نے ان کو عزیر سے زیادہ عزت و کرامت عطا کی ہے۔ کیا تم اسے مانوگے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ جناب موسیٰؑ کی عظمت و بزرگی زیادہ ہے یہ سن کر یہودی علماء مبہوت ہوگئے۔ حیرت سے کہنے لگے اے محمدؐ مہلت دیجئے کہ آپ کے اس استدلال پر غور کریں۔ آپ نے ان کو مہلت دی اور فرمایا انصاف پسند دلوں سے غور کرو تاکہ خدا تمہاری ہدایت فرمائے۔

پھر آپ نے نصاریٰ سے فرمایا۔ "تم کہتے ہو کہ قدیم ذات (خدا) اپنے بیٹے مسیح سے متحد ہوا۔ اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا یہ مقصود ہے کہ جو قدیم تھا وہ عیسیٰؑ کی طرح حادث و فانی بن گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ عیسیٰؑ جو حادث و فانی تھے وہ قدیم سے مل کر قدیم بن گئے۔ جیسا کہ خدا قدیم ہے۔ یا تمہارے قول کا مطلب یہ ہے کہ خدا جناب عیسیٰؑ سے اتحاد رکھتا ہے یعنی ایسی کرامت سے ان کو مخصوص کیا جس سے کسی اور کو مخصوص نہیں کیا۔ اگر پہلی بات کے قائل ہو کہ قدیم حادث و فانی بن گیا تو یہ بالکل غلط ہے۔ اور محال ہے کہ قدیم حادث بن جائے۔ کیونکہ قدیم وہ ہے کہ جس کے وجود کی ابتداء نہ ہو۔ حادث وہ ہے کہ جس کے وجود کی ابتداء ہو یعنی نہیں تھا پھر وجود میں آئے۔ لہٰذا قدیم کی ہمیشگی فنا کیسے ہوگی اور وہ حادث و فانی کیوں کر بن جائے گا۔ اور اگر دوسری بات مانتے ہو کہ عیسیٰ جو حادث تھے قدیم ہوگئے تو یہ بھی

محال ہے (کیونکہ جو نہیں تھا۔ اب پیدا ہوا وہ ہمیشہ سے کیسے ہو سکتا ہے) اور اگر تمہارا مقصود تیسری بات ہے یعنی خدا سے عیسیٰ کے اتحاد کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے خصوصیت و امتیازی شان عطا کی اور ان کو تمام بندوں پر فضیلت دی ہے تو اس صورت میں تم نے عیسیٰ کے حدوث (مخلوق ہونے فانی ہونے) کا اقرار کر لیا اور اس صفت کو حادث مانا جس کے ذریعہ خدا عیسیٰ سے متحد ہوا کیونکہ جب عیسیٰ حادث ہوئے اور خدا ان سے متحد ہوا یعنی اس نے ان میں ایک بزرگی پیدا کی کہ جس کے سبب وہ خدا کے نزدیک تمام عالم سے مکرم ہو گئے تو عیسیٰؑ اور ان کا یہ وصف دونوں حادث ہوئے اور یہ نتیجہ تمہارے ابتدائی کلام کے خلاف ہے کہ عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں۔

نصاریٰ نے کہا کہ اے محمدؐ جب خدا نے عیسیٰ کے ہاتھوں پر عجیب و غریب معجزات ظاہر کئے کہ جن کا ان سے مشاہدہ ہوا تو خدا نے بر سبیل کرامت ان کو اپنا فرزند بنا لیا۔ (کیونکہ باپ کی کرامتیں فرزند کو ملتی ہیں)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "تم نے سنا ہے میں نے ابھی یہود سے کیا کہا ہے۔ آپ نے اس گفتگو کو دوبارہ بیان کر دیا۔ تو نصاریٰ خاموش ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ اے محمدؐ آپ لوگ کہتے ہیں کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ پھر عیسیٰ کو ابن اللہ کہنے سے کیوں روکتے ہیں ــــ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا یہ دونوں باتیں برابر نہیں۔ لفظ خلیل خَلّۃ سے نکلا ہے جس کے معنی احتیاج و فقر کے ہیں۔ لہٰذا خلیل کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم اپنے رب کی طرف محتاج اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اور غیر خدا سے بالکل بے لگاؤ اور دنیا بھر سے مستغنی تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب آگ میں پھینکے گئے اور منجنیق میں تھے اور خدا نے جبرائیل کو بھیجا کہ میرے بندے تک پہونچو تو جناب ابراہیمؑ جب فضا میں تھے تو جبرائیل ان سے ملے اور کہا جو حاجت ہو بیان کرو کیونکہ مجھے خدا نے تمہاری مدد و نصرت کے لئے بھیجا ہے۔ خلیلؑ نے جواب دیا اللہ میرے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ انھوں نے کہا دیکھو میں اسکے غیر سے سوال نہیں کرتا۔ میری حاجت صرف اسی کی طرف ہے۔ اس موقع پر خدا نے ان کو خلیل کا لقب عطا کیا۔ یعنی اس کے فقیر و محتاج اور تمام دنیا سے کٹ کر اسی سے وابستہ رہنے والے ــــ اور اگر لفظ خلیل خُلّت سے لیا جائے کہ جس کے معنی وسعت و گنجائش کے ہیں تو اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ ابراہیم خدا کی معرفت میں کامل ہوئے۔ اور اس کے ایسے اسرار سے واقف ہو گئے کہ جن پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوا۔ لہٰذا خلیل کے معنی خدا کا عارف اور اس کے امور سے واقف ــــ اور یہ معنیٰ خدا کو مخلوق سے مشابہ نہیں ٹھہراتا۔ اور تم جانتے ہو کہ اگر کوئی باپ اپنے صلبی بیٹے کی توہین کرے، اسے گھر سے نکال دے اور اپنے پاس سے دور کر دے تب بھی وہ بیٹا اپنے باپ کی فرزندی سے جدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ولادت کا وصف باپ کی ذات میں موجود ہے ــ اس کے علاوہ تم نے اس بات کو لازم قرار دیا ہے کہ جس طرح ابراہیم خلیل اللہ تھے اسی طرح عیسیٰ ابن اللہ ہیں تو پھر یہ بھی کہو کہ ابراہیم و موسیٰؑ بھی ابن اللہ ہیں کیونکہ جو معجزات ابراہیمؑ و موسیٰؑ سے ظاہر ہوئے وہ اس شرف و کرامت کے بغیر نہیں ہو سکتے جو عیسیٰؑ کو حاصل تھی۔ لہٰذا موسیٰؑ کو بھی ابن اللہ کہو۔ لہٰذا تمہارے اس مفہوم کی بنا پر یہ بھی جائز ہے کہ عیسیٰ خدا کے شیخ و بزرگ ہوں یا اس کے سید یا عم یا رئیس ہوں جیسا کہ

ہم نے یہود سے کہا ہے۔

یہ سن کر انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ آسمانی کتابوں میں یہ بھی ہے کہ عیسیٰؑ نے فرمایا تھا "میں اپنے باپ کی طرف جا رہا ہوں" پیغمبر اکرمؐ نے یہ سن کر فرمایا اگر تم اس کتاب (انجیل) پر عمل کرتے ہو تو یاد رکھو اس میں یہ عبارت بھی ہے کہ "میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں" لہٰذا اس بات کو تسلیم کرو کہ جن لوگوں سے عیسیٰؑ نے خطاب کیا تھا وہ سب خدا کے فرزند ہیں۔ اس معنی سے کہ جس معنی کے لحاظ سے تم عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہتے ہو۔ اس کے علاوہ اس کتاب (انجیل) میں جو کچھ ہے وہ تمہارے اس قول کو بھی باطل کرتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ اختصاص کی وجہ سے ابن اللہ تھے۔ کیونکہ تمہارا کہنا ہے کہ تم انھیں اسلئے خدا کا بیٹا کہتے ہو کہ خدا نے ان کو ایسے امر کے ساتھ مخصوص کیا تھا جس سے اور کسی کو نہیں نوازا اور تم جانتے ہو کہ جو خصوصیت عیسیٰؑ کو عطا کی گئی تھی وہ اس قوم کو عطا نہیں کی گئی تھی کہ جن سے عیسیٰؑ نے کہا تھا کہ میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں) لہٰذا اس بزرگی کا عیسیٰؑ سے مخصوص ہونا باطل ہو گیا۔ کیونکہ تم ہی لوگ کہتے ہو کہ عیسیٰؑ نے ان لوگوں سے کہا تھا ابیکم (تمہارا باپ) حالانکہ ان کو یہ خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ ایک اور بات بھی ہے کہ جس لفظ کو تم نے بیان کیا ہے تم نے اس کی بے محل تاویل کی ہے۔ کیونکہ جب عیسیٰؑ نے کہا میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جا رہا ہوں تو اس سے انھوں نے وہ معنی مراد لئے تھے جو تمہارا مقصود نہیں ہے اور جب تم نے خواہ مخواہ تاویل کی ہے بلکہ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ میں اپنے باپ آدم و نوح کی طرف جا رہا ہوں۔ خدا مجھے بلند کر کے ان لوگوں تک پہنچا دے گا۔ اور مجھے ان کے ساتھ کر دے گا۔ اور آدم میرے اور تمہارے دونوں کے باپ ہیں اسی طرح نوحؑ بھی۔ عیسیٰؑ کی مراد قطعاً وہ نہیں تھی جو تم نے مراد لیا ہے۔ یہ سن کر نصاریٰ لاجواب ہو گئے اور کہا ہم نے آپ جیسا مباحثہ کرنے والا انسان اب تک نہیں دیکھا۔ اچھا ہم اپنے عقیدے میں غور کرتے ہیں۔ تین دن کے اندر ہی سب مسلمان ہو گئے۔

سورۃ الفلق (مدنیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
کہہ دو میں صبح کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں۔ ہر اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی۔ اور تاریک رات (ہر تاریکی) کے شر سے کہ جب وہ چھا جائے۔ اور گرہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے کہ جب وہ حسد کرے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا "جس نے رات کو سوتے وقت سورۃ الفلق کی تلاوت کی تو اس کے لئے اجر عظیم ہے۔ اور یہ برائی و ضرر اور نظر بد سے حرز و امان ہے۔"

خلاق عالم نے انسانی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء و رسل کا جو سلسلہ ابتدائے آفرینش سے پیغمبر خاتمؐ تک جاری کیا ان کو ظاہری و باطنی ہر کمال اور لباسِ عصمت و طہارت سے آراستہ کر کے بھیجا۔ اور ان کو اپنی ذات و صفات کے تعارف اور اپنے احکام و شرائع کے پہنچانے کا ذریعہ قرار دے کر ان کی اطاعت و رضا کو اپنی اطاعت و رضا اور ان کی نافرمانی و ناراضگی کو اپنی نافرمانی و ناراضگی قرار دیا۔ اسی بنا پر جہاں ان سے کسی قسم کی خطا و سہو کا امکان نہیں وہاں دنیا کی کوئی شے و عمل ان کی فکری و ذہنی صلاحیتوں اور عمل و کردار پر کسی قسم کا نقص و خلل پیدا نہیں کر سکتا! اور نہ ہی شانِ نبوت کے خلاف کوئی جسمانی مرض و نقص ان کو لاحق ہوتا ہے کہ انسانوں کی نفرت کا سبب بن کر کارِ تبلیغ میں رکاوٹ اور انبیاء کی توہین کا سبب بنے اسی طرح کوئی مرض یا سفلی عمل بھی انبیاء کی ذہنی و فکری صلاحیتوں میں خلل و نقص پیدا نہیں کر سکتا۔ جس طرح وہ پیدائشی ہر عیب سے پاک اور ہر کمال سے آراستہ ہوتے ہیں اسی طرح تا حیات اسی کمال پر فائز رہتے ہیں۔ ان کے پیغامات و تعلیمات کے قابل اعتماد ہونے کے لئے ان کا ذہن و فکر سہو و نسیان سے پاک ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی سفلی عمل یا کسی شیطانی قوت کا وسوسہ ان کے فکر و ذہن پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن کریم میں بھی خلاق عالم نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ "یقیناً (اے شیطان) میرے خالص بندوں پر تمہارا غلبہ و اثر نہیں ہو سکتا"

اور پھر خداوند عالم نے پیغمبر اسلامؐ کے قول و فعل اور ارادے کو اپنا قول و فعل اور ارادہ قرار دے کر قرآن کے وجود کو قرآن کی طرح معجزہ قرار دیا ہے ۔ اور معجزہ پر کسی سفلی یا شیطانی عمل کا غلبہ و اثر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا پیغمبر اسلامؐ کے فکر و ذہن پر کسی سحر یا سفلی و شیطانی عمل کے اثر و خلل کو تسلیم کرنا قرآنی تعلیمات و شانِ نبوت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ سحر و شیطان کا معجزہ پر غالب آنا ہے حالانکہ معجزہ پر کسی باطل قوت کا غلبہ و اثر نہیں ہو سکتا۔ باطل و شیطانی قوتیں جب بھی انبیاء کی روحانی قوت و عظمت کے سامنے عاجز آئیں تو انھوں نے انبیاء کو ساحر و سحر زدہ کہا۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ فرعون جب جناب موسیٰؑ کی قوت و معجزات کے سامنے عاجز آگیا تو اس نے جناب موسیٰؑ کو کہا "میرا یقینی خیال ہے کہ اے موسیٰ تم سحر زدہ ہو یعنی تم پر تمہارے ذہن پر جادو کا اثر و غلبہ ہے ۔ اور اس طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ کفار و ظالم لوگ خدا کے انبیاء کو ساحر و سحر زدہ کہتے رہے ہیں ۔ چنانچہ کفار مکہ بھی پیغمبر اسلامؐ کو ساحر و سحر زدہ کہتے تھے ـــ اور خلاق عالم نے مسلسل اپنے انبیاء سے سحر کی نفی کی ہے ۔ لہٰذا عقیدہ نبوت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی سفلی و شیطانی عمل و قوت کا ان کی فکری و ذہنی صلاحیتوں پر اثر و غلبہ نہیں ہو سکتا۔ جب عصاء موسیٰؑ پر سحر کا غلبہ نہیں ہو سکتا تو سردار الانبیاء کے ذہن پر ساحروں کے سحر کا اثر کیوں کر ہو سکتا ہے ۔ شیطانی قوتیں جو جو حربے الٰہی نمائندوں کے خلاف استعمال کرتی رہیں ۔ خلاق عالم ان حربوں سے انبیاء کو آگاہ کرتے ہوئے خود ان کو رد کرتا رہا۔ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس میں شیطانی حربوں سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے بچنے کے لئے تعلیم و تلقین کی گئی ہے ۔ سورۃ الفلق میں پیغمبر اکرمؐ کے خلاف کچھ عورتوں کے جادو کرنے سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے محفوظ رہنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے ۔

ان دونوں سورتوں میں سحر یا شیطانی قوتوں سے پیغمبر اکرمؐ کے ذہن و عمل کے متاثر ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلمان مفسرین اور محدثین نے ان دونوں سورتوں سے پیغمبر اسلامؐ کے ذہن و عمل کے سحر سے متاثر ہونے کی روایات تحریر کی ہیں جن کے مان لینے سے وحی و شریعت پر کامل اعتماد نہیں رہتا بعض مفسرین و محدثین نے تحریر کیا ہے کہ لبید ابن عاصم یہودی اور کچھ یہودی عورتوں یا لبید کی لڑکیوں نے مل کر پیغمبر اکرمؐ کے خلاف جادو کیا کہ جس کا پیغمبر اکرمؐ کے دل و دماغ پر اتنا اثر ہوا کہ آپ جہاں پر ہر وقت پریشان رہنے لگے وہاں آپ کی یادداشت اتنی متاثر ہوئی کہ آپ نے کوئی کام کر لیا ہوتا لیکن خیال کرتے کہ نہیں کیا ہے اور کوئی کام نہیں کیا ہوتا لیکن خیال کرتے کہ کر لیا ہے ۔ اور خیال کرتے کہ اپنی ازواج کے ہاں رات بسر کی ہے لیکن رات نہیں بسر کی ہوتی ـــ لہٰذا اس قسم کی روایات کہ جن سے واضح ہو کہ کسی سفلی و شیطانی عمل نے پیغمبر اکرمؐ کے فکر و ذہن میں خلل ڈال دیا ـــ کسی طرح بھی قابل اعتماد نہیں ۔ پیغمبر اکرمؐ کے لئے سحر کے اثر کو قبول کرنا کفار مکہ کے الزام کی تائید کرنا ہے ۔ پیغمبر اسلامؐ جب مدینہ آئے تو مدینہ میں آباد یہودی قبائل اپنی مذہبی و سیاسی حیثیت کو کمزور و ختم ہوتے دیکھ کر پیغمبر اکرمؐ کے خلاف ہر طرح کی سازش میں مصروف ہو گئے ۔ چنانچہ لبید ابن عاصم یہودی نے پیغمبر اکرمؐ کے خلاف جادو کا عمل کرنے کے لئے پیغمبر اکرمؐ کے سر و ریش مبارک کے کچھ بال حاصل کئے اور چند یہودی عورتوں کے ذریعہ ان بالوں پر جادو کا عمل کیا گیا ۔ یعنی ان بالوں کو ایک تاگے کے ساتھ باندھ کر گیارہ گرہیں دی گئیں اور پھر اس تاگے کو ایک کنوئیں میں پتھر کے نیچے رکھ دیا گیا۔ تو جبرئیل امین سورۃ الفلق اور سورۃ الناس لے کر نازل ہوئے اور جادو کی جگہ سے آگاہ کیا ـــ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ

کو وہ تاگہ لانے کے لئے بھیجا اور جناب عمار یاسر کو ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت علیؑ نے کنویں میں پانی کے سحر سے متاثر ہونے کی پرواہ کئے بغیر اس میں اتر کر وہ تاگہ حاصل کرکے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ پھر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی بالترتیب ایک ایک آیت پڑھ کر اس کی تمام گرہوں کو کھول دیا جس سے جادو باطل ہوگیا۔ ان دونوں سورتوں میں لبید اور اس کے ساتھی عورتوں کے پوشیدہ عمل سے آگاہ کرتے ہوئے سحر و دیگر شیطانی اعمال و تدابیر سے محفوظ رہنے کے لئے خلاق عالم کی حفاظت میں آنے کی تعلیم و تلقین کی گئی ہے۔ قرآن حکیم بفرمان الٰہی ظاہری و باطنی امراض کے لئے شفا ہے۔ اسی بنا پر اس حقیقت کی تعلیم کے لئے پیغمبر اکرمؐ سورۃ الفلق و سورۃ الناس اپنے اپنے نواسوں پر پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح خدا کی رحمت و حفاظت میں آنے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ تفسیر کبیر، تفسیر صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، صحیح ابن ماجہ، مسند احمد حنبل وغیرہ میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ سوتے وقت سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو اپنے اوپر اور اپنے دونوں نواسوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ پر پڑھ کر فرماتے۔ "اعیذکما بکلمات اللہ التامۃ من شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ" میں تم دونوں کو شیطان اور ہر ضرر رساں شئے اور ہر نظر بد سے حفاظت کے لئے ان کلمات تامہ الٰہی کی پناہ میں دیتا ہوں۔" اور پھر فرماتے کہ اسی طرح جناب ابراہیمؑ بھی اپنے دونوں بیٹوں اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کو خدا کی حفاظت و پناہ میں دیا کرتے تھے"

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "پیغمبر اکرمؐ جب بستر پر جاتے تو سورۃ قل ھو اللہ اور سورہ فلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر پڑھ کر دونوں ہاتھ کو اپنے چہرے اور جسم پر جہاں تک ہاتھ جاتے پھیرتے تھے۔"

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ "کہہ دو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں" الفلق کے معنی کسی شئے کو شگافتہ کرنا اور شگافتہ کرکے کسی شئے کو نکالنا۔ اسی بنا پر الفلق کے معنی صبح کے ہیں کہ صبح کی سفیدی رات کے پردے کو شق کرکے روشن دن ظاہر کرتی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے "فالق الاصباح" وہ صبح کو شق کرنے والا ہے" اسی طرح قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ "ان اللہ فالق الحبّ والنوىٰ" یقیناً اللہ دانے و گٹھلی کو شق کرنے والا ہے۔" یعنی بیج و گٹھلی کو شق کرکے پودے و درخت کو وہی نکالتا ہے۔ خلاقِ عالم ہی بطنِ شب کو شق کرکے روشن دن نکالتا ہے۔ وہی زمین کو شق کرکے روشن دن نکالتا ہے۔ وہی بے جان اشیاء کو شق کرکے جاندار اشیا نکالتا ہے۔ وہی جنین کو جرثومے سے نکالتا ہے۔ وہی زمین کو شق کرکے چشمے و نباتات نکالتا ہے۔ وہی عدم کی تاریکیوں سے ایجاد و تکوین کے انوار نکالتا ہے۔ وہی قلوب کے لئے حقائق و معارف کو کھولتا ہے۔ اسی نے آسمان و زمین کو ایک دوسرے سے جدا کیا ہے یعنی ہم اسی خالق و مالک کی حفاظت و پناہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے ابواب خیر کو کھول دے کہ جو شیاطین نے بند کئے ہیں اور ان ابواب شر کو بند کر دے کہ جو شیاطین نے کھولے ہیں۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ "ہر اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ہے"

عالم دو ہیں۔ عالم امر و تکوین۔ اور عالم تشریع۔ عالم تکوین یعنی پوری کائنات کی تخلیق و تنظیم خیر ہی خیر ہے اس کی تخلیق و تدبیر اور تنظیم میں انسانی اختیار کو دخل نہیں ہے۔ اور دوسرا عالم تشریع۔ یعنی انسان اور دیگر مخلوق کے اختیاری اعمال۔ سورۃ الفلق کی اس آیت میں مخلوقات کے ضرر و اثر سے بچنے کے لئے خدا کی حفاظت و پناہ طلب کی گئی ہے کسی بھی چیز کے غلط استعمال سے ضرر و شر پیدا ہوتا ہے۔ ضرر و شر یا اختیاری ہوتا ہے جیسے کفر و ظلم۔ یا غیر اختیاری ہوتا ہے

جیسے درندوں وجانوروں (سامان ضرر) آگ و بائی جراثیم کا ضرر کبھی کبھی نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں کبھی ضرر طبعی وفطری ہوتا ہے جیسے آگ کا جلانا اور کھانے پینے کی ضرر رساں اشیاء ـــــ اور پھر بعض اشیاء کا ضرر پوشیدہ ہوتا ہے۔ جیسے کبھی لذیذ کھانا مہلک بن جاتا ہے اسی طرح مال ودولت اگرچہ موجب راحت ہے لیکن عیاشی ومعصیت میں استعمال کی وجہ سے ضرر وشر بن جاتا ہے۔ اسی طرح غربت پر صبر وشکر ہو تو غربت نعمت بن جاتی ہے اور خدا کی شکایت اور عدل میں شک ہو تو غربت شر بن جاتی ہے۔ یعنی اشیاء کے غلط استعمال سے بھی اکثر شر وبرائی پیدا ہوتی ہے۔ اور ہر خیر دستِ قدرت میں ہے۔ لہٰذا خلاق عالم سے درخواست کی گئی ہے کہ جہاں جہاں جس جس عمل وشئے میں ضرر وشر کا پہلو نکلتا ہے کہ جو تیری نگاہ سے مخفی نہیں ہے اس سے محفوظ رہنے کے لئے ہم تیری حفاظت وپناہ میں آتے ہیں۔ ان آیات میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ (اس شر سے پناہ چاہتا ہوں کہ جو خدا نے پیدا کی ہے) اگر اس طرح ہوتا تو خدا شر وبرائی کا خالق اور انسان مجبور محض بن جاتا۔ بلکہ ان آیات میں خدا کی پیدا کی ہوئی اشیاء کے ضرر رساں پہلو سے بچنے کے لئے خدا کی حفاظت وحمایت حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

اس لئے کہ مادی، معنوی اور اخلاقی اور روحانی ہر قسم کے ضرر وضرر رساں اشیاء سے محفوظ رہنے کے لئے ایسی ذات کی حفاظت وپناہ میں آتے ہیں کہ جو خالق مطلق بھی ہے اور علیم وخبیر بھی ہے اور رؤف ورحیم بھی ہے۔ یعنی کوئی چیز نہ ہی اس کی قدرت سے باہر ہے اور نہ ہی کوئی شئے اس کے علم سے مخفی ہے اور نہ ہی اس سے بڑھ کر کوئی مہربان ہے۔ وہی ذات خلاق عالم کی ذات ہے جو تمام کائنات کا اکیلا مالک وبادشاہ ہے۔ وہی تمام مخلوق کا ملجا وماویٰ ہے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ "اور تاریک رات (دہر تاریکی) کے شر سے جب وہ چھا جائے"

یعنی ہر ہجوم کرکے آنے والی برائی اور ضرر رساں شئے سے خدا کی پناہ میں آتا ہوں۔ غاسق کے معنی گہری وتاریک شب کے ہیں۔ شب کی تاریکی میں شر وبرائی کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ کہیں رات کی تاریکی جان ومال کے لئے خطرہ بن جاتی ہے اور کہیں شیطانی کاموں کے لئے آسانیاں فراہم کرتی ہے۔ اور کہیں گناہوں کا ہجوم دل ودماغ کو تاریک کرکے دل ودماغ کو شیطان کی آماجگاہ بنا دیتا ہے۔ غرض ہر طرح کی ظاہری وباطنی تاریکی جو نورِ ہدایت سے محروم کرکے گناہوں کا ارتکاب وتاریکی کا سبب بنے۔ اس سے محفوظ رہنے کے لئے خالقِ عالم وقادر مطلق کی حفاظت وپناہ میں آنا ضروری ہے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ "اور گرہوں پر پھونکنے والیوں (اور پھونکنے والوں) کے شر سے"

لبید ابن عاصم یہودی اور بعض یہودی عورتوں نے پیغمبر اکرمؐ کے خلاف جادو کیا جس کے شر واثر سے پیغمبرؐ کی ذات ہر طرح محفوظ رہی۔ تمام انسانوں کو سحر اور اسی طرح کے تمام پوشیدہ ضرر رساں اعمال واشیاء سے محفوظ رہنے کے لئے خلاق عالم کی حفاظت وپناہ میں آنے کی تلقین کی گئی ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝ "اور حسد کرنے والے کے شر سے کہ جب وہ حسد کرے"

حسد کسی کے پاس کسی نعمت کو دیکھ کر اس سے نعمت کے چھن جانے کی خواہش کرنا۔ حسد کی وجہ سے صاحبِ نعمت سے کینہ وعداوت پیدا ہوتی ہے جس کی بناء پر حاسد اسے نقصان پہنچانے کی تدبیر وفکر میں رہتا ہے۔ اور پھر حسد کی شدت کی بناء پر

بھائی کے ہاتھوں بھائی کا قتل ہوتا ہے۔ حسد حقیقتاً خدا سے بدگمانی اور تقدیر سے مقابلہ ہے۔ اور عدل خداوندی سے انکار ہے۔ حسد چاہے مادی نعمات پر ہو یا روحانی نعمات پر ہو خدا کی حکمت و وسعتِ رحمت سے انکار و ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ حسد و کینہ اور حاسد کے ارادوں اور حرکات سے بھی حفاظت کے لئے خلاق عالم کی پناہ و حمایت کے سائے میں آنے کی ضرورت ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے "دین کے لئے آفت حسد و بڑائی اور فخر ہے۔"

سورۃ الناس (مدنیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ
صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
(اے رسول) کہدو کہ میں پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے پروردگار کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود کی۔ اس پوشیدہ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے کہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ جنوں سے ہو انسانوں سے ہو۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " جس نے ہر شب میں اپنے گھر میں سورۃ الناس کی تلاوت کی تو وہ جن و وسواس سے محفوظ رہے گا۔ اور جس نے اس سورت کو لکھ کر چھوٹے بچوں کے گلے میں ڈالا وہ بچے باذن الٰہی جنوں سے محفوظ رہیں گے۔ اور جس نے سوتے وقت اسے پڑھا وہ صبح تک خدا کے حفظ و امان میں رہے گا۔ یہ سورۃ ہر درد و تکلیف اور آفت سے حفظ و امان ہے۔ اور پڑھنے والے کے لئے شفا ہے۔

سورۃ الفلق میں خدا کی ایک صفت ربوبیت کے ذریعہ تین ظاہری اعداد و آفات کے ضرر و شر سے محفوظ رہنے کے لئے خلاق عالم کی حفاظت و حمایت کا سہارا لیا گیا ہے۔ غاسق (رات کی گہری تاریکی) نفثٰت (پھونکیں مارنے والیاں) (۳) حاسد اور سورۃ الناس میں خدا کی تین صفات ربوبیت، مالکیت اور الوہیت کے ذریعہ ایک دشمن و آفت یعنی شیطان کے وسوسے سے محفوظ رہنے کے لئے خدا کی حفاظت و پناہ طلب کی گئی ہے۔ سورۃ الفلق میں بدن و نفس کی سلامتی کے لئے خدا کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ اور سورۃ الناس میں دین و ایمان کی سلامتی کے لئے خدا کی تین صفات کا سہارا لیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ بدن و نفس کی سلامتی سے دین و ایمان کی سلامتی زیادہ اہم ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ "کہو میں پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے پروردگار کی"
خلاق عالم کائنات کی ہر شے کا مربی ہے۔ وہی ہر شے کو نقص سے کمال تک پہنچانے کے اسباب فراہم کرتا ہے،

اسی نے جس طرح مادی تربیت کے تمام اسباب فراہم کئے ہیں، اسی طرح روحانی وعقلی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی اسی نے کیا ہے۔ وہی بطن مادر میں انتہائی حقیر جرثومے کی تربیت کے اسباب فراہم کرکے انسانی جسم کی تربیت وتکمیل کرتا ہے۔ وہی مٹی کے اندر جانے والے ہر بیج کی تربیت کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ اسی نے شمس وقمر۔ ہوا پانی، سیاروں کی حرکات دن رات کی تبدیلی اور موسم کی تبدیلی کے ذریعہ انسانی تربیت وبقا کا انتظام کیا ہے۔ اسی نے روحانی تعلیم وتربیت کے لئے بھی انبیاء ورسل کے سلسلہ کو جاری کیا ہے۔ وہ جن وانس اور تمام مخلوقات کا رب حقیقی ہے۔ لہٰذا وہ ہر مخلوق کے لئے پناہ ہے۔ یعنی عقائد باطلہ واعمال فاسدہ سے بچنے کے لئے ربوبیت والوہیت کے سائے میں پناہ طلب کی گئی ہے
تمام کائنات وکائنات کی ہر شئے اسی کی ملکیت ہے۔ کوئی ذرہ اس کی ملکیت سے باہر نہیں ہے۔ اسی کی قدرت قاہرہ سے نظام کائنات قائم ہے۔ فطری وطبعی قوانین اسی کی قدرت کاملہ سے جاری ہیں۔ شرائع وادیان کے احکام اسی کی حکمت بالغہ سے ہیں۔ عزت وذلت اور موت وحیات اور حساب وکتاب اسی کے دست قدرت میں ہے دنیا وآخرت کا بادشاہ حقیقی وہی ہے اسی نے کائنات کی اشیاء کو انسان کی خدمت کے لئے مقرر فرما کر اسے اپنی بادشاہت کا مظہر بنایا۔ یعنی خلیفۃ اللہ بنایا ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ "اسی نے تمہارے لئے آسمان وزمین میں جو کچھ ہے پیدا کیا ہے۔ اور اسی نے رات ودن اور سورج وچاند کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔"

اور مربی کبھی مالک ہوتا ہے اور کبھی مالک نہیں ہوتا۔ لہٰذا مَلِكِ النَّاسِ ۙ کے ذریعے خدا کی ملکیت کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔ پھر مالک کبھی معبود ہوتا ہے اور کبھی معبود نہیں ہوگا۔ لہٰذا اِلٰهِ النَّاسِ ۙ کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ ایسا مربی ومالک ہے کہ جو معبود حقیقی ہے یعنی جس طرح وہ ربوبیت اور مالکیت میں یکتا ہے اسی طرح الوہیت میں بھی یکتا ہے۔

اِلٰهِ النَّاسِ "لوگوں کا معبود"

طوعاً وکرھاً اسی کی عبادت ہے۔ جب تمام کائنات کی تربیت کے اسباب وذرائع کا خالق ومالک اور خود انسان کا بھی خالق ومالک حقیقی وہی ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی وہی اکیلا ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ "چھپ چھپ کر وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے"

شیطان مخفی طور پر انسان کی ذہن وفکر میں وسوسہ ڈال کر اس کے ایمان وعمل کو تباہ کرتا ہے یہ "پوشیدہ طاقتور دشمن ہے لیکن کوئی مخفی فریب کاری خدا کی ذات سے پوشیدہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شئے خدا کی قدرت سے باہر ہے۔ لہٰذا جو ذات انسان وکائنات کی رب اور مالک حقیقی اور معبود حقیقی ہے وہی ذات شیطان ونفس امارہ کی فریب کاریوں سے محفوظ رکھنے کا مہربان ترین وقوی ترین ذریعہ ہے۔

صُدُورِ النَّاسِ ۙ "جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے"

انسانی دل ودماغ شیطانی حملوں کا مرکز ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ جب انسان غافل

ہوتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے پھر جب خدا کو یاد کرتا ہے تو وہ دور ہٹ جاتا ہے۔ پھر جب انسان غافل ہوتا ہے تو وہ پھر وسوسہ ڈالتا ہے۔ اور جب انسان خدا کو یاد کرتا ہے تو وہ دور ہٹ جاتا ہے یعنی انسان کی رگوں میں داخل ہو کر انسانی دل و دماغ کی گہرائی تک پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا خدا کی رحمت و ہدایت ہی انسان کو اس کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۠ ”جنوں سے ہو یا انسانوں سے ہو“

شیطان دو طرح کے ہیں جنوں میں سے کہ جو نظر نہیں آتے۔ دوسرے انسانوں میں سے شیطانی کام انجام دیتے ہیں۔ یہ دونوں طرح کے شیاطین مختلف طریقوں سے انسان کے عقائد و اعمال کو تباہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کے مکر و فریب سے محفوظ رہنے کے لئے قادر مطلق، مالک حقیقی۔ خلاق عالم کی طرف رجوع کرنے کی اس سورۃ میں تعلیم دی گئی ہے۔

مولانا موصوف کی دیگر تصانیف

۱۔ قرآن حکیم اور عصری انکشافات۔

۲۔ فلسفۂ صوم۔

۳۔ فلسفۂ حج و احکام حج۔

۴۔ موت و حیات کی حقیقت (اور حیات نبویؐ)

۵۔ خاک پاک۔

۶۔ غم حسینؑ جزءِ فطرت ہے۔

۷۔ سفر میں نماز روزہ قصر ہے۔ (وجمع بین الصّلاتین)

۸۔ تشریحات برائے درجہ دہم۔

۹۔ تشریحات برائے درجہ دوازدہم۔

۱۰۔ اسلام میں حلت و حرمت کا فلسفہ۔

۱۱۔ حقیقتِ طلاق (کیا تین طلاق ایک ساتھ ہو سکتی ہیں)

۱۲۔ مسلمان کون ہے۔

۱۳۔ مودتِ اہلبیت۔

۱۴۔ تفسیر انوار الفرقان۔

قصرِ مسیب (ای۔۷) رضویہ سوسائٹی۔ کراچی ٹیلیفون نمبر: ۶۲۸۶۵۲

ہدیہ : ستّر روپے